

حیرالکوی

استاد اعظم حضرت امام حسین علیہ السلام

و دیگر مفتیان خیر الدار سے

طی و حققی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

مترجمہ

مولانا مفتی محمد انور رحیم آبادی

مکتبہ اسلامیہ

فتحی کتب خانہ، روضہ ملکات، پاکستان

جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خیر الفتاویٰ

جلد سوم

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ
و دیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

ماہنامہ

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ
جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : **جَوَائِزُ الْفَتَاوَى** (جلد سوم)

باہتمام : حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مرتب : مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ

کل صفحات : ۶۰۸ صفحات

ناشر : **مکتبہ اہل بیت اسلامیہ مسلمان** ۷۲۸

(Phone No. 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

ضروری گزارش

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اگر اس کے باوجود کہیں کتابی غلطیاں نظر آئیں تو
نشانہ دی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جاسکے۔
فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین (ادارہ)

پیشِ لفظ

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدہم
مہتمم جامعہ خیر المدارس - ملتان شہر

از

مُحَمَّدٌ وَفُضِّلَ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ ————— اَمَّا الْبَد :

اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہونے کے لحاظ سے دُنیا کے تمام مذاہب سے ممتاز ہے اسکی تعلیمات، قرآن حکیم، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فقہاء کرام کی اجتہادی کاوشوں کی شکل میں انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گی۔ اس دعویٰ کی صداقت کے لئے ایک دوہیں چودہ صدیوں کی شہادت موجود ہے۔ اس عرصہ میں دین کی سرحدوں پر علماء کرام نے ایک وفادار اور پوکس غلام کی طرح پہرہ دیا ہے۔ قرآن کریم کو (لغوذا باللہ) غیر محفوظ کہنے والے ہوں یا حدیثِ رسولؐ کو بے وقعت ٹھہرانے والے، فقہِ اسلام کو دَورِ ملوکیت کی پیداوار قرار دینے والے ہوں یا احسان و سلوک کو ایفون کا نام دینے والے، ان تمام گروہوں کی ستم کشیوں، پھیرہ دستیوں، کلبے جگری سے مقابلہ کرنے اور سرچشمہ اسلام کا مردانہ وار دفاع کرنے کا شرف و اعزاز اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ انہی علماء ربانیت کی جماعت ہے جس نے اپنی بے بضاعتی اور ابنائے زمانہ کی ناقدر شناسی کے باوجود اپنے فرض منصبی کو نہ صرف نبھایا بلکہ اینوالی نسلوں کے لئے ایسی بنیادیں فراہم کر دیں کہ اسلام کی عمارت مخالفت کے تند و تیز تھپیڑوں و طوفانوں میں بھی پوری قوت و استقامت سے برقرار رہے۔

عصرِ حاضر کے جدید تہذیب و تمدن سے جو نئے نئے مسائل اور اشکالات سر اٹھاتے ہیں اسلام کی روشنی میں انکے حل اور قوم کی رہنمائی کے فریضہ سے علماء کرام نے کبھی کوتاہی اور غفلت نہیں کی۔ مغربی تسلیم پائیوائے حلقوں کا یہ الزام کہ علماء عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہیں صرف اس لئے ہے کہ علماء حق نے شریعت کو باز پیر اطفال بنانے کی اجازت

کسی دور میں نہیں دی اور نہ ہی دورِ جدید کے ”مجتہدین“ کے فکرو ذکاوت سے مرعوب ہو کر اسلام کے ابدی اصولوں کو متزلزل اور محلِ ترمیم ٹھہرایا ہے۔ باقی انسانی زندگی کی بے شمار جزئیات میں پیش آنیوالے ہزاروں مسائل ایسے ہیں کہ عامۃ المسلمین نے اُن کے حل کے لئے ملک کے معتمد دینی اداروں سے رجوع کیا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انہیں جواب نہ دیا گیا ہو یا ان کی تشفی نہ کرائی گئی ہو۔ جامعات کے ”دارالافتاء“ کے ریکارڈ سے یہ شہادت لی جاسکتی ہے کہ اب تک ہزاروں اشکالات و استفسارات کے شافی و مدلل جوابات لاکھوں قلوب کو سکون و طمانیت عطا کر چکے ہیں۔

علیہ السلام اور مفسیانِ عظام کی انہی علمی و دینی کاوشوں کا ایک حسین ثمر ”خیر الفتاویٰ“ کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ جو ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس کے بانی و مہتمم عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ اور دیگر مفسیانِ خیر المدارس کی چالیس سالہ محنتوں کا پختہ ہے۔ اس سے قبل اس سلسلۃ الذہب کی دو کڑیاں منظرِ عام پر آچکی ہیں جنہیں اہل علم سے خراجِ تحسین کے علاوہ ملک و بیرون ملک وسیع تعارفی حلقہ میسر آیا، ہمارے لئے باعثِ صد تشکر ہے۔ اب اسکی تیسری جلد پیش کی جا رہی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اہل نظر حسبِ سابق اس کا استقبال اور قدر افزائی شایانِ شان کریں گے۔

پہلی دو جلدوں کی طرح جلدِ ثالث کی ترتیب و مراجعت بھی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم صد مفتی جہا کی نگرانی اور سرپرستی میں جامعہ کے مفتی و استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب دامت برکاتہم نے فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مساعی حلیلہ کو قبول فرمائیں انشاء اللہ العزیز کچھ وقفہ کے بعد جلدِ رابع بھی منظرِ عام پر آجائے گی۔ تمام ناظرین سے التماس ہے کہ وہ جامعہ، اس کے کارکنان، اساتذہ کرام اور فتاویٰ کی ترتیب و تالیف کے نیوالوں کو اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلہ کو جملہ اہل اسلام کے لئے نافع اور ذریعہ ہدایت فرمائیں۔ آمین !

والسلام ،

محمد صنیف جالسندھری

مہتمم جامعہ خیر المدارس، ملتان

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ
عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ مِنْ
ثَمَرٍ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ بَهْمَهُ
يَصْلَاهَا مِنْ مَوْماً مَحْجُوراً
وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى
لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَشْكُوراً

اجمالی فہرست
خیر الفتاویٰ
(جلد سوم)
باب الجمعة : از صفحہ ۳۵ تا صفحہ ۱۱۹
باب العیدین : از صفحہ ۱۲۰ تا صفحہ ۱۴۴
باب الجنائز : از صفحہ ۱۴۵ تا صفحہ ۳۲۹
کتاب الزکوۃ : از صفحہ ۳۵۰ تا صفحہ ۶۰۵

فہرست مضامین (خیر الفتاویٰ) جلد سوم

نمبر شمار	باب الجمعۃ	صفحہ
۱	جمعہ کے لئے دو خطبوں کا ثبوت	۳۵
۲	خطبہ جمعہ سے پہلے نعتیں وغیرہ پڑھنا	۳۶
۳	خطبہ سننے وقت کیسے بیٹھا جائے	۳۶
۴	جمعہ کی نماز تین بجے درست ہے یا نہیں	۳۷
۵	جمعہ میں خطیب و امام ایک ہی ہونا چاہیئے	۳۸
۶	عورتوں کا جمعہ کے لئے مسجد میں آنا مکروہ ہے	۳۸
۷	جمعہ کی اذان ثانی کے بعد دُعا مانگنے کا حکم	۳۹
۸	اجتماع عید و جمعہ مُسقط جمعہ نہیں	۴۰
۹	اڑھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ درست ہے	۴۱
۱۰	دو ہزار کی آبادی میں جمعہ کا حکم	۴۱
۱۱	دورانِ خطبہ ہاتھ میں عصا لینا	۴۲
۱۲	قریہ صغیرہ میں جمعہ پڑھا گیا تو ظہر ادا کرنی لازم ہے	۴۳
۱۳	جوانی شہر تھا یا قریہ	۴۳
۱۴	شامی کی ایک عبارت سے اردو میں جواز خطبہ پر استدلال اور اسکی جواب	۴۴
۱۵	تحدید ذارِ مصر بفرسخ راجح نیست	۴۶
۱۶	خطبہ جمعہ میں کفار کے لئے بددُعا کرنا کیسا ہے	۴۷
۱۷	عورتوں کا جمعہ کے لئے آنا درست نہیں	۴۸
۱۸	بیع و شہار جمعہ کی کوئی اذان کے بعد حرام ہے	۴۸
۱۹	جمعہ کی اذان ثانی کہاں دی جاتے	۴۹

۴۹	جمعہ میں کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے	۲۰
۴۹	جمعہ کیلئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں	۲۱
۵۰	عدم جواز جمعہ فی القریٰ کے بارے میں مجوزین کے شبہات اور ان کے مسکت جواب	۲۲
۶۲	حجۃ الوداع میں عرفات میں جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ	۲۳
۶۵	سفر ہجرت میں مدینہ منورہ کے محلہ بنو سالم میں جمعہ پڑھنے کی تحقیق	۲۴
۶۶	دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار	۲۵
۶۷	عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک ہی غسل کافی ہے	۲۶
۶۷	غسل جمعہ یوم جمعہ کے لئے ہے یا نماز جمعہ کے لئے	۲۷
۶۸	جمعہ کے دوسرے خطبہ میں اُردو یا پنجابی میں مسائل بتلانا	۲۸
۶۸	امام صاحب نے گھر میں ظہر ادا کی اور مسجد میں آکر جمعہ پڑھایا، تو جمعہ صحیح ہوا یا نہیں	۲۹
۶۹	ضرورت ہو تو جمعہ کی نماز میں بھی قنوت نازل پڑھ سکتے ہیں	۳۰
۶۹	خطبہ شروع ہو جائے تو سنتیں نہ پڑھی جائیں	۳۱
۷۰	مصر کی مفتی بہ تعریف	۳۲
۷۲	فوجی معمول کی مشقوں کے لئے ویران جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو وہاں جمعہ نہ پڑھیں	۳۳
۷۳	خطبہ مسنونہ کی مقدار	۳۴
۷۴	خطبہ جمعہ سننا واجب ہے	۳۵
۷۵	شہر سے ڈیڑھ میل دُور رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں	۳۶
۷۵	جمعہ کے دونوں خطبے برابر ہونے چاہئیں	۳۷
۷۶	جو شخص جمعہ کے التحیات میں شریک ہو وہ بھی جمعہ پڑھے	۳۸
۷۶	خطبہ جمعہ میں خلفاء راشدینؓ کا ذکر	۳۹

۷۷	تالین جمعہ فی القری کے دو منالطوں کا جواب	۴۰
۷۹	دیہات کے ایسے بازاروں میں جہاں مستقل سکونت آبادی نہ ہو وہاں جمعہ جائز نہیں	۴۱
۸۲	جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں	۴۲
۸۳	جمعہ ہر موسم میں اول وقت میں ادا کیا جائے	۴۳
۸۴	مصر وہی ہے جو مصر سمجھا جاتا ہو	۴۴
۸۵	دوران خطبہ نپکھا کرنا	۴۵
۸۵	جمعہ کی نیت کر کے اقتدار کی اور امام ظہر پڑھا رہا تھا	۴۶
۸۶	جمعہ کے دن دکان کھولنے پر حکومت کا چالان کرنا	۴۷
۸۶	زبانی خطبہ بہتر ہے یا دیکھ کر	۴۸
۸۷	دیہاتی جمعہ کے دن شہر آ جانے تو اس کے لئے جمعہ کا حکم	۴۹
۸۷	ناخن وغیرہ کاٹنے کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے	۵۰
۸۸	جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھنے کا فائدہ	۵۱
۸۸	جمعہ کے دن کافر کو عذاب قبر ہوتا ہے یا نہیں	۵۲
۸۹	جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان طویل دعا کرنا	۵۳
۸۹	دوران خطبہ کسی کو اشارہ سے خاموش کرانا	۵۴
۹۰	تیمار دار مریض کے پاس رہے یا جمعہ کے لئے چلا جائے	۵۵
۹۰	پہلے سلام کے بعد شرکت کر نیوالے کا حکم	۵۶
۹۰	جو جمعہ کا خطبہ نہ سُن سکا اس کے جمعہ کا حکم	۵۷
۹۱	خطبہ جمعہ کے شروع میں دو دفعہ الحمد للہ کہنا	۵۸
۹۱	دونوں خطبوں کے درمیان دعا کیسے کریں ؟	۵۹
۹۱	جمعہ کی بعد یہ سنتوں کے بعد اجتماعی دُعا	۶۰
۹۲	جمعہ کے خطبہ میں منکرین ختم نبوت کی تردید کرنا	۶۱

۶۲	نیتِ جمعہ میں استغاثہ ظہر کو ضروری قرار دینا	۹۳
۶۳	دورانِ خطبہ کوئی اعتراض کرے تو اس کا جواب دینا	۹۳
۶۴	بوقتِ خطبہ فوت شدہ نماز یاد آگئی تو کیسے کرے ؟	۹۴
۶۵	مسجد میں تکرارِ جمعہ کا حکم	۹۵
۶۶	کیا جمعہ کے دن قبرستان جانا درست ہے ؟	۹۵
۶۷	بلا خطبہ نمازِ جمعہ کا حکم	۹۵
۶۸	اللہم اغفر للعباس وولدہ کی تحقیق	۹۶
۶۹	جمعہ کی سننیں گھر میں پڑھنا	۹۷
۷۰	شدید بارش ہو رہی ہو تو جمعہ کے لئے جانے کا حکم	۹۷
۷۱	خطیب کو وضو کی حاجت پیش آجائے تو کیا کرے ؟	۹۷
۷۲	جمعہ کی نماز کے بعد سوال کرنے کا حکم	۹۸
۷۳	نابینا پر جمعہ فرض ہے یا نہیں ؟	۹۸
۷۴	جمعہ کے لئے سواری پر آنا بہتر ہے یا پیادل	۹۹
۷۵	کیا خطبہ اونچا پڑھنا ضروری ہے	۹۹
۷۶	کلام اللہ کی تلاوت جاری رکھیں یا وعظ سمجھیں	۹۹
۷۷	خطبہ دیتے وقت دائیں بائیں حاضرین کی طرف نظر کرنا کیسا ہے ؟	۱۰۰
۷۸	تقریر جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں ؟	۱۰۰
۷۹	مسافر جمعہ کی اذان سننے کے بعد سفر نہ کرے	۱۰۰
۸۰	مقتدی سائے نابالغ ہوں تو جمعہ کا حکم	۱۰۱
۸۱	خطبہ جمعہ سے قبل حاضرین کو السلام علیکم کہنا	۱۰۱
۸۲	ہوائی جہاز میں جمعہ پڑھنے کا حکم	۱۰۲
۸۳	جمعہ کے دن بال نماز جمعہ سے پہلے ترشوائیں یا بعد میں	۱۰۲
۸۴	جمعہ کی پہلی چار سننوں میں قعدہ اولیٰ میں شہد پر اضافہ کا حکم	۱۰۳

۸۵	جمعہ کی نماز میں مسنون قرأت	۱۰۳
۸۶	تبلیغی جماعتوں کا زوال سے پہلے شہر سے جانا	۱۰۴
۸۷	جمعۃ الوداع عید گاہ میں ادا کرنا	۱۰۴
۸۸	جمعہ کے سلام کے بعد دعا مختصر ہو یا لمبی	۱۰۴
۸۹	جمعہ کے دن کثرت درود کی مقدار	۱۰۵
۹۰	امام کے لئے نماز جمعہ میں آیت سجدہ پڑھنے کا حکم	۱۰۵
۹۱	ٹیپ سے نشر شدہ خطبہ کا حکم	۱۰۵
۹۲	جمعہ میں اتنی تاخیر ہو گئی کہ ظہر کا وقت ختم ہو گیا تو جمعہ کا حکم	۱۰۶
۹۳	شب جمعہ، جمعہ اور رمضان میں مرنیوالے کو عذاب قبر نہیں ہوگا	۱۰۶
۹۴	جمعہ میں شرکت سے معذور جمعہ کے بعد ظہر ادا کریں	۱۰۷
۹۵	مختلف بستیاں مل کر جمعہ ادا نہیں کر سکتیں	۱۰۷
۹۶	خطبہ میں حاضرین کا درود پڑھنا	۱۰۸
۹۷	نا بالغ اگر خطبہ دیدے تو کیا خطبہ جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟	۱۰۸
۹۸	حضرت نالوتوی قدس سرہ اور دیہات میں جمعہ	۱۰۸
۹۹	جمعہ فی القرای کے بارے میں مذہب غیر پر عمل کرنا	۱۰۹
۱۰۰	اذان اول کے بعد درس و تدریس	۱۰۹
۱۰۱	جمعہ کے بعد بھی بحیرہ شرقی پڑھی جائیں	۱۰۹
۱۰۲	جمعہ کے لئے اول آنے سے کونسا وقت مراد ہے	۱۱۰
۱۰۳	فجر کی نماز رہ جائے تو جمعہ کی نماز کا حکم	۱۱۱
۱۰۴	جمعہ کی رات کو مرنے والے کی تدفین کو جمعہ تک مؤخر کرنا	۱۱۱
۱۰۵	جمعہ کے خطبہ میں حاکم وقت کے لئے عدل و انصاف کی دعا کرنا	۱۱۲
۱۰۶	بوقت خطبہ سر پر عمامہ باندھنا	۱۱۲
۱۰۷	ناکھٹا مزدور کو جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں ؟	۱۱۲
۱۰۸	جو شہر قرۃ صغیرہ بن جائے وہاں جمعہ کا حکم	۱۱۳

۱۱۳	جہاں جمعہ درست نہیں وہاں ظہر باجماعت پڑھیں	۱۰۹
۱۱۳	جمعہ کی ابتدائی سُننیں اگر وہ جائیں تو بعد میں ادا کی نیت سے پڑھیں	۱۱۰
۱۱۴	کیا خطبہ کے لئے منبر ضروری ہے؟	۱۱۱
۱۱۴	نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جمعہ کا حکم	۱۱۲
۱۱۴	خطبہ کے لئے قیام فرض ہے یا سُنّت؟	۱۱۳
۱۱۵	بوقت خطبہ سامعین قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوں	۱۱۴
۱۱۵	جہاں کثرتِ اثر و ہام کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ ملے	۱۱۵
۱۱۵	خطبہ کے بعد اقامت سے پہلے صفیں سیدھی کرنے کے بارے میں کہنا	۱۱۶
۱۱۶	صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا	۱۱۷
۱۱۶	خطبہ کی جگہ قرآن مجید کا رکوع پڑھنا	۱۱۸
۱۱۷	جمعہ کے دن مقبولیت کی گھڑی کا صحیح وقت کون سا ہے؟	۱۱۹
۱۱۸	وذوالبیع الایۃ سے جمعہ کے لئے مصر کے ضروری ہونے پر استدلال کرنا	۱۲۰
۱۱۹	جامع مسجد نئی بنا لی جائے تو پُرانی میں جمعہ ترک کر سکتے ہیں	۱۲۱
۱۱۹	جمعہ سے پہلے ظہر ادا کر لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں	۱۲۱

بَابُ الْعِيدِ

۱۲۱	تکبیراتِ عیدین واجب ہیں	۱۲۲
۱۲۱	نمازِ عید زوال تک پڑھ سکتے ہیں	۱۲۳
۱۲۲	جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا	۱۲۴
۱۲۲	عید گاہ آبادی کے اندر آجائے تو وہ جہانِ صحرا کے حکم میں نہیں	۱۲۵
۱۲۳	تکبیراتِ تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ کہی جائیں یا تین دفعہ	۱۲۶
۱۲۳	نمازِ عید واجب ہے اور اسے سُنّت سمجھنے والے کی اقدار کا حکم	۱۲۷
۱۲۳	عید مبارک کہنے کا حکم	۱۲۸
۱۲۵	تکبیراتِ تشریق نمازِ عید کے بعد بھی کہی جائیں	۱۲۹

۱۲۵	چھوٹے دیہاتوں میں عید پڑھنے کا حکم	۱۳۰
۱۲۶	عیدین کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے	۱۳۱
۱۲۶	جو عید کا خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھائے	۱۳۲
۱۲۶	عیدین میں دُعا نماز کے بعد مانگی جائے	۱۳۳
۱۲۶	عید میں اگر دوسرا خطبہ چھوڑ دیا تو عید کا حکم	۱۳۴
۱۲۶	عیدین کے بعد مصافحہ کرنا	۱۳۵
۱۲۸	عیدین میں خطبہ کے بعد دعا کا کسی درجہ میں بھی ثبوت نہیں	۱۳۶
۱۳۱	عید الاخاف عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں	۱۳۷
۱۳۳	اگر امام نے چھ سے زائد تکبیریں کہیں تو نماز ہوگئی یا نہیں؟	۱۳۸
۱۳۳	عیدین میں تکبیرات زوائد کے بعد شامل ہونے والا تکبیرات کب کہے	۱۳۹
۱۳۴	عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا تو عید کا حکم	۱۴۰
۱۳۵	عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات جہراً پڑھیں یا سراً	۱۴۱
۱۳۵	پہلے دن عید الفطر پڑھ سکیں تو دوسرے دن پڑھنے کا حکم	۱۴۲
۱۳۶	خطبہ عیدین کے درمیان چندہ جمع کرنا	۱۴۳
۱۳۶	عیدین میں مسنون قرأت	۱۴۴
۱۳۶	عید کے دن ہر ایک کے لئے ہنا نامستحب ہے	۱۴۵
۱۳۶	فائزہ پڑھنے کے بعد تکبیرات یاد آئیں	۱۴۶
۱۳۶	کیا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر آکر نوافل پڑھنا مستحب ہے	۱۴۷
۱۳۸	عید کے چاند کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا حکم	۱۴۸
۱۴۰	عید سے پہلے نوافل پڑھنے کا حکم	۱۴۹
۱۴۰	امام نے بے وضو عید پڑھا دی تو کیا کیا جائے؟	۱۵۰
۱۴۱	جو نماز کا عادی نہ ہو اس کا عیدین میں شریک ہونا	۱۵۱
۱۴۱	عید گاہ میں حدیث لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم	۱۵۲
۱۴۱	عیدین کے لئے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں	۱۵۳

۱۵۲	عید کے روز ایک دوسرے کو کہنا " اللہ قبول کرے " — — —	۱۴۲
۱۵۵	روزہ رکھ کر عید پڑھانا — — — — —	۱۴۲
۱۵۶	امام مردوں کو مسجد میں عید پڑھا کر گھر میں عورتوں کو عید نہیں پڑھا سکتا — — —	۱۴۳
۱۵۷	عید الاضحیٰ اگر بے وضو پڑھی گئی تو قربانی ہو گئی ہے یا نہیں ؟ — — —	۱۴۴
	جو نماز ہو چکنے کے بعد عید گاہ پہنچا وہ بطریق ذیل بار نفل پڑھتے — — —	۱۴۴
باب الجنائز		
۱۵۸	پھوٹے بچہ بچی کو ہر ایک غسل دے سکتا ہے — — — — —	۱۴۶
۱۵۹	بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ولا عکس — — — — —	۱۴۶
۱۶۰	حضرت علیؓ کے حضرت فاطمہؓ کو غسل دینے کی حقیقت — — — — —	۱۴۷
۱۶۱	غسل کے وقت میت کو کیسے لٹایا جائے — — — — —	۱۴۷
۱۶۲	میت کو غسل دینے والے کے لئے غسل کا حکم — — — — —	۱۴۸
۱۶۳	ٹوک کے نیچے دب کر مرنیوالوں کو غسل و کفن دیا جائے — — — — —	۱۴۸
۱۶۴	جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو غسل و جنازہ کا حکم — — — — —	۱۴۸
۱۶۵	غسل کے بعد نجاست خارج ہو تو دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں — — — — —	۱۵۰
۱۶۶	میت کو غسل دینے والا بدون غسل جنازہ پڑھا سکتا ہے — — — — —	۱۵۰
۱۶۷	خفیہ مشکل کو صرف تیمم کرایا جائے — — — — —	۱۵۰
۱۶۸	سُنی، شیعہ کو غسل کیسے دے ؟ — — — — —	۱۵۱
۱۶۹	قبے گرانا ممنوع نہیں نیز ابن سعود سے صراحۃً " گرانے کا حکم دینا ثابت نہیں — — — — —	۱۵۲
۱۷۰	دعائے عند القبر کے وقت رُخ رکھو ؟ — — — — —	۱۵۲
۱۷۱	لحد کتنی وسیع ہو ؟ — — — — —	۱۵۳
۱۷۲	میت کو لحد میں کر وٹ دیجائے قبر رُخ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں — — — — —	۱۵۳
۱۷۳	دفن کے بعد تلقین کا حکم اور اس کے الفاظ — — — — —	۱۵۴
۱۷۴	امانتہ " دفن کرنے کے بعد بھی لکانا جائز نہیں — — — — —	۱۵۵

۱۵۵	قبر کے گرد چار دیواری بنانا بھی مکروہ ہے	۱۷۵
۱۵۶	خالی قبر میں غلہ بھرنا گناہ ہے	۱۷۶
۱۵۶	مردہ بچے کو کہاں دفن کیا جائے ؟	۱۷۷
۱۵۷	قبر پر دُعا کرتے ہوئے رفع ایدی کا حکم	۱۷۸
۱۵۷	قبروں پر کھانا پلکا کر کھلانا جائز نہیں	۱۷۹
۱۵۸	قبر پر چھڑ کاؤ کرنے کا حکم	۱۸۰
۱۵۸	بہت ہی پرانی قبر میں نئی تدفین کا حکم	۱۸۱
۱۵۹	وقف قبرستان میں زندگی میں قبر بنوانے کا حکم	۱۸۲
۱۵۹	مٹی ڈالتے وقت قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے	۱۸۳
۱۵۹	لا وارث میت کو کہاں دفن کیا جائے ؟	۱۸۴
۱۶۰	ارض غیر میں بلا اجازت قبر بنالی جائے تو مسمار کرنے کا حکم	۱۸۵
۱۶۰	غلطی سے قبر بچستہ بنا دی گئی تو کیا کیا جائے ؟	۱۸۶
۱۶۱	گھر میں دفن کرنے کی وصیت درست نہیں اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں	۱۸۷
۱۶۲	نیم بچستہ قبر کا حکم	۱۸۸
۱۶۲	قبر میں پیسے رہ جائیں تو نکالنے کے لئے نبش قبر کا حکم	۱۸۹
۱۶۳	قبر پر اذان دینا بدعت ہے	۱۹۰
۱۶۳	عام قبرستان میں تدفین بہتر ہے	۱۹۱
۱۶۴	قبرستان کے راستے پر چلنے کا حکم	۱۹۲
۱۶۵	بہت نرم زمین میں بچستہ قبر بنانا جائز ہے	۱۹۳
۱۶۵	اپنی مملوکہ زمین میں قبر بنوانے کا حکم	۱۹۴
۱۶۵	تدفین مکمل ہو جانے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے	۱۹۵
۱۶۶	میت کو لکڑی کے تابوت میں رکھنے کا حکم	۱۹۶
۱۶۶	ضرورت کی وجہ سے قبر بچستہ بنانے کا حکم	۱۹۷

۱۶۷	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روضۂ اطہر میں تدفین سے ممانعت کرنیکی وجہ	۱۹۸
۱۶۸	قبر پر دُعا کھڑے ہو کر کی جائے یا بیٹھ کر	۱۹۹
۱۶۹	قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں	۲۰۰
۱۷۰	قبر پر کتبہ لگانا	۲۰۱
۱۷۱	قبر کو سجدہ کرنا سخت حرام ہے	۲۰۲
۱۷۲	دفن مسنون طریقے پر نہ ہو تو نبش کا حکم	۲۰۳
۱۷۹	میت کی وصیت کردہ جگہ میں دفن کرنے کے لئے دفن کے بعد قبر کھود کر	۲۰۴
	میت لے جانے کا حکم	
۱۸۱	قبر میں ”من نبیک“ سے سوال ہو گا یا ”ما تقول فی هذا الرجل“ سے	۲۰۶
۱۸۲	بخازہ گاہ متعین اور وقف ہو تو کسی کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں	۲۰۷
۱۸۳	بخازہ کے آگے آگے لغت خوانی بدعت ہے	۲۰۸
۱۸۳	خطائے خود کشی کو نیوالے کا بالا جماع بخازہ پڑھا جائے	۲۰۹
۱۸۴	بخازہ لیجاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے	۲۱۰
۱۸۴	نماز کا وقت ہو اور بخازہ موجود ہو تو کسے مقدم کرنے	۲۱۱
۱۸۵	قبروں پر قبے بنانے کا حکم	۲۱۲
۱۸۶	جسے دُعا بخازہ یاد نہ ہو وہ کیا کرے؟	۲۱۳
۱۸۶	لوٹ مار اور واردات کو نیوالے کا بخازہ نہ پڑھا جائے	۲۱۴
۱۸۷	قبر سامنے ہو تو بخازہ پڑھنے کا حکم	۲۱۵
۱۸۷	نماز بخازہ کا تکرار روا نہیں	۲۱۶
۱۸۸	نماز بخازہ کے آگے سے گزرنے کا حکم	۲۱۷
۱۸۸	قبر پر تیسرے دن کے بعد نماز بخازہ نہ پڑھی جائے	۲۱۸
۱۸۹	ولی جس سے چاہے نماز پڑھوا سکتا ہے	۲۱۹
۱۹۰	عورتوں کا بخازہ کے ساتھ جانا مکروہ ہے	۲۲۰
۱۹۰	شیعہ کا بخازہ ہرگز نہ پڑھنا چاہیے	۲۲۱

۱۹۱	طوائف کے جنازے کا حکم	۲۲۲
۱۹۱	جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ	۲۲۲
۱۹۲	نماز جنازہ میں حاضریت کی نیت کرنا	۲۲۴
۱۹۲	عیدین کے وقت جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے ؟	۲۲۵
۱۹۲	آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ میں کونسی دُعا پڑھی گئی	۲۲۶
۱۹۳	نیت باہر اور نمازی مسجد میں ہوں تو بھی ظاہر مذہب میں مکروہ ہے	۲۲۷
۱۹۳	عینِ دوپہر کے وقت جنازہ درست نہیں	۲۲۸
۱۹۳	جنازہ کی چاروں بحیروں میں رفع یدین کا حکم	۲۲۹
۱۹۵	جو تمام جل جائے تو اس پر جنازہ نہ پڑھا جائے	۲۳۰
۱۹۵	ہر میت کا جنازہ علیحدہ ہو	۲۳۱
۱۹۶	خودکشی کرینوالے کی نماز جنازہ کے بارے میں	۲۳۲
۱۹۶	غائبانہ نماز جنازہ کا حکم	۲۳۳
۱۹۶	جس میت کے بارے میں مسلمان ہونے کا علم نہ ہو تو اس پر جنازہ کا حکم	۲۳۴
۱۹۷	بوقتِ غروب پڑھی گئی نماز جنازہ کا حکم	۲۳۵
۱۹۷	جنازہ میں قرأت ثابت نہیں	۲۳۶
۱۹۸	عید گاہ میں جنازہ پڑھنے کا حکم	۲۳۷
۱۹۸	سینوں کا جنازہ شیعہ نہ پڑھیں	۲۳۸
۱۹۹	جنازہ کی نیت میں فرض کفایہ کہنا ضروری نہیں	۲۳۹
۱۹۹	نماز جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ کھول دیئے جائیں	۲۴۰
۲۰۰	جنازہ اٹھانے سے بصرہ معاف ہوتا ہے یا صغیرہ	۲۴۱
۲۰۱	کبھی قبرستان میں آئندہ مردے دفن نہ کرنے کا یقین ہو تو اس جگہ کو	۲۴۲
	دینی درس گاہ بنا سکتے ہیں	
۲۰۵	بزرگوں کی قبر کی زیارت کے لئے دُور دراز کا سفر کرنا	۲۴۳
۲۰۶	اطفالِ مشرکین کا حکم	۲۴۴
۲۰۶	قبرستان کی زائد آمدنی دوسرے قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں	۲۴۵

۲۰۷	اہل میت خود اپنے گھر کا کھانا پکا سکتے ہیں	۲۴۶
۲۰۸	اولیاء کرام کے مزارات پر جانا	۲۴۷
۲۰۹	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آنحضرت علیہ السلام کا جنازہ پڑھنے کا ثبوت	۲۴۸
۲۱۰	حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جنازہ کس نے پڑھایا ؟	۲۴۹
۲۱۱	قاتل کو پھانسی دیدی جائے تو اس کے اولیاء کے ذمہ کچھ باقی نہیں	۲۵۰
۲۱۱	جس تابوت میں لاش لائی گئی ہو اس کے استعمال کا حکم	۲۵۱
۲۱۲	قبرستان کے درختوں کا حکم	۲۵۲
۲۱۲	عورت کو قبر میں اس کے محرم اتاریں	۲۵۳
۲۱۳	خائف ہوں پر ڈالی ہوئی چادریں وغیرہ اٹھانا	۲۵۴
۲۱۳	ایصالِ ثواب تمیک کر کے کرنا	۲۵۵
۲۱۴	ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری نہیں	۲۵۶
۲۱۴	مختلف اموات کو ثواب بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے	۲۵۷
۲۱۵	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ کس نے پڑھایا ؟	۲۵۸
۲۱۵	جنازہ کو سلامی دینا	۲۵۹
۲۱۶	میت کا مرتبہ کہنے کا حکم	۲۶۰
۲۱۶	جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم	۲۶۱
۲۱۷	قبرستان کی خالی جگہ وضو وغیرہ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں	۲۶۲
۲۱۸	اجنبی میت کا پہرہ دیکھنا	۲۶۳
۲۱۸	تعزیت میں کیا کہا جائے ؟	۲۶۴
۲۱۸	سوگ میں چند منٹ کی خاموشی اور پرہیز سرنگوں کرنے کا حکم	۲۶۵
۲۱۹	ترکہ تقسیم کرنے سے قبل صدقہ کرنا ہو تو اسکی ایک صورت	۲۶۶
۲۱۹	مزارات پر مردہ عرس مکروہ اور بدعت ہیں	۲۶۷
۲۲۱	قبرستان کو کوئی بھی نہیں بیچ سکتا	۲۶۸
۲۲۱	قبرستان میں جو تا بہن کر چلنے کا حکم	۲۶۹

۲۲۲	دفن کے بعد چالیس دن تک قبر پر حاضری دینا	۲۷۰ (ا)
۲۲۲	جنازہ کہاں دفن ہوتے ہیں	۲۷۰ (ب)
۲۲۳	کافر، مسلمان کی وصیت کا گواہ نہیں بن سکتا	۲۷۱
۲۲۳	جنازہ کا اعلان مسجد میں	۲۷۲
۲۲۳	قربانی کی کھالوں کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدنا	۲۷۳
۲۲۴	بعد از نماز جنازہ اجتماعی کلمہ و قیام	۲۷۴
۲۲۴	کیا نسی میت کو لینے کے لئے پُرانی آتی ہیں	۲۷۵
۲۲۵	آنکھیں دینے کی وصیت کر جانے کا حکم	۲۷۶
۲۲۵	کافر کی صرف تعزیت جائز ہے جنازہ پڑھنا یا قبرستان جانا جائز نہیں	۲۷۷
۲۲۶	کنواری عورت کے لئے بہشت میں	۲۷۸
۲۲۶	اہل میت دفن سے پہلے کھانا کھا سکتے ہیں	۲۷۹
۲۲۷	جو میت کی چارپائی اٹھائے کیا وہی واپس لائے	۲۸۰
۲۲۷	قبروں پر چھت ڈال کر اوپر رہائشی مکان بنانا	۲۸۱
۲۲۸	قبر سے مراد عالم برزخ ہے یہ گڑھا مراد نہیں	۲۸۲
۲۲۸	صاحب قبر کے وسیلے سے دعا کرنا	۲۸۳
۲۲۹	اگر کوئی شخص قبرستان کے درخت استعمال کر لے تو انکی قیمت قبرستان	۲۸۴
	کی ضروریات پر لگا دے	
۲۳۰	قبر پر ڈالی گئی چادر کو کاٹنا	۲۸۵
۲۳۰	اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے	۲۸۶
۲۳۱	کیا جمعرات کو ارواح گھر آتی ہیں ؟	۲۸۷
۲۳۲	ایصال ثواب کے لئے اجرت پر قرآن پڑھوانا	۲۸۸
۲۳۲	میت کی مجلس بدعات میں تاویل کے ساتھ شرکت کرنا	۲۸۹
۲۳۳	بے نماز کی میت کو جنازہ کے وقت ڈھیلے مارنا	۲۹۰
۲۳۵	دش محرم کو قبروں کی لپٹائی کرنا	۲۹۱
۲۳۶	انہ آنحضرت علیہ السلام کا ہر قبر میں آنا ثابت ہے اور نہ میت سے لیکر	۲۹۲
	روزہ اظہر تک پڑے ہٹائے جانے کا کوئی ثبوت ہے	

۲۳۶	تدفین سے فارغ ہونے کے بعد کیا کیا جائے ؟	۲۹۳
۲۳۷	میت کو قبرستان کیسے لیجا یا جائے ؟	۲۹۴
۲۳۸	جوان عورتیں قبرستان نہ جائیں	۲۹۵
۲۳۹	”بیڑی بھاڑہ کی شریعت میں کوئی اصل نہیں	۲۹۶
۲۴۰	اولیاء میت سے اجازت لئے بغیر دفن سے پہلے نہیں لوٹنا چاہیے	۲۹۷
۲۴۰	قبرستان مٹا جائے تو بھی قبرستان ہی رہے گا	۲۹۸
۲۴۱	خانہ بدوش اپنی میت منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں ؟	۲۹۹
۲۴۱	مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا	۳۰۰
۲۴۳	کفن دفن کی فہم بنانا	۳۰۱
۲۴۳	میت کے گرد کچی اینٹیں اور ان کے پیچھے پچی اینٹیں لگانا	۳۰۲
۲۴۴	والدین کی قبر کا بوسہ جائز نہیں	۳۰۳
۲۴۴	میت کے ساتھ حلوہ پکا کر لیجانا	۳۰۴
۲۴۵	زندگی میں قبہ منسا قبر بنوانا	۳۰۵
۲۴۵	قبرستان میں یثوب ویل لگانا	۳۰۶
۲۴۶	حدود مسجد میں دفن کرنا	۳۰۷
۲۴۶	دفن کے وقت کانے وغیرہ استعمال کرنا	۳۰۸
۲۴۷	قبر کو بوسہ دینے کا حکم	۳۰۹
۲۴۷	عذاب قبر سے محفوظ رہنے کی بشارات جمعہ کی رات یا دن کو مرنوالے کے لئے	۳۱۰
	لے دفن ہونوالے کے لئے نہیں	
۲۴۸	قبر زمین سے ایک بالشت اونچی ہو	۳۱۱
۲۴۸	خاوند بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے	۳۱۲
۲۴۹	قبرستان زیر آب آ جائے تو لعشوں کو منتقل کرنے کا حکم	۳۱۳
۲۵۰	دفن سے پہلے قبر میں سورہ ملک پڑھنا	۳۱۴

۲۵۰	چالیس قدم ہٹ کر دُعا مانگنا	۳۱۵
۲۵۰	بحری جہاز میں مرنے والے کا حکم	۳۱۶
۲۵۱	اگر قبر احاطہ مسجد میں آجائے تو اس کا کیا کریں ؟	۳۱۷
۲۵۱	قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے	۳۱۸
۲۵۲	میت کے لئے ڈھیلے استعمال کرنا	۳۱۹
۲۵۲	مردے کے مصنوعی دانت نکال لئے جائیں	۳۲۰
۲۵۳	میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھیں ؟	۳۲۱
۲۵۳	جُفنی کا غسل دینا مکروہ ہے	۳۲۲
۲۵۳	مردہ بچے کے غسل کا حکم	۳۲۳
۲۵۴	خنثی مشکل کو کون غسل دے ؟	۳۲۴
۲۵۵	میت کو کون غسل دے ؟	۳۲۵
۲۵۵	غسل کو وارث کے انتظار میں مؤخر کرنا	۳۲۶
۲۵۵	عورت کو کوئی بھی غسل دینے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا کریں ؟	۳۲۷
۲۵۶	کفن پر کلنڈر طیبہ لکھنا ، جنازہ پر کلنڈر طیبہ والی لکھی ہوئی چادر ڈالنا	۳۲۸
۲۵۶	محرم کو عام میت کی طرح کفن دیا جائے	۳۲۹
۲۵۷	مسجد میں کفن سینے کا حکم	۳۳۰
۲۵۷	عورت کے کفن کی تفصیل	۳۳۱
۲۵۸	جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا	۳۳۲
۲۵۸	میت پر کفن سے زائد چادریں ڈالنا	۳۳۳
۲۵۹	عالم میت کو کفن میں عمامہ پہنانا	۳۳۴
۲۵۹	غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن کے ساتھ رکھنا	۳۳۵
۲۶۰	کفن دیتے وقت عورت کے بال کیسے رکھے جائیں	۳۳۶
۲۶۰	بالغ اور نابالغ کے کفن کا فرق	۳۳۷

۲۳۸	محتضر (قریب المرگ) کے پاس حائضہ وغیرہ نہ بیٹھے	۲۶۰
۳۳۹	موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں تاخیر نہ کی جائے	۲۶۱
۳۴۰	قریب المرگ کے بارے میں سنون عمل	۲۶۲
۳۴۱	جنازہ سے پہلے میت کے مدیون ہونے کی تحقیق کرنا	۲۶۳
۳۴۲	زانی، چور اور سود خور کی نماز جنازہ جائز ہے	۲۶۴
۳۴۳	باپ کے قاتل کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے	۲۶۵
۳۴۴	باہر سے کسی امام کو بلوا کر جنازہ پڑھوانا	۲۶۵
۳۴۵	میت کو مزار کے سامنے رکھ کر جنازہ پڑھنے کا حکم	۲۶۶
۳۴۶	مقروض کا جنازہ پڑھنے کا حکم	۲۶۶
۳۴۷	فرائض کے وقت جنازہ آجائے تو کب پڑھا جائے؟	۲۶۷
۳۴۸	شارع عام پر نماز جنازہ کا حکم	۲۶۷
۳۴۹	جس کو درود و دعاء وغیرہ نہ آتی ہو وہ نماز جنازہ میں شریک ہو یا نہ؟	۲۶۸
۳۵۰	امام محلہ ولی سے مقدم ہے	۲۶۸
۳۵۱	جنازہ میں چوتھی تکبیر نہ جائے تو جنازہ نہیں ہوا	۲۶۹
۳۵۲	”ان سبقتمونی بالصلوة علیہ فلا تبقتونی بالدعاء لہ“ سے مراد	۲۷۰
	راکیلے دعاء کرنا ہے نہ کہ اجتماعی دعاء معروفہ	
۳۵۳	نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھرنے کا حدیث سے ثبوت	۲۷۲
۳۵۴	جو چوتھی تکبیر کے بعد شریک ہو وہ بھی شریک سمجھا جائے گا	۲۷۳
۳۵۵	اوپنی آواز سے نیت کرنا	۲۷۳
۳۵۶	غالی بدعتی کی اقتدار میں جنازہ	۲۷۳
۳۵۷	جنازہ لیسکر دس دس قدم چلنا ثابت ہے یا نہیں؟	۲۷۴
۳۵۸	جنازہ کے وضو سے فرض ادا کرنا	۲۷۴
۳۵۹	مغرب سے چند منٹ پہلے جنازہ پڑھنے کا حکم	۲۷۵

۳۶۰	جنازہ کی چارپائی کو بھی خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے	۲۷۵
۳۶۱	میت کے تمام احکام میں مراہق بالغ کے حکم میں ہے	۲۷۶
۳۶۲	جنازہ کس حد تک تیز لے کر چلا جائے	۲۷۶
۳۶۳	جنازہ مغرب کی سنتوں سے مؤخر اور نوافل سے مقدم کیا جائے	۲۷۶
۳۶۴	سود کو حلال کہنے والے کا جنازہ	۲۷۷
۳۶۵	بغیر جنازہ پڑھی گئی لغش پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو تو نکال کر جنازہ پڑھا جائے	۲۷۷
۳۶۶	صرف ہڈیوں کے ڈھلپٹے پر جنازہ پڑھنا	۲۷۸
۳۶۷	شیعہ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں	۲۷۹
۳۶۸	نامحرم عورت کی میت کو کندھا دینا درست ہے	۲۷۹
۳۶۹	نماز جنازہ کی لوگوں کو اطلاع دینا	۲۸۰
۳۷۰	کیا جنات سے بھی حساب و کتاب ہوگا؟	۲۸۰
۳۷۱	تعزیت کے لئے دریاں بچھا کر بیٹھنا	۲۸۱
۳۷۲	جنازہ لیجاتے وقت سر آگے رکھیں	۲۸۱
۳۷۳	جس میت کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس کے جنازہ کا حکم	۲۸۲
۳۷۴	جماعت میں دیر ہو تو نماز جنازہ کو مؤخر نہ کیا جائے	۲۸۲
۳۷۵	کبھی نماز نہ پڑھنے والا جنازہ پڑھا سکتا ہے	۲۸۳
۳۷۶	کل شرکاء جنازہ سات ہوں تو بھی طاق صفیں بنانا اولیٰ ہے	۲۸۳
۳۷۷	کسی خاص شخص کے بارے میں جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تو اس کا حکم	۲۸۴
۳۷۸	جنازہ کے بارے میں عام مساجد کو حرمین پر قیاس نہ کیا جائے	۲۸۴
۳۷۹	اجرت طے کر کے جنازہ پڑھانا	۲۸۵
۳۸۰	مطلقة رجعیہ اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے	۲۸۶
۳۸۱	مرد کو کیسے دفن کیا جائے؟	۲۸۶
۳۸۲	مریوالات وصیت کر جائے تو بہائی مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے	۲۸۷
۳۸۳	قبر کے کتبہ پر کیا لکھنا چاہیے؟	۲۸۷

۲۸۸	نماز جنازہ سرّاً ادا کی جائے	۳۸۴
۲۸۸	نابالغہ بچی جس کا باپ مرزائی ہو مگر والدہ مسلمان ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے	۳۸۵
۲۸۹	حضرت تھانویؒ نہ ہی دُعا بعد الجنازہ کے قائل تھے اور نہ ہی انکے جنازہ کے بعد دعا ہوئی ہے	۳۸۶
۲۹۰	ایکسٹینٹ میں فوت شدہ شہید آخرت ہے	۳۸۷
۲۹۱	کُفار کی فوج میں شریک مسلمان مر جائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟	۳۸۸
۲۹۲	شہید زخمی ہونے کے بعد ہوش میں نہ آئے تو ایسے غسل نہ دیا جائے	۳۸۹
۲۹۳	زنا کرتے ہوئے قتل ہو جانے والا شہید نہیں	۳۹۰
۲۹۳	شہید کو غسل نہ دیا جائے	۳۹۱
۲۹۴	نیم پاگل دُوب کر مر جائے تو شہید ہوگا یا نہیں؟	۳۹۲
۲۹۴	ہجوم میں دُوب کر مرنی والا حکماً شہید ہے	۳۹۳
۲۹۵	جلے جلوسوں میں مرنی والا شہید ہوگا یا نہیں؟	۳۹۴
۲۹۶	جنازہ کب فرض ہوا؟	۳۹۵
۲۹۶	جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مُصلیٰ پکھانا	۳۹۶
۲۹۶	میت کو بوقت جنازہ چار پائی کے بجائے زمین پر رکھنا	۳۹۷
۲۹۷	نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو جنازہ پڑھنے سے حائث نہ ہوگا	۳۹۸
۲۹۷	مخدوم جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟	۳۹۹
۲۹۸	ناپاک کپڑے میں جنازہ کا حکم	۴۰۰
۲۹۸	جنازہ پر رشتہ دار جو چادریں ڈالتے ہیں وہ ان ہی کی ملک ہیں	۴۰۱
۲۹۹	نابالغ کی قبر پر فاتحہ بقرہ پڑھنے کا حکم	۴۰۲
۲۹۹	قبر میں میت کے نیچے چادر یا چٹائی وغیرہ نہ بچھائی جائے	۴۰۳
۳۰۰	پسماندگان کے بارے میں بدعات وغیرہ کر نیکا اندیشہ ہو تو وصیت کر جائے	۴۰۴
۳۰۱	جانور کے مُشاہدہ پیدا ہو تو اس کا حکم	۴۰۵

۳۰۱	زیارتِ قبور کا مسنون طریقہ	۴۰۶
۳۰۲	خنثی کے جنازہ اور اس میں دُعا کا حکم	۴۰۷
۳۰۳	رمضان المبارک میں علانیہ کھانیوالے کا جنازہ	۴۰۸
۳۰۴	ہنر سے نکالی ہوئی لاش بلا غسل دفن کر دی گئی ہو تو بھی قبر پر جنازہ پڑھا جائے	۴۰۹
۳۰۵	شیعہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہوں تو بجائے دُعا کے بددعا کرتے ہیں	۴۱۰
۳۰۵	قریب المرگ کی زبان سے کوئی نامناسب کلمہ نکلے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں	۴۱۱
۳۰۶	میت معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض ہو تو دوسرے کو بلا سکتے ہیں	۴۱۲
۳۰۶	کس صورت میں چند اموات کو اکٹھے دفن کر سکتے ہیں	۴۱۳
۳۰۷	مرزائی کے جنازے کا حکم	۴۱۴
۳۰۸	جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو اس کا جنازہ پڑھنا	۴۱۵
۳۰۸	وضو کرنے سے جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کا حکم	۴۱۶
۳۰۹	جنازہ سلنے سے گزرنے تو اسے دیکھ کر کیا پڑھا جائے ؟	۴۱۷
۳۱۰	بچہ کان میں اذان دینے سے پہلے مر جائے تو جنازہ کا حکم	۴۱۸
۳۱۰	پاگل کی نماز جنازہ میں کونسی دُعا پڑھی جائے ؟	۴۱۹
۳۱۱	خمار میں وُجَل شہارک کی زیادتی شاذ ہے	۴۲۰
۳۱۲	مروجہ اسقاط کا حکم	۴۲۱
۳۱۳	قبر بہت بوسیدہ ہو جائے تو وہاں نئی قبر بنانا جائز ہے	۴۲۲
۳۱۴	معتکف جنازہ کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے ؟	۴۲۳
۳۱۵	مسلمانوں اور کفار کی لاشوں میں پہچان ممکن نہ ہو تو جنازہ کا حکم	۴۲۴
۳۱۶	دُعا بعد الجنازہ کو خطبہ پر قیاس کرنا جہالت ہے	۴۲۵
۳۱۷	لا وارث لاش پر عمل جسراچی کی مشق کرنا	۴۲۶
۳۲۱	ساتھ آنیوالوں کا میت کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے	۴۲۷
۳۲۱	قبر کتنی گہری ہو ؟	۴۲۸

۳۲۲	تدفین کے لئے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم	۴۲۹
۳۲۳	شہید کی اقسام اور ان کے احکام	۴۳۰
۳۲۵	کفن یکسے کپڑے کا دیا جائے ؟	۴۳۱
۳۲۶	دفن کے پندرہ دن بعد قبر پر نماز جنازہ کا حکم	۴۳۲
۳۲۶	تفسیح کے بعد جنازہ پڑھنے کا حکم	۴۳۳
۳۲۸	دعا بعد الجنازہ کے بارے میں اہل بدعت کے مفہم کا مفصل جواب	۴۳۴

۳۵۰	کتاب الزکوٰۃ	
۳۵۱	اسلام کا نظام ربوبیت	۴۳۵
۳۵۵	مرکزی وزارت مالیات کی طرف سے زکوٰۃ و عشر سے متعلق انتالیس سو آٹھ پر مشتمل ایک سوالنامہ	۴۳۶
۳۵۵	زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنی اور اس سے متعلق کچھ توضیحات	۴۳۷
۳۵۷	وجوب زکوٰۃ کی شرائط	۴۳۸
۳۵۷	وجوب زکوٰۃ کے لئے حد بلوغ	۴۳۹
۳۵۸	زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے	۴۴۰
۳۵۸	کمپنیوں کے اموال پر زکوٰۃ کا حکم	۴۴۱
۳۵۹	کارخانوں اور تجارتی اداروں سے زکوٰۃ لینے کا حکم	۴۴۲
۳۵۹	کمپنیوں کے قابل انتقال حصص کی زکوٰۃ کا حکم	۴۴۳
۳۶۰	بکن کن اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے	۴۴۴
۳۶۹	جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ تاقیامت وہی رہیں گے جو	۴۴۵
	ابتداء اسلام میں تھے	
۳۷۰	راج الوقت سبکوں کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل	۴۴۶
۳۷۲	اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف	۴۴۷

۳۷۳	مال نامی سے کیا مراد ہے	۴۴۸
۳۷۵	کرایہ پردی جانے والی اشیاء کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم	۴۴۹
۳۷۶	جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم	۴۵۰
۳۷۸	کس مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی	۴۵۱
۳۷۸	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کی اجازت نہیں	۴۵۲
۳۷۹	دو سو درہم راج الوقت سکوں کے لحاظ سے کتنے بنتے ہیں	۴۵۳
۳۸۵	نصاب اور مقدار واجب میں تبدیلی کا حکم	۴۵۴
۳۸۰	کتنی مدت گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی	۴۵۵
۳۸۰	سال میں کتنی پیداوار اٹھائی جائیں ہر پیداوار سے عشر دیا جائے	۴۵۶
۳۸۰	زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی کا	۴۵۷
۳۸۱	مصارف زکوٰۃ کی تفصیل	۴۵۸
۳۸۳	فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے	۴۵۹
۳۸۵	مصارف زکوٰۃ میں سے کسی ایک مصرف کو بھی ساری زکوٰۃ دے سکتے ہیں	۴۶۰
۳۸۵	تعریف غنی جس کے ہوتے ہوئے زکوٰۃ لینا منع ہے	۴۶۱
۳۸۷	زکوٰۃ افراد کو دینی ضروری ہے یا اداروں کو بھی دے سکتے ہیں	۴۶۲
۳۸۸	زکوٰۃ بطور گزارہ الاولیاء دینے کا حکم	۴۶۳
۳۸۸	مال زکوٰۃ کو رفاہ عام میں لگانے کا حکم	۴۶۴
۳۸۹	زکوٰۃ کی قسم بطور قرض دینے کا حکم	۴۶۵
۳۸۹	ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ کے فقراء کو دینے کا حکم	۴۶۶
۳۹۰	متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم	۴۶۷
۳۹۰	ایسی تدابیر جن سے لوگ بخوشی زکوٰۃ ادا کرنے لگیں	۴۶۸
۳۹۰	وصول زکوٰۃ کا کام وفاقی حکومت کرے یا صوبائی	۴۶۹
۳۹۱	وصول زکوٰۃ کے لئے علیحدہ محکمات قائم کرنا موزوں ہے	۴۷۰

۳۹۲	زکوٰۃ سرکاری محصول نہیں	۴۷۱
۳۹۲	دور خیر القرون میں جبراً کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا	۴۷۲
۳۹۳	زکوٰۃ کی وصولی کا طریقہ	۴۷۳
۳۹۳	زکوٰۃ کی وصولی حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں کی جائے	۴۷۴
۳۹۳	عمال زکوٰۃ کو اموال زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کا حکم	۴۷۵
۳۹۴	ائمہ مسابد کو بطور تنخواہ اور غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۴۷۶
۳۹۷	ایک سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۴۷۷
۳۹۸	تحقیق کر کے غنی کو زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی	۴۷۸
۳۹۸	وکیل مستحق نے زکوٰۃ کی رقم خود صرف کر لی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں ؟	۴۷۹
۳۹۹	مدیون کو زکوٰۃ دینا دوسروں کی نسبت افضل ہے	۴۸۰
۴۰۱	غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینے کے بارہ میں راجح قول	۴۸۱
۴۰۲	چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دینا افضل ہے	۴۸۲
۴۰۲	زکوٰۃ حکومت وصول کرے یا لوگ خود ادا کریں	۴۸۳
۴۰۴	سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی حقیقی علت	۴۸۴
۴۰۴	صدقات واجبہ سے تیار ہونے والا کھانا مدرس کو اجرت میں نہیں دے سکتے	۴۸۵
۴۰۵	نوایکو ارضی کا مالک زکوٰۃ لے سکتا ہے	۴۸۶
۴۰۵	مقروض کو مقدار نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں	۴۸۷
۴۰۶	وکیل نے زکوٰۃ کو مصرف میں استعمال نہیں کیا تو کیسے بری ہوگا	۴۸۸
۴۰۷	مہمان کو بہ نیت زکوٰۃ کھانا دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں	۴۸۹
۴۰۷	غیر مسلم عاقل زکوٰۃ کو زکوٰۃ نہ دی جائے	۴۹۰
۴۰۷	زکوٰۃ بنام قرض دینے کا حکم	۴۹۱
۴۰۸	عباسیوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۴۹۲
۴۰۸	غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۴۹۳
۴۰۹	اپنی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے	۴۹۴

۴۰۹	وکیل نے زکوٰۃ کا پیسہ اپنی ضروریات میں استعمال کر لیا پھر اپنے پاس سے مستحق کو دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں ؟	۴۹۵
۴۱۰	تعمیر مکان کے لئے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ	۴۹۶
۴۱۰	مال خبیث میں زکوٰۃ واجب نہیں	۴۹۷
۴۱۰	ٹریڈر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے	۴۹۸
۴۱۱	زکوٰۃ میں دینے کے لئے رکھے ہوئے پیسوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں	۴۹۹
۴۱۱	حکومت جو زکوٰۃ کا پیسہ مدارس کو دیتی ہے وہ لے سکتے ہیں یا نہیں ؟	۵۰۰
۴۱۲	وکیل نے زکوٰۃ کے پیسے اپنی مستحق بیوی کو دیدیئے تو مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہو گئی	۵۰۱
۴۱۳	اپنے مدیون کو زکوٰۃ دے کر پھر قرض میں واپس لینے کا حکم	۵۰۲
۴۱۳	رہبر روزگار کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۰۳
۴۱۳	قومی اتحاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۰۴
۴۱۴	بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۵۰۵
۴۱۴	زکوٰۃ کے پیسے امام مسجد کو دینے کا حکم	۵۰۶
۴۱۵	اندازہ میں غلطی کی وجہ سے مقدار واجب سے زیادہ زکوٰۃ دیدی تو	۵۰۷
۴۱۷	زائد کو آئندہ سال میں شمار کر سکتے ہیں ؟	۵۰۸
۴۱۷	مقروض معترف ہو تو زکوٰۃ واجب ہے	۵۰۹
۴۱۷	نونوں میں زکوٰۃ کے وجوب پر ایک شبہ کا جواب	۵۱۰
۴۱۹	تنخواہ وصول ہونے سے پہلے نصاب میں شمار نہیں ہوگی	۵۱۱
۴۲۰	پاکستانی دوستوں پر زکوٰۃ واجب نہیں	۵۱۲
۴۲۲	دینی اداروں کے مخلص و جان نثار کارکن جب ضعف و پیری کے سبب خدمات انجام دینے کے قابل نہ رہیں تو ادارہ زکوٰۃ سے ان کی مستقل امداد کر سکتا ہے	۵۱۳
۴۲۳	صرف بے آباد زمین ملکیت میں ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے	۵۱۴
۴۲۴	مزدوری سے جمع شدہ غلہ کو تجارتی غلہ میں شامل نہیں کیا جائے گا	۵۱۵

۴۲۴	رہائش کے لئے خریدے ہوئے پلاٹوں کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم	۵۱۵
۴۲۵	نصاب کم سونے کو چاندی کے ساتھ یکھے بلایا جائے	۵۱۶
۴۲۵	کون کون سی اشیاء حوائجِ اصلیہ میں شمار ہوں گی	۵۱۷
۴۲۸	سال کے شروع و آخر میں صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ فرض ہے اگر درمیان میں مال بالکل ختم نہ ہوا ہو	۵۱۸
۴۲۹	سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ دیتے وقت سونے چاندی کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا یا یوم و وجوب کی قیمت کا	۵۱۹
۴۳۰	حوائجِ اصلیہ خریدنے کے لئے جمع کردہ روپے میں زکوٰۃ کا حکم	۵۲۰
۴۳۲	مال مضاربت میں زکوٰۃ کے مسائل	۵۲۱
۴۳۳	مختلف اموال ملک میں ہوں تو سب کی قیمت لگا کر مجموعہ سے بچا ادا کرے	۵۲۲
۴۳۳	پروپیڈنٹ فنڈ میں زکوٰۃ نہیں ہے	۵۲۳
۴۳۴	عشر ادا کرنے کے بعد غلہ بچا تو اس کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۵۲۴
۴۳۴	سونا چاندی جس شکل میں ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے	۵۲۵
۴۳۵	راج الوقت سکہ پر ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے	۵۲۶
۴۳۶	ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ نہیں	۵۲۷
۴۳۶	اقل نصاب وزن دو اصد و رجم از نقرہ است	۵۲۸
۴۳۸	سفرہ کو زکوٰۃ کے پیسہ سے قبل از تملیک تنخواہ دینا درست نہیں اور سفر کو مال پر قیاس کرنا صحیح نہیں	۵۲۹
۴۳۸	اربابِ مدارس، مبلغ اور وظائف وغیرہ میں صدقات واجبہ احتیاطاً بدوین تملیک استعمال نہ کریں	۵۳۰
۴۳۹	تملیک کی بہتر صورت	۵۳۱
۴۴۰	کپاس میں بھی عشر واجب ہے	۵۳۲
۴۴۱	عشر ثل پیداوار سے دیا جائے	۵۳۳
۴۴۱	نابالغ کی بنیاد میں بھی عشر واجب ہوگا	۵۳۴

۴۴۱	 لانی میں عشر نہیں	۵۳۵
۴۴۲	 باغ کا پھل خریدنے کی صورت میں عشر بائع پر ہوگا یا مشتری پر	۵۳۶
۴۴۳	 ٹھوسہ میں عشر ہے یا نہیں	۵۳۷
۴۴۳	 عشر میں نصاب نہیں ہے	۵۳۸
۴۴۴	 جن زمینوں کا آبیانہ دیا جاتا ہو ان میں ہر واجب ہوگا	۵۳۹
۴۴۵	 قرض و خوب عشرے مانع نہیں	۵۴۰
۴۴۵	 قدرتی پانی سے سیراب کھیتوں میں ہر واجب ہے	۵۴۱
۴۴۶	 نقل (ضلع میالوالی) کی زمینیں عشری ہیں	۵۴۲
۴۴۷	 پاکستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی	۵۴۳
۴۴۹	 خراجی زمین کی تعریف	۵۴۴
۴۵۰	 اجرت کم ہو تو عشر کاشت کار پر ہے	۵۴۵
۴۵۰	 بارانی اور نہری زمینوں کی پیداوار میں مقدار عشر کے فرق کی وجہ	۵۴۶
۴۵۲	 دکان پر رکھے ہوئے اموال بھی اموال باطنہ ہیں	۵۴۷
۴۵۲	 دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۴۸
۴۵۳	 زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کا حکم	۵۴۹
۴۵۴	 مسجد و مدرسہ کا جو پیسہ جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں	۵۵۰
۴۵۴	 حکومت، زکوٰۃ کو انہی مصارف میں صرف کرنے کی پابند ہے {	۵۵۱
	 جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے	
۴۵۵	 کتابت کے بلاکوں پر زکوٰۃ نہیں	۵۵۲
۴۵۶	 صاحب نصاب لوگوں سے زکوٰۃ لیتا رہا تو اب تلافی کی صورت	۵۵۳
۴۵۷	 پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ دینا	۵۵۴
۴۵۷	 جس کو بطور تملک زکوٰۃ دی گئی اس سے جبراً واپس نہیں لے سکتے	۵۵۵
۴۵۸	 مستم زکوٰۃ دھندگان کا وکیل ہوتا ہے	۵۵۶
۴۵۸	 بلانیت زکوٰۃ صدقہ کرتے ہے تو وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا	۵۵۷

۴۵۹	سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں	۵۵۸
۴۶۰	جس کے پاس گھر کا سال کا خرچہ موجود ہو اُسے زکوٰۃ دینا	۵۵۹
۴۶۰	زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے زکوٰۃ کے پیسوں سے رجسٹر خریدنا	۵۶۰
۴۶۲	عیالدار مستحق کو نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں	۵۶۱
۴۶۲	کتنی عمر کے بچے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں	۵۶۲
۴۶۳	زکوٰۃ میں آئے ہوئے کپڑے کو مہتمم نے کم قیمت پر بیچ دیا تو کتنی زکوٰۃ ادا ہوئی؟	۵۶۳
۴۶۳	زکوٰۃ کی رستم ملکی قرضہ میں ادا کرنا	۵۶۴
۴۶۴	کافر کو زکوٰۃ کمیٹی کا چیرمین نہ بنایا جائے	۵۶۵
۴۶۵	سال گزرنے سے پہلے حکومت جبراً زکوٰۃ نہیں کاٹ سکتی	۵۶۶
۴۶۵	جس سے تملیک کرائی جائے اس کو بھی ثواب ملتا ہے	۵۶۷
۴۶۶	انجنس سپاہ صحابہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۶۸
۴۶۶	مختلف شہروں کے سفیروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۶۹
۴۶۷	مہتمم مدرسہ کے بیٹے بھی اتنا ہی مال لے سکتے ہیں جتنا کہ عام طالب علم	۵۷۰
۴۶۸	کمپنیوں کے حصہ دار زکوٰۃ کیسے ادا کریں	۵۷۱
۴۶۹	کمپنیوں کے شیرز کی زکوٰۃ اس وقت کی قیمت کے اعتبار سے ادا کی جائے گی	۵۷۲
۴۶۹	کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دے دی تو اس کی طرف سے ادا نہیں ہوگی۔	۵۷۳
۴۶۹	متوفاء نے اپنی زندگی میں زکوٰۃ نہ دی ہو تو ترکہ سے نکالنے کا حکم	۵۷۴
۴۷۰	مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رستم دینا	۵۷۵
۴۷۰	بلیک کے ذریعہ حاصل کردہ مال پر زکوٰۃ کا حکم	۵۷۶
۴۷۱	بھانجا، ماموں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے	۵۷۷
۴۷۱	حکومت کو مال ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا	۵۷۸
۴۷۲	زکوٰۃ کا پیسہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنا	۵۷۹
۴۷۲	مقروض بھی اپنی زمین کی پیداوار کا عشر دے	۵۸۰
۴۷۳	سین کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۸۱

۴۷۳	جانوروں کی زکوٰۃ کے لئے ان کا سامنہ ہونا ضروری ہے	۵۸۲
۴۷۴	داخلہ حج میں دیئے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ	۵۸۳
۴۷۴	زکوٰۃ کے پیسے سے ادویات خرید کر دینا	۵۸۴
۴۷۵	زکوٰۃ کے پیسے علیحدہ رکھے تھے کہ چوری ہو گئے	۵۸۵
۴۷۵	ایک شخص کو اتنے پیسے دینا کہ وہ غنی ہو جائے	۵۸۶
۴۷۶	جس قرض کے ملنے کی امید نہ ہو اس کی زکوٰۃ کا حکم	۵۸۷
۴۷۷	واجب التصدق رقم اپنی بالغ اولاد کو دے سکتا ہے	۵۸۸
۴۷۷	شیعہ کو عشر دینا جائز نہیں	۵۸۹
۴۷۷	افیون کی تجارت سے حاصل ہونے والے مال پر زکوٰۃ کا حکم	۵۹۰
۴۷۸	زکوٰۃ میں جانوروں کی اہل جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملا یا نہیں جائے گا	۵۹۱
۴۷۹	صاحب نصاب وکیل اپنی بیٹی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے	۵۹۲
۴۷۹	مال عشر دوسرے شہر پہنچا کر فروخت کرے تو بھی مجموعہ قیمت سے عشر دے	۵۹۳
۴۸۰	راج الوقت نوٹ عروض تجارت کے حکم میں ہیں	۵۹۴
۴۸۱	زکوٰۃ کی رقم خود استعمال کر لی اور مالکان کو بتانا بھی مشکل ہو تو ...	۵۹۵
۴۸۲	ادھار کی زکوٰۃ کیسے دے	۵۹۶
۴۸۲	بیٹے کی بیوی کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۹۷
۴۸۳	سادات کو زکوٰۃ دینا کسی زمانہ میں جائز نہیں	۵۹۸
۴۸۴	اہل علی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۵۹۹
۴۸۵	برادری کے مالداروں سے لے کر انہی کے فقراء پر تقسیم کرنے کی شرائط	۶۰۰
۴۸۶	کمپاس کی لمبائیوں میں عشر ہے یا نہیں	۶۰۱
۴۸۶	غنی نابالغ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے	۶۰۲
۴۸۷	زکوٰۃ و عشر میں مال کی قیمت کا تعین قریبی شہر وستی کے لحاظ سے کیا جائے	۶۰۳
۴۸۸	ضرورت کی کتب نصاب میں شمار نہیں ہوں گی	۶۰۴
۴۹۰	مروجہ کمیٹیوں میں زکوٰۃ کا حکم	۶۰۵

۴۹۰	مالِ ضماریں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم	۶۰۶
۴۹۱	مجنون پر زکوٰۃ واجب نہیں	۶۰۷
۴۹۱	کالجنوں کے طلبہ بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں	۶۰۸
۴۹۲	زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ لکھنا	۶۰۹
۴۹۲	فقر نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۶۱۰
۴۹۳	خود رو گھاس کی دیکھ بھال کی جاتی ہو تو عشر بھی واجب ہوگا	۶۱۱
۴۹۳	درختوں میں عشر نہیں ہے	۶۱۲
۴۹۴	ایفون اور تبا کو کی پیداوار میں عشر کا حکم	۶۱۳
۴۹۴	استقاط زکوٰۃ کے لئے حید کرنے کا حکم	۶۱۴
۴۹۵	شراب اور ہیر و سن پینے والے کو زکوٰۃ	۶۱۵
۴۹۶	پس منظر	۶۱۶
۴۹۸	اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تحقیق	۶۱۷
۵۱۷	”البلاغ“ کے پیش کردہ آثار پر ایک نظر	۶۱۸
۵۲۳	عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں زکوٰۃ کی نجی ادائیگی بھی معتبر تھی	۶۱۹
۵۵۶	دین و قرض میں ادائیگی زکوٰۃ کی بحث (بنک اکاؤنٹس قرض ہیں)	۶۲۰
۵۹۵	مالِ ضماریں کی تحقیق	۶۲۱
۶۰۵	وصولی زکوٰۃ کے موجودہ نظام میں درج ذیل مفاسد ہیں۔	۶۲۲
۶۰۶	موجودہ نظام زکوٰۃ باقی رکھا جائے مگر درج ذیل اصلاحات کے بعد۔	۶۲۳
۶۰۷	توقیل پر چند شبہات۔	۶۲۴

باب الجمع

قال الله تعالى يا ايها الذين امنوا اذنواذى
للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله
وذروا البيع ذلكم خير لكم ان كنتم تعلمون

اے ایمان والو! جب اذان ہوئے کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو
اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔
(سورہ جمعہ) (ترجمہ شیخ الہند)

نیرالفتاویٰ

(جلد سوم)

مفت
محمد انور

باب الجمعۃ



جمعہ کیلئے دو خطبوں کا ثبوت ۱۔ کیا خطبہ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک پڑھا جاتا تھا ؟
 ۲۔ خطبہ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس زمانہ میں اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے دو حصوں میں شروع ہوا
 ۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان جمعہ ایک دہائی یا دو ، اور پھر یہ دو اذانیں کب سے
 شروع ہوئیں ؟

۱ : ۲ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے ۔
 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ

علیہ وسلم یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی
 یفرغ اراہ المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس فلا یتکلم
 ثم یقوم فیخطب ۔ (ابو داؤد : ج ۱ ص ۱۵۶)۔

۲ : اذان ثانی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اجماع
 صحابہ رضی اللہ عنہم سے شروع ہوئی ۔

فلما کان خلافة عثمان رضی اللہ عنہ الناس امر عثمان یوم الجمعة

بالا ذلالت الثالث فاذن به على الزوراء فثبت الامر على ذلك

(ابوداؤد : ج ۱ : ص ۱۵۶) - فقط والله اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵/۱۰/۹۲ء

اذان ثالث کنا بوجہ تکبیر کے ہے ورنہ یہ عملاً اذان اول ہے۔ والحساب صحیح۔

محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔



خطبہ جمعہ سے پہلے نعتیں وغیرہ پڑھنا

نماز جمعہ ادا کرنے سے پہلے سنتیں پڑھنے کا وقت ہوتا ہے۔ کیا مسجد میں نعت یا

مدح صحابہ رض وغیرہ اس طرح گا کر پڑھنا کہ جس سے سنتیں پڑھنے والے کو خلل پڑ جائے جائز ہے یا نہیں؟

نماز جمعہ میں جب تک کہ لوگ سنتیں پڑھ رہے ہوں نعت خوانی شروع کرنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے مکروہ ہے۔

الجواب صحیح

فقط والله اعلم

بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۱/۱/۹۲ء



خطبہ سنتی وقت کیسے بیٹھا جائے

جب امام خطبہ ادا کرتا ہے تو سامعین کیسے بیٹھنے کی شکل کیا ہونی چاہئے؟ بنیوا لوجروا

محمد اقبال عفا اللہ عنہ گلشن آباد، گوجرانوالہ

جیسے سہولت ہو بیٹھ سکتے ہیں۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ بجاالت تشہد دوڑنا

بیٹھا جائے۔ مگر پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے میں گھٹنوں پر کھنا

الجواب صحیح

محض عامیانہ فعل ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، ایسا نہ کیا جائے۔

اذا شهد الرجل عند الخطبة ان شاء جلس محبتاً ۱۰

متربعا او کما تبسّر لانه ليس بصلوة عملا وحقيقة كذا في
المضمرات ويستحب ان يقعد فيها كما يقعد في الصلوة
كما في معراج الدراية (عالمگیری : ج ۱ ص ۷۶)

فقط والله اعلم

محمد النور عفا الله عنه : مفتی خیر المدارس ملتان



جمعہ کی نماز تین بجے درست ہے یا نہیں
اگر مؤرخہ تین دسمبر کو شہر لائل پور میں
نماز جمعہ تین بجے پڑھائی جائے تو

مذہب احناف کے مطابق نماز جمعہ کی ادائیگی وقت کے اعتبار سے صحیح ہے یا باطل ؟ اگر صحیح
ہے تو بلا کراہت یا کراہت کے ساتھ ؟ کراہت کی صورت میں مکہ وہ تحریمی ہے یا تنزیہی ؟

محمد طفیل قیوم عفا اللہ عنہ : طارق آباد : لاٹپور

جمعہ کے بارے میں تعجیل (یعنی اول وقت میں پڑھنا) مستحب ہے۔ سردی

الحاج محمد

ہو یا گرمی ۔ کما فی الشامیۃ : ج ۱ ص ۳۲۰ -

لكن جزم في الاشباه من فن الاحكام انه لا يسن لها الايراد
في جامع الفتاوى لقارئ الهداية قيل انه مشروع لانها
تؤدى في وقت الظهر وتقوم مقامه وقات الجمهور
ليس بمشروع لانها تقام بجمع عظيم فتأخيرها
مفض الى الحرج ولا كذلك الظهر وموافقة الخلف
لا صله من كل وجه ليس بشرط - اه - شامی ص ۳۲ ج ۱ -
لہذا صورت مسئلہ میں جمعہ کی نماز ادا تو ہو گئی۔ البتہ وقت مکروہ میں پڑھنے کی وجہ سے
مکروہ تحریمی ہو گی۔ کما فی الطحاوی : ص ۹۸ -

وفي الخزائن الوقت المكروه في الظهر ان يدخل في
حد الاختلاف و اذا اخره حتى صار ظل كل شيء
مثله فقد دخل في حد الاختلاف حموي -

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد اسحاق عفریہ

ظہر کا وقت مفتی بہ مذہب کے مطابق ایک مثل تک ہے اگر جمعہ ایک مثل کے اندر ہے تو صحیح ہے ورنہ باطل ہے۔

خیر محمد عفا اللہ عنہ، مہتمم خیر المدارس ملتان



جمعہ میں خطیب و امام ایک ہی ہونا چاہیے۔ ایک خطیب کا گلا خراب ہے۔ اس نے ایک اور خطیب کو دعوت

دی۔ اس نے صرف خطبہ پڑھا اور نماز کے لئے سابق کو آگے کر دیا۔ بعد میں بتایا کہ میں جمعہ ادا کر کے آیا ہوں۔ کیا یہ درست ہے ؟ اور وہ جمعہ میں شرکت کر سکتے ہیں ؟

جمعہ میں امام و خطیب ایک ہی شخص ہونا چاہئے۔ مذکورہ جمعہ ہو گیا۔ آئندہ ایسا نہ کیا جاوے۔ جو جمعہ ادا کر چکا ہے وہ بہ نیت نفل شریک جماعت ہو سکتا ہے امامت نہیں کر سکتا۔

الحمد للہ

لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لا نھما کشیع واحد فان

فعل بان خطب صبی باذن السلطان و صلی بالغ حجاز

(در مختار علی الشامیہ ۱ ج ۱ ص ۵۵۲) - فقط

واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۲۳/۹۹ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



عورتوں کا جمعہ کے لئے مسجد میں آنا مکروہ ہے۔ زیدہ کہتا ہے کہ عورتوں کے لئے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آنا

جائز ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔ دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ پڑھتی تھیں مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرما دیا تھا۔ تو عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جا کر شکریہ کیا۔ تو

انہوں نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو وہ بھی منع فرما دیتے۔ اگر یہ درست ہے تو عبارت مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

۲ : اب عورتیں نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئیں یا نہ آئیں ؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد " ابو داؤد شریف : ج ۱ ص ۸۴ " پر منقول ہے۔

« ان عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حدث النساء لمنعن - ۱ھ - الحدیث - ۲ اس وقت بھی عورتوں کا آنا مکروہ ہے۔

ویکرہ حضورھن الجاعة ولولجعة وعید و وعظ مطلقا
ولو عجوزا لیلد علی المذهب المفتی بہ لفساد الزمان ۱ھ
رد مختار علی الشامیۃ ۱ ج ۱ : ص ۵۲۹ -
فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس بکرات
۲۹ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافکار

جمعہ کی اذان ثانی کے بعد دعا مانگنے کا حکم
جمعہ کی دوسری اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں ؟

محمد اقبال سمیع سنن حرم گیٹ ملتان

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست نہیں ہے، دل میں مانگ سکتے ہیں۔

واللہ علیم بذات الصدور - اذا خرج الامام فلا صلوۃ

ولا سلام الخ تمامہا فی الخطبۃ ۱ھ -

رد مختار علی الشامی ۱ ج ۱ ص ۶۸ - فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ ۱۲ / ۱ / ۱۴۰۰ھ

اجتماع عید و جمعہ ساقط جمعہ نہیں
زید کہتا ہے کہ اگر عید اور جمعہ ایک دن جمع ہو جائیں اور مسلمان عید کی نماز پڑھیں تو

ان پر جمعہ کی فرضیت باقی نہیں رہتی یعنی نہیں ظہر ادا کرنی چاہیے نہ کہ جمعہ۔ اگر جمعہ ادا کریں گے تو ان کے ذمہ ظہر کی نماز باقی رہے گی اور نہ پڑھنے پر ترک فرض کے مجرم ہوں گے۔

بجو کہتا ہے کہ ایسا نہیں، بلکہ جب مسلمان عید پڑھ چکیں گے تو اہل دن جمعہ پڑھنے نہ پڑھنے میں ان کو اختیار ہوگا۔ یعنی اگر جمعہ نہ پڑھیں بلکہ ظہر باجماعت پڑھ لیں تو ترک فرض جمعہ کے مجرم نہ ہوں گے۔ اور اگر جمعہ پڑھیں گے تو اس دن کی ظہر سے بری الذمہ ہو جائیں گے جمعہ فرض بن کر ظہر کے قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ نابینا وغیرہ معذورین پر جمعہ فرض نہیں اور اگر جمعہ ادا کریں تو ان سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔ دونوں کا منشاء اختلاف جامع الرموز کی یہ عبارت ہے

”فلو اجتمع العیدین الاصلیة احدھما قلیل الاولی صلوٰۃ

العید وقلیل صلوٰۃ الجمعة کما فی التمرقاشی بناء

علیہ“

عرض ہے کہ زید اور بکر میں سے کس کا قول صحیح ہے اور کس کا غلط۔ مدلل تحریر فرمائیں۔

زید اور بکر دونوں کا قول خلاف تحقیق اور غیر صحیح ہے۔ محقق یہ ہے کہ عید

الجمعہ

اور جمعہ اگر ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو عید پڑھ لینے سے وجوب جمعہ

ساقط نہیں ہوتا بلکہ جمعہ بدستور فرض و واجب رہتا ہے۔ جمعہ چھوڑنے کی ایسی صورت میں

اجازت نہیں۔ ”جامع الرموز“ کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے یہ حنفیہ کا مذہب نہیں ہے

بلکہ حضرت عطاء کا قول ہے۔ درمختار میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

قلت قد راجعت التمرقاشی فرأیتہ حکاہ عن مذهب

الغیر و بصیغۃ التمریض فتنبہ اھ و فی الشامیۃ

اع مذهب غیرنا اما مذهبنا فلزوم کل منھما

قال فی الھدایۃ ناقلًا عن الجامع الصغیر عید ان

اجتمع فی یوم واحد فالاول سنۃ والثانی فریضۃ

ولا یتروک واحد منھما اھ قال فی المعراج احتزبہ

۴۱
عن قول عطاء تحزی صلوۃ العید عن الجمعة ۱۵
رشمیۃ ، ج ۱ : ص ۴۷ - فقط واقلۃ اعلم -

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح
غیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۰ / ۹ / ۸۶ھ

اڑھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ درست ہے
چک نمبر ۲۵۱ گ ب ، اگلی ضلع
فیصل آباد بربل سڑک پختہ ہے آبادی

اڑھائی ہزار ہے چک میں بجلی ، ڈاک خانہ ، پڈل سکول ، گرلز سکول ، پرائمری سکول مردانہ ، دو
کارخانے جس میں آٹا پیسنے کی مشین اور لکڑی پیرنے کی مشین ، روٹی پیجنے والی مشین ، تیل والے
مشین ، بسوں کا اڈہ ، گیارہ دوکانیں ، برف کا کارخانہ اور چک میں نو دوکانیں ہیں بسوں
کا اڈہ چک مذکور سے دو فرلانگ پر ہے ۔ چوتھے مربع پر ہائی سکول اور کالج ہے ۔ تین مسجدیں
ہیں ۔ نیز مدرسہ تعلیم القرآن و تعلیم البنات بھی ہے ۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے ؟

حکیم عبد الحمید نورنگ پوری

مذکورہ بستی کے بارے میں تقریباً بیس سال پہلے بھی استفتاء
کیا گیا تھا جس کے جواب میں جواز جمعہ کا فتویٰ دیا گیا تھا ۔ اب تک بستی
کی آبادی و مرکزیت میں مزید اضافہ ہوا ہے جیسا کہ زیر جواب استفتاء میں مذکور ہے ۔ لہذا
یہاں صحت جمعہ میں تردد نہ کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
محمد انور عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح
۲۷ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

۲ ہزار کی آبادی میں جمعہ کا حکم
ایک گاؤں جس کی آبادی ساڑھے تین سو خانہ کی ہے
اور رقبہ آبادی کا ایک مربع فو ایکڑ ہے اور چھبیل

دوکانات ہیں جن سے جملہ اشیاء ضرورت مل سکتی ہیں ۔ اور ایک کارخانہ آٹا پیسنے کا اور مدرسہ
تعلیم القرآن ، ۶ کنوئیں اور ۸ ٹکے ، ایک پنچاستی عدالت جس کو مجسٹریٹی اختیارات حاصل ہیں

باشندگان کی تعداد تقریباً دو ہزار ہے۔ مٹی کے برتن کی دوکان اور زرگر اور موچی وغیرہ بھی موجود ہے۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے؟

الجواب بستی مذکورہ اپنی آبادی اور تجارتی دکانوں کے اعتبار سے نظر ناظر میں قریہ کبیرہ کی حد میں داخل ہے۔ احقر راقم الحروف نے خود بھی معائنہ کیا ہے۔ لہذا مذکورہ بستی میں فرض جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ شاہی : ج ۱ : ص ۵۳۷ میں ہے۔

وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا

اسواق ۱۰ فقط واللہ اعلم۔

العبد الخیر محمد عفا اللہ عنہ

بہتم نخیہ المدارس ملتان : ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

دوران خطبہ ہاتھ میں عصا لینا : ۱ : دوران خطبہ جمعہ ہاتھ میں عصا لینے کی تفصیل فرمائیں۔ ۲ : عام حالات میں ہاتھ میں عصا لینا

کیا ہے، اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب : ۱ : اس باب میں احادیث مختلفہ کے دیکھنے سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ

دیا ہے اور داؤد شریف کے یہ الفاظ ہیں۔ فقام متوکلًا علی عصا و قوس ۱۰

مگر اس سے مواظبت ثابت نہیں ہوتی۔ مسلم کی حدیث میں یہ لفظ بھی موجود ہیں۔ شو قام

متوکلًا علی بلال ۱۰ خلاصہ یہ ہے کہ عصا وقت خطبہ ہاتھ میں لینا سنت غیر نکرہ ہے۔

من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج علیہ۔ راہداد المفتین

ج ۱ - ص ۱۱۲ -

۲ : اگر ممکن ہے اور دائیں ہاتھ میں لینا چاہیے۔ وینبغی ان يأخذ السیف او العصا

او غیر ہا بیدہ الیمنی اذا نھا سنۃ لان تناول الطہارۃ انما یکون بالیمین والمستقذرات

بالشمال۔ (المدخل : ج ۲ : ص ۴۷) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ————— محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۶/۱۳۹۹ھ

قریہ صغیرہ میں جمعہ پڑھا گیا تو ظہر ادا کرنی لازم ہے ایک بستی جس کی آبادی سات سو ہے دوکان صرف ایک ہے۔

ضروریات زندگی نہیں ملتیں کیا اس جگہ جمعہ جائز ہے۔ اگر پڑھا گیا تو دوبارہ ظہر پڑھ ہی جائے یا نہیں؟ محمد قاسم ربانی، مدرسہ قائم العلوم فقیر والی۔

مذکورہ بستی قریہ صغیرہ ہے اس میں عند الاحناف جمعہ جائز نہیں۔ جن لوگوں نے جمعہ پڑھا ہے ان کے ذمہ اس دن کی ظہر باقی ہے۔

الجواب

فی الجواہر لوصلوا فی القری لزہم اداء الظہر ۱ھ

(مشافحہ ۱ ج ۱، ص ۷۸)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۳ / ۱۱ / ۱۳۹۷ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جوائی شہر یا قریہ پہلا جمعہ بحرین کے مقام جوائی میں ادا کیا گیا۔ یہ مقام شہر تھا یا گاؤں؟ اگر شہر تھا تو اس کا شہر ہونا، اور کس سال میں جمعہ پڑھا گیا؟ بیان فرمائیں۔

۲: خطبہ قوم کو سنانا فرض ہے یا سنت؟

مستعد اہل لغت اور تاریخ سے منقول ہے کہ «جوائی» شہر تھا۔ علامہ عینی رحمۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ اس میں چار ہزار سے زیادہ آدمی رہتے تھے۔ مکان یسکنھا فوق اربعۃ آلاف نفس ۱ھ۔ علامہ ابن اثیر نہایت میں لکھتے ہیں جوائی ہو اسم حصن بالبحرین (اور قلعے شہروں میں ہوتے ہیں) علامہ جوہری کی صحاح، علامہ زحشری کی بلدان اور سیوطی سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔ ابو عیید بکری سے منقول ہے۔

الجواب

انہما مدینۃ بالبحرین - (اعلاء السنن، ص ۱۲)۔

لفظ قریہ سے شبہ نہ کیا جائے کیوں کہ قریہ کا اطلاق شہر بھی قرآن و حدیث اور لغت سے ثابت ہے۔ لولا نزول هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم الآیۃ

”جواثی“ میں جمعہ وفد عبد القیس آنے کے بعد پڑھا گیا۔ اس پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وفد عبد القیس فرضیت حج کے بعد آیا ہے البتہ سن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ داقدی نے ۹۷۰ قبل فتح نقل کیا ہے۔ اور ابن اسحاق نے ۹۷۰ء کہا ہے۔ (اعلام السنن : ص ۱۲)۔

۲۔ نفس خطبہ شرائط جمعہ سے ہے ہاں معنی کہ خطبہ کا ہونا ضروری ہے کسی کو سننے یا نہ سننے۔ ویشترط لصحتها سبعة اشياء الى قوله والرابع الخطبة فيه فلو خطب قبله وصى فيه لم تصح (درمختار علی الشامی ج ۱ ص ۵۷)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۲ / ۶ / ۱۳۹۹ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

شامی کی ایک عبارت اردو میں جواز خطبہ پر استدلال اور اس کا جواب

آپ نے اپنے فتوے میں جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کو مکروہ تحریمی لکھا ہے اس دلیل سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روم و فارس میں صرف عربی میں خطبہ دیا حالانکہ وہ لوگ عربی نہیں جانتے تھے۔

احقر نے آپ کے فتوے کی بناء پر پیش امام صاحب کو عرض کیا کہ آپ اردو تقریر درمیان میں نہ کیا کریں۔ خطیب صاحب مدرسہ اہلسنیہ دہلی کے فارغ ہیں۔ انہوں نے کتب میں مسئلہ کو تلاش کیا، بہت کوشش کی اور فرمایا کہ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فی فقہ مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان عن العلامة سید محمد امین المعروف بابن عابدین کے اجزۃ الاول کے حسب ذیل اقتباسات سے جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کا جواز ہی نہیں ملتا بلکہ تاکید مترشح ہوتی ہے۔ مجھے آپ کے فتوے سے پورا اتفاق ہے۔ آپ ایسی عبارات نقل فرمادیں جن سے اردو خطبہ کا مکروہ تحریمی ہونا معلوم ہوتا ہو۔

ص ۵۹۷ : لو یقید الخطبة بكونها بالعربية اكتفاء بما

قدمه فی باب صفة الصلوة من انها غیر شرط ولو مع

القدرة على العربية عنده خلافا لهما حيث شرطاه
 الا عند العجز كالخلاف في الشروع في الصلوة —
 ص ۵۹۸ : قوله ويبدأ اي قبل الخطبة الاولى بالتعويض ثم بعد الله
 تعالى والثناء والشهادتين والصلوة على النبي عليه السلام و
 العظة والتذكير والعترة قال في التجنيس والثانية
 كالاولى الا انه يدعو للمسلمين مكان الوعظ —
 ص ۶۱۸ : في خطبة العيدين حيث قال ويستفاد من
 كلامهم ان الخطيب اذا رأى حاجة الى معرفة بعض
 الاحكام فانه يعلمهم اياها في خطبة الجمعة خصوصا في
 زماننا لكثرة الجهل وقلة العلم فينبغي ان يعلمهم
 فيها احكام الصلوة كما لا يخفى -

الاجابة
 افسوس کہ فاضل موصوف نے اتنی تکلیف گوارا نہیں فرمائی کہ علامہ
 ابن عابدین ص ۵۹۸ میں جس باب صفة الصلوة کا حوالہ دے رہے ہیں
 اسے کھول کر دیکھ لیتے۔ اس میں صراحت موجود ہے۔

وصح شروعه ايضا مع الكراهة التحريمية بتسبيح و
 تهليل الى قوله كما صح لو شرع بغير عربية -
 اس صحت کے ساتھ بھی کراہت تحریمی پائی جاتی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نماز کو شروع کرتے
 وقت اللہ اکبر کی بجائے "خدا نے بزرگ است" کہہ دے تو نماز میں مشروع ہونا تو
 صحیح ہو جائے گا لیکن "مع الکراہة التحريمية" اور آگے فرماتے ہیں۔ "شرطا عجزا"
 صاحبین نے فارسی میں بکیر کی صحت کے لئے "عجز عن العربية کی شرط لگائی ہے۔ یعنی
 بغیر عجز عن العربية کے مشروع بالفارسی صحیح نہ ہوگا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ و علی
 هذا الخلاف (الخطبة یعنی خطبہ میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب کے
 نزدیک خطبہ فارسی میں صحیح ہو جائے گا بغیر عجز بھی مگر مع الکراہة التحريمية اور صاحبین
 کے نزدیک غیر عربی میں صحیح ہی نہ ہوگا الا عند العجز۔ خلاصہ یہ کہ اس عبارت کو حجب

سابق تحقیق کے سامنے آیا جائے تو امام صاحب کے نزدیک کراہت تحریم اور صاحبین کے نزدیک عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن صاحبین کا رجوع الی مذہب الامام ثابت ہے۔ لہذا جواز خطبہ مع الکراہتہ التحریم عند العجز متفق علیہ ہوگا۔

دوسری اور تیسری عبارت میں کہیں بھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کی اجازت نہیں صرف تذکیر اور تعلیم احکام کا ذکر ہے تو کیا یہ تذکیر اور تعلیم عربی میں نہیں ہو سکتی؟ اگر آپ کہیں کہ لوگ عربی نہیں سمجھتے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عربی سیکھیں۔ نہ یہ کہ علماء خلاف حکم شرع غیر عربی میں خطبہ پڑھیں۔ پھر تو نماز بھی اردو میں ہونی چاہیے۔ قرأت قرآن بھی اردو میں ہونی چاہیے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
۸ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

تحدید فنائے مصر بفرسخ راجح نیست
چہ فرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین
دریں صورتہائے مسئلہ۔

۱۔ فنائے شہر از سور البلہ شمار کردہ ہے باید یا از زیادتی گردد و نواح بیرون سور بلہ شروع سے شود۔

۲۔ حدود مسافت فنائے چہ مقدار میدارد و فرسخ در کتب فقہ چہ مراد میدارد۔

۳۔ مقدار فنائے شہر مسلمانان چند بیوت پانزدہ و شانزدہ سختہ و خام بنا کردہ مقیم اند۔ یا محض مسجد شریف مع چند حجرہ برائے رہائش طلبا است اگر چند مسلمانان آنجا و گرد و نواح او جمع آیند نماز جمعہ ادا نمایند ادا خواهد شد یا نہ؟

وفی الدر المختار علی الشامی و یشرط لصحتها

المصر و فناءه و هو ما حوله اتصل به اولاً

کما حورہ ابن کمال او غیرہ لا حبل مصلحہ کد فن

الموقت و رکض الخیل ۱ھ۔ وفی الشامیۃ التعریف

احسن من التحدید لانه لا یوجد ذالک فی کل مصر

وانما هو بحسب كبر المصبر و صفوه الى ان قال فالقول
 بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما
 صدق عليه بانه المعد لمصالح المصبر فقد نصت
 الاثمة على ان الفناء ما اعد لدفن الموتي و
 حوائج المصركر كض الخيل و الدواب و جمع المساكن
 و الخسوج للرحى و غير ذلك (ج ۱ - ص ۵۳) -

حاصل عبارت مذکورہ بالا این است کہ تحدید کردن فناء بفرسخ یا بفرسخین یا میل
 و میلین درست نیست زیرا کہ فناء بلحاظ خوردنی و کلافی شهر مختلف میشود۔ پس تعریف راجح
 است از تحدید بفرسخ و غیرہ و تعریف فناء متفق علیہ این است۔ ہر آن مقام کہ مستقل
 آبادی نیست بلکہ از توابع مصر است و بنا بر او برائے حوائج اہل بلد است۔ مثلاً مردمان
 در آنجا برائے تیراندازی جمع مے شوند یا مقابر مسلمین در آنجا پیوستہ اند یا عساکر مسلمین
 در آنجا بود و باشند میدانند آن فناء مصر است۔ بعد ازین تفصیل حاصل جواب این است
 کہ فناء شہر از سوز البسلہ و محلات و مکانات بلد شروع شدہ تا آن مقام منتہی شود
 کہ برائے حوائج اہل بلد از اقسام مذکورہ بالا تیار کردہ شدہ است۔ اگرچہ از چند فرسخ
 متجاوہ ہم گردد۔ اعتماد مصالح است نہ کہ مسافت۔ اما این سوال کہ مکانات پانزدہ
 یا شانزدہ پختہ و خام کہ بنا شدہ است اگر در حد و فناء واقع ہستند و تعریف
 فناء بر آنہا صادق آید در آن اقامت جمعہ جائز باشد ورنہ نہ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ : ۲۰ / ۱ / ۱۳۴۰ھ

الحجاب صواب و حق و الحق اسحق ان تبیع ، خیر محمد عفا اللہ عنہ بہتم خیر الارس بلتان



خطبہ جمعہ میں کفار کیلئے دعائے کرنا کیسا ہے
 خطبہ جمعہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیہ
 کلمات کہنا اور کفار کے لئے بدعا

کرنا کیسا ہے ؟

خطبہ شامیہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیں کلمات کہنا مستحب ہے۔
الجواب قال فی التجنیس والثانیۃ کالاولی الا انہ

یدعو للمسلمین مکان الوعظ ۱ھ (شامی ج ۱ ص ۵۹)۔

فی نفسہ کفار و مشرکین پر لعنت کرنا بھارت ہے چنانچہ بعض مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ لیکن جزیرہ خطبہ ہونے کی حیثیت سے اس کا استحباب منقول نہیں لہذا عام حالات میں ترک النسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۵ / ۲ / ۱۳۹۶ ھ

عورتوں کا جمعہ کیلئے آنا درست نہیں مسجد کے ساتھ ملحقہ جگہ میں عورتوں کے لئے نماز کی جگہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ نیز

ان کی جمعہ میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

ملحقہ مسجد میں نماز کے لئے جگہ بنانا درست ہے لیکن عورتوں کا جمعہ کے لئے آنا پسندیدہ نہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں مفساد کا بہت اندیشہ

ہے۔ ویحکوه حضورہن الجماعۃ ولو لجمعة وعیدو وعظ مطلقا۔ ۱ھ (در مختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۵۲۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۵ / ۴ / ۱۳۹۶ ھ

بیع و شراہ جمعہ کی کوئی اذان کے بعد حرام ہے سوال: بیع و شراہ جمعہ کے کوئی اذان کے بعد حرام ہے؟

پہلے اذان کے بعد بیع و شراہ حرام ہے۔ ووجب للسعی الیہا و ترک البیع بالاذان الاول فی الاصح ۱ھ (در مختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۵۲۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۵ / ۱۳۹۶ ھ

جمعہ کی اذان ثانی کہاں دیکھ لے جمعہ میں جو اذان خطبہ کے وقت دی جاتی ہے اس اذان کی جگہ کون سی ہونی چاہئے۔ دوسری یا تیسری

یا آخری صف میں کھڑے ہو کر دی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

نوزن کو صف اول میں خطیب کے آگے اذان کہنا سنت ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویؤذن ثانیاً بین یدیه ای الخطیب ۱ھ ای

علی سبیل السنیۃ ۱ھ۔ دشامی ج ۱ ص ۵۶۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۵/۴۷ھ



جمعہ میں کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے ریڈیو میں بتلایا گیا ہے کہ جمعۃ المبارک میں تیس آدمی ہوں تو جمعہ ادا ہوگا

اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے۔

آپ کو سننے میں اشتباہ ہو گیا ہے جمعہ ادا کرنے کے لئے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ والسادس للجماعة و اقلها ثلاثہ رجال

سوی الامام۔ ۱ھ درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۶۰۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ۲۳ شوال ۱۴۰۲ھ



جمعہ کیلئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہم فائبر گیٹ میں ملازم ہیں وہ جگہ ہے تو شہر میں مگر وہاں مسجد نہیں ہے ڈیوٹی کے دوران تو جو نمازیں آتی ہیں وہ توجہات

کے ساتھ ادا کر لیتے ہیں مگر دوسری رہ جاتی ہیں۔ ایسے ہی جمعہ کے لئے بھی وقت ہوتی ہے کہ اس وقت ڈیوٹی ہوتی ہے اور حاضر رہنا پڑتا ہے اس صورت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے ؟

کوشش تو یہی کریں کہ جمعہ مسجد میں آکر پڑھیں۔ اذان جمعہ کے بعد وضو وغیرہ کر کے سنتیں پڑھ کے تیار بیٹھے رہا کریں اور وہاں سے ایسے وقت چلیں کہ خطبہ شروع

ہونے والا ہو۔ خطبہ اور فرض میں شرکت کے بعد واپس آجائیں اور سنتیں اپنی جگہ پر پہنچ کر پڑھ لیں اگر اس میں بھی دشواری ہو تو دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کا بھی وہیں بند و بست کر لیں جمعہ درست ہو جائے گا۔

کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں۔ وتؤدی۔ فی مصر واحد بمواضع كثيرة
مطلقاً علی المذهب وعلیہ الفتوی۔ ۱۷ (در مختار علی الشامیہ۔ ج ۱: ص ۵۶۵)۔

فقط واللہ اعلم

الحجاب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الاقنار
مفتی غیر المذاکر س ملتان
محمد انور عفا اللہ عنہ

عدم جواز جمعہ فی القری کے بارے میں مجوزین کے شہادت اور انکی مسکت جواب

سوال ۷ : بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت ”فاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ الْاِیۡتۃ سے ثابت ہو رہی ہے اور اس آیت کے حکم سے جب نماز جمعہ ہر جگہ فرض ہے تو اب چھوٹے گاؤں والے فقہار کے قول سے اپنی بستی میں اگر جمعہ نہ پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اور بموجب حکم احادیث ان کے قلوب پر مہر لگائی جائے گی۔ اب عرض یہ ہے کہ واقعی اس آیت سے ہر جگہ جمعہ پڑھنے کا جواز نکلتا ہے یا نہ ؟ اور آیت کریمہ کے حکم سے بموجب چھوٹے گاؤں والے جمعہ کے چھوٹے پرحنفی مذہب کے مطابق گنہگار اور آیت مخالف ہوں گے یا نہ ؟ یا اس آیت کا مصداق ہر قریدی شہری اور گاؤں والے ہیں۔ حنفی مذہب کی اس بارہ میں کیا تحقیق ہے ؟

آیت مذکورہ بالا جماع عام مخصوص منہ البعض ہے۔ کیونکہ جنگلات اور ایسی آبادیوں میں جن کے باشندے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اتفاقاً جمعہ جائز نہیں۔ تو آیت شریفہ میں عموم امکانہ کا مراد ہونا منتفی ہو گیا۔ پس وجوب جمعہ مخصوص مقامات پر ہو گا۔ جس کی تعیین حنفیہ نے ”حدیث علی رضہ“ سے کی ہے جو کہ مرفوع حکمی ہے۔ پس آیت مذکورہ سے ہر مقام پر فرضیت جمعہ ثابت نہ ہوگی۔ لہذا اخلاف ترک جمعہ فی القری کی وجہ سے گنہگار نہیں۔ آیت کا خطاب صرف اہل مصر کو ہے۔ نیز آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر اذان جمعہ ہو ساذک سنتے ہی ذکر اللہ کی طرف سعی کرو۔ لیکن محل اذان جمعہ کی تعیین سے آیت ساکت ہے کہ کس مقام

پر دیجائی اور کس مقام پر نہیں۔ پس آیت مذکورہ سے جمیع ممکنہ میں وجوب جمعہ پر استدل کرنا غلط ہے۔

سوال ۲ : بخاری شریف کی اس حدیث شریف سے (ج ۱ : ص ۵۵۹، ۵۶۰) معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعد از ہجرت قبا میں جملہ چودہ دن مع رات سکونت فرمائی تھی پھر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ

عن انس بن مالك قال لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة نزل في علو المدينة فحسبوا له بنو عمرو بن عوف فاقام فيهم اربع عشرة ليلة - الحديث

اور اہل سیرت کہتے ہیں کہ آپ کا قیام وہاں صرف چار دن (دو شنبہ سے پنج شنبہ تک) رہا۔ اور بروز جمعہ وہاں سے آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور قبیلہ بنو سالم میں پہنچے نماز جمعہ کا وقت ہوا۔ اور وہاں چار آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ اور اشعة اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ : ج ۱ : ص ۵۶۶ - میں جناب مولانا عبدالحی راقم ہیں۔

”کہ جبہ اول جمعہ کہ گزار دہ بعد از قدوم بمدینہ بود۔“

لکھذا کتاب مبسوط ج ۱۱ ص ۱۴ - پر یوں ہے۔

ولهذا جهر في الجمعة والعیدین الى قوله بها قوة الاذی۔

اب عرض یہ ہے کہ مبسوط و اشعة اللمعات دونوں معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ اول بعد از ہجرت مدینہ میں پڑھا اور اس سے پہلے کہیں جمعہ نہیں پڑھا۔ اور اہل سیرت کی روایت اس کے خلاف ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جمعہ قبا میں پڑھا۔ اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایات و عبارات میں سے کون سی مستند اور قابل و فائق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کہاں جمعہ پڑھا۔ قبا میں یا بنو سالم میں یا مدینہ میں جا کر جمعہ پڑھا۔ اور مذکورہ عبارات سے کون سی عبارت حق ہے ؟ اور حضرات علماء کرام دیوبندی مذکورہ بالا روایت بخاری میں سے ثابت کر کے اپنی تصنیفات میں یوں راقم ہیں۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب ”ادق القرنی“ اور حضرت شیخ البند ”حسن القرنی“ میں لکھ گئے ہیں کہ جناب حضور اکرم ﷺ نے قبا میں دو ہفتہ سکونت فرمائی اور وہاں آپ کو دو جمعہ پیش آئے تھے مگر آپ نے وہاں و روز جمعہ نہیں پڑھے۔ ان کا یہ لکھنا اور

فرمانا مذکورہ بالا حدیث بخاری سے استدلال لینا صحیح ہے یا نہ ؟ اگر ان کا یہ فرمانا صحیح ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ انہوں نے مذکورہ حدیث سے یہ مضمون کیسے لیا ہے ؟ اور مذکورہ بالا روایت کے کون سے الفاظ اس مضمون پر دال ہیں کیونکہ اس روایت میں تو صرف عدد ایام کا ذکر ہے باقی مضمون زیادہ روایت سے معلوم نہیں ہوتا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ بنو سالم میں ادا فرمایا ہے ۔ بنو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہے (بستی نہیں) اس پر محدثین اور اہل سیر کا اتفاق ہے

جب بنو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہی ہے تو اشعة اللمعات ، مبسوط ، اہل سیر کی عبارتوں میں کوئی اختلاف نہ رہا ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبائلیں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں ۔ (دوسرا دلیلیہ البیان) اکابر دیوبند نے بخاری شریف کی حدیث (فاقام فیہم اربع عشرة لیلة) سے بھی استدلال کیا ہے ۔ کہ جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی اور بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں چودہ روز قیام کیا جس میں ایک جمعہ یقیناً آیا ہوگا لیکن قبا میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں ۔ بلکہ اس کے برخلاف اہل سیر کا اتفاق اس امر پر موجود ہے کہ پہلا جمعہ مدینہ منورہ (اس کے محلہ بنی سالم) میں پڑھا گیا ہے ۔ پس اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قبا جیسی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں ۔ بلکہ اس کی صحت کے لئے شہر کا ہونا ضروری ہے ۔ ورنہ قبا میں ترک جمعہ کی نوبت نہ آتی ۔

سوال ۷ : غیر مقلدین نے اس حدیث (لا جمعة ولا تشریق الحدیث) پر تبصرہ کیا ہے اور اس کے انہوں نے پندرہ جواب دیئے ہیں ۔ اول جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ سے عند التقہمین ثابت نہیں ۔ اور اس کی سند ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے ۔ البتہ موقوفہ اس کو بعض لوگ صحیح کہتے ہیں ۔ اب عرض یہ ہے کہ ان کا یہ جواب صحیح ہے یا نہ ؟ اگر ان کا یہ جواب صحیح ہے تو پھر ان کے جواب کا کون سا جواب ہے ؟

روایت بالا موقوفہ قطعاً صحیح ہے اور غیر مدرك بالامائی ہے ۔ لہذا حکماً مرفوع ہوئی ۔ پس بلاشبہ قابل احتجاج ہوگی ۔

دفعۃ الفسارۃ ج ۱ ص ۲۶۲ : فان قلت قال النووي حدیث علی متفق علی ضعفه و هو موقوف علیہ بسند ضعیف منقطع قلت كان له لو يطلع الا على الاثر الذي فيه الحجاج

بن ارسلا لا دلو یطلع علی طریق حبیر عن منصور فانہ سند
صحيح ولو اطلع لم یقتل بما قالہ و اما قوله متفق علی ضعفہ
فزیادۃ من عنده ولا یدری من سلفہ من ذالک (بحوالہ
اعلاء السنن)۔

علاوہ ازیں امام البوزید دہلوی نے ”اسرار“ میں نقل کیا ہے کہ۔ ان محمد بن الحسن
قال رواہ مرفوعاً معاذ وسراقة بن مالک رضی اللہ عنہما۔
تو امام محمد رحمہ اللہ ہیں ان کا قول رفع حدیث کے بارے میں محبت بن سکتا ہے۔ نیز امام خواہر زادہ
نے مبسوط میں فرمایا کہ امام ابو یوسف نے امالی میں حدیث ہذا کو مرفوعاً سنداً بیان کیا ہے
پس ہر قدر حدیث علی رحمہ اللہ قابل احتجاج ہے اور غیر مقلدین کا اسے ضعیف قرار دینا بھالت
ہے۔

سوال ۱۲: غیر مستندین مذکورہ بالا حدیث کا ثانی جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث
طبقہ ثالثہ سے ہے جو قرآن اور دیگر احادیث کے معارض نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ طبقہ اولیٰ و
ثانیہ کی حدیثیں ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ”عجالة نافعة“ میں لکھا ہے کہ
”و کتب انہا در شہرت و قبول در طبقہ اولیٰ و ثانیہ نہ رسیدہ“
یعنی طبقہ ثالثہ کی کتب مشہوری اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ و ثانیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں نیز
یہ لکھا ہے کہ

”اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہار نہ شدہ اند بلکہ اجماع بخلاف اس متفقہ گشتہ“
(ترجمہ ظاہر ہے)۔ یہ قول ہمارے دلائل قطعہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کا جواب
فرمائیے۔

روایت بالا حدیث علیٰ ضرب قرآن یا دیگر احادیث کے خلاف ہی نہیں کہ
معارضت کا سوال پیدا ہو۔ شاہ صاحب کی عبارت کا مطلب اور صاف
ترجمہ یہ ہے کہ طبقہ ثالثہ کی کتب شہرت اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کو نہیں پہنچتیں تو اس سے
اور اسی طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی دوسری عبارت سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کتب کی تمام
احادیث مردود ہیں۔ اور ان کتب کی کسی حدیث سے احتجاج کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ اس

کی سند صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ خوب سمجھنے کے احتجاج کا مدار، صحت سند اور دیگر شرائط معتبرہ
عند الحمد نہیں پر ہے۔ خواہ کسی کتاب میں ہو۔ لہذا حدیث علیؑ کو صحت سند کے باوجود صرف اس
وجہ سے ناقابل اعتبار اور ساقط قرار دینا محض جہل اور نا انصافی ہے۔

سوال ۵۵ : غیر مقلدین کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک جریر راوی دار ہے
جس کو اخیر وقت میں وہم ہو گیا تھا۔ اب یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ روایت انہوں نے کس حالت میں
بیان کی ہے۔ احتمال ہے کہ بعد از وہم بیان کی ہو۔ تو پھر یہ درست نہیں۔ نیز اس سند میں طلحہ
راوی ہے جس کی تصریح نہیں کہ کون ہے۔ کیونکہ بعض ثقہ اور صدوق ہیں اور بعض وہمی اور مجہول
ہیں۔ جواب فرمائیے !

الجواب : حدیث علیؑ موقوفاً بلاشبہ صحیح اور قابل استناد ہے جیسا کہ محققین
واہل فن نے اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ عینیؒ کی تصحیح عمدۃ القاری
سے ہم جواب نمبر ۳ میں نقل کر چکے ہیں کہ طریق جریر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”فانہ سند صحیح“
اور حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ”درایمہ“ میں فرمایا ہے کہ ”اسنادہ صحیح“
یہ حدیث مذکور کی دوسری سند کے بارے میں ہے جس کی سند یہ ہے۔

رواہ عبد الوفاق فی مصنفہ عن الثوری عن زبید الایالی عن
سعید بن عبیدۃ عن الج عبد الرحمن السلی عن علی
قال لا جعلۃ الخ

یعنی اس سند میں جریر اور طلحہ بھی نہیں جن کے بارے میں معترض کو تشویش ہے اور
حافظ الدنیا اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔ نیز علامہ ابن حزمؒ نے بھی ”محلی“ ج ۵ ص ۵۳
میں حدیث ہذا کو صحیح تسلیم کیا۔

هذا نصہ فقد صح عن علیؑ لا جعلۃ ولا تشریق الخ
پس محققین کا حدیث مذکور کو صحیح تسلیم کرنا ہمارے لئے محبت ہے۔ اب اگر معترض کو طلحہ
کی تعیین کے بارے میں خلجان ہو رہا ہے تو محض تعصب کی بناء پر ہے۔ ان اعلام نے رواۃ کی
معرفت اور پوری تحقیق و تفتیش کے بعد تصحیح فرمائی ہے۔

سوال ۵۶ : حدیث بالا کا چوتھا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ قول آیت اور احادیث مرفوعہ

کے خلاف ہے جب قول صحابی حدیث کے خلاف ہو تو متروک ہوتا ہے۔ ”فتح القدیر“ میں ہے کہ قول صحابی اس وقت لیا جاتا ہے کہ جب خلاف حدیث نہ ہو۔

یہ حدیث علی رضی آیت اور احادیث مرفوعہ کے مرکز خلاف نہیں ہے کاتبینا۔
الجواب دمن ادعی فعلیہ البیان۔ خط کشیدہ احادیث مرفوعہ کا مطالبہ غیر مقلدین سے ہونا چاہیے نہ کہ ہم سے۔

سوال ۴ : حدیث مذکورہ کا پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ قول متروک الظاہر ہے۔ کیونکہ لفظ نفی جمعہ کی ہے حالانکہ مراد نماز ہے۔

جب حدیث علی رضی میں بالاجماع قطعی طور پر نماز جمعہ ہی مراد ہے۔ اور یوم جمعہ کی نفی کا تصور ممکن نہیں تو اس حدیث کے متروک الظاہر مؤثر نہ سے مسئلے پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔
الجواب

سوال ۵ : غیر مقلدین اس مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۶ یہ دیتے ہیں کہ جمعہ فرض ہے عین ہے جس کا ثبوت قطعی ہے۔ اور مشترک شرط اس قول سے ثابت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ ظنی ہے اور دلیل ظنی سے فرض کی شرط ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شرط الفرض لا یحکون الا فرضاً اصول سلسلہ ہے۔ آھ براہ کرم اس کا مسکت جواب لکھیں۔

آیت مترغیہ اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الخ بالاجماع مخصوص عنہ البعض ہے۔ پس اس اعتبار سے اس میں ظنیت آگئی۔ اب خبر واحد (حدیث علی لا جمعة الخ) سے اس کی تخصیص درست ہوئی۔ جیسا کہ پہلے استفتاء کے جواب میں قدرے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔
الجواب

سوال ۶ : غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۷ یہ دیتے ہیں کہ ”قول علی لا جمعة“ جو وارد ہے اس کی تائید میں نبی علیہ السلام کی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ جمعہ کی فرضیت تمام مسلمانوں کے لئے احادیث نبویہ میں بکثرت وارد ہے۔ جواب محقق لکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے قول کی مؤیدات میں جو روایات ہوں وہ بھی لکھیں۔

الجواب حدیث ”لا جمعة الا“ خود مرفوع حکمی ہے۔ گویا کہ خود فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس تائید کی کیا حاجت ہے؟ کیا ایک حدیث کا قابل عمل ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ کوئی دوسری حدیث بھی اس کی مؤید ہو۔ اگر نہیں تو اس حدیث ”لا جمعة“ میں خصوصیت کیا ہے؟ علاوہ ازیں چند احادیث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن سے حدیث مذکور کی تائید بھی ہوتی ہے۔

۱ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں جمعہ ادا نہیں فرمایا۔ حالانکہ آپ نے وہاں پودہ روز قیام فرمایا۔ (کما مر عن صحیح البخاری) اور مدینہ منورہ میں تشریف لا کر جمعہ ادا فرمایا۔

۲ : باوجودیکہ مدینہ منورہ کے ارد گرد دور دور تک اسلام پھیل چکا تھا لیکن کسی جگہ مدینہ کے علاوہ جمعہ ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک مدت کے بعد ”جواثی“ میں جمعہ قائم کیا گیا۔

۳ : جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ممالک کو فتح کیا تو صرف شہروں ہی میں جمعہ کی ادائیگی کا انتظام کیا گیا۔ کما صرح بہ غیر واحد۔

سوال ۱۱ : غیر مقلدین مذکورہ حدیث کا جواب منبر یہ دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم سیاسی تھا شرعی نہ تھا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بغاوت اور فسادات شروع تھے انہوں نے جمعہ اور عید کا حکم شہروں میں کر دیا تاکہ خطبوں میں کوئی باغیانہ تقریر نہ کر سکے۔ اھ

اس کا جواب مفصل لکھنے کے علاوہ یہ بھی بتایا جائے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں یہ حکم شہروں کے لئے کیا تھا یا اپنی خلافت سے پہلے فرمایا تھا۔ عبارات سے مدلل کریں۔

الجواب بقول غیر مقلدین اگر وہیات میں جمعہ فرض تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خلیفہ راشد سیاسی مصالحوں کی بناء پر ایک فرض قطعی کی ادائیگی کو ممنوع قرار دے دے

حاشا وکلا یہ تو ایک فاسق و فاجر حاکم اور بادشاہ بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور کیا غیر الفستردوں میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اس کثرت کے باوجود اس امر شیع کے وقوع کا امکان بھی ہے؟ ہرگز نہ ہرگز نہیں۔ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان کے اس کمزور درجے تک پہنچ چکے تھے کہ لغو باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرائض میں قطع و بریدہ کریں اور کوئی

نیکر نہ کرے۔ الحاصل یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت علی کریم اللہ وجہہ کا یہ فرمان سیاسی مصلحت پر مبنی تھا۔

سوال ۱۱ : غیر مقلدین اس حدیث کے متعلق جواب نمبر ۹ یہ دیتے ہیں کہ پھر یہ قول سے حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے۔ بایں طور کہ "رد المختار" ج ۲، ص ۵۲۷ میں ہے کہ۔ جب امام کے حکم سے گاؤں میں مسجد بنائی جائے تو تمام فقہاء کے نزدیک وہاں جمعہ درست ہے۔ اب یہ دلیل بے کار ہوئی اور شرکی شرط نہ رہی ۱۱ اس کا محقق جواب عنایت فرمائیں۔

جواب : جزئیہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ امام اگر کسی بستی کو مصر قرار دے دے تو یہ بستی حکماً مصر بن جائے گی اور اس میں ادائیگی جمعہ درست ہوگی۔ تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ مصر کی شرط باطل ہے۔ عجیب فہم ہے خدا ہدایت فرمائے۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اختلافی مسائل میں حاکم کا فیصلہ قطع اختلاف کا موجب ہے۔ تو حاکم نے جب بستی میں جمعہ پڑھنے کا حکم کیا تو یہ واجب العمل ہوگا۔ کہ فی الشامیہ، ج ۲، ص ۷۸۔

سوال ۱۲ : غیر مقلدین جواب نمبر ۱۰ یہ دیتے ہیں کہ عینی مشرح بخاری، ص ۴۶ میں ہے کہ اگر خلیفہ اسلام کسی گاؤں میں اپنا نائب بھیج دے کہ وہ حدود و قصاص جاری کرے تو وہ گاؤں شہر ہو جائے گا۔ جس میں جمعہ جائز ہوگا۔ جب نائب کو معزول کر دے گا تو وہ گاؤں بن جائے گا۔ پس اہل امام اور اس کے نائب ہونے کے سبب سے جمعہ ہوتا ہے شہر کی شرط لغو ہے۔ ۱۲ اس کے اس جواب کا جواب الجواب بالتحقیق اور مسکت عنایت فرمائیں۔

جواب : بشرط صحت نقل جزئیہ مذکور کا بھی ہی جواب ہے جو اس سے پہلے میں مذکور ہو چکا ہے کہ خلیفہ کا کسی گاؤں میں حدود و قصاص کے اجراء کے لئے اپنے نائب کو بھیجا حکماً اسے مصر قرار دے دینا ہے۔ پس اس گاؤں میں جمعہ بلاشبہ جائز ہوگا۔ کیوں کہ صحت جمعہ کی شرط (یعنی محل اقامت جمعہ کا مصر ہونا) یہاں مستحق ہے اگرچہ حکماً ہے۔

سوال ۱۳ : غیر مقلدین حدیث مذکور کے متعلق جواب نمبر ۱۱ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں مصر جامع کی شرط ہے۔ مصر جامع کی تعریف مشتبہ ہے اس میں اس قدر اختلاف ہے کہ شاید ہی کسی مسئلہ میں ہوگا۔ قریب تیس اقوال کے درج ہیں جو سب متضاد ہیں۔ بعض تعریف ایسی ہیں کہ ان کی رو سے کلکتہ، ممبئی، دیوبند، سہارنپور، کراچی، لاہور، حیدرآباد، ملتان وغیرہ بھی

جمعہ جائز نہیں رہے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ مصر وہ ہے جہاں امام اور والی ملک ہو جو حکام شرعیہ نافذ کرے۔ اور حدہ قائم کرے۔ کیا خوب شرط ہے۔ گویا اس دن جامع مسجد میں مجرم کو جمع ہوں گے جن پر مفدمات چلائے جائیں گے اور خطبہ میں فیصلے سنائے جائیں گے۔ بہر حال یہ شرط مفقود ہے تو ہدایہ والے کے نزدیک جمعہ ہندوپاک میں ناجائز ہے۔ اور کم درجہ کی یہ تعریف ہے کہ جہاں تیس گھر آباد ہوں۔ دیکھو ہدایہ مع الکفایہ، فتح القدیر، عمدۃ الرعاۃ، کبیری شرح منیۃ المصلی، ان میں سب تعریفیں درج ہیں۔ اس آخری تعریف کی رو سے ہرستی میں جمعہ جائز ہو جائے گا کیونکہ اکثر دیہات کی آبادی تیس گھر یا اس سے نامذہ ہے۔ "الاقلیل والقلیل

کالمحدوم" اس تعریف کو حنفی تو حقیقہ تصور کرتے ہیں۔ اور اس پر تمام ائمہ مذاہب متفق ہو سکتے ہیں ورنہ اختلاف رفع نہ ہو گا۔ ہمیشہ اس فرض الہی پر لوگ روتے جھگڑتے رہیں گے جن کا فیصلہ کوئی نہ کر سکے گا تو پھر یہ پیشیں کوئی بھی سچی ہو جائے گی جو حدیث میں ہے کہ تظہر الفتن حتی یختلف اثنان فی فریضۃ لا یجدان احدا یفصل بینہما۔ تو یہ اختلاف ایسا ہے کہ جمعہ فرض عین بالاجماع ہے مگر یہ کہاں ادا کیا جائے گا، اس کا فیصلہ کرنے والا کوئی ثالث نہیں خواہ عرب ہو یا عجم، منصف نایاب۔ کیونکہ اختلاف ہر ملک میں قائم ہے۔ اگر شارع کا مقصد شہر میں جمعہ کا حشر کرنا ہوتا تو شرعی طہر پر اس کی تعریف کی جاتی مگر کسی حدیث یا قول میں اس کی تعریف وارد نہیں۔ لہذا یہ شرط بے کار ہے۔ میرے جناب عالی مہربانی فرما کر غیر مقلدین کی اس مذکورہ بالا بجواس کا مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

مصر کے معنی لغت اور عرف عام میں شہر کے ہیں۔ اور شہر، گاؤں کا فرق اور ان کے مصداق کا باہمی تفاوت ایک ایسی بدیہی چیز ہے جسے عوام و خواص

الجواب

عالم، جاہل، بچے، بوڑھے سب جانتے ہیں۔ چنانچہ سفیان ثوری رحمہ فرماتے ہیں۔

المصر الجامع ما یعدہ الناس العصر عند ذکر الامصار

المطلقة کبخارا و سمرقند الخ (عمدۃ الرعاۃ ج ۱ - ص ۲۴)

شرح وقایہ -

تو ایسی بدیہی چیز کے بارے میں معترض مذکور کا یہ کہنا کہ اس کی تعیین اور اس کا فیصلہ کرنے والا نہ عرب میں مل سکتا ہے نہ عجم میں محض یہودہ اور لغو ہے۔ رہ گیا مصر کی تعریف است

کالتقدیر اور اختلافات۔ سو ہمیں یہ کچھ مضر نہیں۔ اولاً اس وجہ سے کہ صاحب مذہب ابوحنیفہ ؒ سے صرف ایک ہی تعریف منقول ہے اگرچہ بعض الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ وہ تعریف یہ ہے۔

انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رسا تيق وفيها
وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمتة وعلمه
او علم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا
هو الاصح انه نقله الشافعي عن التحفة ج ۱۔ ص ۴۸

یہی ظاہر مذہب ہے۔

وبه اخذ ابو يوسف واختاره الكرخي و القدوري وعليه اكثر
الفقهاء انه هكذا في الطحاوی ص ۲۹۹ :

صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی تعریف کو مختصراً نقل کیا ہے۔ باقی تعریفات مصر اقوال مشائخ
ہیں۔ اگر تعریف مذکور کی طرف راجع نہ ہوگی تو بمقابلہ قول صاحب مذہب مرحوم قرار پائے گی
پس تعدد و اختلاف مضر نہیں۔

ثانیاً۔ اس وجہ سے کہ اکثر تعریفات کے اختلاف کی حیثیت محض عنوان اور تعبیر کے اختلاف
کی سی ہے۔ درجہ معنوں میں کوئی اختلاف نہیں پس تعدد مضر نہیں۔ صاحب ہدایہ کی تعریف
پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کا منشا جہالت اور تعصب ہے۔ کیونکہ تنفیذ احکام سے مراد
بالفعل تنفیذ نہیں بلکہ قدرت علی التنفیذ ہے۔ کافی الطحاوی والشامی وغیر ذالک۔ پس یہ اعتراض
ساقط ہے۔ اور جو تعریف ہم نے نقل کی ہے اس میں ”یقدر“ کی تصریح ہے۔ پس تعریف
مصر میں کوئی اشکال نہیں۔ معترض کا اعتراض محض تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔

سوال چھٹا : غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر ۱۲ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں نماز عید
پڑھنے کی بھی نفی ہے۔ حالانکہ وہ شعائر اسلام ہے جو دیہات کے مسلمانوں کے لئے بھی قائم
ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔ ج ۱ ص ۳۳

ومن كان في البيوت والقري راقول النبي صلى الله عليه وسلم

لهذا عيدنا يا اهل الاسلام -

اور ایک باب یوں منقذ کیا ہے: "باب العید لاهل الاسلام" اسی کے تحت یہ حدیث مذکور ہے: "یا ابا بکر انت لكل قوم عیداً و هذا عیدنا" پھر لکھا ہے "باب اذا فاتت العید" میں کہ انس بن مالکؓ نے اپنے غلام ابنہ ابی عتبہؓ کو حکم دیا کہ تراویہ میں کہ سب گھر والوں کو اور ان کی اولاد کو جمع کرے۔ اس نے جمع کیا تو حضرت انسؓ نے شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھی اور اسی طرح تبکیریں کہیں۔ حضرت عکرمہؓ نے کہا دیہات والے عید کے دن جمع ہوں اور شہر والوں کی طرح نماز عید پڑھیں جیسے امام پڑھائے حضرت عطارؓ نے کہا کہ اگر عید فوت ہو جائے تو دو رکعت پڑھ لیں۔ یہ فتوے حنفیہ کا کہ جو شرط اور حکم جمعہ کا ہے وہی عید کا ہے یہ غلط ہے۔ جمعہ کی قضا نہیں اور وہ بغیر جماعت کے جائز نہیں۔ لیکن عید کی نماز صحرا میں جائز ہے اور اس کی قضا رہے اور وہ اکیلے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ فتدبر!

جناب عالی! مہربانی فرما کر اس جواب نمبر ۱۲ پر بھی غور فرما کر اس کے ہر ایک فقرہ کا بھی محقق اور مسکت جواب دیں۔

الحاجہ
احناف عید اور جمعہ کے مماثل کلی اور تمام شرائط کے اتحاد کے قائل نہیں۔ مثلاً عید اور جمعہ ہر دو کا وقت الگ الگ ہے۔ خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے۔

نہ کہ عید کے لئے۔ ہاں مصر جامع کا ہونا عید و جمعہ ہر دو کے لئے شرط ہے۔ دلیل اس کی وہی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کی قبل ازیں تحقیق ہو چکی اور مطلوب اس میں مصرح ہے سابقہ جوابات میں یہ بتلایا گیا کہ "حدیث لاجمعة" مرفوع حکمی ہے۔ تو اس کے منطوق اور عبارت النص کے مقابلہ میں هذا عیدنا یا اهل الاسلام یا نیر یا ابا بکر انت لكل قوم عیداً اللہ سے وجوب عید فی القریٰ کا استنباط اور اجتہاد قابل قبول نہیں۔ کیونکہ یہ اجتہاد نہایت کمزور ہے۔ عید کی اضافت قوم کی طرف اس سے عید کا وجوب قوم پر مجموعی حیثیت سے تو کسی درجہ میں مفہوم ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر ہر فرد پر وجوب عید یہ اس سے ہرگز نہیں نکلتا۔ نیز حضرت عکرمہؓ کے قول کو بھی حدیث صریح مرفوع حکمی کے مقابلہ میں قابل اسناد نہیں گردانا جائے گا۔ لظہور متوجیح المرفوع علی الاثر المقتطوع اور حضرت عطارؓ کا فرماتا مانحن فیہ سے خارج ہے۔ کہا ہو الظاہر۔ رہا حضرت

انس رضی اللہ عنہ کا زاد یہ میں عید پڑھنا۔ سواوّلًا تو یہ مفید و محبوب نہیں۔ ممکن ہے بطور نفل عید کے طریقہ پر ویسے دو رکعت ادا کی ہوں۔ جیسا کہ بعض سلف فائت العید یا عاجز کے لئے دو رکعت یا چار رکعت کے استحباب کے قائل ہیں۔ جیسا کہ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو ابھی بھی گزرا ہے۔

ثانیاً : یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فعل موافق قیاس اور مدرک بالرائی سے تو یہ یہ موقوف ہے۔ اور حدیث علی رضی اللہ عنہ مدرک بالرائی نہیں وہ حکماً مرفوع ہے۔ پس بوقت تعارض ترجیح مرفوع حکمی ہی کو ہوگی۔ پس اس پوری تفصیل سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ عید کے لئے بھی مصر جامع کا ہونا ضروری ہے۔

سوال ۱۵ : غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر ۱۳ یہ دیتے ہیں کہ اس قول "لا جمعۃ" میں جیسے جمعہ کی نفی ہے ایسے ہی قربانی کی بھی نفی ہے حالانکہ قربانی سب دیہاتی حنفی کہہ رہے ہیں۔ قربانی کی نفی دو طرح سے ہے ایک یہ کہ تشریق کا معنی دھوپ میں گوشت سکھانا۔ چونکہ مسلمان چند دنوں میں قربانی کے جانوروں کا گوشت دھوپ میں خشک کرتے ہیں۔ اس لئے عید کو بھی تشریق کہتے ہیں اور قربانی کو بھی تشریق کہتے ہیں۔ اور تشریق میں دونوں کی نفی ہے۔ اگر تشریق سے مراد نماز عید ہے تب بھی قربانی کی نفی ہے۔ کیونکہ قربانی نماز عید کے تابع ہے۔ نماز پڑھے بغیر قربانی کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

ان اول ما بدأ من یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فنحمر

فمن فعل ذلك فقد اصاب سنتنا۔ (بخاری)

دوسری حدیث بخاری کتاب العید میں ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ذبح قبل المذلولۃ فلیعد۔

اس سے ظاہر ہے کہ قربانی نماز کے تابع ہے بلکہ نماز عید پڑھے بغیر کھانا بھی نہ کھاتے۔ حدیث میں بخولا یا ککل یوم النحر حتی یصلی حبیب نماز ہی نہ پڑھی گئی تو قربانی کا ہے کی کرنی ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ کوثر میں ہے فصل لربک وانحر پس جو لوگ بغیر عید کی نماز کے قربانی کرتے ہیں ان کی قربانیاں قبول نہیں ہوتیں۔ یہ تیرہ جوابات حنفیہ کی اس بڑی دلیل کے ہیں لہذا یہ قابل استدلال نہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہیے کہ شخصیت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار

کریں۔ اور جمعہ وعید جیسے شعار اسلام کو ضائع کر کے اپنے اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں۔
جناب عالی! حضرات غیر مقلدین، جناب حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول
لاجمعة ولا تشریق ولا فطار ولا اضحیٰ الا فمصر حاضیہ او مدینہ عظیمہ
کے یہ تیرہ جوابات گویا تیرہ سوالات کر کے اکڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاس چونکہ اتنی کتابیں نہ تھیں کہ
ان سے ان کے جوابات دیکھ کر لکھ دیتے۔ اس لئے آپ کی طرف روانہ کرتے ہیں۔ آپ ہر فقرہ کو ریزہ،
ریزہ کر کے صحیح جواب تحریر فرمائیں نہایت مہربانی ہوگی۔

حدیث ”لاجمعة الخ“ میں نفی تشریق سے مراد تکبیر تشریق کی نفی ہے نہ کہ قربانی
یا نماز عید کی نفی۔ کیونکہ عید الاضحیٰ کی نفی بعد میں مصرح ہے (دلائل اضحیٰ) پس
اس حدیث سے نفی قربانی کا الزام محض جہالت اور تعصب ہے۔ حدیث ”ان اول ما بدأ من
یومنا هذا الخ“ اور حدیث ”من ذبح قبل الصلوة الخ وغیرہ احادیث سے
یہ استدلال کرنا جن پر نماز عید واجب ہے ان کے ذمہ قربانی بھی واجب ہے بالکل بے محل اور غلط ہے
احادیث کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں پر عید قربانی ہر دو واجب ہیں ان پر لازم ہے کہ ان کو مرتباً ادا
کریں یعنی پہلے نماز عید بعد میں قربانی کریں۔ اس ترتیب کے خلاف کرنے پر ان لوگوں کی قربانی ادا نہ
ہوگی۔ پس معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور کی تاہم حدیث بالاسے تشبہت کرنا بھی درست نہیں
پس متعصب معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور دنیا مردود ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خناسیستی پرستی سے نکال کر،
تقلید شریعت کی توفیق بخشیں۔ نقطہ واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۴ / ۴ / ۱۳۸۰ھ

الاجوبہ صحیحہ
عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
ملتان ۱۸ / ۴ / ۱۳۸۰ھ

حجۃ الوداع میں عرفات میں جمعہ پڑھنے کی وجہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل سوالات میں۔
۱۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا وہ کون سا دن تھا۔ جمعہ کا دن تھا

یا کوئی دوسرا دن ؟ اگر جمعہ کا دن تھا تو پھر آپ نے اس دن جمعہ کی نماز پڑھی تھی یا ظہر کی نماز باجماعت
ادا فرمائی تھی ؟

یہ دن جمعہ کا تھا لیکن جمعہ نہیں پڑھا گیا بلکہ نماز ظہر ادا کی گئی تھی۔ امیر اول کی
دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری شریف ج ۱۱ ص ۱۱
میں مذکور ہے۔ اور امیر دوم کی دلیل مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔ (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

سوال ۷ : اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والے موقعہ میں جمعہ کے دن جمعہ نہ
پڑھا تھا اور فرض ظہر باجماعت پڑھی تھی تو اس کا کیا باعث تھا اور کس وجہ سے آنحضرت کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جمعہ چھوڑ کر ظہر کے فرض پڑھے مہربانی فرما کر جواب مدلل لکھیں۔ یعنی یا تو آنحضرت
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی وجہ سے جمعہ چھوڑا تھا یا اس وجہ سے اس کو چھوڑا تھا کہ عرفات محل
اقامت جمعہ کے لئے نہ تھا۔ نیز حجۃ الوداع والے واقعہ میں حجاج کی کتنی مردم شماری تھی۔ بینوا تو جروا۔

حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں، اسی لئے جمعہ
نہیں پڑھا گیا۔ ترک جمعہ کا سبب مسافر ہونا نہ تھا۔ کیونکہ حجاج میں سے
بہت سے مکئی بھی ہوں گے تو ان پر جمعہ کا وجوب یقینی ہوگا۔ لیکن کسی سے بھی پڑھنا ثابت نہیں۔ نہ
مسافریں سے اور نہ مقیمین سے۔ دمن ادعی فعلیہ البیان۔ نیز اہل ظاہر تو مسافر پر بھی وجوب
جمعہ کے قائل ہیں۔ (کبیری) تو ان کے نزدیک ترک جمعہ بوجہ سفر کا قول کرنا بھی ممکن نہیں۔ لہذا یہ
تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ یہی تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ نہ یہ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے۔ حجاج کی تعداد چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک مروی ہے روایات
مختلف ہیں۔

سوال ۸ : بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حجۃ الوداع میں سے
جمعہ چھوڑا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسافر تھے نہ اس وجہ سے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہ تھا۔
یہ وجہ ہرگز نہ تھی۔ بلکہ وہ محل اقامت جمعہ تھا۔ اب مطلوب امر یہ ہے کہ ان علماء کا مذکورہ بالا کہنا
بالکل صحیح ہے یا وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں ؟

اس کا جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گزر چکا ہے۔

سوال ۴ : اوپر دئے بعض علماء میں بعض جہاتِ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمعہ مسافر آدمی پر فرض نہیں ہے لیکن اگر مسافر آدمی جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسا بھی ہے کہ مسافر اگر جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جمعہ پڑھنے میں ثواب بھی بہت ملتا ہے۔ اور یہ بھی سب کے ہاں مسلم ہے کہ جیسے سفر کی وجہ سے ظہر کو دو رکعت کر کے پڑھنا واجب ہے تو جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو صرف سفر کی وجہ سے چھوڑا جب کہ سفر میں بھی جمعہ پڑھنے سے ادا ہو جاتا ہے (تو پھر حضور کریمؐ نے سفر کی وجہ سے جمعہ کو کیوں چھوڑا۔ وجہ بیان کیجئے) تو اس سے صاف صاف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن جمعہ کو سفر کی وجہ سے ہرگز نہ چھوڑا تھا۔ بلکہ اس کے چھوڑنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ عرفات محلِ اقامت جمعہ نہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ اول بعض علماء احناف کا یہ اعتراض غیر مقلدین پر کرنا صحیح ہے یا نہ ؟

حنفیہ کے نزدیک ترکِ جمعہ کی وجہ یہ ہے کہ عرفات محلِ اقامت جمعہ نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔

الحاج

سوال ۵ : اگر کسی مسئلہ میں اہل سیر اور بخاری شریف کا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں عمل کس پر کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی آدمی بخاری شریف پر عمل نہیں کرتا اور بخاری شریف کی روایت کو ملتا چھوڑ کر اہل سیر کی روایت پر عمل کرتا ہے تو کیا اس کے لئے جائز ہے ؟ اور بخاری شریف کی روایت چھوڑنے پر گنہگار ہوگا یا نہ ؟

جب تک روایاتِ مسئلہ اور ان کے اختلاف کی نوعیت سامنے نہ آجائے حتیٰ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن عام حالات میں قابلِ اعتماد بخاری کی روایات

الحاج

ہوں گی۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے بارے میں کہ آپ نے کتنے دن قبا میں قیام فرمایا ؟ بخاری شریف اور سیر کی بعض روایات کا اختلاف ہے۔ بخاری شریف کی روایت سے مدتِ قیام کا دس دن سے زیادہ ہونا ثابت ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت سے تین روز قیام فرمانا ظاہر ہوتا ہے تو اس میں یقیناً بخاری کی روایت زیادہ صحیح متصور ہوگی۔ اور سیر کی روایت ناقابلِ

سوال ۷ : جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے۔ تو آپ کو مدینہ عالیہ پہنچنے تک کتنے جمعہ پیش آئے اور آپ وہ جمعہ پڑھتے گئے یا جمعہ کو چھوڑ کر ظہر پڑھتے گئے۔ اگر راستہ میں جمعہ قائم کیا ہے تو وہ کون کون سی جگہ ہیں جہاں جمعہ قائم کیا اور وہ محل اقامت تھے یا نہ۔ بنیوا تو جدوا۔

الجواب : سفر ہجرت میں کسی مقام پر جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔ بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ کم از کم ایک جمعہ راستہ میں ضرور آیا ہوگا۔

سفر ہجرت میں مدینہ منورہ کے محلہ بنو سالم میں جمعہ پڑھنے کی تحقیق

۷ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت بنی سالم قریہ مستقل تھا یا وہ محلہ مدینہ عالیہ کا تھا یا میدان جنگل تھا؟ اگر قریہ مستقل تھا تو وہ قریہ صغیرہ تھا یا کبیرہ، اور اس وقت اس کی مردم شماری کتنی تھی؟

الجواب : بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا۔ کذا فی اعلاء السنن ناقلاً من خلاصۃ الفتاوی

سوال ۸ : بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ بنی سالم قریہ صغیرہ تھا۔ اور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ پڑھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا جمعہ چھوٹے قریوں میں بھی صحیح ہو جاتا ہے ورنہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم جو کہ قریہ صغیرہ تھا جمعہ کیوں پڑھا۔ جب آپ نے قریہ صغیرہ میں جمعہ قائم کیا تو یہ قوی دلیل ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ ادا ہو جاتا ہے اب عرض یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین کا دعویٰ بالکل صحیح ہے یا وہ اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں؟

الجواب : بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا لہذا اس میں ادائیگی جمعہ سے غیر مستلین کا استدلال کرنا درست نہیں غلط ہے۔

سوال ۹ : اگر بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ قائم کیا ہے۔ پھر میری عرض یہ ہے کہ آپ نے وہ جمعہ مبارک جمعہ کی فرضیت ہونے سے قبل پڑھا تھا یا جمعہ فرض ہو چکا تھا۔ اگر جمعہ کی فرضیت اچانک کے بعد پڑھا تھا تو پھر یہ عرض ہے کہ وہ مدینہ عالیہ پہنچ کر اور بنی سالم اگر جمعہ پڑھا تھا یا مدینہ پہنچنے سے پہلے پڑھا تھا اگر مدینہ پہنچ کر بعد

بنی سالم میں جمعہ پڑھا۔ تو پھر عرض یہ ہے کہ آپ جو مدینہ عالیہ کو چھوڑ کر بنی سالم میں جمعہ قائم کیا تو اس کی کیا وجہ تھی اور کس وجہ سے بنی سالم میں آئے تھے ؟

جب بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا تو جب بھی وہاں پر جمعہ ادا کیا گیا ہو مخالفین کے لئے مفید نہیں۔ — جمعہ کی فرضیت بنا بر قول محقق ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی۔ لہذا یہ جمعہ فرضیت کے بعد پڑھا گیا ہے۔

الحل جہ

نقطہ واللہ اعلم

الجواب صحیح : عبد اللہ عفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۱۱/۷۹ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار
جمعہ یا عیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان
بیٹھنا سنت ہے یا واجب ؟ اور کتنی

دیر بیٹھا جاتے ؟ استفتی محمد حسین : منڈی دار برٹن شیخوپورہ
دونوں خطبوں کے درمیان ایک دفعہ اس طرح اطمینان سے بیٹھنا کہ ہر عضو
اپنی جگہ پر آجائے سنت ہے۔ " عالمگیری " میں سنن خطبہ بیان کرتے
ہوئے لکھتے ہیں۔

الحل جہ

والخامس عشر الجلوس بين الخطبتين هكذا في البحر الرائق
ومقدار الجلوس بينهما مقدار ثلاث آيات في ظاهرها
الرواية هكذا في السراج الوهاج ناقلًا عن الفتاوى قال شمس الأئمة
السرخسي في تقدير الجلسة بين الخطبتين انه اذا تمكن
في موضع جلوسه واستقر كل عضو منه في موضعه قام
من غير لبث و مكث كذا في التتارخانية والمختار ما قاله
شمس الأئمة السرخسي كذا في الفياثية - ۱ھ (ج ۱ - ص ۷۷) فقط
واللہ اعلم - محمد النور عفا اللہ عنہ ۲۶/۹/۱۴۰۵ھ

عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک ہی غسل کافی ہے

مشہور ہے کہ عید کی نماز کے لئے

نہانا سنت ہے اور ایسے ہی جمعہ کے لئے نہانا بھی سنت ہے۔ اگر دونوں ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو ہر ایک نماز کے لئے الگ غسل کیا جائے یا ایک ہی غسل کافی ہے ؟

ایک ہی غسل کافی ہے ہر دو کے لئے الگ الگ غسل کا تکلف نہ کریں۔

الجواب

و یکفی غسل واحد لعید و جمعة اجتماعاً - اھ

(در مختار علی الشامیۃ - ج ۱ - ص ۵۷) - فقط واللہ اعلم -

محمد نور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

غسل جمعہ یوم جمعہ کیلئے ہے یا نماز جمعہ کیلئے

غسل جمعہ کے بارے میں احادیث مختلف ہیں۔ کیا جمعہ کے دن غسل کرنا یہ صلوٰۃ جمعہ کے لئے سنت ہے۔ یا مطلقاً یوم جمعہ کے لئے سنت ہے۔ ائمہ کا کیا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ غسل جمعہ کے لئے ہے۔

الجواب

قال فی السعایۃ وهو الصحیح عند الجمهور وهو قول

اب یوسف کما فی الہدایۃ وغیرہا انه للصلاة لا لليوم اھ

قال الزرقانی قول جماعة ان الغسل لیوم الجمعة ومذهب مالک

والشافعی والاب حنیفة وغیرہم انه للجمعة لا لليوم انتہی -

علامہ شامی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اگر غسل کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی تو یقیناً سنت حاصل

ہو گئی۔ اور اگر وضو، ٹوٹ گیا جدید وضو کر کے نماز ادا کی تو بھی یہ غسل کافی سمجھا جائے گا۔

فالاولی عندی الاحبزاء وان تغسل الحدث - (ج ۱ ص ۱۵۶) -

فقط واللہ اعلم - بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

جمعہ کے دوسرے خطبہ میں اردو یا پنجابی میں مسائل بتلانا

ہماری مسجد کے خطیب جمعہ کے دوسرے خطبہ میں دوران خطبہ پنجابی یا اردو میں طہارت و وضو وغیرہ سے متعلق مسئلے بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس سے خطبہ میں کچھ کراہت تو نہیں آتی ہے ؟

الجواب بھاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک کے زمانہ میں یہی تعامل و توارث رہا ہے کہ خطبہ عربی میں کسی دوسری چیز کو غلط نہیں کیا گیا۔ لہذا اب وقت خطبہ صرف خطبہ ہی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ اور مسائل پہلے بیان کر لیں۔ البتہ اگر عین خطبہ کے وقت کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو مسئلہ بتلانے میں عرج نہیں۔

و یکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا ان

یکون امرا بمعروف احد۔ (عالمگیری ج ۱ - ص ۷۶)۔

فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

امام صاحب نے گھر میں ظہر ادا کی اور مسجد میں آکر جمعہ پڑھایا تو جمعہ صحیح ہوا یا نہیں ؟

ایک امام مسجد شہر یا قصبہ میں جہاں جمعہ فرض ہے۔ جمعہ کے دن ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لیتا ہے اور ظہر پڑھنے کے بعد مسجد میں جا کر لوگوں کو دو رکعت جمعہ پڑھاتا ہے کیا سعی الی الجمعہ سے اس کی ظہر باطل ہو جائے گی جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے یعنی امام بھی اسی ذیل میں آتا ہے یا نہ ؟ یا اس کی ظہر باقی رہے گی اور جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ جو ایسی صورت ہو تحریر فرمائیں۔

(علامہ) غلام رسول، مدرس جامعہ رشیدیہ ٹنڈی

باوجود تتبع و تلاش کے اس کے متعلق کوئی خاص جہز تہ تو نہیں ملا۔ لیکن فقہاء کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بھی اسی ذیل میں آ جاتا ہے

الجواب

کیونکہ فقہاء نے اس مسئلہ کو عمومی حیثیت سے بیان فرمایا ہے اور کسی خاص جزی کا استثناء بھی نہیں فرمایا۔ نیز بطلان ظہر کی علت بمعنی سعی مع امکان الادراک لکھتے ہیں تو یہ بھی امام میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ مقتدی سے بڑھ کر۔ لہذا خیال یہی ہے کہ اس صورت میں امام کی ظہر سعی الی الجمعۃ سے باطل ہو جائے گی۔ اور جمعہ صحیح ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علیٰ غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۷۹/۵/۲۶ھ

اگر احیاناً ایسا فعل امام سے سرزد ہو تو حرج نہیں۔ اور امید رکھنی چاہئے کہ ظہر باطل ہو گئی اور جمعہ صحیح ہو گیا۔ و الجواب صحیح

محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۷۹/۵/۲۹ھ

ضرورت ہو تو جمعہ کی نماز میں بھی قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں

”قنوت نازلہ“ کا پڑھنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صبح کے علاوہ کسی دوسری نماز میں بھی جائز ہے یا نہیں۔ جمعہ کی نماز میں پڑھے یا نہ۔ اور پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا اور آئین بائجر کہنا کیسا ہے؟

”قنوت نازلہ“ صبح کے علاوہ دوسری بہرہ نمازوں میں حتیٰ کہ جمعہ میں بھی

الجواب

پڑھنا جائز ہے۔ كما في الدر المختار ولا يقنت في غيره

الا للنازلة فيقنت الامام في الجهرية وقيل في الكل (ج ۱ - ص ۲۷۱)۔ البتہ امام کا ہاتھ اٹھانا اور لوگوں سے اٹھوانا اور زور سے آئین کہلوانا ٹھیک نہیں۔ امام جمعہ سے پڑھے اور مقتدی آہستہ آئین کہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافاء خیر المدارس ملتان ۱۳۷۹/۱/۳۱ھ

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ

خطبہ شروع ہو جائے تو سنتیں نہ پڑھی جائیں مسجد میں اگر ایسے وقت پہنچیں کہ خطبہ شروع ہو تو سنتیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الحمد لله

اس وقت سنتیں پڑھنا درست نہیں خطبہ سنا جائے۔ درمختار میں ہے۔

إذا خرج الإمام من المحبرة ان كان والا فقيامه

للمصنود فلا صلوة ولا كلام الى تمامها ۱ھ۔ قوله فلا صلوة

شمل السنة وتحية المسجد بحر ۱ھ (شامی ج ۱: ص ۷۶۷)۔

فقط والله اعلم

محمد نور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

مصر کی مفتی بہ تعریف

صحبت جمعہ کی شرط "شہر" کا ہونا ہے۔ البتہ "شہر" کی تعریف میں اقوال ائمہ دین

کے مختلف ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱ : بہاں پر حد جاری ہو اور بادشاہ اور قاضی موجود ہوں۔

۲ : کہ دہان کے نمازی وغیرہ نمازی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں۔

ان دونوں میں کون سی تعریف مفتی بہ ہے ؟ پہلی تعریف کے لحاظ سے تو لاہور وغیرہ میں

بھی جمعہ درست نہیں ہے۔ اور دوسری کے لحاظ سے جس چک (گاؤں) کے آدمی ۲۵ گز کی مسجد

میں نہ سما سکیں اس جگہ جمعہ درست ہو۔ اور اسی قول پر اکثر فقہاء کا فتوٰی ہے۔ (مشرح وقایہ)۔

نیز اسی قول کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے چک مذکور میں جمعہ قائم کر رکھا ہے۔ تسلی کے لئے جواب

سے نوازیں۔

شامی جلد اول میں ہے۔

الحمد لله

وظاهر المذهب الخ قال في شرح المنية

والحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية انه الذبح له

امير وقاض ينفذ الاحكام ويقسم الحدود وقال فيه ليس

المراد تنفيذ جميع الاحكام..... بل المراد والله اعلم

اقتداره على ذلك وقال فيه عن الج حنيفة انه بلدة كبيرة

فيها سحرک واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على
انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره
يروجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح اه
الا ان صاحب الهداية تنوكت ذكر السحر والرساتيق
لان الغالب ان الامير والقاضي الذی شأنه القدرة
على تنفيذ الاحكام واقامة الحدود لا يكون الا في بلد
كذلك اه (شامی ج ۱ ص ۳۸)۔

اسی قول کو ظاہر مذہب کہا گیا ہے۔ شارح وقایہ کے قول کو تضعیف کی ہے۔ بڑے قضیت
اور شہروں میں امیر وغیرہ حکومت کی طرف سے مقرر ہیں اس لئے جو شہر بیان کئے ہیں اس میں یہ سوال
پیدا نہیں ہوتا۔ ہر جگہ بادشاہ کا ہونا ضروری نہیں۔ آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے اس کی طرف
توجہ نہیں کی۔ اس میں اکبر مساجد کا ذکر ہے جس میں کثرت مساجد کی طرف اشارہ ہے۔ چک (گاؤں)
میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ ورنہ ہر گاؤں اور ہر بستی پر یہ تعریف صادق ہے حنفیہ میں سے یہ کسی کا بھی
قول نہیں ہے۔

دوسرے شارح وقایہ وغیرہ کا قول مجمل ہے جس کی تفصیل ان سے منقول نہیں۔ صاحب
مذہب کے قول کی موجودگی میں دوسرے قول کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہمارے اس
زمانہ تک تو اتر معنوی سے جس کو انہوں نے تلقی معنوی سے تعبیر کیا ہے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے
واسطے ایک قسم کا تمدن ہونا ضروری ہے۔ جس جگہ تمدن نہیں جمعہ نہ ہو گا۔ ہمارے سامنے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ موجود ہے کہ مدینہ طیبہ سے قبا تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں پر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور اس کے مابعد کبھی جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ نہ ان کو مدینہ بلا یا گیا۔
لہذا ایسے چکوں (گاؤں) میں حنفیہ کے مذہب کے مطابق جمعہ فرض نہیں بلکہ ادارہ ظہر ضروری ہے۔
جن لوگوں نے احتیاط ظہر نہیں پڑھی ان پر قضاء ظہر ضروری ہے۔ اور جو صاحبان احتیاط الظہر
پڑھتے رہے ہوں ان کی ظہر ادا ہو گئی۔

فاروق احمد مفتی قاسم العلوم، فقیر والی : صدر مدرس : (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند - ہند)

الجواب صحیح : بندہ فضل محمد عفا اللہ عنہ : ۲۲ / ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ

الجواب

بڑے گاؤں اور قصبات جن میں گلی، کوچے، بازار ہوں اور ضروریات زندگی عمومی طور پر ملے جاتی ہوں اور عرف میں انہیں قصبہ کا لقب دیا جاتا ہو۔ تو وہاں جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ ہذا ہو المفتی بہ۔ اور شہر کی تعریف جن حضرات نے یہ کی ہے کہ اس کی بڑی مسجد میں لوگوں کی سمائی نہ ہو تعریف جامع مانع نہیں اور رجوع اس تعریف کا بھی اسی طرف ہے۔ والجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ، خادم الافتاء نیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مستم مدرسہ ۱۶ / ۱۲ / ۱۳۷۰ھ

فوجی معمول کی مشقوں کیلئے ویران جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو کہاں جمعہ نہ پڑھیں !

فوج کی چند یونٹیں ہر سال مشق کے لئے اپنی چھاؤنی سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر جاتی ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً پانچ سو یا اس سے زائد ہوتی ہے۔ مشق کے لئے علاقے بالکل ویران اختیار کئے جاتے ہیں۔ مشق کے دوران ایک جگہ خیمہ لگایا جاتا ہے جسے ہیڈ کوارٹر کہا جاتا ہے۔ جہاں پر یونٹ کا کمانڈر اور دوسرے افسران رہتے ہیں جب کہ باقی خیمے پانچ پانچ دس دس میل کے فاصلے پر لگائے جاتے ہیں اور سپاہیوں کو مشق کے لئے کچھ مزید فاصلہ بھی ملے کہ نا پڑتا ہے اور مشق کے لئے کچھ علاقہ منتخب کیا جاتا ہے جس کی لمبائی چوڑائی پندرہ میل یا اس سے کچھ زائد ہوتی ہے اور خیمے ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ اور مشق کے لئے مدت پندرہ دن سے زائد ایک یا دو ماہ ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز جمعہ واجب ہے یا نہیں۔ جب کہ ضروریات زندگی فوجی نقطہ نگاہ سے مل جاتی ہیں اور افسران اور عدالت بھی ہوتی ہے۔ مصلحت کی بنا پر ان عام نہیں ہوتا ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں کہ جمعہ کے اس دوران کیا احکام ہوں گے ؟

مذکورہ صورت میں جمعہ کی بجائے ظہر باجماعت ادا کی جائے۔ کیوں کہ جمعہ

کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا ضروری ہے۔ عارضی رہائش کی جگہ شہر

الجواب

یا بستی کے حکم میں نہیں۔

ویشترط لصحتها سبعة اشياء الاول المصر الخ او فناءه
بكسر الفاء وهو ما حوله اتصل به او لا لاجل مصالحه
كدفن الموتى وركض الخيل . (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص ۵۹)
قال شمس الأئمة الحلواني عسكر المسلمين اذا قصدوا
موضعا ومعهم اخبيتهم وخيامهم وفساطيطهم
فنزلوا مفازة في الطريق ونصبوا الاخبية والفساطيط
وعزموا فيها على اقامة خمسة عشر يوما لم يصيروا
مقيمين لانها حولة وليست بمساكن كذا في المحيط -
(عالمگیریہ ج ۱ ص ۷۷) - فقط واللہ اعلم -

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ، ۱۳ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ



خطبہ نون کی مقدار ایک شخص امام مسجد ہے جمعہ پڑھاتا ہے
اور خطبہ یہ پڑھتا ہے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ خطبہ یہ ہے۔

الحمد لله وكفى وسلا على عباده الذين اصطفى خصوصا على افضل
الرسل وخاتم الانبياء - اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان
الرجيم - بسم الله الرحمن الرحيم وما ارسلناك الا رحمة
للعالمين انه جواد كريم ملك بر رحيم - دوسرا خطبہ
نجدہ نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه
ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من
يهدده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد
ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمدا
عبده ورسوله - اما بعد ان الله يأمر بالعدل والاحسان
وايتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى

يعظكم لعلكم تتذكرون اذكروا الله يذكركم ولذكروا الله تعالى اعلى واولى واتعوا كبر

کیا اس خطبہ سے نماز جمعہ ہر جاتی ہے ؟ حالانکہ نماز جمعہ دو رکعت نماز اور خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے ۔

خطبہ جمعہ میں مقدار سنون طوال المفصل سورت کی مقدار ہے ۔ مراقی میں ہے

وليس تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل كذا في معراج الدراية ولكن يراعى الحال بما هو دون ذلك فانه اذا جاء بذكر وان قل يكون خطبة (ص ۲۸۱) -

تشمہ کی مقدار خطبہ پڑھنے سے خطبہ کی ادائیگی بلا کسی کراہت کے ہو جائے گی ۔

» واقله قدر التشهد الى قوله عبده ورسوله - (مراقی ص ۲۸۰)

مذکورہ خطبہ پڑھنے سے بھی نماز جمعہ کی ادائیگی ہو گئی ہے ۔ آئندہ مقدار سنون کی رعایت رکھی جائے ۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۳/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الانصار ۔

خطبہ جمعہ سننا واجب ہے کیا جمعۃ المبارک ، عیدین اور نکاح کا خطبہ پڑھنا واجب ہے یا سنت یا فرض ۔ نیز ان خطبوں

کو سننا کیسا ہے ؟

جمعہ کا خطبہ ادا کئے جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے ۔ عیدین اور نکاح میں خطبہ پڑھنا سنت ہے مگر سننا ان سب کا واجب ہے ۔ درقارعی عیدین کے باب میں ہے

» سوى الخطبة فانها سنة بعدها وفي الشامية قوله

فانها سنة بعدها بيان للفرق وهو انها فيها سنة

لا شروط وانها بعدها لا قبلها بخلاف الجمعة اه (ج ۱ ص ۷۷)۔

و كذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وعيد ۱۵
(درمختار على الشامية ، ج ۱ ص ۶۹) - فقط والله اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۱/۲/۲ھ

شہر سے ڈیڑھ میل دور رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں
ہماری جماعت کے مکمل ساتھی گیارہ ہیں۔ ایک

امیر صاحب اور دس نامور ہیں۔ بستی سے شہر جہاں جمعہ ہوتا ہے ۱/۲ میل ہے لیکن امیر صاحب
نے اجازت نہیں فرمائی۔ ایسی صورت میں کیا کریں ؟

صورتح مسئلہ میں آپ حضرات مذکورہ بستی کے رہنے والوں پر جمعہ
فرض نہیں ہے۔

الجواب صحیح

» ومن كان مقيما بموضع بينه وبين المصرف حجة من المزارع
والمراعى نحو القلج بيخارا لا جمعة على اهل ذلك الموضع
وان كان النداء يبلغهم - (ہندیہ ، ج ۱ ص ۷۲) فقط والله اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۸/۲/۱۹ھ

جمعہ کے دونوں خطبے برابر ہونے چاہئیں

سوال - جمعۃ المبارک کے دونوں خطبے برابر ہوں یا کوئی چھوٹا بڑا ہو سکتا ہے ؟

مراقی میں ہے۔ ویسن تخفیف الخطبتین بقدر سورة

من طوال المفصل - (ص ۲۸۱) - اس عبارت سے بظاہر دونوں خطبوں کی برابری

الجواب صحیح

مفہوم ہوتی ہے کہ پیشی بھی جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۱۴۰۶/۲/۱۲ھ

جو شخص جمعہ کے التحیات میں شریک ہو وہ بھی جمعہ پڑھے

سوال : جو شخص نماز جمعہ میں " التحیات " میں شامل ہو جائے تو امام کے سلام کے بعد وہ شخص پھر دو رکعت ادا کرے یا چار ؟

تشہد میں شامل ہونے والا جمعہ کی دو رکعت ادا کرے۔

الجواب

« ومن ادركها اى الجمعة في التشهد ادف

سجود السهو او تشهد اتم جمعة - (مراقی : ص ۲۸۴)۔

فقط واللہ اعلم :

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ : نائب مفتی : ۱۴ / ۶ / ۱۴۰۶ھ



خطبہ جمعہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر

سوال : خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر خیر کس سبب اور تاریخ میں شامل ہوا ہے۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خطبہ میں تذکرہ مستحسن ہے۔

الجواب

« مراقی » میں ہے وذكر الخلفاء الراشدين والعصين

مستحسن بذالك جری التواتر - (مراقی : ص ۲۸۱)۔ ضروری ہی تصور

کیا جائے۔ حضرات خلفاء راشدین اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے تذکرے کی ابتداء حضرت

عمر بن عبد العزیز رحمہ (المتوفی احدى ومائة ، الاكمال : ص ۲۱۰) نے کی تھی۔ علامہ ابن السكاح تذکرہ خلفاء فی الخطبہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

بدأ عمر بن عبد العزيز لامر كان وقع قبله وقال مالك في

حقه هو امام الهدى وانا اقتدى به - (كتاب المدخل : ص ۲۵۷)۔

فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ : نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ / ۶ / ۱۴۰۶ھ

قائلین جمعہ فی القرۃ کے دو مخالفوں کا جواب

کیا فرماتے ہیں آپ کہ قائلین جمعہ فی القرۃ کے اعتراض ہذا کے جواب میں کہ صحت جمعہ کے لئے چند شرائط ہیں۔ جو کہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو وہاں جمعہ ادا کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ اور ان میں سے اگر ایک یا دو شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں تو بھی بلاچوں و چیز اجماعاً ہے۔ کیوں کہ ایک یا دو شرائط کے فقدان سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اس کی مشلہ بہت مل سکتی ہیں۔ مثلاً قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا شرط ہے۔ اگر کسی نے تحریری کر کے نماز ادا کر لی تو نماز ہو جائے گی۔ حالانکہ فقہان شرط ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ نماز ادا کرے قضاء نہ کرے اور اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذ حدود شرط ہے۔ اور دورِ حاضرہ میں کہیں ایسا نظر نہیں آ رہا ہے کہ حدود شرعیہ جاری ہوں۔ باوجود اس کے عدم قائلین جمعہ فی القرۃ بھی فتوے دیتے ہیں کہ مصر میں جمعہ پڑھو اور اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کے فقدان سے فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے اذ فوات الشرط فوات المشروط کا قانون عام نہیں ہے۔

۱۲۔ بیہقی شریف میں ایک حدیث آتی ہے الجمعة حق واجب علی کل مسلم مرفوع ہے۔ اور لا جمعة ولا تشریق اللہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حدیث مرفوع اور قول صحابی کا اگر تعارض ہو تو حدیث مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

قول الصحابي حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينفذه
شيء من السنة المنزلة

افسوس اس بات پر ہے کہ ہر صاحب مدعی اجتہاد ہو کر اپنے قیاس کے ساتھ محکم احکام شریعت کو رد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے

الجواب

کہ جمعہ کے شرائط دو قسم ہیں۔ بعض شرائط وجوب ہیں اور بعض شرائط صحت۔ شرائط وجوب فوت ہو جائیں تو جمعہ واجب نہ ہوگا۔ مگر ادا کرنے سے جمعہ ادا ہو کر اس کا ذمہ فارغ ہو جائے

گیا۔ مثلاً اعمیٰ، اعرج، مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔ لیکن اگر یہ حضرات جمعہ ادا کر لیں تو جائز ہو جائے گا۔ دوسرے شرائط صحت ہیں۔ ان کے فوت ہونے پر یہ حکم ہے۔ اذفات المشروطات المشروط۔ اسی طرح یہ حکم ”فات الشرط“ عام ہے۔ پہلی قسم میں بھی کہہ سکتے ہیں اذا فات شرط الوجوب فات الوجوب دون الصحة بہر حال مصر ہونا شرائط صحت میں سے ہے۔ اگر مصریٰ نہ ہوگی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ اور جو آپ نے فرمایا کہ جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذِ حدود بھی شرط ہے۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ تنفیذِ حدود بالفعل ہونا ضروری ہے۔ فقہاء نے تو یہ لکھا ہے کہ

للمصر عند الحج حذيفة كل موضع له مفت وامير وقاض

ينفذ الاحكام ويعتيم الحدود۔ یہ مصر کی تعریف ہے (نور الایضاح)

وفي الشروح المراد به القدرة على ذلك كما صرح به في التحفة۔

”اقامۃ الحدود“ سے مراد اقامۃ بالقوة ہے نہ بالفعل۔ پس مصر کو قیاس کرنا اقامتِ

حدود پر صحیح نہیں۔

۲ : یہ روایت الجمعة حق علی کل مسلم الخ مخالف روایت لاجعة

ولا تشریق والی کے نہیں ہے کہ ہم اس کو مرفوع اور اس کو موقوف سمجھ کر ترجیح دیں۔ اول

آپ دونوں حدیثوں میں تعارض ثابت کریں تب ترجیح کا سوال پیدا ہوگا۔ ہمارے نزدیک دونوں

روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ الجمعة حق علی کل مسلم میں مسلمانوں پر جمعہ کا

فرض ہونا بتلایا گیا ہے۔ حدیث لاجعة ولا تشریق میں ایک شرط صحت جمعہ بیان

کی گئی ہے۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بلکہ ایک حدیث کا مفہوم جدا ہے۔ کیا الجمعة

حق علی کل مسلم سے کوئی یہ نکال سکتا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت بھی ضروری نہیں۔ کیونکہ

”علی کل مسلم“ میں کہیں جماعت اور خطبہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ تو کیا اس حدیث کی بناء پر کوئی

صاحب یہ کہنے لگیں کہ ہر مسلمان سفر و حضر میں تنہا جمعہ قائم کر سکتا ہے۔ خطبہ و جماعت کی بھی

ضرورت نہیں ہے۔ تو کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہوگا ؟

تعجب یہ ہے کہ آپ نے دونوں روایتوں میں تعارض بھی قائم کر لیا اور پھر اپنی رائے

سے ترجیح بھی دے دی۔ حالانکہ یہاں تعارض کا سوال ہی نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۱۳۴۱/۱/۲۲ھ

جواب صحیح ہے۔

استفتاء میں جواز جمعہ فی القری کی تائید میں چند امثلہ ذکر کرنا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ دیکھئے نماز میں علم قبلہ کی صورت میں توجہ الی القبلة شرط ہے اور عدم قبلہ کی صورت میں اس کے نائب یعنی جہت تحریری پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جواز جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔ اور اس کے فقدان کی صورت میں ظہر کی طرف رجوع فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو فہم سلیم عطا فرمائے اور وہ موقوف ہے فناء دعویٰ پر۔ فقط

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۲ مارچ ۱۳۴۱ھ

دیہات کے ایسے بازاروں میں جہاں مستقل سکونت آبادی نہ ہو وہاں جمعہ جائز نہیں

بعض دیہاتی علاقوں میں باقاعدہ بازار ہیں مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں۔ چند دیہاتوں کے درمیان بازار ہے۔ دن کو کھلا رہتا ہے اور رات کو سب لوگ دیہات میں چلے جاتے ہیں اس مقام پر جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر بازار والی جگہ میں لوگوں کی سکونت ضروری ہو تو کتنے افراد کی؟

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ دار الافتاء دارالارشاد

نظم آباد — کراچی

صورتِ مسئلہ میں اس مقام پر جمعہ صحیح نہیں۔ البتہ اگر یہاں پر بازار کے علاوہ اتنے لوگ مستقل طور پر رہائش پذیر ہوں جن کی آبادی و مکانات کو عرفاً بستی و قریہ کہا جاسکے۔ اور ان کی تعداد اتنی ہو کہ جتنی اہل منی کی تھی تو جمعہ جائز ہوگا۔ مصر کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ یہ بھی فرمایا ہے۔ وبلغت ابنیۃ قدر ابنیۃ منی ۱۱ معلوم ہوا کہ دیگر شرائط کے باوجود اتنی آبادی کا ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے حضرت شیخین رضی اللہ عنہما میں ایام حج کے اندر جمعہ کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح اس مقام میں بھی بوجہ

بازار مستقل آبادی جائز کہا جائے گا۔ جب کہ اتنی آبادی پانی جائے مستقل آبادی نہ ہونے کی صورت میں اس مقام کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا کہ بعض سرحدی علاقوں میں کئی دیہاتوں کے درمیان چشمہ ہوتا ہے۔ ارد گرد کے لوگ پانی بھرنے آتے ہیں اور دن بھر خوب بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ رات کو سب چلے جاتے ہیں۔ اور چشموں پر جمعہ بالا جماع جائز نہیں۔ احکام القرآن میں ہے

انہم مجعون علی ان الجمعة لا تجوز فی البوادی ومناہل

الاعراب ۱ھ۔

نیز صحت جمعہ کے لئے استيطان اقامت باتفاق ائمہ اربعہ شرط ہے۔ ”کافی الاوجز“ اور اس مقام پر ایسی اقامت مفقود ہے۔ کیونکہ اقامت شب باشب سے متحقق ہوتی ہے۔ کافی حاشیہ المراقی۔

ان موضع الاقامة حيث يبیت فيه الاتری انک اذا قلت لشخص این تسکن فیقول فی محلة کذا وهی بالنهار یکون بالسوق نقله السيد عن العلامة مسکین ۱ھ۔

مسئلہ زیر بحث میں شاید جزئیہ ذیل سے بھی تسک ہو سکے۔

عسکر المسلمین اذا قصدوا موضعا ومعهم اخبتهم و فضا طیبتهم فنزلوا مفازة فی الطريق و نصبوا الاخبیة و عزموا فیہا علی اقامة خمسة عشر یوما لم یصیروا مقیمین لانہا حمولة و لیست بمساکن کذا فی الحیط۔ (علگری ج ۱)

کیونکہ محل اقامت جمعہ خاص ہے اور محل توطن عام ہے۔ ایسے مقامات کے بارے میں جب عام مفتی ہے تو خاص بھی مفتی ہوگا۔ اور لیست بمساکن کی علت مقام زیر بحث کو بھی شامل ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر الملاس ملتان ۲۰۲۲/۱۳۹۹ھ بروز منگل۔



تتمہ بندہ کے خیال میں مافیہ اسواق وسکک مدعی پر واضح دلیل ہے۔ لان السکک تكون بین المنازل المسکونة۔

سبک بلفظ جمع سے تثلیث پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ تقدیر بابنیہ منی بھی شاید اس لئے ہو کہ منی میں تین گلیاں تھیں۔ فقہل فیہا ثلاث سکتات (فتح ۱ ج ۱ ص ۴۱۱)۔ آپ کی تحریر میں ”ادخبتہ“ کے حوالہ سے استدلال واضح ہے۔ تقدیر بابنیہ منی سے استدلال میں یہ اشکال ہے کہ ابنیہ مختص بالبیوت نہیں۔ مطلق تعمیر کے معنی میں ہے۔ اور مطلق ابنیہ محل سوال میں موجود ہیں وان لم تکن بیوتا مناہل الاعراب میں بھی اشکال ہے کہ وہاں ابنیہ نہیں اور یہاں ابنیہ موجود ہیں۔ اسی طرح ومعہما خبیتہما وخیامہما میں بھی ابنیہ موجود نہیں ہے۔ لیست بمساکن تدرے مفید ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہاں یہ لفظ انخبیہ وخیام کے مقابلہ میں آیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ”مساکن“ سے ابنیہ مراد ہیں منازل و بیوت مراد نہیں سکونت و بیتیوت تو خیام میں بھی ہو رہی ہے۔

دستخط (حضرت مفتی رشید احمد صاحب لیہیانوی مدظلہ)

ادجز المسالك ۱ ج ۱ ص ۲۵۱۔ میں ہے۔

الجواب

ففي قصو الذرع عن الميزان ومن ذلك اتفاق

الائمة الثلاثة على انها لا تصح الا في محل استيطانهم
قال ابن القيم ان فيه صلوة الجمعة التي خصت من بين
سائر الصلوات المفروضة بخصائص لا يوجد في غيرها
من الاجتماع والعدد المخصوص واشتراط الإقامة و
الاستيطان اهـ۔۔۔۔۔ قال الجصاص في احكام القرآن۔۔۔
فقال اصحابنا هي مخصوصة بالا مصار۔۔۔۔۔ وقال مالك تصح
في كل قرية فيها بيوت متصلة واسواق متصلة۔۔۔۔۔ وقال
الامام الشافعي اذا كانت قرية مجتمعة البناء والمنازل
وكان اهلها لا يظعنون عنها الا طعن حاجة فقد وجبت
عليهم الجمعة وفي نيل المآرب لفقہ الحنابلة لصحة الجمعة
اربعة شروط احدها الوقت والثاني ان يكون بقرية
مبنية۔۔۔۔۔ يستوطنها اربعون رجلا استيطان اقامة

لا يظعنون عنها... وفي الاقتناع لفقهاء شرايط فعلها
ثلاثة الاول - البلد مصرا كانت او قرية... وفي مختصر
الخليل للمالكية بشرط الجمعة وقوع كلها بالخطبة وقت
الظهر باستيطان بلدا و اخصاص اه

عبادت بالا سے ظاہر ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محل اقامت جمعہ کا قریہ متصلہ البیوت
و المنازل ہونا ضروری ہے اور استيطان اقامت بھی لازم ہے۔ پس احناف کے نزدیک بطریق
اولیٰ یہ ضروری ہوگا۔ کیونکہ عند الاحناف محل جمعہ اخص ہے۔ بلاشبہ احناف کے نزدیک صحت
جمعہ کے لئے مصر یا کم از کم قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے۔ اور مصر یا قریہ، شہر یا گاؤں پنڈ کو کہتے ہیں
اور زیر بحث جگہ کو بازار تو کہہ سکتے ہیں شہر گاؤں، پنڈ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ ”مجمع البحار“ میں
ہے۔ القرية المساكن والابنية ايضا۔ اور مصر کی تعریف میں ”سک“ کا
لفظ بھی اس کی واضح دلیل ہے۔ مصر کی تعریف میں ابنہ منیٰ سے مراد بھی بیوت و مساکن ہی ہیں
محض تعمیرات نہیں۔ کما متدل علیہ تعریف الفقهاء۔

بر حال انتفاء اقامت و استيطان اور انتفاء بیوت و منازل و ”سک“ کی بنا پر
یہ جگہ لغتاً، شرعاً، عرفاً نہ قریہ ہے نہ مصر۔ پس اس میں جمعہ جائز نہیں۔
نقطہ الشرع

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی نعیم الدین ملتانی

جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں
جمعہ کے فرضوں کے بعد سنت مؤکدہ کتنی ہیں
دو یا چار یا چھ؟ حدیث و فقہ سے مفصل

ثبوت دیں۔ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ دو ہیں؟
امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ چار
ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چھ ہیں۔ پہلے چار پڑھے

اور پھر دو۔

۱ | عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

عليه وسلم اذا صلى احدكم الجمعة فليصل بعدها اربعاً
(مسلم ۱ ج ۱ ص ۲۸۸)۔

۲ : عن علي رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
يصل قبل الجمعة اربعاً وبعد ها اربعاً يجعل التسليم في
اخرهن ركعة (الطبراني في الاوسط)۔

۳ : عن ابن عباس رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله
عليه وسلم يركع قبل الجمعة اربعاً وبعد ها اربعاً۔
رواه الطبراني في الكبير)۔

۴ : عن ابى عبد الرحمن عن علي رضي الله عنه انه قال من
كان مصلياً بعد الجمعة فليصل ستاً اخرج به الطحاوي
وفي اثار السنن اسناده صحيح۔ (اعلاء السنن : ج ۲ ص ۹۰-۸۵)
۵ : وعند ابى يوسف السنة بعد الجمعة ست ركعات
وهو مروى عن علي رضي الله عنه والا فضل ان يصل
اربعا ثم ركعتين للخروج عن الخلاف۔
(كبير ۱ ص ۳۴۳)۔

۶ : وعلى استئذان الاربع بعدها ما في صحيح مسلم عن
ابى هريرة رضي الله عنه مرفوعاً اذا صلى احدكم الجمعة
فليصل بعدها اربعاً..... وذكر في البدائع انه ظاهر
الرواية وعن ابى يوسف انه ينبغي ان يصل اربعاً ثم ركعتين
وفي الذخيرة والتجنييس وكثير من مشائخنا على قول
ابى يوسف اه ربحوا الراثق ۱ ج ۲ ص ۵۳)۔

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ بلا غدر صرف دو پڑھنے والا تارک سنت ہے فقط وشرعاً علم۔

محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۲/۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ تیس الافتا خیر المدارس ملتان۔

جمعہ ہر موسم میں اول وقت میں ادا کیا جائے

نماز جمعہ کا اول ترین وقت کون سا ہے۔ نماز جمعہ ظہر کے وقت یا نماز ظہر سے قبل کس طرح پڑھا جائے۔ بینوا تو جسروا۔

جمعہ ہر موسم میں اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔ احادیث سے بھی جمعہ کی تعجیل ہی ثابت ہوتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہر موسم میں ایک ہی جمعہ ادا کر لیا جائے۔

وجعۃ کظہر اصلا و استحبابا فی الزمانین لانہا خلفہ
(در مختار) وفي الشامية تحت قوله واستحبنا في الزمانين
ای الشتاء والصيف. لكن حزم في الاشباه من حن
الاحکام انه لا یسن لها الا براد فی جامع الفتاوی
لقارئی الهدایة قیل انه مشروع لانہا تؤدی فی وقت
الظہر و تقوم مقامہ وقال الجمهور لیس بمشروع لانہا
تقام بجمع عظیم فتأخیرها مفض الى الحرج ولا کذا لک
الظہر و موافقۃ الخلف لاصلا من کل وجه لیس
بشرط اھ (ج ۱: ص ۳۴۰) - فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۵/۱۴۰۲ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافکار

ایک گاؤں کی آبادی تین سو گھر ہیں اور اہل سنت
کی دو مسجدیں ہیں۔ آبادی مرد و زن مردم شماری کے

مصر وہی ہے جو مصر سمجھا جاتا ہو

حساب سے دو ہزار کے قریب ہے۔ ایک مسجد میں عرصہ دراز سے جمعہ جاری ہے۔ چار، پانچ
دکانیں بھی ہیں۔ روز مرہ کی اشیاء خوردنی میسر ہیں۔ گاؤں میں دو حکیم صاحبان بھی ہیں۔ لوگوں
کا اصرار ہے کہ محلہ کی مسجد میں قریب ہی جمعہ پڑھنا چاہئے۔ کیا جائز ہو سکتا ہے ؟

الحجۃ

مفتی بہ تعریف کے مطابق مذکورہ گاؤں قریہ صغیرہ ہے اس میں جمعہ جائز نہیں۔ سوال میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں علامہ

سبکی ۷ لکھتے ہیں کہ یہ منقوض ہے۔ لہذا اس کی رو سے تو پھر مکہ اور مدینہ بھی مصر نہیں بنتے کیونکہ مسجد حرام اور مسجد نبوی ۷ میں وہاں کے باشندوں سے زیادہ افراد کی گنجائش کمالاںکہ وہاں عہد نبوی ۷ سے جمعہ ہو رہا ہے۔ نیز اس کی رو سے بعض وہ چھوٹی بستیاں جو بالاتفاق قریہ صغیرہ ہیں وہ مصر بن جائیں گی۔ لہذا مصر کی ہر تعریف میں یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ تعریف کے صادق آنے کے ساتھ ساتھ وہ جگہ عرفاً بھی مصر یا قریہ کبیرہ کہلاتی ہو۔

والفصل فی ذالک ان مکة والمدینۃ مصران تقام بہما الجمعة من زمانہ علیہ السلام الی الیوم و کل موضع کان مثل احدھما فهو مصر الخ..... حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتأخرین کصاحب المختار والوقایۃ و هو ما اجتمع فی اکبر مساجدہ لا یسمہم فانہ منقوض بہما اذا کل مسجد منہما یسع اہلہ و زیادۃ ۱۵ (غنیۃ ص ۱۵)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافاء

دوران خطبہ پنکھا کرنا : دوران خطبہ گرمی کی فوج سے پنکھا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
ایسی حالت میں پنکھا کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ استماع خطبہ کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

الحجۃ

جمعہ کی نیت کر کے اقتدا کی اور امام ظہر پڑھ رہا تھا

ایک آدمی جمعہ کے روز دیہات پہنچا وہ کثرتِ جمع کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ جمعہ پڑھا

خار ہا ہے جمعہ کی نیت کر کے امام کے ساتھ شریک ہو گیا بعد میں علم ہوا کہ امام نے ظہر پڑھی ہے کیا اس آدمی کا جمعہ ادا ہوا یا ظہر ؟

الجواب اس آدمی کی نہ ظہر صحیح ہے نہ جمعہ یہ دوبارہ ظہر ادا کرے ۔
 وان نوى عند التكبير انه يصلي الجمعة مع الامام
 فاذا كان الامام يصلي الظهر لا يجوز ظهرا مع الامام (الى
 قوله) لانه نوى ان يصلي الجمعة مع الامام فاذا تبين ان
 الامام كان يصلي الظهر انه لم يصح اقتداءه لمكان المغيرة

(قاضی خاں ص ۸۵ ج ۱)

الجواب صحیح،

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن دکان کھولنے پر حکومت کا چالان کرنا

اگر گورنمنٹ کا آدمی جمعہ کے دن دکان کھولنے پر چالان کرے تو کیا چالان کرنا جائز ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب امور مباحہ میں حکام و اولی الامر کی اطاعت واجب ہے شامیہ میں ہے
 ان صاحب البحر ذکرنا قلا عن ائمتنا ان طاعة الامام

فی غیر معصیۃ واجبة فلو امر بصوم یوم وجب - (ص ۳۲۲ ج ۳)

اس لئے حکومت کے کہنے پر ترک تجارت ضروری ہے مالی جرمانہ طرفین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔ صرف امام ابو یوسفؒ جواز کے اس حد تک قائل ہیں کہ حصول زجر کے بعد مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔ حاکم بیت المال یا اپنی جیب میں رکھنے کا مجاز نہیں۔ (کذا فی الہندیۃ ص ۳۳۶ ج ۳)۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ - ۷ - ۱۴۰۸ھ

بعض خطیب حضرات جمعہ وعیدین کا خطبہ زبانی پڑھتے

زبانی خطبہ بہتر ہے یا دیکھ کر :
 ہیں اور بعض کتاب دیکھ کر۔ ان میں سے کون سا بہتر ہے ؟

دو دنوں طرح خطبہ پڑھنا درست ہے۔ شریعت میں کسی خاص طریقے کا حکم دیا گیا ہے نہ کسی خاص طریقے کو ترجیح دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۴ / ۱۴۰۱ھ

دیہاتی جمعہ کے دن شہر آجاتے تو اس کے لئے جمعہ کا حکم

دیہاتی آدمی شہر میں آیا۔ اشیاء ضرورت خریدنے کے لئے اور جمعہ کا وقت ہو گیا کیا اس پر بھی جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

اگر تو پورا دن شہر ٹھہرنے کی نیت تھی تو وہ شہری کے حکم میں ہو گیا، اور اس پر جمعہ فرض ہو گیا لیکن اگر ذہن میں ہو کہ کام ہوتے ہی شہر سے چلا جاؤں گا۔ جمعہ سے پہلے ہو گیا یا بعد میں تو جمعہ واجب تو نہیں ہوا مگر پھر بھی پڑھ لے تو بہت ثواب ملے گا۔

القروی اذا دخل المصرونی ان یملک یوم الجمعة لزمته الجمعة
لانه صار ف اهل المصرف حق هذا اليوم وان لوی ان یخرج
ف یومہ ذلك قبل دخول الوقت او بعد الدخول لا جمعة علیہ
ولو صلی مع ذلك کان ما جوراً اه (فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۵۵) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

ناخن وغیرہ کاٹنے کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے

ناخن کاٹنا ایسے ہی جسم کے دیگر غیر ضروری بال صاف کرنے کے لئے کو نسا دن افضل ہے، یہ تمام امور ہفتہ میں کسی ایک دن مستحب ہیں البتہ ان کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے۔ کچھ تاخیر کی بھی گنجائش ہے لیکن چالیس دن سے تجاوز کرنا

گناہ ہے۔ وفي استحسان القهستاني عن الزاهدی يستحب أن يلقم أظفاره وليفص
شاربہ ويخلق عانته وينظف بدنه في كل اسبوع مرة يوم الجمعة أفضل
ثم في خمسة عشر يوماً والزائد على الأربعين ثم اء (طحاوی ص ۲۸۶)۔ فقط واللہ اعلم،
الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ، محمد انور عفا اللہ عنہ

جموعہ کے دن سورۃ کہف پڑھنے کا فائدہ

اکثر لوگوں کا معمول ہے کہ جمعہ کے دن سورۃ کہف کا اہتمام کرتے ہیں۔ کیا شریعت میں اس کا ثبوت ہے؟
حدیث پاک میں ہے جو جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھے گا تو دونوں جمعوں
کے درمیان اس کے لئے نور چمکتا ہے گا۔ علامہ طیبی نے اسکی شرح میں
لکھا ہے کہ یہ چمک دل میں ہوگی یا قبر میں یا حشر میں عن ابی سعید ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال من قرأ سورۃ الکہف فی یوم الجمعة اضاء له النور ما بین
الجمعتین رواہ البیہقی قولہ اضاء له فی قلبہ او فی قبرہ او یوم حشرہ اھ۔
(حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۸۹)۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸ / ۳ / ۱۴۰۲ھ

جموعہ کے دن کافر کو عذاب قبر ہوتا ہے یا نہیں

کیا جیسے مسلمانوں کو جمعہ کے دن اور رات قبر کا عذاب نہیں ہوتا۔ کیا ایسے ہی کافر کو
بھی جمعہ کے دن قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔؟

کافر کو باقی ایام میں عذاب قبر ہوگا۔ البتہ جمعہ کے دن اور رمضان میں اس
سے عذاب قبر اٹھایا جاتا ہے۔

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال منكر ونكير
وضغطة القبر حق لكن ان كان كافراً فعذابه يوم الح يوم

القیامۃ ویرفع عنہ یوم الجمعة وشہر رمضان۔ (شامی ص ۳۷۳)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴۰۶ / ۲ / ۶

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان طویل دعا کرنا

ہمارے ہاں ایک خطیب صاحب نے جمعۃ المبارک کا پہلا خطبہ پڑھنے کے بعد بیٹھ کر ۸ منٹ تک مشرقی پاکستان میں شہید ہونیوالوں پر تعزیت فرمائی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل کی۔ اسی دوران ایک شخص نے کہا کہ مولانا یہ آپ خطبہ سے فارغ ہو کر ہی کر لیتے تو کہنے لگے کہ یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے تمہارے نزدیک اگر مسئلہ نہیں تو نہ سہی۔ وضاحت فرمائی جائے۔ خطبہ کے درمیان وعظ و نصیحت کو فقہاء کرام نے بدعت و خلاف سنت لکھا ہے۔ کما فی فتاویٰ دارالعلوم ص ۶۲۔ کیونکہ حدیث شریف میں خطبہ کو نماز کا جزو ہونے کا حکم دیا گیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ شامی میں ہے (قولہ بل کشطرها) فی الثواب هذا تاویل لما ورد بہ الاثر من ان الخطبة كسطر الصلوة فان متقضا لانها قامت مقام الظهر كما قامت الجمعة مقام الركعتين۔ اس لئے اس نمازی کا مطالبہ صحیح تھا۔ مولوی صاحب کو اس پر ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ اور آئندہ کے لئے احتیاط کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ، محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

دوران خطبہ کسی کو اشارہ سے خاموش کرانا

جب خطیب خطبہ پڑھ رہا ہو اس دوران بچے شور کریں یا کوئی سنیتیں پڑھے تو ان کو روکنا کیسا ہے ؟

اشارہ سے منع کر سکتے ہیں۔ وکذا لو اشار برأسه او عينه او يده عند

رؤية المنكر ولم يتكلم بلسانه الصحيح انه لا يكره (کبری ص ۵۶)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

تیمار دار مریض کے پاس رہے یا جمعہ کے لئے چلا جائے

زید اچانک مہینہ کا مریض ہو گیا ڈاکٹر نے اُس کو بوتل لگا دی اور دوائیں تجویز کر دیں
 اتنے میں جمعہ کی نماز کا وقت قریب ہو گیا جو اُس کی تیمارداری کر رہا ہے وہ اُس کے پاس رہے
 یا جمعہ پڑھنے چلا جائے ؟

اگر مریض کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اُس کے پاس رہے اور ظہر پڑھ لے۔
 والحق بالمریض المریض ان بقى المریض ضائعاً بحد فجله
 علی الاصحح - (طحاوی ص ۲۷۵) - فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

پہلے سلام کے بعد شرکت کر نیوالے کا حکم

ایک آدمی ایسے وقت آیا کہ خطیب نے ایک طرف سلام پھیر دیا تھا۔ وہ شریک ہو گیا کیا
 جمعہ ادا ہو گیا یا نہیں ؟

امام کے پہلے السلام علیکم کے بعد اقتدار صحیح نہیں یہ شخص اب جمعہ نہ
 پڑھے۔ وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا
 خلافاً للتکملة اھ فلا یصح الاقتداء به بعدھا لا نقضاء حکم الصلوة۔
 (شامی ص ۴۹) - فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

جو جمعہ کا خطبہ نہ سُن سکا اس کے جمعہ کا حکم

جمعۃ المبارک کا خطبہ فرض ہے۔ ایک آدمی نہ سُن سکا۔ نماز جمعہ ادا ہو گئی یا نہیں ؟

خطبہ سُننا بھی بہت اہم اور موجب ثواب ہے۔ مع هذا نہ سُننے کے باوجود
 نماز ادا ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
 الجواب صحیح ، محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی خیر المدارس ، ملتان

خطبہ جمعہ کے شروع میں دو دفعہ الحمد للہ کہنا

جمعہ وعیدین کے خطبہ میں جو طریقہ ہے کہ پہلے صرف الحمد للہ کہتے ہیں پھر دوبارہ الحمد للہ علی الذات کہہ کر شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ طریقہ حدیث سے ثابت ہے؟ اور خطبہ کو اس طرح شروع کرنا سنت ہے یا مستحب؟

ابوالحسن علیہ السلام: یہ مخصوص طریقہ کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں۔ فقط واللہ اعلم،
محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۳/۴ / ۹۲ ھ

دونوں خطبوں کے درمیان دعاء کیسے کریں؟

جمعہ کے روز دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟
ابوالحسن علیہ السلام: ایسے وقت ہاتھ اٹھا کر دُعا نہ مانگیں بلکہ زبان سے بھی نہ مانگیں، دل سے مانگیں۔ وسئل علیہ الصلوٰۃ والسلام عن ساعة الاجابة فقال ما بين جلوس الامام الى ان يتم الصلوة وهو الصحيح قوله وسئل عليه السلام ثبت في الصحيحين وغيرهما عنده صلى الله عليه وسلم فيه ساعة لا يوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلي يسأل الله تعالى شيئاً الا اعطاه اياه الى قوله فيسن الدعاء بقلبه لا بلسانه لانه مأمور بالسكوت۔ اه
فقط واللہ اعلم، (شامی ص ۴۲) احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی بعد یہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء

عام مساجد میں معمول ہے کہ جمعہ کے بعد سنتیں پڑھ کر امام صاحب کی فراغت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں امام صاحب فارغ ہو کر اُونچی اُونچی آواز میں دُعا مانگتے ہیں

اور متقدمی آئین کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے ؟

سُنن و نوافل کے بعد اجتماعی دُعا قرآن و حدیث اور خیر القرون سے کہیں ثابت نہیں اس کا اہتمام و التزام بدعت ہے۔ سنیتیں پڑھنے کے بعد ہر شخص اپنی اپنی دُعا مانگ کر فارغ ہو جائے۔ (کذا فی فتاویٰ دارالعلوم صبح ۱/۲۵)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲۰۴ / ۲ / ۶

جموعہ کے خطبہ میں "منکرین ختم نبوت" کی تردید کرنا

اس موجودہ پُرفتن دور میں عام طور پر مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی ختم نبوت کی اہمیت بتلانے اور صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کی خاطر کی اس وقت خطبہ اپنے خطبات میں جمعہ کے روز فقط عربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ بڑھا سکتے ہیں تاکہ مذہب اہل سنت و الجماعت کی پوری ترجمانی ہو سکے۔ جو درحقیقت اسلام اور دین حق ہے۔ خطبہ معروفہ کے اولیٰ خطبہ میں و نشہد ان من ادعی النبوة بعد سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم سواء کان تشریعاً او غیر تشریحی کسلیمۃ الکذاب و غلام احمد القادیانی کذاب دجال کافر مرتد خارج عن الاسلام لانی بعد سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا اور دوسرے خطبہ میں بھی مندرجہ ذیل الفاظ قابل اضافہ ہیں۔

اللہم اشد وطأتک علی المرزایین ومن یتوالہم من المنافقین و الکافرین اعدائک اعداء الدین اللہم انا نجعلک فی نحوہم و لنحوذ بک من شرورہم۔

خطبہ جمعہ کے اندر الفاظ مندرجہ بالا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا تذکرہ ہو۔ اور دیگر مدعیان نبوت کی تردید ہو پڑھنا جائز ہے بلکہ جس ملک یا علاقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف کوششیں ہو رہی ہوں وہاں اس قسم کے الفاظ ضرور پڑھنے چاہئیں۔ اور مسلمانوں کو خصوصاً حکام اسلام کو ان الفاظ پر اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ ورنہ ان کے ایمان کے سخت ضعف کا خطرہ ہے۔ جموعہ خطبوں اور دعاؤں میں اللہ سے موجودہ دور کے فتنوں سے پناہ مانگنا عین عبادت ہے۔ اور عبادت

سے روکنا کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ خادم الافشاء، خیر المدارس، ملتان

نیت جمعہ میں اسقاطِ ظہر کو ضروری قرار دینا

ایک عالم فاضل جو فنِ حدیث و دین کا ماہر ہے وہ لوگوں کے مجمع میں اعلان کرتا ہے کہ جو نیت جمعہ تم کرتے رہے ہو نہایت غلط ہے جس کی وجہ سے تمہارے سب جمعے غلط ہوئے۔ اصلی نیت جمعہ کی یہ ہے کہ :-

نویت ان اصبلی رکعتی الجمعة لله تعالى لا سقط عن ذمتي الظهر

متوجهاً الى الكعبة الشريفة اقتديت بهذا الامام :- دوسرا فرق کہتا ہے کہ :-

نویت ان اصبلی رکعتی الجمعة فرضاً لله تعالى اقتديت بهذا الامام

متوجهاً الى الكعبة الشريفة — آیا فرق اول کی نیت صحیح ہے یا ثانی کی —

جس جگہ جمعہ واجب ہے وہاں صرف اصبلی رکعتی الجمعة فرضاً الخ

کہنا کافی ہے لا سقط عن ذمتي الظهر کی کوئی ضرورت نہیں جس

جگہ جمعہ فرض ہے تو اسقاطِ ظہر کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور جہاں جمعہ فرض نہیں وہاں ظہر ہی پڑھی جائے گی۔

فقط واللہ اعلم : بندہ اصغر علی غفرلہ معین مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۱۲/۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۱۲/۱۴۰۲ھ

دورانِ خطبہ کوئی اعتراض کرے تو اس کو جواب دینا

ایک خطیب نے خطبہ کی ابتداء میں خطبہ پڑھتے ہوئے یہ کہا :

الحمد لله الذي فضّل علينا سائر الانبياء والمرسلين وانزل عليه الكتاب تبينا لكل شيء وهدى للمؤمنين -

تو ایک نابینا فظ بولا 'تم نے خطبہ غلط پڑھا ہے۔ مولوی صاحب خطیب نے کہا میں نے تو ابھی خطبہ جمعہ پڑھنا شروع کیا ہے یہ آیت قرآن پاک پڑھی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا خطبہ پڑھنا غلط ہے یا صحیح یا ناجائز یا گناہ - ؟

خطبہ میں کوئی غلطی نہیں ہے بالکل درست ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ :-
الجواب انما بنيت الخطبة لذكر الله — لہذا اگر خطیب اس کے بعد آیات قرآنیہ وغیرہ تلاوت نہ کرے تب بھی خطبہ صحیح ہوگا۔ نابینا کا اعتراض غلط ہے۔

سید مسعود علی غفر اللہ لہ مفتی انوار العلوم
 جواب صحیح ہے لیکن خطیب صاحب کو دوران خطبہ نابینا کو جواب دہی کرنا
 غیر مناسب تھا بعد از فراغ سمجھنا چاہیے تھا۔ بہر حال ان کا اعتراض غلط ہے اگر واقعہ یہی ہو۔
 فقط واللہ اعلم بندہ عبد اللہ غفر اللہ لہ خادم الاقاہ خیر المدارس

— ○ —

بوقتِ خطبہ فوت شدہ نماز یاد آگئی تو کیسے کرے ؟

جمعہ کے روز جب خطیب خطبہ کے لئے منبر پر آ گیا اس وقت سامعین میں کسی کو یاد آیا کہ اس کے ذمہ فوت شدہ نماز ہے کیا اس وقت فوت شدہ نماز پڑھنے کی گنجائش ہے جبکہ یہ آدمی صاحبِ ترتیب بھی ہو —

شخص مذکور پہلے فوت شدہ نماز ادا کرے پھر جمعہ مل جائے تو جمعہ پڑھ لے ورنہ
الجواب ظہر ادا کرے۔ واذ اخرج الا امام فلا صلوة ولا كلام (مراقی)

(قوله فلا صلوة) سواء كانت قضاء فائتة او صلوة جنازة او سجدة تلاوة او مندورة لفلان الا اذا ترك فائتة ولو وترا و
 صاحب ترتیب فلا یکره الشروع فیہا بل یجب لضرورة صحة الجمعة

فقط واللہ اعلم
 (طحاوی ص ۲۸۳)

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

— ○ —

مسجد میں تکرار جمعہ کا حکم
پندرہ بیس آدمی ایک مسجد میں جمعہ کے روز اس وقت پہنچے جبکہ جمعہ ہو چکا تھا۔ کیا یہ لوگ اس مسجد میں جمعہ جمع

خطبہ جماعت سے پڑھیں یا باجماعت ظہر ادا کریں؟

الجواب
چونکہ تعدد جمعہ بذہب صحیح جائز ہے اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں اس لئے ان لوگوں کو چاہئے کہ جمعہ باجماعت مع خطبہ ادا کریں اگر

اسی مسجد میں ہو تو بھی کوئی عرج نہیں۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو۔ (فتاویٰ عبدالحی ص ۲۱۱)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۱۰/۱۴۱۰ھ

کیا جمعہ کے دن قبرستان جانا درست ہے؟
بعض لوگوں کا معمول یہ ہے کہ جمعہ کے دن قبرستان جانے

کا اہتمام کرتے ہیں کیا یہ درست ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بہ نیت عسرت جمعہ کے دن قبرستان جانا مذہب ہے۔

الجواب
ای لا بأس بھا بل تندب کما فی البحر عن المجتبیٰ

فکان ینبغی التصحیح بہ لئلا یرکبھا فی الحدیث المذکور کما

فی الامداد و تزار فی کل اسبوع کما فی محنت رات

النوازل قال فی شرح لباب المناسک الا ان الا فضل یوم الجمعة السبت

والاثنين والخمیس فقد قال محمد بن واسع الموفی یعلمون بزوارہم

یوم الجمعة یوماً قبلہ ویوماً بعدہ فتحصل ان یوم الجمعة افضل ۱ھ

(شامی ج ۱ ص ۸۲۲) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۳/۱۴۰۹ھ

بلا خطبہ نماز جمعہ کا حکم
کیا بغیر خطبہ کے نماز جمعہ درست ہے یا نہیں؟

خطبہ جمعہ کی شرائط سے ہے۔ اس کے بغیر پڑھیں گے تو جمعہ ادا نہیں ہوگا۔

ومنہا الخطبة قبلہا حتی لو صلوا بلا خطبة او خطب

قبل الوقت لم یجزاہ (عالمگیری ص ۴۵) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ كِي تَحْقِيق !

جمعہ کے دوسرے خطبے میں اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً پڑھا جاتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہ کیا کرتے تھے۔ نعوذ باللہ۔ اس لئے ان کیلئے دُعا مغفرت کی جاتی ہے جبکہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ تو پھر حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیوں کیا جا رہا ہے۔

۱۔ پرسوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عباسؓ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل نہیں فرماتے؟
۲۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی صحابیؓ کا نام لے کر دُعا نہیں کی جاتی بلکہ رضی اللہ عنہ پڑھا جاتا ہے۔ صرف حضرت عباسؓ کے لئے دُعا کیوں مخصوص ہے۔ خطبہ میں جب حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیا جاتا ہے تو برا فہم سے لگتا ہے کہ کیا یہ درست ہے کہ حضرت عباسؓ گناہ گار تھے اور گناہ کرتے رہے۔ اس لئے قیامت کے روز اندھے اٹھائے جائیں گے۔ نعوذ باللہ۔

حضرت عباسؓ کی بابت بالا الفاظ کے ساتھ دعائیں کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ملاحظہ فرمادیں مشکوٰۃ شریف ج ۵ ص ۲۰۵۔

الجواب

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس اذا كان غدا لا تثنین فأتنی انت وولدک حتی ادعوا لکم بدعوة ینفعکم اللہ بها وولدک فخذلو عند ونامعوا البساکساء ثم قال اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تَقَادِرُ ذُنُوبًا الْخ

جس کی نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہ میں مبتلا تھے یا وہ صحابہؓ میں شامل نہیں تھے۔ یہ اس قائل کے سوچنے کا نتیجہ ہے۔ حقیقت سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ



جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنے کی شرعی کیا حیثیت ہے۔

جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنا گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں۔؟

سنتوں کے بارے میں اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جہاں فتوح زیادہ ہو وہاں پڑھنی جائیں

الجواب

لیکن آج کل ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی ہے جو قبلہ اور بعدیہ سنتوں کو کوئی اہمیت

نہیں دیتی بلکہ بعض تو ہرے سے منکر ہیں اس لئے آج کل مناسب یہی ہے کہ تمام سنن قبلہ و بعدیہ مسجد میں ادا

کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم

○

شدید بارش ہو رہی ہو تو جمعہ کے لئے جانے کا حکم جمعہ کے دن شروع ہی ہے

جمعہ کے وقت تک موسمِ بارش ہو رہی تھی تو کیا ایسے حالات میں بھی جمعہ کے لئے جانا ضروری تھا۔

ایسی صورت میں نہ جانے کی گنجائش ہے۔

الجواب

إذا أصاب الناس مطر شديد يوم الجمعة فهم في سعة

من التخلف اه (عالمگیری ص ۱۱۷) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

○

خطیب کو وضو کی حاجت پیش آجائے تو کیا کرے؟

بندہ جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا کہ خطبہ کے بعد غرضِ ریج کا احساس ہوا۔ بنا برا احتیاط وضو کر دیا گیا۔

کیا وہ سابقہ خطبہ کافی ہے یا نماز سے قبل دوبارہ خطبہ دینا چاہیے تھا۔؟

وہی خطبہ کافی ہے۔ اس فصل کی وجہ سے خطبہ کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

الجواب

فاذا اترا قيمت ويكره الفصل بامر الدنيا اه (در مختار)

(قوله بامر الدنيا) اما ينهي عن منكر او امر بمعروف فلا وكذا بوضوء

او غسل لو ظهر انه محدث او جنب كما مترجلا فافا كل او شرب حتى

لوطال الفصل استأنف الخطبة كما مر فافهم۔ (شامی ص ۱۱۷)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

○

جمعہ کی نماز کے بعد سوال کرنے کا حکم

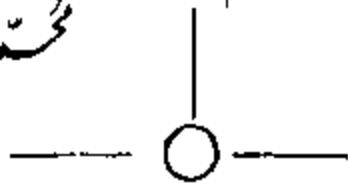
بعض سائلین جمعہ کی نماز کے فوراً بعد سوال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا ان سائلین کو کچھ دینا جائز ہے یا ان کو سوال سے روکا جائے؟

سائل اگر واقعی ضرورت مند ہو پیشہ ور نہ ہو اور کئی مجبوری کے تحت سوال کر رہا ہو اور نمازیوں کو پریشان نہ کرے ناگھے میں حد سے تجاوز نہ کرے تو سوال کی گنجائش ہے اور دینا بھی درست ہے۔

الجواب

المختار ان السائل اذا كان لا يترتب من يد المصلي ولا يتخطى رهاب السائل ولا يسأل الناس الخاف ويثال ما لا بد منه لا بأس بالسؤال والاعطاء (مجموع الفتاوى ۲۱۲) فقط والله اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۴/۱۴۰۹ھ



ایک آدمی نابینا ہے شہر میں رہتا ہے کیا کہ
نابینا پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

پرفروری ہے کہ جمعہ مسجد میں جا کر ادا کرے۔؟

امام محمدؒ کے نزدیک اگر کوئی نابینا کو مسجد میں لے جانے والا بل جائے تو اس پر جمعہ لازم ہے۔

الجواب

وقال محمد الاعمى اذا وجد قائد ايلزمه والمفروض لجمدة ان العمى قادر على السعى الا انه لا يهتدى فاذا وجد قائد ايلزمه كالصحيح اذا صل الطلوت اه (قاضي خان ص ۸۴)

وفي الشامية بل يظهر وجوبها على بعض العميان الذي يمشى في الاسواق ويعرف الطرق بلا قائد ولا كلفة ويعرف اى مسجد اراده بلا سؤال احد لانه حينئذ كالسريع القادر على الخروج بنفسه بل ربما تلقى مشقة اكثر من هذا تأمل اه (شامى ص ۶۲)

فقط والله اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۱/۱۴۰۹ھ

جمعہ کے لئے سواری پر آنا بہتر ہے یا پیدل کسی دوسری سواری پر سوار ہو کر آنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب اگر فاصلہ قریب ہو اور ہمت ہو تو پیدل چل کر آنا افضل ہے۔
ولا بأس بالركوب للجمعة والعیدین والمشی افضل اه
(فلاستہ الفتاویٰ ص ۲۱۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

خطبہ میں آواز کس قدر بلند ہونی چاہیے؟
کیا خطبہ اونچا پڑھنا ضروری ہے؟
الجواب خطبہ یہ ہے کہ معقار آواز کی نسبت اونچی آواز سے خطبہ
دیا جائے۔ ومن المستحب ان یرفع الخضبیب صیوۃ وان یکون الجھر فی الثانیۃ دون الاولیٰ اه
(عالمگیری ص ۶۶) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۴/۱۴۱۲ھ

کلام اللہ کی تلاوت جاری رکھیں یا وعظ سنیں جب کوئی شخص تلاوت کر رہا ہو اور جمعہ کا بیان
شرعی ہو جانے آیا یہ شخص تلاوت کرتا رہے یا تلاوت بند کر کے بیان سنے؟
تلاوت کو مؤخر کر کے وعظ سننے بشرطیکہ وہ حقیقت میں وعظ و نصیحت ہو۔ شامی
الجواب میں (قولہ فاستماع العظۃ اولیٰ) کے تحت لکھا ہے:-

الظاہر ان هذا خاص بمن لا قدرة له على فهم الآيات القرآنية
والتدبر في معانيها الشرعية والا لفاظ بمواعظها الحكيمة اذ لا شك
ان من له قدرة على ذلك يكون استماعه اولیٰ بل اوجب بخلاف
الجاهل فانه يفهم من المعلم والمواعظ ما لا يفهم من القارئ
فكان ذلك انفع لہ اه (شامیہ ص ۶۲) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۱/۴/۱۴۰۹ھ

خطبہ دیتے وقت دائیں بائیں حاضرین کی طرف نظر کرنا کیسا ہے؟

بعض خطباء کی عادت ہوتی ہے کہ دائیں بائیں حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی اس طرف رخ کر لیا کبھی اس طرف کیا یہ درست یا سیدھا ہی رخ رکھنا چاہیے۔

سُنّت یہی ہے کہ سامنے کی طرف متوجہ رہیں۔ ادھر ادھر متوجہ نہ ہوں۔

الجواب

ما يفعله بعض الخطباء من تحويل الوجه جهة اليمين و جهة اليسار

عند الصلوة على النبي عليه الصلوة والسلام في الخطبة الثانية لم أذكر من

ذكره والظاهر انه بدعة ينبغي تركه لثلاثتهم انه سنة شعر أئمت

في منهاج النووي قال ولا يلتفت يميناً وشمالاً في شئ منها قال

ابن حجر في شرحه لا نذكر ذلك بدعة (فام ۵۹ ج ۱)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۱۲/۱۱/۱۰



تقریر جمعہ پہلے ہو یا بعد میں؟ جمعہ کی نماز سے پہلے یعنی خطبہ سے

پہلے تقریر کرنا اور نماز جمعہ کے بعد وعظ کرنا ان دونوں میں سے کون سا سنت کے مطابق ہے۔

یہ تقریر نماز جمعہ کے آداب و سنن میں سے نہیں مستقل چیز ہے۔ جس وقت میں ملے

کے لئے الفح ہو۔ اس وقت کا تعین کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۴۰۲/۳/۶



مسافر جمعہ کی اذان سننے کے بعد سفر نہ کرے مسافر جمعہ کے روز شہر سے اذان

سننے کے باوجود سفر کر سکتا ہے یا نہیں؟

نہیں۔ ويجب ترك البيع وكذا ترك كل شئ

يؤدى الى الاشتغال عن السعي اليها ومنه الشاء السفر

الجواب

عندہ (كذا في المراق مع حاشية الصلحطاوى فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۲/۳/۲

مقدمی سارے نابالغ ہوں تو جمعہ کا حکم،

اگر صرف نابالغ بچے ہوں تو ان کی جماعت بنا کر جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔؟
الجواب جب ایک یا دو بالغ ہوں تو امام کے پیچھے ان کی صف ہونی چاہیے اور نابالغوں کی صف ان کے پیچھے ہونی چاہیے۔ اور صرف نابالغ ہونے کی صورت میں ان کی صف امام کے پیچھے ہو۔ امام کی نماز میں کوئی نقص نہیں آئے گا۔ لیکن جمعہ کی نماز میں صرف بچے ہوں تو جمعہ نہیں ہوگا۔

وتحصل فضيلة الجماعة بصلوته مع واحد (ای من الصبيان) الا في الجمعة
 فلا تصوم بثلاثاء منهم اه (الاشباه والنظائر ص ۴۸)۔ فقط والله اعلم،

ابجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
 محمد انور عفا اللہ عنہ
 نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان ————— ۲۲/۱۱/۹۸ ھج

خطبہ جمعہ سے قبل حاضرین کو السلام علیکم کہنا

بعض خطباء بھول ہے کہ منبر پر چڑھتے وقت سامعین کو السلام علیکم کہتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے۔
الجواب خطبہ کے لئے منبر پر چڑھتے وقت السلام علیکم کہنا صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے منقول نہیں اس لئے یہ مکروہ ہے۔

ولا یسلم الخلیف علی القوم اذا استلوی علی المنبر لانه یلجمهم الى ما
 نھوا عنه و العروی من سلامه عندنا غیر مقبول و فی الکبری قلل لیس بالقوی
 وقال عبد الحق فی الاحکام الکبری هو مرسل قال واسنده الواحید من حدیث
 ابن الہیثم و هو معروف فی الضعفاء ولا یحتج بہ (کبری ص ۵۷)

ابجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
 فقط والله اعلم
 احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز میں جمعہ پڑھنے کا حکم

ہماری تبلیغی جماعت نے بیرون ملک ایک طویل سفر کرنا ہے جس میں دن کا اکثر حصہ جہاز میں گزرے گا۔ جہاز میں تین چار آدمی مل کر جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے کیا ہم دوران سفر جمعہ پڑھیں یا ظہر کی نماز ادا کریں۔ ؟
جمعہ کے لئے مصر یا فناء مصر شرط ہے۔ فناء مصر میں داخل ہے۔ نہ فناء مصر میں لہذا وہاں ظہر ادا کریں۔ (فتاویٰ غلیبیہ ص ۱۱۸)

الجواب

(فتاویٰ غلیبیہ ص ۱۱۸)

فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ ۱۱/۲/۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن بال نماز جمعہ سے پہلے ترشوائیں یا بعد میں

شای میں ہے :

ويكبره لتقليم الاظفار وقص الشارب في يوم الجمعة قبل الصلوة
کیا مفتی یہ قول یہ ہے کہ نماز جمعہ سے قبل ناخن تراشنا اور جھامست بنوانا مکروہ ہے — ؟
مدلل تحسیر فرمائیں۔ بینوا التوجروا۔

شای ج ۲ کتاب الحفظ والاباحۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول مرجوح ہے۔ ناخن وغیرہ اور بال ترشوانا جمعہ سے پہلے ہو (قولہ وكونه بعد الصلوة افضل اھ) ای لئلا یدلہ بركة

الجواب

الصلوة وهو مخالف لما نذكره قريبا في الحديث (اھ ص ۲۳)

طحطاوی میں تصریح ہے کہ بال کو تراخن کا ٹنا جمعہ سے پہلے سنت ہے۔

وظاهر الاحادیث یدل علی ان القلم قبل الصلوة ضانی بعض الكتب

انما بعدھا يشهد له بالصلوة لا يعول عليه لانه تعليل في مقابلة النص

فقط واللہ اعلم (طحطاوی ص ۲۸)

محمد النور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی پہلی چار سنتوں میں قعدہ اولیٰ میں تشہد پر اضافہ کا حکم

ایک آدمی جمعہ کی پہلی یا بعد والی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ پہلے تشہد میں درود شریف پڑھ لیتا ہے۔ کیا اس پر سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ بیّنوا التوجہ وا

پہلے قعدہ میں تشہد پر اضافہ نہ کرے ورنہ سجدہ سہو واجب ہوگا۔

الجواب

ولا یصلیٰ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدة الاولى فی الامايع قبل الظہر والجمعة وبعدھا ولو صلی ناسیاً فعلیہ السہو وقیل لا شئنی (در مختار)
(قولہ وقیل لا الخ) قال فی البحر ولا یخفی ما فیہ والظاہر الاول مراد فی المصحح و
من ثم عولنا علیہ وحکینا ما فی القنیۃ بقیل اھ (شامی ص ۶۳۶) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶/۲/۱۴۱۰ھ

جمعہ کی نماز میں سنون ترات

جمعہ کی نماز میں کون کون سی سورت کی ترات سنون ہے۔؟

جمعہ کی دونوں رکعتوں میں وہی قرأت سنون ہے جو ظہر کی رکعتوں میں سنون ہے۔ یہ مختصر
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورۃ جمعہ، منافقون، سبح اسم ربک الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ
پڑھنا بھی ثابت ہے۔ مگر اس کو مستقل معمول نہ بنائے تاکہ عام لوگ اسے واجب نہ سمجھیں۔

الجواب

وفی التحفة وغیرھا یقرأ فیہما قدر ما یقرأ فی الظہر لا یخا بدل منه وان
قرأ بسورة الجمعة واذ جاءک المنافقون او بسبح اسم ربک الاعلیٰ وهل
اثلک حدیث الغاشیة تبرکاً بالماثورة عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی
ما مر فی صغۃ الصلوٰۃ کان حسناً لکن یترک احیاناً لئلا یتوہم
العامة وجوبہ (کبریٰ ص ۵۶)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۶/۲/۱۴۱۰ھ

تبلیغی جماعتوں کا زوال سے پہلے شہر سے جانا۔

تبلیغی جماعت والے جمعہ المبارک کے دن شہر سے بستیوں میں جاتے ہیں۔ تین دن کے لئے تبلیغ کی نگرانی اور بارہ بجے کے قریب مسجد سے چلے جاتے ہیں جبکہ جمعہ کی اذان ہونے والی ہوتی ہے۔ جمعہ پڑھے بغیر چلے جاتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے۔ جمعہ پڑھ کر جائیں یا پہلے چلے جائیں۔؟ شرعاً کیا حکم ہے۔
فقط والسلام۔ مولانا حاجی نور محمد صاحب خطیب مکی مسجد منچن آباد۔ ضلع بہاولنگر
بہتر یہی ہے کہ جمعہ پڑھ کر جائیں ویسے اگر پہلے بھی چلے جائیں تو گنہگار ہے :

الجواب

ولا یکرہ الخرج للسفر یوم الجمعة قبل الزوال وبعده

وان کان یعلم انه لا یمخرج من مصره الا بعد مضی الوقت یملزم ان

یشہد الجمعة ویکرہ له الخرج قبل اداھا ۱۵ — (عالمگیری ص ۱۴۲)

فقط والسلام — محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۴ / ۱۴۱۰ ھ

جمعۃ الوداع عید گاہ میں ادا کرنا

ہمارے علاقے میں یہ معمول ہے کہ جمعۃ الوداع عید گاہ میں ادا کیا جاتا ہے کیا یہ شرعاً درست ہے۔؟

الجواب اگر جامع مسجد منچن گاہ میں جمعۃ الوداع کی نماز بھی حسب معمول جامع مسجد میں ادا کی جائے کیونکہ عید گاہ میں جا کر پڑھنے کا استحباب عیدین کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جمعہ بہر حال ادا ہو گیا۔ فقط والسلام
ابجواب صحیح فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جمعۃ کے سلام کے بعد دعا مختصر ہو یا لمبی

بعض خطیبوں کی عادت ہوتی ہے کہ مطول دعا مانگتے ہیں۔ کیا نماز جمعہ کے بعد مختصر دعا ہونی چاہیے یا لمبی۔ شرعاً کیا حکم ہے۔؟

جن نمازوں کے بعد نہیں ہیں ان میں امام مختصر دعا مانگے۔ (رہانی الثانیہ ص ۴۹۴ ج ۱)

فقط والسلام محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب

جمع کے دن کثرتِ درود کی مقدار
 حدیث میں جو آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

ان اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرہم علی صلوۃ۔

کیا اس کثرت کی کوئی مقدار متعین ہے۔ اس کثرت سے کیا مراد ہے۔ ؟

الجواب یوں تو درود پاک ایسی بابرکت چیز ہے کہ جتنا بھی پڑھا جائے کم ہے۔ لیکن علامہ سخاوی نے قوتِ القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم از کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔

(فضائل درود مشہور) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۴/۱۴۱۱ھ

امام کے لئے نماز جمعہ میں آیت سجدہ پڑھنے کا حکم کیا عام نمازوں کی طرح جمعہ کی

نماز میں بھی امام ایسی آیت پڑھ سکتا ہے جس میں سجدہ تلاوت ہو۔ ؟

الجواب ویسکیرہ للإمام ان یقرأ آھافی مخافتی و خوجبۃ وعیدہ (در مختار) (قولہ ویسکیرہ للإمام) لانه ان ترک السجود لھا فقد ترک

واجباً وان سجد یشتبہ علی المقتدین شرح المنیہ ۱۱ (شامی ص ۱۱۱)

فقط واللہ اعلم ————— محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۱۲/۱۴۰۹ھ

ٹیپ سے نشر شدہ خطبہ کا حکم خطبہ کے لئے کوئی آدمی نہیں مل رہا اگر ٹیپ ریکارڈ

کے ذریعے سے خطبہ پڑھوایا گیا کیا خطبہ ادا ہوگا یا نہیں۔ ؟

چونکہ ٹیپ آواز کی نقل ہوتی ہے جیسے کہ صدائے بازگشت لہذا اس پر پڑھا ہوگا

الجواب خطبہ معتبر نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

محقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ ظہر کا وقت ختم ہو گیا تو جمعہ کا حکم،

بعض لوگ جمعہ کی نمازیں اتنی لمبی لمبی تقریں کرتے ہیں کہ اس دوران جمعہ سے فراغت سے پہلے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے تو کیا ان کا جمعہ ادا ہو گیا۔؟

ان کا جمعہ ادا نہیں ہوا۔ نئے سرے سے ظہر ادا کریں۔

الجواب

وان خرج وقت الظہر قبل الفراغ عن الجمعة فسدت الجمعة

وعليه يستقبل الظہر ۱ھ (قاضی خان ص ۸۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم
(محمد انور خیر المدارس ملتان)

شب جمعہ جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کو عذاب قبر نہیں ہوگا،

کیا چاہ رمضان یا محرم یا جمعہ کے دن فوت ہو جائے اس کے حساب گانے عذاب ہوتا ہے۔ اگر ہے تو کیا حد ہے آنری مجملہ کی وضاحت یعنی ماہ رمضان اور محرم ان دونوں میں مرنے والے سے عذاب قبر اگر موقوف ہے تو آیا اس کے ہاں میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اگر ہے تو کیا اس کے لئے حقوق العباد سے سبکدوش ہونا بھی شرط ہے۔ یا یہ کہ دنیا میں جس قدر جی چاہے حقوق غصب کرتا رہے اور نہ خود دے اور نہ وراثت دیں۔ مگر متذکرہ بالا دونوں اور مہینوں میں مر جائے تو اسے عذاب قبر نہ ہوگا۔؟

الجواب

عذاب قبر کے معاف ہونے کی بشارت جمعہ کے دن یارات میں مرنے والے کے لئے آئی ہے اور ایسے ہی رمضان میں مرنے والے کے لئے بھی ہے۔ مگر عشرہ محرم میں مرنے والے کے لئے بشارت نہیں لیکن حقوق العباد وغیرہ اس سے معاف نہیں ہوں گے۔ ان کی ادائیگی بہر حال ضروری ہے۔ یا صاحب حق سے معاف کرایا جائے۔

ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر۔ قال الترمذی فی شرح مشکوٰۃ فتنۃ القبر ای سوالہ وعذابہ وهو یحتمل الاطلاق والتقیید والاوّل هو الاوّل بالنسبۃ الی فضل المولیٰ ۱ھ (مشکوٰۃ ص ۱۲۱ حاشیہ ۵) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بسنہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ————— مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ میں شرکت معذور جمعہ کے بعد ظہر ادا کرے

معذور اور قیدی یا مسافر جن کے لئے جمعہ میں شرکت کسی بنا پر ممکن ہی نہیں۔ وہ ظہر کی نماز جمعہ ہو چکنے کے بعد پڑھیں یا پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ — ؟

مذکورہ لوگ جمعہ ہو چکنے کے بعد ظہر ادا کریں۔

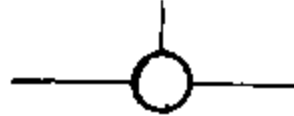
الجواب

ولستحب للمريض والمسافر واهل السجن تاخير الظهري

فراغ الامام من الجمعة وان لم يؤخر يكره في الصحيح (ہندیہ ۱/۴۹)

فقط واللہ اعلم

محمد انور



مختلف بستیاں مل کر جمعہ ادا نہیں کر سکتیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۳ بستیاں مل کر ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں۔ ہر ایک بستی کے گھر بم ۵۰، ۵۰ ہوں گے اور جملہ گھر ۵۰ تا ۱۶۰ ہوتے ہیں۔ ان بستیوں کی مسجد الگ الگ ہے۔ نماز جمعہ کے دن ۳۰/۴۰ بم آدمی بھی ہو جاتے ہیں۔ ان بستیوں کا آپس میں ایک یا دو فرلانگ کا فاصلہ ہوگا۔ ان میں ایک ایک دکان کر یا نہ کی بھی ہے۔ اور ایک ایک دکان کپڑے کی بھی ہے۔ کیا ان بستیوں میں جمعہ ہو جائے گا یا نہیں۔ —

صورت مسئلہ میں بوجہ نہ پائے جانے شرائط جمعہ کے یہاں اقامت جمعہ جائز نہیں۔ ہر بستی والے ظہر کی نماز ادا کریں۔ جمعہ پڑھنے کی صورت میں ظہران پر باقی رہے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب

فقط واللہ اعلم، العبد الفقیر

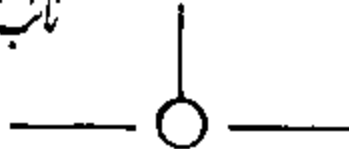
اجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر الدار س ملتان

مفتی خیر الدار س ملتان



خطبہ میں حاضرین کا درود پڑھنا خطبہ جمعہ میں جب خطیب ان الله وملتکلت

پڑھتا ہے۔ اس وقت درود شریف پڑھنا کیسا ہے۔

اس وقت دل میں درود پاک پڑھ لے زبان سے نہ پڑھے۔ والصواب انما یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسه ^(در مختار) اھ

الجواب ۷

(قوله فی نفسه) ای بان یسمع نفسه اولیٰ علی الحروف فانهم فسروا بہ وعن

ابی یوسف قاطباً ائتماراً لا مری الا نصات والصلاة علیہ صلی اللہ علیہ وسلم

کما فی الکرماتی قمستانی قبیل باب الاماتہ واقتصر فی الجوہرۃ علی الآخر

حیث قال ولم یبطلی بہ لا تھا تذکرہ فی غیر ہذا الحال والسمع یفوت ^{ثانی} اھ

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

نابالغ اگر خطبہ دیدے تو کیا خطبہ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

اگر کسی جگہ کوئی بالغ خطبہ دینے والا نہ ہو اور نابالغ نماز حنفی دیکھ کر خطبہ پڑھ دے تو خطبہ صحیح ہو جائے گا؟

سمجھ دار بچہ خطبہ پڑھے تو خطبہ صحیح ہو جائے گا۔

الجواب ۸

وفی الظاہیرۃ لو خطب صبی اختلف المشائخ فیہ والخلاف فی

صبی یعقل والا کثر علی الجواز اھ (ثانی ص ۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

○ حضرت نانوتوی قدس سرہ اور دیہات میں جمعہ

حضرت اقدس نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ جمعہ کے مسئلہ میں نرمی فرماتے

تھے اور فرماتے تھے کہ جہاں جمعہ جاری ہو وہاں نزاع نہ کیا جائے۔ کیا یہ درست ہے۔؟

جمعہ فی القری کے بارے میں حنفیہ کا محقق مذہب وہی ہے جو کتب فتاویٰ میں مصرح

ہے اور تفصیل سے مذکور ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے منع کا مصداق وہ جگہیں ہیں جن کا

الجواب ۹

قریہ صغیرہ یا کبیرہ ہونا مختلف فیہ ہو اور وہاں جمعہ قائم ہو تو حضرت وہاں نزاع سے منع فرماتے تھے۔ باری وجہ

کہ کسی درجہ میں گنجائش ہے۔

اکذا فی فتاویٰ دارالعلوم مبلدہ

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ فی القرئی کے بارے میں مذہب غیر پر عمل کرنا۔

جمعہ فی القرئی کے بارہ میں مالکیہ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مفقود الخبر کی زوجہ کے بارہ میں
اہم مالک کے مذہب پر عمل کیا جاتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ اہم مالک کے مذہب کی بنا پر جائز قرار دینا درست
نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی ضرورت نہیں جو زوجہ مفقود الخبر میں ہے۔ لہذا اس کو زوجہ
مفقود الخبر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفر اللہ

۱۶/۹/۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

اذان اول کے بعد درس و تدریس

جمعہ کی اذان اول کے بعد نماز کی تیاری کر کے مسجد سے باہر ایسی جگہ پر جو کہ مسجد کے بالکل قریب ہے صرف
ایک دیوار مسجد اور اس کے مابین حائل ہے وہیں بیٹھ کر درس و تدریس اکل و شرب میں مشغول ہونا کیسا ہے۔
جبکہ پورا الطینان ہے کہ اذان ثانی و خطبہ سے قبل مسجد میں پہنچ جائے گا۔

مولانا احسان الحق، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ

گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ صورت مسئلہ میں یہ درس و تدریس محلِ مسجد میں نہیں۔ نیز ایسا درس

فنائے مسجد میں داخل ہے۔ توسعی متحقق ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۶/۹/۱۴۰۲ھ

جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق پڑھی جائے

ایام تشریق میں جمعہ کی نماز کے بعد بھی تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

جمعہ کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں۔

ویکتر ون عقب الجمعة ام (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۱۶)

محسنہ النور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جموعہ کے لئے "اول آنے" سے کونسا وقت مراد ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو جمعہ کے لئے سب سے پہلے آئے گا۔ گویا اس نے اذان کی قربانی دی، دوم آنے والے نے گائے کی۔ اس اول اور دوم آنے سے کونسا وقت مراد ہے۔ ؟

الجواب جمہور کے نزدیک صبح کی نماز کے بعد سے لے کر امام کے خطبہ پینے کے لئے کھڑے ہونے تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ مثلاً صبح کی نماز کے بعد سے لے کر نہوض الامام للخطبة تک پانچ گھنٹے ہوں تو ایک ایک گھنٹہ ہو جائے گا۔ فالذہاب فی الاذان کا لفظی بُدلتۃ الخ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر ساعتے مراد یہ ہو جو آپؐ فرماتے ہیں تو کوئی بھی بُدنہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اس لئے کہ ہم نے نہیں سنا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صبح سے سجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہوں اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب کے باوجود چھوڑ دیتے۔ اور حضرت عثمانؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اذان کے وقت جبکہ خطبہ ہو گیا اس وقت آئے تو بہا جرن اولین کا ہر یہ حال تھا تو پھر اوروں کا کیا حال پوچھنا۔ اس لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ ساعات بعد الزوال شروع ہونگی اور زوال کے بعد سے لے کر نہوض الامام للخطبة تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر ایک گھنٹہ ہو تو بارہ بارہ منٹ کی ساعات ہو جائیں گی۔

جمہور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زوال کے ہوتے ہی خطبہ کی اذان ہو جایا کرتی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس وقت اذان اول تو تھی ہی نہیں۔ یہ تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں زیادہ کی گئی پھر ساعات کہاں ملیں گی۔ لہذا ساری ترغیب بیکار ہو جائے گی اور یہ کہنا کہ صحابہؓ سے منقول نہیں ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے اور یہاں جمہور اور مالکیہ کے خلاف چکی کا پاٹ ہے اور جہیز میں اس کے موافق روایات تلاش کر کے لکھی گئی ہیں وہاں دیکھو۔ اجمال یہ ہے کہ ذہاب الی الجمعۃ کے بارے میں مختلف روایات ہیں بعض میں "من غدا الی الجمعۃ" ہے۔ غدوہ کے معنی ہیں صبح کو جانا اور بعض میں راح ہے اور رواح کے معنی ہیں زوال کے بعد جانا اور بعض میں بکر ہے اور تبکیر وغدوہ ایک ہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ تبکیر میں کچھ بالغت اور بعض میں تجرُّر کا لفظ ہے۔ میرے نزدیک ہجر والی روایت راجح ہے۔ کیونکہ ہجر کے معنی ہیں دھوپ میں جانا اور اس کے مراد لینے میں ہر روایت میں جمع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تبکیر وغدوہ کی روایات مجازاً قریب کی وجہ سے تہجیر والی روایات پر محمول ہو جائیں گی۔ اس طرح راح والی بھی مجازاً اس پر محمول ہو جائے گی۔ اب نہ مالکیہ کا اشکال رہتا ہے اور نہ جمہور کا۔ (از تقریر بخاری حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ)

فجر کی نماز رہ جائے تو جمعہ کی نماز کا حکم زید جمعہ کی نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کو یاد آیا کہ میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔ اب زید کے لئے

شرعاً کیا حکم ہے؟ — بینوا تو جسے دے

اگر تو وقت اتنا تنگ ہے کہ جمعہ کی نماز توڑ کر فجر پڑھے گا تو جمعہ کا وقت ہی نکل جائیگا تو پھر جمعہ اسی پڑھے ورنہ شیخین کے نزدیک جمعہ توڑ کر پہلے فجر ادا کرے اور امام محمد کے نزدیک جمعہ پڑھے پھر فوراً فجر ادا کرے۔

لو ذکر فی الجمعة ان علیہ الفجر فان کان لا یخاف فوت الجمعة یقطعها ویسبأ بالفجر
ولو فات الوقت یتم الجمعة لسقوط الترتیب بضیق الوقت اما لو خاف فوت
الجمعة لا الوقت فعند هما یسبأ بالفجر وعند محمد یتم الجمعة اه (عالمگیری ۱۲۸)
فقط والله اعلم ! محمد النور عفا الله عنه



جمعہ کی رات کو مرنے والے کی تدفین کو جمعہ تک مؤخر کرنا

کوئی شخص جمعہ کی رات کو فوت ہو گیا تو نماز جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کے بعد تک تاخیر کرنا شرعاً کیا ہے؟ —

سُنّت یہ ہے کہ تدفین میں جلدی کی جائے۔ اتنی دیر تک تدفین کو روکے رکھنا خلاف سُنّت ہے۔ لہذا اپنے حاضرین جمع ہوں مل کر جنازہ پڑھ لیں۔ ہاں اگر تدفین میں مشغولیت کی وجہ سے جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر جمعہ کے بعد جنازہ پڑھ لیں۔

وكره تاخير صلواته ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوة الجمعة
إلا اذا خيف فوتها بسبب دفنہ اه (درمختار) —

(قوله لا اذا خيف ١) فيؤخر المدفن وتقدم صلوة العید علی
صلوة الجنائز والجنائز علی الخطبة اه (شامی ص ۸۳۳)

فقط والله اعلم محمد النور عفا الله عنه



جمعہ کے خطبہ میں حکم وقت کے لئے عدل و انصاف کی دعا
کیا جمعہ کے خطبہ میں حکم وقت کے لئے عدل

اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کی توفیق کی دعا کرنا درست ہے۔

درست ہے مگر تعریف و القاب میں مبالغہ نہ کریں۔ دعا تک ہی محدود

رکھیں : و جاز الدعاء للسلطان بالعدل والاحسان اه

محمد انور عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم (مخطاوی ص ۲۸۱)

بوقت خطبہ سر پر عمامہ باندھنا
جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو تو اس دوران سر پر
عمامہ باندھنا کیسا ہے۔

استماع خطبہ کے دوران درست نہیں۔

و يحرم في الخطبة ما يحرم في الصلوة حتى لا ينبغي ان

ياكل ويشرب - والامام في الخطبة اه (عالمگیری ص ۱۱۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم

مالک مزدور کو جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں؟
مزدور یا مستری کو مالک مکان

جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں روک سکتا تو جتنا وقت جمعہ و نماز میں لگے گا اس کی وجہ
مزدور کی تنخواہ میں کمی کی جائے گی۔

بیٹو تو جسروا

جمعہ کے لئے جانے سے روک تو نہیں سکتا۔ اگر مسجد دور ہو اور وقت

کافی صرف ہو تو اتنی اجرت کاٹ سکتا ہے۔

وللمستأجر ان يمنع الاجير عن حضور الجمعة وهذا قول الامام ابی حفص

قال ابو علی الدقاق ليس له ان يمنع في المصر ولكن يسقط عنه الاجر بقدر

اشتغاله بذلك ان كان بعيداً وان كان قريباً لا يحط عنه شيء اه

(عالمگیری ص ۱۱۱) فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۱۳ شہر قریہ صغیرہ بن جائے تو وہاں جمعہ کا حکم

ایک شہر بہت بڑا دریا کے کنارے موجود تھا مگر دریا کی کٹائی کی وجہ اب چند جگہ گھسے۔
باقی بچ گئے کیا اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

صحیح جمعہ کے لئے اقامت جمعہ کے وقت اس جگہ کا مصر یا قریہ بکیرہ ہونا شرط ہے۔
ماضی میں شہر رہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہذا اب مذکورہ جگہ ظہر باجماعت ادا کریں۔
واقعہ فرضانی القصبات والقری البکیرۃ التی فیہا اسوات۔ (شامی ج ۱ ص ۴۸)
فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ (۱۰/۴/۱۳۹۶ھ)



جہاں جمعہ درست نہیں وہاں ظہر باجماعت پڑھیں

جہاں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط بالاتفاق نہیں پائی جاتیں اور وہاں لوگ جمعہ پڑھ رہے ہیں وہ جمعہ ترک کریں
یا پڑھتے رہیں اگر جمعہ ترک کریں تو سابقہ ظہر کی نمازوں کی قضا کریں یا نہ کریں۔؟
جمعہ ترک کر دیں اور ظہر باجماعت کا اہتمام کریں اور سابقہ ظہر کی نمازوں کا حساب کر کے
ان کی بھی قضا کریں۔

فی الجواہر لوصاوی القری لنزہم اداء الظہر اھ (شامیہ ص ۴۸)
فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی ابتدائی سنتیں اگر رہ جائیں تو بعد میں ادا کی نیت سے پڑھیں۔

اگر جمعہ کی ابتدائی چار سنتیں رہ جائیں تو جمعہ کے بعد ان کو ادا کرتے وقت نیت ادا کی کریں یا قضا
کی نیت سے پڑھیں۔؟

ادا کی نیت کی جائے کیونکہ ظہر کا وقت باقی ہے۔ صرف ترتیب بدلی ہے۔
(امداد الفتاویٰ ص ۴۵ ج ۱)
الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ



کیا خطبہ کے لئے منبر ضروری ہے۔؟ کیا خطبہ دینے کے لئے منبر کا ہونا ضروری ہے یا بغیر منبر کے بھی خطبہ دیا جاسکتا ہے۔؟

سُنّت یہی ہے کہ خطبہ منبر پر دیا جائے :

الجواب ۲۔ ومن السُّنَّة ان یكون الخطیب علی منبر اقتداً بعِبرِ رسولِ اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اھ (عالمگیری ص ۶۹) فقط والشرائع
محمد انور عفا اللہ عنہ

نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز کا حکم

اگر جمعہ کے دن نمازی زیادہ ہو جائیں تو کیا مسجد کی چھت پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟
اگر نمازی زیادہ ہوں اور جگہ نہ ہو تو مسجد کی چھت پر بلا کراہت نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

الجواب ۳۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہٌ ولہذا اذا اشتد الحر یکرہ

ان یصلوا بالجماعة فوقہ الا اذا ضاق المسجد فینضد لا یکرہ الصعود علی

سطحہ بالضرورة اھ (عالمگیری ص ۳۲۲) فقط والسلام
محمد انور عفا اللہ عنہ

خطبہ کے لئے قیام فرض ہے یا سُنّت

اگر کوئی خطیب بیٹھ کر خطبہ پڑھ لے کیا شرعاً خطبہ ادا ہو گیا یا نہیں۔؟ بیٹھا تو جروا
سُنّت یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دیا جائے۔ گو بیٹھ کر پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گا

الجواب ۴۔ واما سننہا فخمستا عشر الی قولہ وثانیہا القیام ولو

خطب قاعداً او مضطجعا جاز اھ (عالمگیری ص ۵۰ ج ۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ

فقط والشرائع

۴/۱۲/۱۴۱۱ھ

بوقت خطبہ سامعین قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوں

جب امام خطبہ دے رہے ہوں تو سامعین باادب قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں ؟

جوام کے سامنے ہوں اور جو دائیں اور بائیں قریبیٹھے ہوں ان کے لئے مستحب ہے کہ امام کی طرف رخ کر کے ہمہ تن گوش بن کر بیٹھیں۔

الجواب

يستحب للرجل ان يستقبل الخطيب بوجهه هذا اذا كان امام الامام فان كان عن يمين الامام ————— او عن يساره فربما من

الامام ينحرف الى الامام مستعد للسمع (عالمگیری ص ۱۰۷ ج ۱) فقط والله اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

جہاں کثرت اثر دھام کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ ملے

رائے و مذہبی جماعتی طور پر پڑھا جاتا ہے۔ بعض صفوں میں نماز کے ترتیبی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی ایسی صورت میں کیا کیا جائے ؟

ای شخص انتظار کرے جب لوگ سجدہ کر کے اٹھ جائیں اور زمین پر جگہ مل جائے پھر سجدہ کرے۔ اگر کسی کی پشت پر سجدہ کر لیا۔ پھر بھی ادا ہو جائیگا۔

الجواب

ما جل لم يستطع يوم الجمعة ان يسجد على الارض من الزحام فانه ينتظر حتى يقوم الناس فاذا رأى خرجة يسجد وان سجد على

ظهر الرجل اجزاء۔ (قاضی خاں ص ۱۵۰ ج ۱) فقط والله اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خطبہ کے بعد اقامت کے پہلے صفیں سیدھی کرنے کے بارے میں کہنا

بعض مساجد میں معمول ہے کہ جب امام خطبہ دے چکے ہیں تو اقامت سے پہلے کچھ لوگ ٹبلن آواز سے پکار پکار کر کہتے ہیں صفیں سیدھی کر لیں۔ بچوں کو نیچے نکال دیں۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ؟

درست ہے : (و یصف ای یصفہم الامام بأن یا مرہم)

الجواب

بأن يتراصوا وليسدوا الخلل ويسوا منا كبهم (در مختار علی الشامی ص ۵۲۱ ج ۱۰)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

صرف جمع کے دن کا روزہ رکھنا کیا جمع کے دن کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ خدام الدین میں

مندرجہ ذیل احادیث درج ہیں جن کی رو سے جمع کا روزہ رکھنا منع معلوم ہوتا ہے احادیث :-
(۱) — عن ابی ہریرۃ قال سمعت رسول اللہ یقول لا یصوم من احدکم یوم الجمعة الا یومًا قبلہ او بعدہ (۲) — وعن محمد بن عباد قال سألت جابرًا انہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الجمعة قال نعم (بخاری و مسلم)
مولانا مفتی کفایت اللہ نے رسالہ تعلیم الاسلام میں جمع کے دن کو افضل قرار دیا ہے۔ ۹ ذی الحجہ کو اگر جمعہ آجائے تو کیا مندرجہ بالا احادیث کی رو سے یہ روزہ رکھنا بھی ممنوع ہوگا۔ ؟

الجواب صرف ایک روزہ جمع کے دن کا رکھنا جائز ہے اور مذکورہ بالا حدیث میں نہیں عن اخرا د صوم یوم الجمعة تنزیہی ہے۔ (کافی فتح الملہم

ص ۱۵۵ ج ۳) وذهب الجمهور الى ان النهی فیہ لا تنزیہ وعن مالک والبی

حذیفة لا یکرہ — البتہ احتیاط اس میں ہے کہ دو روزے رکھے جائیں :

کما فی التجنیس عن ابی یوسف فکان الاحتیاط ان یصوم الیہ یومًا آخر (فتح الملہم ص ۱۵۵ ج ۳) یوم جمعہ اگر اتفاقاً یوم عرفہ بھی ہو تو ان احادیث کی رو سے اس کو غیر حاجی کے لئے ممنوع یا مکروہ کہنا صحیح نہیں بلکہ اس دن بلا کراہت تنزیہ روزہ رکھنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ — — — ۲۴ / ۲ / ۱۳۸۶ ھ

خطبہ کی جگہ قرآن مجید کا رکوع پڑھنا چند ساتھی ایک گاؤں میں گئے جن میں کوئی

باقاعدہ عالم نہیں تھا۔ کہ خطبہ پڑھ سکتا۔ مگر چند رکوع قرآن شریف کے یاد تھے۔ ایک رکوع اگر پڑھ دیا جائے۔ جمعہ ادا ہو جائے گا یا نہیں۔ ؟

الحجاب ۷ قرآن حکیم کا یہ نیت خطبہ پڑھنے سے خطبہ لو ادا ہو جائے گا مگر خطبہ میں جو چیزیں سنت ہیں وہ رہ جائیں گی۔

الخطبة تشتمل على فرض وسنة الى قوله واما نسخها فخمسة عشرة الى قوله و
سادسها البداية بحمد الله وسابعها الشاء عليه بما هو اهل و
ثامنها الشهادتان وتاسعها الصلوة على النبي عليه الصلوة والسلام
والحادى عشر قراءة القرآن (عالمگیری ص ۱۱۷)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن مقبولیت کی گھڑی کا صحیح وقت کون سا ہے۔

جمعہ کے دن وہ گھڑی جس میں دعا قبول ہوتی ہے کیا شریعت میں اس کی کوئی تعیین کی گئی ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں تقریباً بیس قول منقول ہیں جن میں سے راجح یہ دو قول ہیں۔ ۱۔
وہ گھڑی بین الخطبتین ہے جب امام بیٹھتا ہے تو اس وقت ہوتی ہے۔

۲۔ عصر سے لے کر مغرب کے وقفہ میں وہ گھڑی آتی ہے۔ اکثر نے اسی کو پسند کیا ہے مگر بین الخطبتین
دعا ردل سے کریں۔ و سئل علیہ السلام عن ساعة الاجابة فقال ما بین جالوس

الامام الى ان تیمم الصلوة وهو الصبح وقيل وقت العصر واليه ذهب
المشايخ (قوله وسئل علیہ السلام) ثبت فی الصحيحین وغيرهما عن
صلی اللہ علیہ وسلم فیہ ساعة لا یوافقها عبد مسلم وهو قائم یصلی یسأل اللہ
تعالی شیئاً الا اعطاه اياه وفي هذه الساعة اقوال اصحها او من اصحها انها
فیما بین ان یجلس الامام علی المنبر الى ان یقضى الصلاة كما هو ثابت
فی صحیح مسلم عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ایضا حلیہ قال فی المعراج فیسن الدعاء
بقلبه لا بلسانه لانه مأمور بالسکوت اه وفي حدیث اخر انھا
آخر ساعة فی يوم الجمعة وصحیح الحاکم وغیره وقال علی شرط الشيخین وعلی هذا
هو مراد المشايخ ونقل طعن الزرقانی ان هذین القولین مصححان من اثنين
واربعین قولاً فیہا وانھا دأثرة بین هذین الوقتین فینبغی الدعاء

فیهما اھ شغل الظاہر انھما ساعۃ لطیفۃ یختلف وقتہا بالنسبۃ الی کل بلدۃ وکل
خصیب لان النھار فی بلدۃ یکون لیلاً فی غیرھا وکذا لک وقت الظھر
فی بلدۃ یکون وقت عصر فی غیرھا لما قالوا من ان الشمس لا تتحرک درجتہ
الا وہی تطلع عند قوم وتغیب عند آخریں (شامی ص ۳۰۳)

فقط واللہ اعلم
محمد انور ۱۱/۲/۱۴۰۲ھ

وذروا البیع الایۃ سے جمعہ کے لئے مصر کے ضروری ہونے پر استدلال کرنا

ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ لفظ بیع سے شہر کی قید اور
شرط ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی خیال باطل ہے کیونکہ اگر لفظ بیع مقصود بالذات ہو تو بائع اور مشتری
پر جمع فرض ہوتا باقی سب محروم رہ جاتے۔۔۔۔۔ کیونکہ علماء، طلباء، عابد، زاہد اور دیگر صنعت و
حرفت کرنے والے بیع میں مشغول نہیں ہوتے۔ حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے اس لئے لفظ
بیع سے شہر ثابت نہیں ہوتا۔ نیز بیع قلیل یا کثیر ہر جگہ ہے۔ تو جمعہ بھی ہر جگہ ہوتا تو یہ کیلہ
مسلم نہ ہوگا۔ نیز میں کہتا ہوں کہ لفظ بیع شان نزول کے لئے بولا گیا ہے کہ لوگ جمعہ کے وقت
جمعہ چھوڑ کر بیع کے لئے چلے گئے تھے ورنہ اس سے مقصد اس چیز کا چھوڑنا ہے جو
جمعہ سے غافل کر دے۔ فتح البیان میں ہے کہ اس سے تمام شواغل الدنیا مراد ہیں جناب عالی
اس شق پر غور کر کے حنفی مذہب کی تائید میں جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

والمراد من البیع ما یشغل عن السعی الیہا

حتی لو اشتغل لجمل آخر سوی البیع

الاجوبہ

جنہو مکروہ ایضاً۔ (عبر ص ۱۶۹) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مراد ہر ایسی مشغولی کہ ترک
کرنا ہے جو محل سعی ہو۔ خصوصی بیع میں حکم ترک منحصر نہیں۔ البتہ لفظ بیع کو اختیار فرمانے سے
اشراف مصر کی طرف اشارہ مفہوم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تجارت اور خرید و فروخت آبادی کے
غالب کاروبار ہونے کی حیثیت سے صرف شہروں ہی میں ہوتی ہے۔ دیہات اور چھوٹی بستیوں
میں نہیں بلکہ ان میں غالب کاروبار کاشت کا ہوتا ہے پس آیت کے مخاطب ایسے لوگ ہی ہیں

جنکی اکثریت کو بوقت نماز و ذروالبيع کہہ کر ان کو مشاغل سے روکا جاسکے اور یہ خطاب ان کو صحیح ہو واللہ اعلم نہ کہ ایسے لوگ جنکی اکثریت کو عاقل و ذروالبيع کا خطاب نہ کہ سے۔
الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عبد اللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس، ملتان
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان ۲۲/۵/۸۰

جامع مسجد نئی بنالی جا تو پرانی میں جمعہ ترک کر سکتے ہیں۔؟

ایک جامع مسجد نئی زیر تعمیر ہے جس کا کام شروع ہو چکا ہے اس کی تکمیل کے بعد اگر ہم سابقہ مسجد کی جگہ نئی جامع مسجد میں جمعہ پڑھیں اور سابقہ مسجد میں جمعہ کی نماز ترک کر دیں تو کیا شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں۔؟
اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں درمخار میں ہے۔

وافادات المساجد تغلق یوم الجمعة الا الجامع۔

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۹/۱۰/۱۳۸۸ھ
نقطہ اللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

جمعہ سے پہلے ظہر ادا کر لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں؟

زید کو کوئی عذر بھی نہیں اس نے بجائے مسجد جانے کے گھر میں ہی ظہر پڑھ لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں؟
جمعہ کے دن بلا عذر جمعہ چھوڑ کر ظہر پڑھنا گناہ اور قابل مواخذہ ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک تو ظہر ادا ہی نہیں ہوتی اگرچہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ظہر ادا ہو گئی۔

ومن صلی الظہر یوم الجمعة قبل صلوٰۃ الامام الجمعة ولا عذر له صحت ظہرہ عندنا وان کان عاصیا وعند زفر لا تصح وهو قول الثلثۃ (الی قولہ) قلنا فرض الوقت فی هذا الیوم ایضاً هو الظہر کما ترالایام ولذا لو خرج الوقت لا یقضی الا الظہر بالاجماع الا انہ ما مور باسقاط الظہر بالجمعة فاذا لم یفعل کان عاصیاً معاقباً وهو لا ینافی الصحة اه (بکیری ص ۵۱۸) فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ

باب العيد

انا اعطيتك الكوثر ٠ فصل لربك
والآخر ٠ ان شئت هو الابر ٠

خير الفوائد
(جلد سوم)

تکبیراتِ عیدین واجب ہیں نمازِ عید کی زائد تکبیرات واجب ہیں یا سنت، یا مستحب؟ اگر کوئی تکبیر چھوٹ جاتے تو نمازِ عید

ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب تکبیراتِ عیدین واجب ہیں۔ صاحبِ تنزیہ الابصار واجبات کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ولفظ السلام و قنوت الوتر و تکبیرات العیدین

و کذا احدها اذا ان کل تکبیرة واجب مستقل. (شامیہ ج ۱ ص ۳۲۹)۔

تکبیر چھوٹ جانا موجبِ سجدہ سہو ہے۔ کافی المراقی۔ لیکن چونکہ عید میں بوجہ اندیشہِ فتنہ، سجدہ سہو نہیں کیا جاتا۔ لہذا اگر سجدہ سہو نہ کیا گیا تو نمازِ عید درست ہو جائے گی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔ کافی الدر المختار، ج ۱ ص ۵۲۸۔

وفي المراقی۔ ويجب تكبيرات العیدین وهكذا في الهداية

والكفر وغيرها من المعتبرات - فقط والله اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس سن ملتان

۱۸ / ۱۰ / ۱۳۸۳ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس سن ملتان

نمازِ عید زوال تک پڑھ سکتے ہیں یہاں لوگ نمازِ عید میں بہت تاخیر کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ساڑھے گیارہ بجے پڑھتے ہیں۔

کیا یہ جائز ہے؟ محمد صدیق، تحصیل کنڈیارہ، نواب شاہ سندھ

الجواب وفي الدر المختار على الشامية ج ۱ ص ۹۷ (و وقتها من الارتفاع) قدر رُجِح فلا يصح قبله بل تكون نفلا محرما (الى الزوال) باسقاط الغاية ۱ھ۔

اگر نماز عید زوال سے پہلے پڑھ لی جاتی ہے تو درست ہے فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا

۱۰ / ۱۱ / ۱۳۸۴ ھ

جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا جو جگہ پچاس ساٹھ سال سے جنازہ گاہ بنی ہوئی ہے اس جگہ عید کی نماز پڑھنا از روئے شرع جائز ہے

یا نہیں ؟

الجواب جنازہ گاہ میں اگر عید کی نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی۔ جنازہ گاہ میں عید کی نماز ناجائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

الجواب صحیح

بندہ اصغر علی غفرلہ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

عید گاہ آبادی کے اندر آجائے تو وہ جبانہ (صحرا) کے حکم میں نہیں

عیدین کی نماز محلہ کی مساجد میں کہ جن میں رڈ ٹیڈ سڑکی جمع ہوتے ہیں بلا کراہت درست ہے ؟ یا اس کے لئے بڑا اجتماع مطلوب ہے ؟ نیز عید گاہ کا شہر سے باہر ہونا مطلوب شرعی ہے یا نہیں ؟ اگر مطلوب شرعی ہے تو اس صورت میں ملتان شہر کا غالباً کوئی عید گاہ بھی شہر سے باہر نہیں ؟

ف الدر المختار والخروج اليها اى الجبانه لصلوة

الجواب

العيد سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو

الصحيح - ج ۱ - ص ۹۷ - نماز عیدین کے لئے سنون طریقہ یہی ہے کہ صحرا

میں آبادی سے باہر پڑھیں۔ جو عید گاہ آبادی بڑھنے کی وجہ سے شہر کے اندر آگئی ہے وہ حکم جہانہ یعنی صحرا نہیں ہے۔ مسجد محلہ میں اگر نماز عید پڑھی جائے تو ادا ہو جائے گی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی

۱۳۸۸ / ۱۲ / ۴ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

تکبیرات تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ کہی جائیں یا تین دفعہ

تکبیر تشریق فرض نماز کے بعد کوئی دو تین دفعہ کہے تو یہ بھی جائز ہے یا صرف ایک ہی مرتبہ کہے؟ المفتی، محمد شفیع حیدر آباد سندھ

تکبیر تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ سے زائد کہنا بھی درست ہے۔

مسئوۃ وان زاد علیہا یكون فضلاً۔ (درمختار)۔

بعض فقہاء نے زیادتی کو خلاف سنت قرار دیا ہے۔ (شامی: ج ۱، ص ۷۸۵)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نماز عید واجب ہے اور اسے سنت سمجھنے والے کی اقتدار کا حکم

۱۔ کیا نماز عید واجب ہے یا سنت؟ اگر واجب ہے تو جو شخص نماز عید کو سنت سمجھے تو کیا اس کے پیچھے ان مقتدیوں کی نماز جائز ہے جو عید کو واجب سمجھتے ہوں؟

۲۔ نماز عید کے وجوب کی دلیل بھی بیان فرمائیں؟

۱۔ نماز عید واجب ہے۔ صلوۃ العید واجبة (نور الایضاح)۔

نماز عید کو سنت سمجھنے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز عید درست ہے۔

یہ اجتہادی اختلاف مفسد اقتدار نہیں۔

۲ : وجوب عید کی دلیل یہ ہے۔

لأنه ثبت بالنقل المستفيض عنه صلى الله عليه وسلم انه كان
يصلى صلاة العیدین من حين شرعتهما الى ان توفاه الله
تعالى من غير ترك كذا الخلفاء الراشدون والائمة
المجتهدون وهذا دليل الوجوب - (حاشیہ طحطاوی علی
مراقی الفلاح) - فقط والله اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۱۰ / ۱۳۹۲ھ

اجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۱/۱۰/۱۳۹۲ھ

”عید مبارک“ کہنے کا حکم عید الفطر کے دن ”مبارک باد“ کہنا، کہیں ثابت ہے یا
نہیں؟ نیز اس کا حکم کیا ہے؟

الجلجلیہ کہنا کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدے کے بغیر اگر
کسی کو روزے پورے کرنے کی مبارک دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

”والتمنئة بتقبل الله منا ومنكم لا تنكره“ قوله لا تنكره

خبر لقوله التهنئة الخ قال المحقق ابن امير الحاج بل

الاشبه انها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق اثاراً

باسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم قال

والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك

عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك في المشروعية

والاستحباب لما بينهما تلازم فان من قبلت طاعته في

زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على انه قد ورد

الدعاء بالبركة في امور شتى فيؤخذ منه استحباب

الدعاء بها هنا ايضا شای ۳۳/۱۰ فقط والله اعلم

اجواب صحیح ۱ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ————— احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۳۰/۹/۱۳۹۴ھ

تکبیرات تشریق نماز عید کے بعد بھی کہی جائیں

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ عید الاضحیٰ کی تکبیرات جو کہ نوٹس تاریخ سے شروع ہوتی ہیں عید کی نماز کے بعد نہ کہے۔ جب کہ ہدایہ میں ہے کہ کہی جائیں۔ صحیح جواب کیا ہے ؟

مولانا فقیر حسین صاحب

خطیب مسجد بابر کرم شاہ نوشہرہ صدر ضلع پشاور

عید کی نماز کے بعد بھی تکبیرات کہنا مستحب ہے۔ یہی راجح ہے۔

الجواب

ولا بأس به عقب العید لأن المسلمين توارثوه

فوجب اتباعهم وعليه البلخيون (درمختار) وفي الشامية تحت قوله كلمة لا بأس قد استعمل في المندوب كما في البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم قوله فوجب الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لان الوجوب المصطلح عليه وفي البحر عن المجتبي والبلخيون يكبرون عقب صلاة العید لانها تؤدى بجماعة فاشبهت الجمعة - (شامی ج ۱ ص ۵۶۲) - فقط والله اعلم

احقر محمد نور عفا الله عنه مفتی نیر المدارس ملتان -



چھوٹے دیہاتوں میں عید پڑھنے کا حکم دیہات میں جہاں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں وہاں عید کی نماز ہو جائے گی ؟ اگر عید کی نماز

پڑھنا چاہیں تو کس صورت میں ادا ہو سکتی ہے ؟

چھوٹے دیہاتوں میں عیدین کی نماز پڑھنا درست نہیں۔ تعجب صلاتہما

الجواب

في الاصحح على من تعجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة

وفي القنية صلاة العید في القرى تحکمه تحریماً۔۔۔ ای لانه

اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة (درمختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۵۵۵)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد نور عفا اللہ عنہ ۱۲/۲/۱۳۹۹ھ

الحجاب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عیدین کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے ہم پہلے ریلوے گراؤنڈ میں عید ادا کرتے تھے اب مسجد بھی تیار ہو گئی ہے کیا

مسجد میں عید ادا کی جاسکتی ہے؟ مولانا محمد اشرف، اشرف المدارس بارودن آباد عیدین کی نماز کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے۔ گو مسجد میں تمام نمازی آسکتے ہوں۔ آنحضرت علیہ السلام نے سوائے ایک دفعہ کے، وہ بھی بارش کی وجہ سے، ہمیشہ عیدین کی نماز جنگل میں ادا فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زیادہ ثواب اتباع سنت میں ہے۔ لہذا گراؤنڈ میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ معتمد اسجد میں پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی۔

والخروج اليها اي الجبابة لصلوة العيد سنة و ان

وسعه المسجد الجامع هو الصحيح (شامی ۱ھ: ص ۷۷۶ ج ۱۱)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد نور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

۲۰ / ۹ / ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تیس الافستار

جو عید کا خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھ لے اگر نماز عید ایک شخص پڑھائے اور اسے خطبہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے خطبہ دوسرا

شخص پڑھے تو نماز عید ہو گئی یا نہیں؟

الجواب اگرچہ ایسا کرنا نامناسب ہے تاہم نماز عید صحیح ہو گئی۔ اس کے جواز و ادائیگی میں کوئی شبہ نہیں۔ وما یسن فی الجمعة ویکوہ یسن فیہا ویکوہ۔

(درمختار علی الشامیہ: ج ۱ ص ۵۶۱)۔ وفی باب الجمعة من شرح تنویر الابصار علی

ہامش رد المحتار لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانہما کثنی واحد (ج ۱ ص ۵۵۲)

فقط واللہ اعلم : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عیدین میں دعا نماز کے بعد مانگی جائے
عید کی نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون
ہے یا مستحب۔ نیز دعا نماز کے بعد مانگی

جائے یا خطبہ کے بعد ؟ مفتی محمد امجد، مرید والا، ضلع فیصل آباد۔

فتاویٰ دارالعلوم، ج ۵، ص ۸۶ پر ہے۔ عام طور پر نماز کے بعد دعا مانگنا وارد

ہوا ہے۔ لہذا عیدین میں بھی نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون و مستحب ہے۔ وفیہ

ف مقام آخر۔ ہمارے اکابر حضرات کا یہی معمول رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ غیر المدارس ملتان۔

۱۹ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء جامعہ

غیر المدارس، ملتان ۱۹ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

ایک شخص نے عید کی نماز پڑھائی۔ اور نماز پڑھا کر

صرف پہلا خطبہ پڑھا دوسرے خطبہ کو چھوڑ دیا اور

پہلا خطبہ پڑھ کر دعا کھڑے ہو کر منگوائی۔ آپ بتائیں کہ نماز ہو گئی یا نہ ؟ خطبہ واجب تھا ایک

تو چھوٹ گیا نماز میں کوئی نقص تو نہیں آیا۔ ؟

نماز ادا ہو گئی، واجب خطبہ بھی ادا ہو گیا۔ البتہ خلاف سنت کیا۔ زنا بھی

نماز کے بعد مانگنی چاہیے تھی۔ ویخطب بعدھا خلیبنین وسمما

سنة ۱ھ - (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص ۷۸۲) - فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی غیر المدارس ملتان ۱۴ / ۱۰ / ۱۴۰۸ھ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عید الفطر کے بعد ملنا کیسا ہے۔ یہ سنت طریقہ ہے یا بدعت

ہے ؟ (۲) مصافحہ کرنا چاہئے یا کہ بغل گیر ہونا چاہئے ؟

عیدین کے بعد مصافحہ کرنا

اگر منع ہے تو کیوں ؟

اگر مصافحہ و معافقہ عید کا تتمہ اور حصہ سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے کیونکہ

الاجوبہ

یہ رد و انقض کا شعار ہے۔ کذا فی امداد المفتیین۔ ص ۹۵ ج ۱۰
 نقطہ را اللہ اعلم
 اکبر اب صحیح
 ابنہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الاقنار
 احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
 ۴ / ۱۰ / ۱۴۰۴ھ

عیدین میں خطبہ کے بعد دعا کسی درجہ میں بھی ثبوت نہیں

نماز عید کے بعد دعا ہے یا نہیں؟ صحیح بخاری و مسلم کی روایات میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں غنائین کا عید گاہ جانا اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہونا بالتصریح موجود ہے۔ اگر یہ دعا اجتماعی نہ تھی تو شرکت کا کیا مطلب؟ نیز اگر دعا ہے تو اجتماعی بہتر ہے یا انفرادی؟

از مدرسہ العلوم، بلاک نمبر گلشن اقبال کراچی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے منقول نہیں کہ نماز یا خطبہ کے بعد دعا کرتے تھے۔ اور اسی طرح کتب فقہ میں بھی یہ دعا مذکور نہیں۔ اور اکابر علمائے دیوبند کا طرز عمل بھی یہی لکھا ہے کہ وہ خطبہ کے بعد دعا نہیں مانگتے تھے۔ اور حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں وارد ہے۔

و یشہدن الخیر و دعوة المؤمنین و فی رواية یشہدن
 جماعة المسلمين و دعوتهم الخ -

لفظ "دعوتهم" سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ معروف طریقے پر اجتماعی دعا کرنا اس سے مراد ہے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو شروع حدیث اور کتب فقہ میں مستقلاً اس دعا کا ذکر ہوتا نظر معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت سے مراد خطبہ ہے۔ یا نماز و خطبہ میں کی جانے والی دعائیں ہیں۔ سورہ فاتحہ میں دعا ہے، تمام مقتدی آمین کہہ کر اس میں شریک ہوتے ہیں اور اللہ پاک کی بارگاہ سے نازل ہونے والی رحمت و اجابت اس پورے مجمع کو گھیر لیتی ہے۔ آخری تشہد میں دعائیں ہیں اور ایک روایت میں ہے

فاذا كان يوم عيدهم يعني يوم فطرهم باهني بهم ملائكتك

فَقَالَ يَا مَلَكُوتِي (اِلٰی اَنْتَ قَالَ) عِبْدِي وَاَمَانِي قَضَوْا فَرِيضَتِي
عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوا يَعْبُدُونَ اِلَى الدَّعَاءِ وَعَزَّتْ وَجَلَالِي
وَكُرْهِی وَعُزُوْنِي وَارْتِفَاعِ مَكَانِي لَا جَبِيْنَهُمْ فَيَقُولُ اَرْجِعُوا قَدْ
غَفَرْتُ لَكُمْ الْحَدِيثَ - (مشکوٰۃ : ص ۱۸۲ ج ۱-۵)

اس حدیث میں عید کو جاتے ہوئے دعاء کا ذکر ہے۔ تکبیرات بھی معنی دعاء ہیں۔ کیوں کہ
رب کریم کی ثناء و تکبیر بھی دعاء ہے۔

الفرض اتنی متنوع اور متعدد متفقہ دعاؤں کی موجودگی میں ” دعوتہم “ کے لفظ
کو معروف زمانہ دعاء پر محمول کرنا قرین قیاس نہیں۔ البتہ دیگر تمام نمازوں کے بعد دعاء مانگنا
چونکہ مستحب ہے۔ اس عموم کے تحت داخل کرتے ہوئے اگر نماز عید کے بعد بھی دعاء کر لی جائے
تو گنجائش ہے۔ لیکن خطبے کے بعد دعاء کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافکار خیر المدارس ملتان

۱۹ / ۸ / ۱۴۰۳ھ

مکرمی و محترمی حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد ادا اب عرض ہے کہ آپ کا فتوے ہمارے استفتا بابت ”دعائے عید“ کے جواب میں موصول
ہوا۔ کہ آپ نے نماز عید کے بعد دعاء کی گنجائش تمام نمازوں کے بعد دعاء پر قیاس کر کے نکالی
ہے۔ جب کہ خود مقتیس علیہ یعنی دعاء بعد الفرض احادیث و فقہ سے ثابت نہیں۔ بلکہ فقہاء و
فرضوں کے بعد جب کہ سنن باقی ہوں، دعا کو مکروہ و بدعت لکھا ہے۔ ” خلاصۃ الفتاویٰ “
میں ہے۔ ” و یحکروہ الدعاء بجماعۃ بعد الفرائض “ اسی طرح ”بزاز“
اور ”مدخل“ وغیرہ میں بھی تصریح موجود ہے۔

نیز نماز اور خطبہ کے درمیان فصل بالدعاء احداث فی الدین معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ خطبہ
کے بعد بوجہ اعمال عید مکمل ہونے کے اباحت و استحسان معلوم ہوتا ہے۔ نیز حضرت شاہ صاحب
رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ مکتوبات کے بعد دعوات سنن و زائد کے بعد دعوات پر قیاس ہے۔

ملاحظہ ہو۔ فیض الباری : ج ۴ ص ۴۱۷ -

نیز جب تک اس بات کا ثبوت نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا خیر القرآن میں کسی نے بھی نماز عید اور خطبہ کے درمیان کسی تیسرے عمل سے فصل کیا ہو یہ دعا کس طرح مستحسن اور مستحب ہو سکتی ہے۔ ہمیں قوی اندیشہ دعا بعد الصلوٰۃ پر ہے۔ نہ جہاں خطبہ پر آپ غور فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں۔ اردو کے فتاویٰ قطعاً محل نظر ہیں۔ والسلام مع الاکرام

المستفتی : الاسقر محمد ناول خاں عفا اللہ عنہ

حوالہ نمبر ۶۳/۷۳۲ : ۳۰/۳/۱۴۰۳ھ

فرائض کے بعد دعا حدیث وفقہ سے فی الجملہ ثابت ہے۔

الجواب

» قال صلیت مع رسول اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحراف ورفع یدیه ودعا الحدیث اخوجه ابن الجب شیبہ کذا فی معارف السنن : ج ۳ ص ۱۲۳ -

۲ : عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة فقال اللهم خلص الولید بن الولید ۱۷ قال یعقوب هذا حدیث صحیح۔ (۲) اور معارف السنن ہی میں علامہ نووی رحمہ وغیرہ سے فرائض کے بعد دعا کا استحباب نقل کیا ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ کی عبارات بقیہ صفحہ نقل کی جائیں تاکہ ان پر غور کیا جاسکے۔

جب فرائض اور سنن کے مابین دعا اور اوراد کا پڑھنا احداث فی الدین نہیں بلکہ فقہاء رحمہ کی ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ تو عید کے بعد یہ » احداث « کیوں کر قرار دیا جائے گا۔ دعا کو نماز کے تابع میں شمار کیا جائے گا نہ کہ جہنی۔

حضرات محدثین کی ایک جماعت نے وتر کے بعد نوافل کی یہ توجہ سر کرتے ہوئے حدیث » اجعلوا اخر صلوٰتکم باللیل و نورا « کے ساتھ اس کی تطبیق بیان فرمائی ہے کہ یہ نفل وتر کے تابع ہیں۔ گویا کہ مستقل نماز نہیں۔ اسی لئے حدیث اجعلوا الخ کے خلاف نہیں۔ (کما فی صمد الشوکانی فی انیل ج ۳ ص ۳۳ و ابن القیم فی المدنی)۔

تاہم اگر کسی کو پسند نہ ہو۔ تو ہم نے اس دعا کو نہ فرض کہا تھا نہ واجب نہ سنت بلکہ صرف یہ

کہا تھا کہ ”گنجائش“ ہے۔ اعمال عید کا مکمل ہوجانا ہی استحسان دعا بعد از خطبہ کے لئے کافی نہیں بلکہ اس اجتماعی عمل کو مشروع و مستحسن قرار دینے کے لئے فی الجملہ حدیث وغیرہ سے ثبوت چاہئے۔ بعد از نماز کے لئے تو کسی درجہ میں ثبوت موجود ہے۔ اور بعد از خطبہ کے لئے اتنا بھی نہیں پس احتراز چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۶/۳/۱۴۰۴ھ

عند الاحناف عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں

عیدین کی تکبیروں کی تعداد کتنی ہے؟ ایک صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تکبیریں بارہ ہیں اگرچہ چھ کا کوئی ثبوت ہو تو پیش کیا جائے۔ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔؟

عیدین میں تکبیرات زوائد عند الاحناف چھ ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے صحیح سند کے ساتھ متعدد اقوال منقول ہیں۔ احناف نے چھ والی روایت کو بہ چند وجوہ قوی ہونے کی بنا پر اختیار کیا ہے۔

— عن ابی عائشة ان سعید بن العاص سأل ابا موسیٰ و حذیفۃ رضی کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یكبر فی الاضحیٰ و الفطر فقال ابو موسیٰ کان یكبر اربعاً تکبیراً علی الجنائز فقال حذیفۃ رضی صدق فقال ابو موسیٰ کذا لک کنت اکبر فی البصرة حیث کنت علیہم اھ (رواہ ابوداؤد بیہقی، ابن ابی شیبۃ (از او حین ج ۲، ص ۲۹۹)۔ قال النیموی اسنادہ حسن۔)

— عن کردوسی قال قدم سعید بن العاص فی ذی الحجۃ فارسل الخ عبد اللہ و حذیفۃ رضی و ابی مسعود الانصاری و ابی موسیٰ الاشعری رضی فساء لهم عن التکبیر فاسندوا امرهم الی عبد اللہ قال عبد اللہ یقوم فیکبر ثم یمکبر ثم یمکبر ثم یمکبر

فیقرأ ثم یکبر وی رکع ویقوم فیقرأ ثم یکبر ثم یکبر
ثم یکبر ثم یکبر الرابعة ثم یکبر - (مصنف ابن
ابی شیبہ) -

— عن عبد الله بن الحارث قال صلى بنا ابن عباس رضي يوم
عيد فکبر تسع تکبیرات خمساً فی الاولی واربعا فی الاخره - اه
(رواه ابوبکر فی مصنفه وقال الحافظ فی التلخیص اسناد
صحيح) -

— عن ابی عبد الرحمن قال حدثنی بعض اصحاب رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم
يوم عيد فکبر اربعاً اربعاً ثم اقبل علينا بوجهه حين
انصرف فقال لا تنسوا کتکبیر الجنائز و اشار باصابعه
وقبض ابهامه - اه (قال الطحاوی فهذا حديث حسن
الاسناد) -

— صحابہ کرام علیم الرضوان میں سے حضرت ابن مسعود رضی ، ابو موسیٰ اشعری رضی ، حذیفہ بنہ
الیمان رضی ، عقبہ بن عامر رضی ، ابن زبیر رضی ، ابوسعود بدری رضی ، ابوسعید خدری رضی ،
براء بن عازب رضی ، عمر بن الخطاب رضی ، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے
بھی یہی منقول ہے - (ادھر : ج ۲ ، ص ۲۵۰) -

— طبقہ تابعین میں سے حضرت حسن بصری رضی ، ابن سیرین رضی ، سفیان ثوری رحمہم اللہ
علیہم اجمعین کا بھی یہی مسلک تھا - لہذا چھ تکبیروں کو بلا ثبوت کہنا بھالت فاحشہ ہے یا دیدہ و
دانستہ خلاف واقعہ کہنا ہے - فقط واللہ اعلم

احقر محمد نور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

اگر امام نے چھ سے زائد تکبیریں کہیں تو نماز ہوگئی یا نہیں

امام صاحب نے عید الفطر کی نماز پڑھاتے ہوئے، زور سے نیت کرتے ہوئے گیارہ تکبیروں کا اعلان کیا اور کہیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے ان سے ذکر کیا تو کہنے لگے کہ ”میں سلام کی گہرائی میں چلا گیا تھا اور تم کو پتہ نہیں“ کیا نماز صحیح ہوگئی یا نہ؟ نماز ہوگئی۔ مگر تکبیرات زوائد عند الاحناف چھ ہی ہیں۔

الجواب

ریضی الامام بہم رکعتین مثنیاً قبل الزوائد

وہی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة ولو زاد تابعہ الی ستہ عشر لافنہ مأثور اھ (در مختار علی الشامیہ ج ۱ ص ۱۷۷)۔

فقط واللہ اعلم

اسحق محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵/۱/۱۳۹۶ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تکبیرات زوائد کے بعد شامل ہونیوالا تکبیرات کب کہے؟

نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بعد کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوا تو یہ تکبیرات کس وقت کہے؟ اور اگر کوئی دوسری رکعت یا تشہد میں شریک ہوا تو وہ تکبیرات کس وقت کہے؟

۱۔ اگر یہ امام کے تکبیرات کہنے کے بعد ملا ہے تو شامل ہوتے ہی تکبیرات زوائد از خود کہہ لے۔ ۲۔ اگر دوسری رکعت میں ملا ہے تو پھر جب اُٹھ کر پہلی رکعت ادا کرنے لگے تو قرارت کے بعد تکبیریں کہے۔ ۳۔ اگر اس حالت میں پہنچا کہ امام رکوع میں ہے تو اگر غالب خیال یہ ہو کہ امام کے رکوع سے اُٹھنے سے پہلے تکبیرات کہہ لوں گا تو کہہ کر رکوع میں جائے ورنہ رکوع میں نہ کہہ لے۔

الجواب

۴۔ اگر رکوع میں تکبیریں پوری ہونے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے تو یہ بھی اٹھ جائے بقیہ تکبیرات ساقط ہو جائیں گی ۵۔ اگر امام کو رکوع کے قیام میں پایا جائے تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب یہ رکعت قضا کرے گا تو اس میں کہہ لے۔ قَالَ فِي الْعَلَاثِيَةِ وَلَوْ اَدْرَكَ الْمُؤْتَمِ اللّٰمَامُ فِي الْقِيَامِ بَعْدَ مَا كَبَّرَ كَبْرًا فِي الْحَالِ بِرَأْيِ نَفْسِهِ لَا نَهَ مَسْبُوقٌ۔ وَلَوْ سَبَقَ بَرَكَةٌ يقرأ ثم يكبر لسألاً يتوالت التكبیرات (در مختار) وفي الشاميه (قوله في القيام) اي الذي قبل الركوع۔ اما لو ادركه راكعاً فان غلب على ظنهم ادراكه في الركوع كبر قائماً برأى نفسه ثم ركع والا ركع وكبر في ركوعه خلا فالا في يوسف۔ ولا يرفع يديه لان الوضع على الركبتين سنة في محله والرفع لا في محله۔ وان رفع اللامام داسه سقط عنه ما بقى من التكبير لسألاً تفوته المتابعة۔ ولو ادركه في قيام الركوع لا يقضيها فيه لانه يقضى الركعة مع تكبیراتها۔ فتح وبدائع اه

(شامی ص ۸۱)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ ۱۰ / ۴ / ۱۴۰۷

عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا تو عید کا حکم

ایک دیہاتی امام صاحب عید کے مسائل سے ناواقف تھا اس نے جمعہ کی طرح عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا اور بعد میں نماز عید پڑھائی ؟

امام صاحب نے خلافت افضل کیا خطبہ بہر حال ہو گیا اعادہ کی حاجت نہیں

الجواب

لو خطب قبل الصلوة جاز وترك الفضيلة ولا تعاد ومثله في المسكين اه (لمطادى ص ۲۸۸)۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید گاہ جاتے ہوئے تجیرات جہراً پڑھیں یا سراً

نماز عید الفطر کے لئے عید گاہ جاتے ہوئے تجیرات تشریق آہستہ آواز سے پڑھی جائیں یا اونچی آواز سے ۔

امام صاحب سے منقول ہے کہ آہستہ پڑھیں اور علامہ شیخ قاسم نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے ۔ یہی معمول بنایا جائے ۔

الحمد لله

ولیوم الفطر لا یجہر بہ عندہ وعندہما یجہر وھو رواۃ عنہ والخلاف فی الافضلیۃ اما الکراہۃ فمُنتَفِیۃٌ عن الطرفین ۱۱
وقد ذکر الشیخ قاسم فی تصحیحہ ان المعتدل قول الامام ۱۲
شامی ص ۴۸ (۱) - محمد انور غفرلہ

پہلے دن عید الفطر نہ پڑھ سکیں تو دوسرے دن پڑھنے کا حکم

اگر نماز عید الفطر عید کے روز کسی عذر کی بنا پر ادا نہ کی جاسکے تو کب تک ادا کرنے کی گنجائش ہے ؟

اگر کوئی ایسا معقول عذر پیش آجائے کہ عید الفطر کی نماز عید کے دن ادا نہ کر سکیں مثلاً چاند کی گواہی زوال کے بعد ملی یا ایسے وقت میں ملی کہ لوگوں کا اجتماع مشکل ہو تو اگلے دن زوال تک پڑھ سکتے ہیں ، دوسرے دن بھی نہ پڑھ سکیں تو پھر نہ پڑھیں ۔

الحمد لله

وتؤخر صلوۃ عید الفطر الی الخد اذا منعہم من اقامتہا عذر بان غم علیہم الہلال او شہد عند الامام بعد الزوال او قبلہ حیث لا یکن جمع الناس قبل الزوال او صلاھا ف یوم غیم فظہر انہا وقعت بعد الزوال ولا تؤخر بعد الخد (عالمگیری ص ۱۱)
فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

خطبہ عیدین کے درمیان چند کہنا : بعض جگہ دستور ہے کہ جب
تو دو آدمی چادر لیکر صفوں کے آگے سے گزرتے ہوئے چندہ کرتے جاتے ہیں کیا
یہ درست ہے ؟

منع ہے ۔ فقط واللہ اعلم ،

الحمد لله

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۰/۹۵ھ

عیدین میں سنون قرأت : نماز عیدین میں کون سی سورتوں کی
قرأت سنت ہے ؟

سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ کا پڑھنا سنت ہے مگر اس قدر معمول
نہ بنالیں کہ لوگ انہی کو ضروری سمجھ لیں اور کسی اور سورت کو پڑھنا
درست نہ سمجھیں ویقرأ کالجمعة (در مختار)

(قوله یقرأ کالجمعة) ای کالقرأة فی صلوۃ الجمعة لما

روی البوحنیفة انه صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی العیدین

دیرم الجمعة الا علی و الغاشیة کما فی الفتح . وقال فی البدائع فان تبرک

بالاقتداء به صلی اللہ علیہ وسلم فی قراءتهما فی اغلب الاوقات

فحسن لکن ینکر ان یتخذهما حتما لا یقرأ فیہا غیرہما لما ذکرنا

فی الجمعة اه (شامی ص ۸۱) . فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید کے دن ہر ایک کے لئے نہانا مستحب ہے

اگر ایک آدمی عذر کی بنا پر عید کی نماز کے لئے نہیں جاسکتا کیا اُس کے

لئے بھی عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے ؟

اس کے لئے بھی غسل کرنا مستحب ہے۔ وندب ان یغتسل یقدم انه للصلوة
القول ج لانه صلى الله عليه وسلم كان يغتسل يوم الفطر ويوم النحر (مراقی)
 قوله (وتقدم انه للصلوة) ذكر السرخسی عن الجواهر یغسل بعد الفجر
 فان فعل قبله اجزاً ویستوی فی ذلك الذاهب الى الصلوة والقاعد لانه
 يوم زینة واجتماع بخلاف الجمعة قال السردجی وهذا صحیح وبه
 قالت المالکیة والشافیة کما فی الحلبي واختار فی الدرر ایضاً کون
 الغسل والنظافة فيه لليوم فقط وعلمه فی النهر بان السردجی فيه عام
 فیندب فيه بالتنظیف لكل قادر علیه صلى الله عليه وسلم لا هو - ططاوی ص ۲۸۹ -
 فقط والله اعلم ، محمد النور ۱۸ / ۲ / ۱۳۹۸ هـ

فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیرات یاد آئیں : اگر امام نے نماز عید میں

پہلی تکبیر کہہ کر قرأت
 شروع کر دی اور سورہ فاتحہ پڑھ لی۔ اب اس کو یاد آیا کہ تکبیرات زوائد چھوٹ گئی ہیں
 تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے ؟

القول ج اب ابتداء سے تکبیرات زوائد کہہ کر دوبارہ فاتحہ اور سورہ پڑھے۔
 فی البحر عن المحيط بدأ الامام بالقرأة سهواً فتذكر بعد الفاتحة
 والسورة يمضی فی صلوته وان لم یقرأ الا الفاتحة کبر واعاد القرأة
 لزوما لان القرأة اذالم تتم کان امتناعاً عن الاتمام لا رفضاً للفرضا
 (شامی ص ۴۸۱) - فقط والله اعلم ، محمد النور عفا اللعنة



کیا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر آکر نوافل پڑھنا مستحب ہے ؟

بعض لوگوں سے سنا ہے عید الاضحیٰ کے بعد گھر آکر چار رکعت پڑھنا مستحب ہے
 کیا یہ درست ہے ؟

دُرست ہے۔ عالمگیری میں ایسے ہی ہے۔

المستحب ان یصلی اربعاً بعد الرجوع الی منزله کذا
فی الزاد اھ (عالمگیری ص ۱۰۷) فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ

عید چاند کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا حکم

عید الفطر کے موقع پر بہت سے مقامات میں اختلاف ہو جاتا ہے اور اس کی اصل وجہ ریڈیو کی خبریں ہوتی ہیں اس لئے اس ضمن میں چند سوالات دریافت طلب ہیں

۱۔ کیا صرف ریڈیو پاکستان کے اعلان پر عید الفطر کا حکم دیا جاسکتا ہے خاص کر جبکہ خبر نشر کر نیوالی عقیدہ سعود نامی عورت ہے۔

۲۔ موجودہ دور میں ٹیلیفون تار وغیرہ اس سلسلہ میں کہاں تک معتبر ہیں۔

۳۔ ایک مقام پر متعدد اطراف سے فون کے ذریعہ کسی عالم ثقہ کو عید الفطر کی اطلاع پہنچ جاتی ہے جس کی بنا پر عید کا اعلان کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر کسی اور مقام سے بذریعہ فون اس عالم ثقہ سے رابطہ قائم کر کے اس ایک ہی قاضی یا عالم کی خبر سن لیتے ہیں تو کیا وہ اپنے شہر میں عید الفطر کا حکم دے سکتے ہیں؟ جبکہ ایک فون ہو خبر سنانے والا صرف وہی ایک قاضی ہو۔

۴۔ اگر ایک جگہ کے عالم دین اس دوسری جگہ جہاں فون کے ذریعہ اعلان کر چکا ہے چلا جائے تو شریعت کے مطابق کس طرح اس سے ثبوت حاصل کرے؟ کیا باقاعدہ شہادت لے کر یا صرف متعدد مقامات سے فون کی خبر سن کر اپنے لئے وہ عالم دین گنجائش مہیا کر سکتا ہے؟

۵۔ اگر کسی جگہ بلکہ اس علاقے میں کہیں چاند نظر نہ آیا تو شریعت میں کہاں تک اجازت ہے کہ ضرور ہی اس رات دوڑ دھوپ کرے اور عید کی خبر لے آئے اور کتنی دور جاسکتا ہے اور کتنی کوشش کرنی چاہیے کیا یہ کوشش کرنا۔ رات کو بھاگنا وغیرہ ضروری ہیں تاکہ دوسرے دن ضرور ہی عید منائی جائے؟

الجواب عید الفطر کے لئے حسب قاعدہ فقہاء جبکہ مطلع صاف ہو تو نجم غفر کی رویت ضروری ہے ورنہ دو عادل ثقہ آدمیوں کی شہادت پر قاضی یا حاکم یا شہر کا مستند عالم اعتماد کرنے ہوئے فیصلہ عید الفطر دے سکتا ہے۔ اور اگر کسی شہر یا علاقہ میں مذکورہ بالا طریق سے ثبوت بہم نہیں ہوا تو محض ریڈیو کے اعلان پر خصوصاً اس دور میں جبکہ حکومت کی طرف سے توسط معتمد علماء رویت ہلال کا کوئی بھی اہتمام نہیں بلکہ محض افواہوں کی بناء پر اعلان کا خطرہ لاحق ہے۔ عید کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کسی دوسری جگہ جہاں تک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے چاند نظر آیا اور وہاں سے شرعی قواعد کے مطابق اطلاع پہلی جگہ پہنچ گئی تو پھر یہاں کے لوگوں کو عید کرنا ضروری ہوگا۔ شرعی قواعد کا مطلب ہے کہ شہادت علی الشہادت یا استفاضہ اور تواتر اخبار سے رویت کا علم شہر والوں کو ہو جائے ان خبروں کے ساتھ ریڈیو کی اطلاع کو تائید قبول کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔

۲۔ ٹیلیفون اور تاریخ خبر کے درجہ میں معتبر ہیں جہاں تک خبر معتبر ہے وہاں تک ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور شہادت کے باب میں غیر معتبر ہیں ہاں استفاضہ اور تواتر میں مفید ہو سکتی ہیں۔

۳۔ پہلے عالم کے لئے جائز ہے کہ جب اسے بطریق شرعی رویت ہلال حاصل ہو عید الفطر کرے۔ لیکن دوسرے شہر کے لوگوں کو اس عالم سے ایک فون کے ذریعہ پرکتفا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دوسرے شہر کا عالم دو عادل گواہوں کی شہادت یا پہلے عالم کے فیصلہ پر دو عادل گواہوں کی شہادت یا استفاضہ اخبار پر اعتماد کرتے ہوئے عید منانے کا فیصلہ کرے۔

۵۔ عید الفطر کا چاند ہو یا کوئی اور اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا اور تحقیق کرنا ضروری ہے جہاں تک ہو سکے اس میں کوئی حد بندی اور تحدید نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس۔ ملتان

۱۸ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ

عید سے پہلے نوافل پڑھنے کا حکم : عیدین کی نماز سے پہلے نماز
اشراق گھر اور عید گاہ میں پڑھنا
کیسے ہے۔۔۔؟

الجواب عیدین کی نماز سے پہلے کوئی نوافل نہ پڑھیں نہ گھر میں نہ عید گاہ
میں حتیٰ کہ عورت نے بھی اگر چاشت کی نماز پڑھنی ہو تو امام کے عید
سے فارغ ہونے کے بعد پڑھے۔

ولا یتنفل قبلہا مطلقاً یتعلق بالتکبیر والتنفل (در مختار) یتعلق بالتکبیر
والتنفل المراد التعلق المعنوی ای انه قید لهما فمعنی
الاطلاق فی التکبیر ای سواء کان سراً او جہراً وفي التنفل
سواء کان فی المصلی اتفاقاً او فی البیت فی الاصح وسواء کان
ممن یصلی العید او لا حتی ان المرأة اذا ارادت صلاة الضعی
یوم العید تصلیها بعد ما یصلی الامام فی الجبابة افاده فی البحر
شامی ص ۷۷۱ - فقط واللہ اعلم . احقر محمد انور

امام نے بے وضو عید پڑھا دی تو کیا کیا جائے

اگر امام نے نماز عید پڑھا دی، پڑھانے کے بعد پستہ چلا کہ امام کا وضو نہ
تھا تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے؟

الجواب ایسی صورت میں اگر تو فوری پستہ چل جائے اور لوگ ابھی موجود
ہوں تو وضو کر کے دوبارہ نماز عید ادا کر لیں اور اگر اب ان کو واپس لانا مشکل ہو
تو شرعاً یہ کہا جائے گا کہ نماز ہو گئی۔

امام صلی العید علی غیر وضوء ثم علم بذالك قبل ان یتفرق
الناس توضأ و یعیدون وان تفرق الناس لم یعد بهم و جاز
صلواتهم صیانة للمسلمین و اعمالهم اھ (شامی ص ۷۸۳)۔

جو نماز کا عادی نہ ہو اس کا عیدین میں شریک ہونا

جو آدمی کبھی نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو وہ عیدین میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب عیدین کی نماز جہاں واجب ہے وہاں اس کو بھی ضرور پڑھنی چاہیے
 البتہ فرائض کا ترک بہت بڑی معصیت ہے ان کی ادائیگی کا اہتمام
 ضروری ہے سابقہ نمازوں کا حساب لگا کر ان کا قضا کرنا ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

عید گاہ میں حدّث لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم

اگر کسی کو عید گاہ میں نماز عید سے قبل حدّث لاحق ہو گیا۔ اب اگر یہ وضو کرتا ہے تو
 نماز عید فوت ہونے کا خطرہ ہے کیا یہ آدمی تیمم کر کے نماز عید میں شامل ہو سکتا ہے؟
الجواب اگر وضوء میں مشغول ہونے سے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم
 کر کے نماز میں شامل ہو جائے۔

رجل أحدث في الجبابة قبل الصلوة ان خاف فوت الصلوة لو
 اشتغل بالوضوء كان له أن يصلي بالتيمم بلا خلاف اهـ

(فتاویٰ قاضی خاں ص ۸۸)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

عیدین کے لئے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

پانی موجود ہے عید کی نماز ہو رہی ہے۔ تیمم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اگر مطلقاً صلوٰۃ عید فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بجائے وضوء کے تیمم سے ادا کرے۔ التیمم لصلوٰۃ العید ولا یجوز للمقتدی اذا لم یخف فوت الصلوٰۃ لو توضأ ولا یجوز الخ (عالمگیری ج ۱۲)۔ فقط واللہ اعلم،
الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴ صفر ۱۴۰۲ھ

عید کے روز ایک دوسرے کو کہنا اللہ قبول کرے

عیدین کے روز ایک دوسرے کو یہ کہنا کہ اللہ پاک قبول کرے یہ درست ہے یا نہیں؟
ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

الجواب اختلف فی قول الرجل لغيره یوم العید تقبل اللہ منا
ومنک..... ولا ظہرانہ لا بأس به لما فیہ من الاشارة
(کبیری ص ۵۲۶)

فقط واللہ اعلم، محمد انور، ۲۰۱۴-۱۳۹۸ھ

روزہ رکھ کر عید پڑھانا : ۲۹ رمضان کے بعد چاند دیکھنے کی
بہت کوشش کی گئی۔ مطلع بھی صاف

تھا مگر چاند نظر نہیں آیا۔ تراویح وغیرہ کے بعد پتہ چلا کہ بعض مواضع پر چاند
نظر آیا ہے مگر ہمارے مولوی صاحب نے ان خبروں پر اعتبار نہ کیا اور روز رکھ کر
لوگوں کے مجبور کرنے سے عید بھی پڑھادی تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب صورتِ مسئلہ میں مولوی نور محمد صاحب نے یہ تو درست کیا کہ محض لوگوں
کی خبروں پر افطار نہیں کیا بلکہ روزہ رکھا لیکن روزہ رکھا تھا تو نماز
عید الفطر پڑھنی جائز نہ تھی۔ نماز عید الفطر نادانی اور لاعلمی پر مبنی ہے اس پر شرعاً

کوئی حد یا تعزیر نہیں ہے اور نہ ایسا امام قابلِ معزولی ہے۔ فقط واللہ اعلم،
الجواب صحیح،
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

۲۴، سوال سنہ ۱۳۸۵ھ

امام مردوں کو مسجد میں عید پڑھا کہ گھر میں عورتوں کو عید نہیں پڑھا سکتا

دیہات کے امام مسجد نے مسجد میں عید کی نماز پڑھائی پھر گھر میں جو عورتیں آئی
ہوئیں تھیں پھر اُن کو پڑھائی کیا یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

عورتوں پر عیدین واجب نہیں وہ اگر پڑھیں گی تو یہ نفل ہونگے اور نفل
جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہیں۔ لا یصلی التطوع بالجماعة

ما خلا قیام رمضان وکسوف الشمس الإبدائع ص ۲۴۱ التطوع بالجماعة
اذا کان علی سبیل التداوی یکرہ (ہندیہ ص ۸۷) و التظوع بجماعة خارج
رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداوی بان یقتدی اربعة لواحد
کما فی الدرر (درمختار) قال شمس الائمۃ الحلوانی ان کان سوی
الامام ثلثة لا یکرہ بالاتفاق وف الاربع اختلف المشائخ والاصح
انه یکرہ هکذا ف الخلاصة (عالمگیری) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید الاضحیٰ بے وضو پڑھی گئی تو قربانی ہو گئی یا نہیں؟

امام نے نماز عید پڑھا دی اس کے بعد بعض لوگوں نے قربانی کر لی۔ زوال
کے بعد علم ہوا کہ امام صاحب نے نماز عید بغیر وضو کے پڑھا دی ہے اس صورت
میں جن لوگوں نے قربانی کر لی انہی قربانی درست ہو گئی یا نہیں؟

قربانی درست ہو گئی مگر اگلے دن عید کی نماز حسب معمول ادا کریں۔

الجواب

امام صلی بالناس صلوۃ العید یوم الفطر علی غیر وضوء فعلم بذلك قبل الزوال اعادة الصلوة وان علم بعد الزوال خرج من الغد وصلى فان لم يعلم حتى زالت الشمس من الغد لم يخرج۔۔۔

وان كان ذاك في عيد الاضحية فعلم بعد الزوال وقد ذبح الناس جاز ذبح من ذبح ويخرج من الغد ويصلي اهد۔
(فتاویٰ عالمگیری ص ۱۱۷)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد النور غفرلہ



جو نماز ہو چکنے کے بعد عید گاہ پہنچا وہ بطریق ذیل چار نفل پڑھ لے۔

زیر تیاری وغیرہ کر کے عید گاہ پہنچا تو لوگ فارغ ہو کر عید گاہے لوٹ رہے تھے۔ آیا زید بھی لوٹ آئے یا کچھ نفل وغیرہ پڑھ لے۔

الجواب

زیر ترتیب ذیل۔ چار نفل پڑھ لے۔ ومن خرج الى الجبانة ولم

يدرك الامم في شيء من الصلوة ان شاء انصرف الى بيته وان

شاء صلى ولم ينصرف ولا فضل ان يصلي اربعاً فتكون له صلوة الضحى لماروى

عن ابن مسعود انه قال من فاتته صلوة العید صلى اربع ركعات يقرأ في الاولى

بسم اسم ربك الاعلى وفي الثانية والشمس وضحاها وفي الثالثة والليل اذ انفتحت

وفي الرابعة والضحى وروى في ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعداً

جسلاً وثواباً جزيلاً اه (قاضی خاں ص ۸۸) فقط واللہ اعلم

فقیر محمد النور عفا اللہ عنہ

بَابُ الْجَنَائِزِ

كُلُّ نَفْسٍ ذَا لِقَاءِ الْمَوْتِ شَوْ

{ القرآن
سورة عنكبوت
پارہ ۱۱ }

الینا ترجعون

ہ جسکے جی لگانے کی دُنیائیں نہیں ہے

یہ عبرت کی جگہ ہے متاثر نہیں ہے



نِخْرُ الْفَتَاوِی

(جلد سوم)

غسل میت کے احکام

چھوٹے بچہ بچی کو ہر ایک غسل دے سکتا ہے

دو ماہ کی بچی فوت ہو گئی تو اس کو امام مسجد نے غسل دیا
کیا یہ درست ہے۔ نیز امام مسجد ضعیف العمر ہو تو

کیا حکم ہے اور اگر جوان ہو تو کیا حکم ہے ؟ ۱۲۔ مرد کتنی عزت رک کی لڑکی کو غسل دے سکتا ہے۔

۱۳۔ اور ایسے ہی لڑکا میت ہو تو اسے محدث غسل دے سکتی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے ؟

۱۔ مذکورہ بچی کو جو امام صاحب نے غسل دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

الجواب

۲۔ ۳۔ جو بچہ بچی حد ہشمت کو نہ پہنچا ہو اس کو ہر ایک مرد و عورت غسل دے سکتا ہے۔ اور

قریب البلوغ بچی کو مرد غسل نہیں دے سکتا۔ غواہ کتنی عمر کا کیوں نہ ہو۔

و الصغیر والصغیرۃ اذا لم یبلغا حد الشهوة یغسلهما الرجال والنساء۔

فقط واللہ اعلم

(شامیہ : ج ۱ ص ۶۳۶)۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۶ / ۲۶ / ۱۴۰۲ھ

اجواب صحیح : بندہ عبد التبارع عفا اللہ عنہ

بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ولا عکس
میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس
کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں ؟

بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ہاتھ بھی لگا سکتی ہے۔ خاوند صرف دیکھ سکتا ہے غسل

نہیں دے سکتا اور نہ ہی بلا حائل چھو سکتا ہے ۱۰ و یمنع زوجها من غسلها ومسها

الجواب

لا من النظر الیہا وہی لا تمنع من ذلك اھ (در مختار علی الشامیہ ، ج ۱ ص ۶۰) فقط واللہ اعلم

اتھ محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر الدار کس ملتان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دینے کی حقیقت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود غسل دیا تھا۔ یہ کس حد تک درست ہے ؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا تھا
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت اس حیثیت سے ہے کہ آپ سامانِ غسل وغیرہ

الجواب

میں تعاون فرما رہے تھے۔ قال فی شرح المجمع لمصنفہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا

غسلتہا ام ایمن حاضنتہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی عنہما فتحمل

روایۃ الغسل لعلی رضی اللہ عنہ علی معنی التہیئة والقیام التام باسبابہ

(شامح ج ۱ ص ۸۰۳)۔

اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مباشرتاً غسل دیتے تو پھر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت پر محمول ہے۔ ولکن ثبت الروایۃ فهو مختص بہ لقولہ علیہ السلام کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی اھ (شامی ج ۱ ص ۸۰۳)

فقط واللہ اعلم

افتقر محمد نور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

غسل کی وقت میت کو کیسے لٹایا جائے
ایک جگہ میت کو غسل دیتے وقت پاؤں قبلہ کی طرف
اور سر مشرق کی طرف کیا گیا۔ کیا یہ درست ہے ؟

الجواب

الیسے بھی جائز ہے مگر مستحسن یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ ہو جیسے قبر میں لٹایا جاتا ہے۔

در کیفیۃ الوضوع عند اصحابنا الوضوع طویلاً کما فی حالۃ

المرض اذا اراد الصلوۃ بایماء ومنہم من اختار الوضوع کما یوضعون

فی القبر والاصح انہ یوضع کما تنیسر۔ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۸۱)۔

وجہ استحسان یہ ہے کہ بیت اللہ شریف ہر حال میں قبلہ ہے زندگی میں بھی اور بعد الموت بھی۔

روی ابو داؤد ان رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکبائر فقال

ھی تسع و ذکرھا الی ان قال واستحلل البیت قبلتکم احیاء و

امواتا ۱۱ (امداد الفتاوی: ج ۱ ص ۴۰)۔

فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ - محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۵/۱۳۹۸ھ

میت کو غسل دینے والے کیلئے غسل کا حکم کوئی مسلمان کسی میت کو غسل دیتا ہے۔ تو غسل دینے کے بعد خود کو غسل کرنا چاہئے یا نہ؟

الجواب

میت کو غسل دینے کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔ مرقی میں ہے۔ و (سند ب)

عند الفترغ من حجامۃ و غسل میت خروجاً للخلاف

من لزوم الغسل بهما ۵۸ فقط واللہ اعلم۔

اجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ - بندہ محمد عبد اللہ نائب مفتی ۱۱/۳/۱۴۰۶ھ

ٹرک کے نیچے دب کر مرنیوالوں کو غسل و کفن دیا جائے

کچھ آدمی ٹرک کے لٹنے سے ٹرک کے بوجھ تلے آگئے کیا یہ لوگ شہید ہیں؟ اور

کیا ان کو غسل و کفن دیا جائے گا؟

الجواب

یہ لوگ اخروی شہید ہیں۔ دنیا میں ان پر عام میت کے احکام جاری ہوں گے۔ لہذا

انہیں غسل و کفن دیا جائے گا۔ لومات حتف انفہ او تردی من موضع او

احترق بالنار اومات تحت ہدم او غرق لایکون شہیداً ای فی حکم

الدنیا و الا فقد شہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للغریق و الحریق و

المبطون و الضریب بانہم شہداء فینالود ثواب الشہداء ۱۱۔

فقط واللہ اعلم

(بحر الرائق: ج ۲ ص ۲۱)۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس عثمان

جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو غسل و جنازہ کا حکم طہارت ہو کہ نماز جنازہ کے لئے شرط ہے کسی عذر کی بنا پر ساقط ہوتی ہے یا نہیں؟

مثلاً ایک آدمی آگ میں جل گیا۔ یا دریا میں مرکب چند دن بعد برآمد ہوا جس کا جسم سو جا ہوا اور بدبو کرتا ہے اور ہاتھ لگانے کے قابل نہیں۔ یا ریل گاڑی کے نیچے اس کا سارا جسم چور چور ہو گیا۔ یا اس کا اکثر یا کم جسم چور چور شدہ باقی بچا تو ان صورتوں میں میت کے لئے غسل اور جنازہ کی کیا صورت ہوگی ؟
 فضل محمد پشاور

وفي العالم الكبيرية: ج ۱ ص ۸۱۔ ولو كان الميت متفسخاً يتصدّر

الجواب

مصححہ کفی صب الماء علیہ کذا فی التاتاریخانیة ناقلاً عن

العتابیہ۔

روایت بالاسے معلوم ہوا کہ اگر میت کا جسم پھولا ہوا بدبو کرتا ہے اور ہاتھ سے اس کا مسح کرنا مشکل ہے تو اس پر صرف پانی ڈال دینا کافی ہے غسل مسنون دینا اس کے لئے واجب نہیں اور یہی حکم اس میت کا ہو گا جو گاڑی کے نیچے آکر چور چور نہ ہو گیا ہو یا آگ میں جل کر کوئلہ نہ بن گیا ہو بلکہ ڈھانچہ اس کا موجود ہو۔ البتہ اگر کسی میت کا اکثر بدن یا نصف سر میت سالم مل گیا ہے تو اس کو غسل دینا فرض ہے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

کافی العالم کیریۃ: ج ۱ ص ۸۶۔ ولو وجد اکثر البدن او نصفه مع الرأس

یغسل ویکفن ویصلی کذا فی المضمّرات۔

اور اگر میت کے اعضاء جدا جدا ہو گئے ہیں خواہ گاڑی کے نیچے آکر یا آگ میں جل کر یا اس کا جسم پھٹ گیا اور اعضاء اس کے علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ تو ایسی صورت میں نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ اس کو غسل دینا فرض ہے۔

کافی الطحطاوی: ص ۳۲۲۔ قوله مالم یتفسخ ای تتفرق اعضاءه فان

تفسخ لا یصلی علیہ لانها شرعت علی البدن ولا وجود له مع التفسخ۔ ۱۷

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

نائب مفتی خیر الدین لدائن

۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح

نیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا

۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ھ

غسل کے بعد نجاست خارج ہو تو دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں

ایک شخص فوت ہو گیا ہے جب اس کو غسل دیا جاتا ہے تو غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت کو پاخانہ آجاتا ہے۔ تو اس کو دوبارہ غسل دینا واجب ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئلہ میں اعادہ غسل کی ضرورت نہیں نجاست کو دھو لینا ہی کافی ہے۔ ہندیہ میں ہے

ویمسح بطنه مسحاً رقيقاً تحرزاً عن تلويث الكفن فان خرج

منه شئ غسله ولا يعيد غسله ولا وضوءه - فقط والله اعلم

محمد عبد اللہ عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۸/۶/۲۷ھ

میت کو غسل دینے والا بدن غسل جنازہ پڑھا سکتا ہے مرنے کو غسل دینے والا آدمی بغیر غسل کئے اور بغیر

کپڑے تبدیل کئے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

ایک حافظ صاحب کہتے ہیں کہ ایسا آدمی نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ آیا ان کا کہنا شریعت کے مطابق ہے یا؟

الجواب: غسل میت کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے فرض یا واجب نہیں۔ لہذا ایضاً صحیح ہے۔

ويندب الاغتسال في ستة عشر شيئاً وذكر منها وعند

الفراغ من حجامه وغسل ميت خروجا للخلاف الخ

لہذا اگر غسل کے بدن یا کپڑوں پر بالکل نجاست نہیں ہے تو صورت مسئلہ میں نماز جنازہ شرعاً درست ہے

اسے واجب الاعادہ کہنا سراسر غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ بن مفتی عبد الستار صاحب مدظلہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۸/۱۱/۱۲ھ

خنثی مشکل کو صرف تیمم کرایا جاتے مسئلہ: خنثی مشکل کو غسل دیا جائے

یا نہیں؟

الجواب: اگر خنثی واقعاً مشکل ہو تو اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمم کرایا

جائے۔ وَيُتِمُّ الْخَنْثَى الْمَشْكُلَ لَوْ مُرَافِقًا

سنی شیعہ کو غسل کیسے دے

ہمارے یہاں ایک شیعہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے رشتہ دار
 از قسم عصبیات وغیرہ اہل سنت و الجماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

تو وہ اس کو کیسے غسل دیں۔ ۶۔ عبد الرشید مظفر گڑھ۔

الجواب
اگر اس شیعہ کے عقائد کفریہ تھے تو بہتر یہ ہے کہ اس کو اس کے ہم مذہبوں کے حوالے
کر دیں۔۔۔ اگر ایسی صورت نہ ہو سکے تو غسل اور کفن دفن کے آداب ملحوظ رکھے بغیر

اسے نہلا کے کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا دیں۔

وَيُغْفِرُ الْمُسْلِمَ وَيَكْفُرُ وَيُدْفِنُ قَرِيبَهُ كَخَالِهِ (الكافر الاصل)

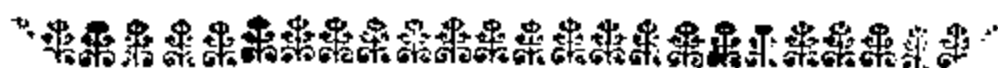
اما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب (عند الاحتياج) فلوله

قتريب فالاولى تركه لهم (من غير مراعاة السنة) فيفسله

غسل الثوب النجس ويلفه في خرقة ويلقيه في حفرة - اء

(در مختار علی الشامی، ج ۱ ص ۸۳۳)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد النور عفا الله عنه مفتي خيرة المدارس ملتان



قبے گرانہ ممنوع نہیں نیز ابن سعودؒ سے صراحتہ گرانے کا حکم دینا ثابت نہیں

زید نے کہا کہ ابن سعود حاکم حرمین دجال ہے اور ینید ہے اس لئے کہ اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور اماموں کے روضے اور قبریں گرا دیں۔ عمرو نے کہا کہ یہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اگر تو اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بغض و عناد سے ایسا کیا ہے تو وہ مجرم ہے ورنہ اس نے حدیث شریف پر عمل کیا ہے۔

» وعن ابی الصبیح الاسدی قال قال لی غلی الا ابغضک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالاً الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سقویتہ - (رواہ مسلعل) مشکوٰۃ ص ۱۳۰ -

دوسری کتاب » زینتہ الاسلام « میں حضرت حافظ محمد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ یہ بدعت ہے باب آپ فرمادیں کہ یہ قبریں گرانے کیسے ہے ؟

الجواب : قبور پر پختہ فرش اور گنبد بنانا ناجائز اور حرام ہے۔ بنانے والے اور جو اس فعل سے راضی ہوں گنگار ہیں اور آنحضرت علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

» قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یسبی علیہ وان یقعد علیہ «

جب گنبد بنانا اور قبہ جات تعمیر کرنا گناہ ٹھہرا تو اس گناہ کا ازالہ کرنے والے مستحق اجر ہوں گے نہ کہ مورد لعن لہذا ابن سعودؒ کو اس فعل کی بنا پر دجال کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

خود طے : نیز یہ بھی پوری طرح ثابت نہیں ہو سکا کہ ان قبہ جات کا گرانہ ابن سعودؒ کے حکم سے تھا۔ بلکہ بعض واقف حضرات کی رائے یہ ہے کہ زمانہ انقلاب میں جب کہ شریف حسینؒ پر ابن سعودؒ کا غلبہ ہوا تو بعض لوگوں نے ایام بلوی میں اس کا ارتکاب کیا تھا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

۱۴ - ۵ - ۱۳۴۰ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ

دعا رخصتہ القبر میں منج کدھر ہو زیارت قبر کا شرعی اور سنون طریقہ کیا ہے ؟ دعا کرتے وقت استقبال الی القبر اولیٰ ہے یا استقبال الی القبلة۔ اور دعا کرتے وقت استسقاء

الی القبر قبر کی بے ادبی نہیں ؟ محمد ادریس ادارہ تعلیم القرآن پشاور

الجواب

شرح " شرعہ الاسلام " میں ہے - قال فی الاحیاء والمستحب فی

زیارة القبور ان یقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه المیت الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت میت کی طرف متوجہ ہو کر قبلہ کی طرف بیٹھ کر کے کھڑا ہو۔ ہاتھ

اٹھانا دعا کے وقت ثابت نہیں۔ " فتاویٰ دارالعلوم ج ۲۵ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح

۲۵ / ۱ / ۱۳۹۹ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

لحد کتنی وسیع ہو لحد کتنی وسیع ہونی چاہئے ؟ بعض کہتے ہیں کہ اتنی ضروری ہے کہ میت اس میں بیٹھ سکے ۔ کیا یہ ضروری ہے ؟

الجواب

لحد کے بارے میں اسی قدر حکم ہے کہ وسیع اور فراخ ہو جس میں مردہ اچھی طرح ٹٹایا جائے

اور کوئی خاص تحدید لحد کے بارے میں وارد نہیں۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ لحد اس قدر اونچی ہو

کہ میت اس میں بیٹھ سکے یہ کچھ ضروری شرط نہیں۔ کما فی فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۳۷۶ - فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ

میت کو لحد میں کر وٹ دی جائے صرف رخ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں

یہاں ایک عورت فوت ہو گئی۔ جب اس کی میت کو لحد میں اتارنے لگے تو ایک بزرگ نے جو کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے مرحومہ کو پہلو کے بل اس طرح لٹوایا کہ اس کی کمر لحد سے لگ گئی۔ تو میت کو لحد میں کس طرح ٹٹانا چاہئے۔

الجواب

وفی الہندیۃ الفصل السادس ج ۱ ص ۸۵ ویوضع فی القبر علی

جنبہ الایمن مستقبل القبلة ۱۰ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ بزرگ موصوف نے میت

کیا اور آئندہ کے لئے بھی اسی طرح کرنا چاہئے اور عام رواج کو چھوڑ دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ————— بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۸ / ۶ / ۱۳۸۵ھ

دفن کے بعد تلقین کا حکم اور اس کے الفاظ

مراقی الفلاح، ص ۱۱ - تلقینہ بعد ما وضع فی القبر مشروع ونسب الی

اہل السنۃ والجماعۃ وقیل لا یلقن فی القبر ونسب الی المعتزلۃ -

مراقی الفلاح میں لکھا ہے - تلقین بعد دفن کے جائز ہے یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے اور معتزلہ اس کو ناجائز

سمجھتے ہیں - اور اس میں تلقین کا طریقہ بھی لکھا ہے - مراقی میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعد دفن کو مستحب سمجھتے تھے اور کرتے تھے - آپ اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں - نیز تلقین کے الفاظ بھی تحریر فرمائیں -

حافظ غلام حسین ، نواری گیٹ ملتان

اس تلقین کی صورت یہ ہے کہ لحد میں رکھنے کے بعد ایک صاحب (جو ذی علم ہو) میت کو مخاطب

الجواب

کرے کہ یوں کہے کہ " یا فلاں ابن فلاں یاد کر اس دین کو جس پر تو تھا - یعنی اس بات کی شہادت

کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں - اور یہ کہ جنت برحق ہے

اور جہنم کا عذاب حق ہے - اور موت کے بعد جی اٹھنا حق ہے - اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اور تمام قبروں والوں

کو اللہ تعالیٰ زندہ کریں گے - اور تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے نبی ہونے پر، قرآن پاک کے امام اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر اور تمام مومنین کے بھائی ہونے پر راضی تھا " -

طریقہ بالا سے تلقین (لحد میں رکھنے کے بعد) کے جواز میں کوئی کلام نہیں

البتہ اس طرح پر تلقین کرنا اولیٰ ہے یا نہ کرنا - اس میں فقہاء کرام ج کا اختلاف ہے بشرح منیہ

میں ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک نہ کرنا اولیٰ ہے اور حدیث لقنوا موتاکم مجاز پر محمول ہے - اور خبازیہ

اور کافی میں شیخ زاہد صفار سے تلقین کرنے کو راجح لکھا ہے - فقط واللہ اعلم (شامی ج ۱، ص ۴۹) -

بندہ محمد اسماعیل غفرلہ

نائب مفتی خیر الدار حسن ملتان

الجواب صحیح

بندہ محمد عبدالرشید عفا اللہ عنہ

لے شامی کی عبارت یہ ہے - (قوله ولا یلقن بعد تلحیدہ) ذکر فی العواجم انه ظاہر

الروایۃ ثم قال وفی الخبازیۃ والکافی عن الشیخ الزاہد الصفار انہ ہذا علی

قول المعتزلۃ لانہ الاحیاء بعد الموت عنہم مستحیل اما عند اہل السنۃ فالحدیث

بقیہ حاشیہ بر ۱۵۶

امانت دفن کرنے کے بعد بھی نکالنا جائز نہیں

زید کی لڑکی فوت ہو گئی۔ جس جگہ فوت ہوئی وہیں بطور امانت دفن کر دیا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عمر گزر چکا ہے۔ اب اسے نکال کر دوسری جگہ دفن کر سکتے ہیں ؟

اب مذکورہ لڑکی کو دوسری جگہ منتقل کرنا درست نہیں۔

الجواب

« ولا يخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمي - اه

(مشافحہ - ج ۱ - ص ۶۲۸)

اس امانت کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔ فقط واللہ اعلم
محرم محمد النور عفا اللہ عنہ



حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی

خطیب جامع مسجد مہتمم مدرسہ قادریہ

قبر کے گرد چار دیواری بنانا بھی مکروہ ہے

تلبہ، کامورجہ، ۱۷ مئی ۱۹۷۷ء کو انتقال ہو گیا۔ ان کے فرماں کے مطابق انہیں جامع مسجد کے احاطہ ہی میں دفن کیا گیا۔ مدفن کے تین اطراف میں قدیم عمارات کی دیواریں ہیں اور ایک طرف کھلی جگہ ہے اس کھلی جگہ میں ایک دیوار چار فٹ اونچی بطور پردہ تعمیر کر دی گئی۔ اب اس تعمیر میں اختلاف پڑ رہا ہے صحیح حکم شریعت سے مطلع فرمایا جائے۔

منجانب : اراکین اہلسنت والجماعۃ، تلبہ

فتاویٰ دارالعلوم، ج ۱، ص ۳۹۵ - ج ۵، ص ۴۰۶ پر ہے کہ قبر کے گرد چار دیواری بنانا مکروہ ہے۔ اور بصورت مسئلہ چار دیواری بنتی ہے اور شامی میں ہے

الجواب

« وعن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ

او نحو ذالک بما روی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم عن تحصیص القبور وان یکتب علیہا

وان یبنی علیہا رواہ مسلم وغیرہ - (شامی ج ۱ ص ۴۰۶) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — محمد النور عفا اللہ عنہ

خالی قبر میں غلہ بھرنا گناہ ہے میں نے کسی مولوی صاحب سے سنا ہے کہ اگر مرضِ سکتہ کی وجہ سے کوئی

مردہ معلوم ہو اور اس کے لئے قبر کھودی جائے، مردہ داخل بھی کر دیا گیا، پھر وہ مردہ زندہ ہو گیا تو اس قبر میں گندم یا چنا بھر کر بند کر دیں قبر کو خالی بند کرنا گناہ ہے کیا یہ صحیح ہے؟

ماسٹر اللہ وسایا نائب مدرس حصہ پرائمری خیر المدارس ملتان

الجواب

یہ بات غلط ہے کہ قبر کو خالی بند کرنا گناہ ہے۔ کوئی گناہ نہیں۔ ایسی صورت میں خالی ہی قبر کو بند کر دینا چاہیئے۔ غلہ وغیرہ اس میں بھر کر اسے بند کرنا اضاعت مال اور گناہ ہے۔

الجواب صحیح

فقطہ واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مردہ بچے کو کہاں دفن کیا جائے میرے گھر مردہ بچہ پیدا ہوا۔ ایک عالم کہتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کریں باہر کسی جگہ دفن کریں۔ اور دوسرے عالم

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں۔ آپ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

والا یستہل غسل وسمی وادر ج فی خرقۃ ودفن ولم یصل علیہ اھ (در مختار)

ونقل فی الشامیۃ والذی یقتضیہ مذهب اصحابنا انہ ان استبان

(بقیہ ماثیہ ص ۴۹)

ای لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ محمول علی حقیقتہ لان اللہ تعالیٰ یحییہ علی ما جاوت

بلہ الآثار وقد روی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام انہ امر بالتلقین بعد الدفن فیقول

یا فلان ابن فلان اذکودینک الذی کنت علیہ من شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ

وان الجنۃ حق والنار حق وان البعث حق وان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی

القبرود وانک رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً وبالقرآن

اماماً وبالکعبۃ قبلۃ وبالؤمنین اخواناً۔ اھ وقد اطال فی الفتح فی تأیید حل

موتاکم فی الحدیث علی حقیقتہ مع التوفیق بین الأدلۃ علی ان المیت یسمع اولاً

کما سیأتی ج ۱ - ص ۴۹ - محمد انور عفا اللہ عنہ

بعض خلقه فانه يحشر وهو قول الشعبي وابن سيرين اه وذكر
العلقی حدیث سمو اسقاطكم فانهم فوطيكم اه (شامیہ ج ۱ ص ۶۲۱)
مردہ بچہ کا دفن کیا جانا اور حشر کیا جانا عبارت بالاسے مصرح ہے۔ گویا اس مسئلہ میں فی الجملہ یہ زندہ بچے کے
حکم میں ہے اس لئے اسے قبرستان میں دفن کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں، قبرستان میں اسے دفن کیا جاسکتا ہے
کوئی دلیل اسکے خلاف ہو تو تحریر کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱ ۲۵ / ۱۱ / ۱۴۰۰ھ

قبر پر دعاء کرتے ہوئے رفع ایدی کا حکم
بعد دفن قبر پر دعاء مانگنے کے لئے قبر کے ارد گرد کھڑے ہونا
سنت ہے یا قبر کے ایک طرف ہٹ کر ؟

۱ ۲ دعاء مانگتے وقت ہاتھ اٹھانا کیسا ہے ؟

دو دنوں طرح جائز ہے اور ایک موقوف حدیث میں ”سول قبری“ کے الفاظ ہیں
جس سے ارد گرد کھڑے ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۲ : ہاتھ اٹھانے ہوں تو قبر سے ہٹ کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعاء کرے ورنہ بلا ہاتھ اٹھائے دعاء کرے۔
فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۲۲ میں ہے۔

”وفی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر
عبد اللہ ذی الجنادین الحدیث وذیہ لما فرغ من دفنه استقبل
القبلة رافعا یدیه اخرجہ ابن عوانة فی صحیحہ۔ (دارالعلوم ج ۵ ص ۴۵۵)۔
فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱ ۲۵ / ۱۱ / ۱۴۰۰ھ

قبروں پر کھانا پکا کر کھلانا جائز نہیں
دفن کے بعد قبہ پر کھانا پکا کر کھلاتے
ہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟

قبرستان عبرت کی جگہ ہے قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ وہاں دعوتوں
کا انتظام کرنا درست نہیں محض قبر کے پاس آگ جلانا بھی ممنوع ہے اس سے میت

کو تکلیف ہوتی ہے ۔

» و كان ينبغي أن لا يقرب الميت بشئ من اشر النار اصلاً لما ورد في

الحديث من انتهى من اتباع الميت بالنار فما بالك بها توقد عند القبر .

(المدخل : ج ۳ : ص ۲۷)

وبعكده اتخاذ الطعام الحاقوله ونقل الطعام الى القبر في المواسم

(شامی ج ۱ ص ۶۳) - فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

قبر پر چھڑکاؤ کرنے کا حکم ایک قبرستان میں دیکھا گیا کہ ایک میت کا رشتہ دار آیا اور اس

نے دو ڈبلے پانی کے بھرے اور ٹھنڈی کرنے کے لئے قبر پر چھڑکے۔ ایسا فعل کرنا کیسا ہے ؟ اگر ام الحق راولپنڈی -

مٹی جمانے کے لئے ہو تو گنجائش ہے ۔ ولابأس برش الماء علیہ حفظا
الجواب لتوابہ عن الاندراس - (شامی ج ۱ ص ۶۴) -

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ - ۱۳۹۹ھ
فقط واللہ اعلم

قبرستان میں جو قبریں بہت پرانی ہو جاتی ہیں اور مٹی سی بہت ہی پرانی قبریں نئی تدفین کا حکم جاتی ہیں ان میں از سر نو نئے مردہ کو دفن کرنا کیسا ہے ؟

اگر پہلا مردہ بوسیدہ و مٹی ہو گیا ہو تو نئی میت کو اس جگہ دفن کرنا جائز ہے ۔
الجواب » وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار شواجا جاز دفن غیرہ فی قبرہ

وزرعه والبناء علیہ - (شامی ج ۱ ص ۶۵) - فقط واللہ اعلم -

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

وقف قبرستان میں زندگی زید عمر رسیدہ ہے۔ اشتغالِ دنیوی بظاہر ختم کر کے اپنے
میں قبر بنوانے کا حکم آخری عمر گوشت نشینی میں طے کر رہا ہے۔ زید کی تمنائے کہ قبرستان
میں اپنی قبر خود تیار کر دے تاکہ وقت پر احباب کو تکلیف نہ ہو۔ تو ذہن میں کچھ اشکال سا ہے کہ شاید
جائز نہ ہو۔ تو برائے مہربانی اس کا حل فرمادیں۔ حاجی غلام قادر بیادلو پور

الجواب شامی میں تحریر ہے کہ اپنے لئے قبر بنوانا درست ہے بلکہ اس پر ثواب کی بھی امید
ہے۔ "یحفر مقبرا لنفسه الخ وفي التاتارخانیہ۔ لا بأس

به ويوجب عليه وهكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن
خيثم وغيرهما اه (شامیہ : ج ۱ - ص ۶۳۲) فقط واللہ اعلم
احقر محمد النور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس : ملتان

مٹی ڈالتے وقت قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے ایک شخص فوت ہو گیا اور دفن کرنے
کے لئے جب قبر میں اتارا، اور مٹی
ڈال رہے تھے تو بوجہ سیم زدہ ہونے اراضی کے، قبر بیٹھ گئی بشرع محمدی میں کیا حکم ہے۔ کہ دوسری
قبر کھود کر میت رکھی جائے یا اسی قبر کو پاٹ دیا جائے۔ قبر کھدالی تھی اور بیٹھی اس لئے کہ کھد کر نیچے جا رہی۔
تفصیل سے بیان فرمائیں۔

اگر مٹی ڈال چکے ہوں تو اسی قبر کو درست کر دیا جائے میت کو نہ نکالا جائے۔

الجواب "ولا يخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمي اه

(شامی : ج ۱ ص ۸۳۹) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۱۴ھ

لا وارث میت کو کہاں دفن کیا جائے ایک عورت کی نعش ملی ہے : یہ پتہ
نہیں کہ وہ عقیدے اور مذہب کے

لحاظ سے کیا تھی۔ کیا اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں ؟

الجواب

مذکورہ عورت کو جنازہ پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے

ولو وجد میت او قتیل فی دار الاسلام الصحیح انہ

یفسل ویدفن فی مقابر المسلمین لحصول غلبۃ الظن بکونہ

مسلمًا بدلالة المكان وہی دار الاسلام وفیہ وہل یعمل بدلیل

المكان وحده الصحیح انہ یعمل بہ لحصول غلبۃ الظن عنده

(بدائع : ج ۱ - ص ۳۰۳) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

محمد صدیق غفرلہ مدرس خیر المدارس ملتان

۹ - ۹ - ۹۲ھ ۱۳

ارض غیر میں بلا اجازت قبر بنالی جائے تو مسما کر نکاح حکم ایک جگہ جو سرکاری ملکیت ہے ،

وہاں لوگوں نے بلا اجازت قبریں بنالی

ہیں۔ ایک آخری قبر جس کے بارے میں یہ اطلاع ہے کہ وہ ۱۹۸۳ء میں بنائی گئی ہے جو کہ راستہ

میں نہیں آرہی مگر باقی جو قبریں ہیں ان کا کوئی وارث نہیں۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ

کن لوگوں کی ہیں ؟ کیا حکومت اس جگہ کو اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتی ہے یا نہیں ؟

جب یہ جگہ سرکاری ملکیت ہے اور قبریں بلا اجازت بنائی گئی ہیں تو حکومت زمین

ہموار کر کے اسے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتی ہے۔

الجواب

(ولا یخرج) منه بعد اہالة التراب (الا) لحق آدمی کا ان

تكون الارض منصوبۃ او اخذت بالشفعة) و یخیر المالك

بین اخراجه و مساواتہ بالارض کما جاز زرعه و البناء علیہ اذا

بلی و صادر ترابا (الثانیۃ ص ۶۶۲) فقط ، محمد انور

غلطی سے قبر بچتہ بنادی گئی تو کیا کیا جائے میں نے اپنے والد محترم کی تربت بوجہ شکستہ

ہونے کے بچی کر وادی - یعنی کچی قبر کے چاروں

طرف اینٹوں کا بند بنا کر باقی قبر پر پانی وغیرہ چھڑکنے کے بعد سمینٹ کر دیا تاکہ بارشیں یا کسی اور وجہ سے

گڑھانہ پڑے۔ لیکن حال ہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک معلوم ہوئی کہ قبر کو سنجتہ نہ بنایا جائے۔ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان ینبی علیہ وان یقعد علیہ۔ (مسلم، ج ۱، ص ۳۱۲ : مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۲۸)۔

قال الامام محمدؒ : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن تربیع القبور وتجصیصھا قال محمد بہ ناخذ وهو قول لب حنیفۃؒ۔

(کتاب الاثار الامام محمدؒ : ص ۹۶، ۹۷)۔

اس علم کے بعد مجھے اپنے اور اس سیمینٹ شدہ قبر کے بارے میں حکم مطلوب ہے۔

مفتی، محمد اشرف، ٹرانسپیرٹ جنرل فورمین۔

ڈومینر، ٹی۔ پی، الجبرج العربیۃ السعودیۃ

قبر کا زمین سے اونچائی والا حصہ کچا رکھنا چاہئے۔ لہذا اب اس حصہ سے سیمینٹ

اکھیر کر مضبوط کچی لپائی کر دی جائے۔ اس کے بعد چاہیں تو اس پر پتھر کی چھوٹی

چھوٹی کنکریاں ڈال دیں جس سے وہ جگہ بہت مضبوط ہو جائے گی۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

مزار مبارک کے بارے میں بھی ایسے ہی منقول ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

انجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا

نائب مفتی خیر المدارس، ۲۷ مارچ ۱۴۰۰ھ

گھر میں دفن کرنے کی وصیت درست نہیں اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں

ایک شخص مسی مولوی محمد یار سائل اللہ وصیت کرتا ہے کہ مجھے میرے اپنے مکانوں میں جب میرے
مرجاءوں تو دفن کرنا، گورستان میں مجھے نہ رکھنا۔ اس کے بیٹے کہتے ہیں کہ یہاں قبر بنانے کی ضرورت نہیں
ہے۔ بچے ڈریں گے۔ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے جہاں پہلے سے ہمارے مردہ دفن ہوتے
چلے آ رہے ہیں۔ اور یہاں پر ارد گرد بستی ہے۔ گورستان تو عام بن نہیں سکتا۔ اور بدعت بھی شروع
ہو جائے گی۔ اب طلب امر یہ ہے کہ شرعاً عام مسلمانوں کے گورستان میں دفن کر دیں تو گناہگار
تو نہیں ہوں گے؟

الجواب ایسی وصیت کرنا درست نہیں ہے اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں۔ عام قبرستان میں دفن کرنا سنون ہے۔

« ولا ينبغي أن يدفن الميت في الدار ولو كان صغيراً لاختصاص هذه السنة بالانبياء ورفقائهم ولا يدفن صغير ولا كبير في البيت الذي مات فيه فان ذلك خاص بالانبياء بل ينقل الى مقابر المسلمين - (شاحي ج ۱ ص ۸۳) - فقط والله اعلم

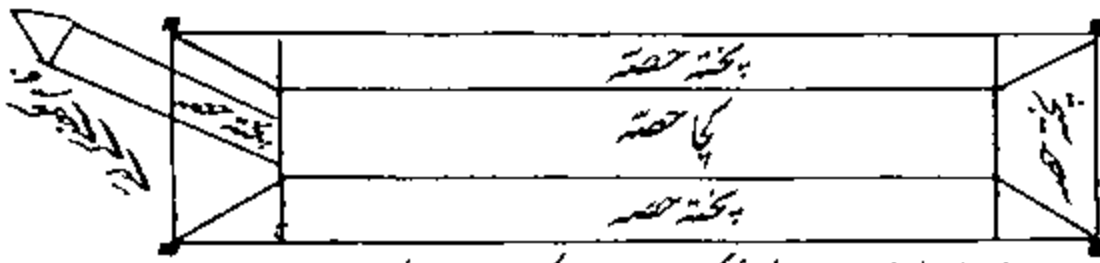
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸/۳/۱۴۰۴ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافکار

نیم پختہ قبر کا حکم اگر قبر کی چاروں طرف سے اینسٹوں کی پختہ چٹائی کی گئی ہو اور اوپر سے بارش وغیرہ کے زور سے پچانے کے لئے ایک دو باشت کنارہ پختہ کئے جائیں تو آیا ایسی قبر پر بھی حجی قبر ہونے کا اطلاق ہوتا ہے ؟



چاروں طرف سے اونچائی کی مٹ مار ایک اینسٹ ہے

الجواب مذکورہ صورت سلف کے عمل کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۴/۱۴۰۴ھ

قبر میں پیسے نہ جائیں تو نکالنے کے لئے نبش قبر کا حکم ملک اللہ دتہ کالڑ کا محمد اکرم فوت ہو گیا دفن کرتے ہوئے ملک اللہ دتہ کے

تقریباً ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) روپے قبر میں رہ گئے اور یقیناً علم ہے کہ وہ قبر میں رہے ہیں کیا اس عذر کے لئے قبر کھودنا جائز ہے ؟

الجواب

صورتِ مسئلہ میں قبر اکھاڑ کر وہ رقم نکالی جاسکتی ہے۔ قولہ ولا ینبش لیوجہ الیہا الخ ولوبقی فیہ متاع لا لسان فلا بأس

بالنبش اھ (شامی ج ۱ ص ۶۲۶) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ : ۲۷ / ۴ / ۱۳۹۷ھ



قبر پر اذان دینا بدعت ہے میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر کے اوپر اذان دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

قبر پر اذان دینا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ لہذا بدعت ہے۔

” وفي الاقتصار على ما ذكر من الورد إشارة الى

أنه لا یسن الاذان عند ادخال الميت فی قبره كما هو

المعتاد الا ان قد صرح ابن حجر في فتاواه بانہ

بدعة اھ۔ (شامی ج ۱ ص ۶۲۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ : ۱۲ / ۷ / ۱۳۹۳ھ



عام قبرستان میں تدفین بہتر ہے ایک آدمی نے تبلیغی مرکز کے لئے جگہ خریدی۔ اس میں کچھ جگہ مسجد کے لئے مخصوص کر دی کچھ رہائش گاہ

بنادی۔ اور کچھ جگہ اپنی قبر کے لئے مختص کر دی۔ کیا جگہ کی تعبیر درست ہے ؟

مذکورہ جگہ میں قبر بنانا درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ یہاں قبر نہ بنائی جائے۔

الجواب

عام قبرستان میں تدفین شریعت میں زیادہ پسندیدہ ہے۔ ونعم ما قیل۔

شاہوں کے مقبرے سے الگ کیچنور دفن ۷ ہم فقیروں کو گورِ غریباں پسند ہے

لا یدفن فی مدفن خاص كما یفعلہ من یبنی مدرستہ ونحوہا و

یبنی لہ بقربہا مدفنًا اھ (شامی ج ۱ ص ۶۲۶) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ : ۸ / ۷ / ۱۳۹۹ھ



الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

قبرستان کے راستہ پر چلنے کا حکم ۱ : ایک بستی سے ملحق ایک سو سال پرانا قبرستان ہے جس کے ایک حصہ میں قبروں کے نشان مہٹ چکے ہیں۔ اس جگہ

لوگ مویشی باندھتے ہیں اور راستہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اب بعض اہل دہ کا ارادہ ہے کہ قبرستان کو بے حرمتی سے بچایا جائے۔ اور قبرستان کے جس حصہ میں قبریں مٹی ہوئی ہیں ایک شاہراہ بنادی جائے اور باقی قبرستان کی بذریعہ فصیل حفاظت کی جائے۔ کیا قبرستان کی زمین کو ان لوگوں کے لئے شاہراہ بنانا جائز ہے ؟ قبرستان کافی پرانا ہے کبھی کبھار بارش کے موقع پر کچھ وغیرہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور کبھی ٹڈیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ لیکن میت صحیح حالت میں کبھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہ قبرستان پہلے دہ کے شاملات میں شمار ہوتا تھا۔ بندوبست جدید میں اس کو قبرستان کے نام منتقل کر دیا گیا ہے کسی مملوکہ نہیں ہے بعض لوگوں نے کچھ حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کیا یہ قبضہ درست ہے ؟

۲ : کیا قبرستان کے درخت بیج کر ان کی آمدنی سے قبرستان کی حفاظت کیلئے فصیل وغیرہ بنانا جائز ہے ؟
۳ : پرانے قبرستان کی زمین کو فروخت کر کے قبرستان کی مشترکہ ضروریات پر رقم استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

قبرستان کے کسی حصے کو راستہ بنانا درست نہیں۔ قبرستان میں جو راستہ بنایا جائے اس پر شرعاً چلنا درست نہیں ہے شامی میں ہے۔

الجواب

” ویکرہ المشی فی طریق ظن انه محدث حتی اذا لم یصل الی قبر الا بوطأ قبر ترکہ۔ (در مختار علی الشامی ج ۱۰ ص ۸۴۶)
اس حصہ کو بھی قبرستان کی چار دیواری میں شامل کیا جائے۔

” سئل القاضی الامام شمس الاکملہ محمود لا وزجندی عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرة۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۱)۔

۲ : سئل نجم الدین فی مقبرة فیها اشجار الخ قیل له فان تداعت حیطان المقبرة الی الخراب یصرف الیها او الی المسجد قال الی ماہی وقف علیہ۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۲)۔

مذکورہ جزئیہ سے معلوم ہوا کہ ان درختوں کو بیچ کر اس قبرستان پر صرف کرنا درست ہے۔

۳: اگر کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں تو فروخت کرنا درست نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳، ۲۴، ۱۳۹۹ھ

بہت نرم زمین میں پختہ قبر بنانا جائز ہے اگر زمین بہت نرم ہو اور پانی بھی بالکل قریب ہو تو کیا قبہ کے اندر کے حصہ میں پختہ

ایٹشیں اور سمنٹ لگانا جائز ہے؟

جائز ہے۔ وجاز ذالک حولہ بارضی رخواۃ کالتابوت اھ

(درمختار)۔ وفی الرد فی شرح قوله ذالک ای الاجر

اھ شامی (ج ۱ ص ۸۳۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۴، ۱۲، ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اپنی مملوکہ زمین میں قبر بنوانے کا حکم اپنی ملکیت میں اپنی حیات میں قبر تیار کروانا درست ہے یا نہیں؟

جائز ہے۔ وفی رد المحتار وفی التا قار خانۃ لا بائس

بلہ ویؤجر علیہ ہکذا عمل عمر بن عبد العزیز

والربیع بن خثیم وغیرہما اھ۔ (ج ۱ ص ۸۴۵)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۴، ۱۲، ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تدفین مکمل ہو جانے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے ایک عورت کی قبر دفن کرتے وقت بیٹھ گئی۔ کیا اس عورت کو نکال

کر دوسری قبر تیار کر کے دفن کر سکتے ہیں یا اسی طرح مٹی ڈال دیں۔ اگر دفن کرنے کے بعد مٹی بھی برابر کر دی

پھر قبر بیٹھ گئی تو کیا حکم ہے۔ ان احکام میں عورت اور مرد کا ایک ہی حکم ہے یا فرق ہے ؟
 اگر نصف مٹی ڈالنے پر قبر بیٹھ گئی تو اختیار ہے۔ چاہے دوسری جگہ قبر بنالی جائے چاہے
 اسی کو درست کر لیا جائے۔ اور اگر قبر تیار ہو جانے کے بعد گدی ہے تو اب اوپر سے
 مٹی درست کر دی جائے میت کو نہ نکالا جائے۔ کیونکہ دفن کے بعد اس وجہ سے میت کو نکالنا درست
 نہیں۔ ولا یخرب منہ بعد اہالة التراب الا لحق آدمی ۱۱ (رشائی ج ۱ ص ۸۳۹)
 وکذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱ ج ۵ ص ۳۸۷۔ اور مرد و عورت کی قبر کا حکم
 اس بارے میں یکساں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
 ۴ / ۴ / ۱۳۹۸ ھ

الجواب صحیح
 محمد صدیق غفرلہ

میت کو لکڑی کے تابوت میں رکھنے کا حکم
 لکڑی کے صندوق میں میت کھنی جائز ہے یا نہیں؟
 قبر کے اندر پکی اینٹ لگانا جائز ہے یا نہیں؟
 اگر زمین بہت نرم ہو تو بوجہ ضرورت تابوت کا استعمال درست ہے اور بلا حاجت
 مکروہ ہے۔

ولا بأس باتخاذ تابوت ولومن حجر او حديد عند الحاجة
 كرخاوة الارض (درمختار) بیرخص ذالک عند الحاجة و
 الا کره كما قدمناه انفاً ۱۱ (رشائی ج ۱ ص ۶۲۵)۔
 جس عذر سے تابوت جائز ہے اسی عذر کے وقت پختہ اینٹ کا استعمال بھی درست ہے بہتر
 پھر بھی یہی ہے کہ اندر لکڑی ہو۔ ارد گرد پختہ اینٹ لگا سکتے ہیں۔
 ” قال مشائخ بخارا لا يكره الأجوف في بلدتنا للحاجة اليه لضعف الارض (شامی ج ۱ ص ۶۲۵)۔“

فقط واللہ اعلم ۱ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰ / ۱۰ / ۱۳۹۸ ھ

ضرورت کی وجہ سے قبر پختہ بنانے کا حکم
 ہمارے علاقہ میں سیم اچکی ہے۔ جب قبر نکالتے
 ہیں تو پانی نکل آتا ہے لحد بھی نہیں نکلتی۔ لوگ پختہ

قبریں بنا رہے ہیں اس معاملہ میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

الجواب : جب کچی قبر کسی طرح نہ ٹھہرتی ہو تو پختہ بنانے کی بھی گنجائش ہے لہذا زیادہ تشدد نہ کریں۔
 قال مشايخ بخارا لا يكره الأجر في بلد متما للحاجة اليه

لضعف الاراضى . الف . (شامی ج ۱ ص ۸۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

یکم جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روضہ اطہر میں تدفین سے منع کی وجہ

بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۶۔ کتاب الجنائز کے اندر ایک حدیث ہے جس پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا میں انہیں پاک نہیں سمجھتی، کیا یہ شیعوں کا اعتراض صحیح ہے ؟

الف : مذکورہ حدیث سوال میں صحیح نقل نہیں کی گئی۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔ لا تدفنی

معہ وادفنی مع صواحبی بالبقیع لا اذکی بلہ ابدًا۔

ب : حدیث پاک کا ترجمہ بھی غلط ہے۔ بلکہ تحریف ہے۔ حدیث پاک میں کون لفظ ایسا نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو کہ میں انہیں پاک نہیں سمجھتی۔ ”عمدة القاری شرح صحیح بخاری شریف میں تصریح ہے کہ ”لا اذکی“ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہیں۔ ”ای لا یشتی علیٰ لبسہ“ عمدة القاری ج ۸ ص ۲۲۸)۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو اضعاف فرمایا کہ اگر میں روضہ اقدس علیٰ صاحبہا الف الف التحیۃ والسلام میں دفن کی جاؤں تو اس تدفین کی وجہ سے لوگ میری تعریف و ثناء بیان کریں گے کہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا وہ مقام نہ تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ کو روضہ پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دفن کیا گیا ہے اور دیگر ازواج مطہراتؓ کو جنت البقیع یا دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ میں اپنی یہ تعریف نہیں چاہتی۔ اس لئے روضہ پاک میں حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہما اور حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہما کے ساتھ مجھے دفن نہ کیا جائے۔ جنت البقیع میں دیگر

از دارج مطہرات رضہ کے ساتھ دفن کیا جائے ۔

” قال ابن بطال فيه معنى التواضع كرهت عائشة أن يقال

انها مدفونة مع النبي صلى الله عليه وسلم فيكون في ذلك تعظيما لها۔ (عمدة القاري ج ۸ ص ۲۲۸)۔

نیز عمدة القاری میں تکرار لایں الابد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ کا یہ فرمانا کہ مجھے حضور علیہ السلام، حضرت ابو بکر صدیق رضہ، اور حضرت عمر رضہ کے ساتھ دفن نہ کرنا، اس کی وجہ بھی ایک فرمان نبوی تھا۔ روضہ اقدس میں جن جن حضرات کا دفن ہونا مقدر تھا ان کی تعیین خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی تھی۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قلت للنبي صلى الله عليه وسلم

ان لا اراك الا ساكون بعدك فتأذن لي ان ادفن الى جانبك

قال وان لك ذلك الموضع صافيه الا تخبري وقبري بكرة

وعمره وفيه عيسى بن مريم عليه السلام۔ (ج ۸ ص ۲۲۸ عمدة القاري)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ابتداء روضہ پاک میں تدفین کی خواہش

تھی لیکن مفہوم نبوی اور تواضع کے پیش نظر وہاں تدفین سے منع فرمایا۔ اسی اصل۔ ”میں نہیں پاک نہیں سمجھتی“

یہ حدیث کا مفہوم نہیں بلکہ بغض صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لبریز کسی دشمن اسلام کے ذہن کی پیداوار ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹/۱۱/۱۴۰۸ھ

الحجاب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبر پر دعاء کھڑے ہو کر کی جائے یا بیٹھ کر بعد دفن میت، کھڑے ہو کر دعاء کرنا کیسے سنون ہے

استغفار اور دعاء کرنے کا سنون طریقہ کیا ہے؟

برق یدین یا بلا رفع یدین۔ جواز یا عدم جواز کا سوال نہیں بلکہ سنون طریقہ بتائیں کیسے ہے۔

اصل یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دعاء کی جائے۔

الجواب

” والسنة زیارتها قائما والدعاء عندها قائما کما

كان يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخروج الى البقيع۔

(مراقری، ص ۳۴)

یہ محض دعاء کے لئے ہے۔ اور اگر وہاں کچھ دیر ٹھہرنا ہو، جیسا کہ حدیث شریف سے اس کا انتخاب معلوم ہوتا ہے تو پھر بیٹھ بھی سکتا ہے۔

” کما فی الدر المختار وجلس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة
بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه وقف الشامية لما فی
سنن ابی داؤد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن
المیت وقف علی قبره وقال استغفروا لایحیکم واسئلوا اللہ له
التثبیت فانہ الاذن یسئل اھ۔

وكان ابن عمر یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورة
البقرة وخاتمتها اھ (شامی ج ۱ ص ۶۰۱)۔

اور طحاوی و مراقی میں بھی اس جلوس کی بایں الفاظ تعلیل کی ہے۔

” ویستحب للزائر قراءة لیس (مراقی) وفي الطحاوی بعد ان
یقعد لتادیة القرآن علی الوجه المطلوب بالسکينة والتدبر
ولا تعاضل اھ (ص ۳۲۱)۔

اور یہ دعاء استقبال قبلہ کی صورت میں بشرطیکہ قبر سامنے نہ ہو تو رفع یدین کے ساتھ کر سکتا
ہے۔ ورنہ بغیر رفع یدین ہی دعاء کرے۔ اور رفع یدین کے ساتھ دعاء کرنے والے سے الجھنا بھی نہیں
چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ



قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں ایک صحیح العقیدہ آدمی قبر سے اس واسطے غلاف
اٹھا کر جلا دیتا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنے

والے سپند آدمی ہیں جو اٹھانے والے کے ساتھ تھے۔ آپ ہر ایک کا شرعی حکم صادر فرمائیں۔ اگر کوئی
شرعیت میں سزا وغیرہ ہو تو۔

قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں۔ لیکن امر بالمعروف بالیہ صاحب اقتدار

لوگوں کے لئے ہے۔ عالمگیریہ میں ہے۔

الحاج

” یقال الامر بالمعروف بالید علی الامراء و باللسان علی العلماء

و بالقلب لعوام الناس الخ (ج ۲ - ص ۱۱۱)۔

قبر پر غلاف ڈالنے سے مالک کی ملک نفع نہیں ہوتی۔ لہذا اتارنے والے پر ضمان آئے گی۔ پھر اگر جلائے والے کے حکم سے اتارا تھا اور اتارنے کے بعد اس کے سپرد کر دیا۔ تو اسے جلائے والے پر جبر کا حق ہے۔ عالمگیری میں یہ ہے۔

” قال قاضی خان الفتوی علی انہ الاخذ ضامن علی کل حال ثم

ھل یرجع بذالک علی الامر ان کان دفع الماخوذ لی الامر

یرجع الخ (ج ۳، ص ۶۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۵/۱۱/۱۴۰۳ھ

اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو اتنے پیسے اس کی طرف سے صدقہ کر دیئے جائیں۔

واجوب صحیح

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ : ۲۶/۱۱/۱۴۰۳ھ



قبر پر کتبہ لگانا قبر کو بچتہ بنانے کی ممانعت تو عام طور پر سنی پڑھی گئی ہے۔ اب یہ فرمائیں کہ قبر کو قائم رکھنے کے لئے کبھی کبھی مٹی کی لپائی لگا دی جائے تاکہ

کبھی خود اور کبھی رشتہ دار جو ہمارے پاس آتے ہیں فاتحہ خوانی کے لئے دہاں جانا چاہیں تو تھوڑے نشان کے لئے پتھر کی سل لگا دی جائے جس پر متونی کا نام لکھا ہوا ہو۔ قرآن و حدیث کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟

۲ : بڑے بڑے اولیاء کرام کی قبریں تمام تر بچتہ میں یا اگر کچی ہیں تو ان کے اوپر بڑا سا گنبد بچتہ بنا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی اظہار خیال فرمائیں۔

ضرورت ہو تو قبر کی حفاظت کے لئے لپائی کرنا اور کتبہ لگانا درست ہے۔

الجواب

کتبہ پر آیات قرآنی وغیرہ مت لکھیں۔ نیز قبر سے قدرے ہٹ کر لگائیں۔

” اخرج ابوداؤد باسناد حید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل حجراً فوضعه

عند رأس عثمان بن مظعون وقال اَلْعِلْمُ بِقَبْرِ اخِي و ادفن الیہ من مات من اہلی

فان الکتبۃ طریق^{الی} تعرف القبر بہما۔ (شامی ج ۱ - ص ۸۳۹)۔

۲۔ شریعت کے تو خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الحق محمد النور عفا اللہ عنہ ۱۰/۶/۱۴۰۴ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ (مثلاً قبور وغیرہ) کو سجدہ تعظیمی کرنا جائز ہے۔ کیا یہ جائز ہے یا نہ۔ اور اگر جائز

قبر کو سجدہ کرنا سخت حرام ہے

نہیں تو جائز کہنے والوں کا کیا حکم ہے۔

بوسہ دینا قبورِ اولیاء و دیگر صلحاء و عظام کو، اور طواف کرنا قبر کے گرد، اور تعظیماً سجدہ

الجواب

کرنا، یہ سب عادات نصاریٰ و طریقہ پرستش کفار ہے۔ حضرت علامہ ملا علی قاری

رحمہ اللہ۔ اپنی کتاب شرح مناسک میں باب زیارت مزار پُر انوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں۔

” لا یطوف ای لا یدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من

مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء والا ولیاء

ولا عبدة لما یفعله الجہلۃ الی ان قال واما السجدة فلا

شک انها حرام۔ عزیز الفتاویٰ ج ۱- ص ۱۰)۔

قال اللہ تعالیٰ ”لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ

الذی خلقھن“ الایۃ۔ (۲۲)۔ وقال تعالیٰ وان المساجد للہ الا

(سورۃ جن)۔

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے

کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حیرہ گیا۔

میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ پس آپ اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو

سجدہ کیا جائے۔

۲۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا

تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں اھ (مشکوٰۃ ج ۲- ص ۲۸۲)۔

الحاصل اس آیت شریفہ حدیث صحیح اور اجماع امت سے سجدہ تعظیمی کا عدم جواز ثابت ہے۔

شق کے الفاظ ملتے ہیں مگر یہ متنازع فیہ نہیں بلکہ اولاً مذکورہ اور ائمہ لغت کی تصریحات سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ اس کے برعکس یہ ہے کہ دفن کی حقیقت ”ستر“ اور ”مواراة بالتراب“ ہے۔ حفر حقیقی ہو یا نہ ہو، دفن کا معنی ائمہ لغت نے حفر وجعل الميت فی الحفيرة یا اس کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ سے نہیں لکھا بلکہ اس مادہ کے کسی لفظ کا ترجمہ مادہ حفر کے کسی لفظ کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ستر مواراة غیب و بہت جیسے الفاظ سے ان کی تفسیر و شرح کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقت دفن مواراة اور ستر ہے اور حفر اس کے لئے شرط نہیں ہے۔ علامہ محمد الدین فیروز آبادی اپنی معتمد کتاب ”قاموس“ میں لکھتے ہیں کہ

دفنه يدفنه ستره و واریاه و ادفن العبد کافضل ابق قبل
وصول المصر و تدافنوا تکاتموا و رجل دفن خامل۔

(ج ۲ - ص ۸۷۵ - نو لکشور)

صریح میں ہے کہ ”دفن در خاک پنہاں کر دن تدافن پنہاں شدن“ (ج ۱ - ص ۳۶۴)۔
ایسے چشے کو جو آندھی چلنے کی وجہ سے مٹی میں دب گیا ہو منھل دفن و دفان کہا جاتا ہے دفن کے حقیقی معانی بیان کرتے ہوئے صاحب ”اساس البلاغہ“ لکھتے ہیں کہ۔

منھل دفن و دفان سفت الريح فيه التراب فی الدفن الخ (ص ۱۸۰)
اس میں مصرح ہے کہ خارج سے لائی گئی مٹی میں دب جانے والی چیز کو بھی مدفون کہا جاتا ہے۔ اور
اس میں حفر ضروری نہیں۔ ”قاموس“ میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔
نہایت میں علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ۔

الداء الدفين الحـ المستتر الذي قهرته الطبيعة
دفن کے علاوہ دوسرا لفظ قبر کا ہے۔ ائمہ لغت کی تصریح کے مطابق اس میں بھی حفر ضروری نہیں معلوم
ہوتا۔ ”صاحب قاموس“ لکھتے ہیں۔

القبر مدفون الانسان (ولو يفسره بالحفيرة ناقل) قبره دفنه۔

(ص ۳۱۵ ج ۱)

اور دفن میں حفر شرط نہیں ہے۔ جیسے پہلے بیان ہوا۔

وقول ابن عباس رضي الله تعالى عنهما اُتاه اُمّ
وضعتہ فی جلد تو مضممتہ لا شق فیہا ولا ثقب

فَقَالَتْ قَابِلَتَهُ هَذِهِ سُلْعَةٌ لَيْسَ فِيهَا وَلَكِنْ فَقَالَتْ أُمُّهُ بَلْ فِيهَا

وَلَدٌ وَهُوَ مَقْبُورٌ فِيهَا فَشَقَّوْا عَنْهُ فَاسْتَمَلُوا - (قاموس: ج ۱۶)

جھل میں پیٹے ہوئے بچے پر عرب العربا کے استعمال میں مقبور کا اطلاق ہمارے مدعا پر واضح دلائل کر رہا ہے کہ مقبور ہونے کے لئے سخر شرط نہیں۔ ستر و مغیب بالصفة المخصوصہ ہونا کافی ہے۔ لغت کے علاوہ قرآن و حدیث اور فقہ سے بھی یہی امر مستنبط ہوتا ہے کہ دفن میت سے اصل مقصود مواراة ہے۔ جس کے لئے بالفعل کسیوں کے ساتھ گڑھا کھودنا ضروری نہیں بلکہ گڑھے کی صورت بھی کافی ہو سکتی ہے خواہ یہ پہلے موجود ہو یا مٹی کو ارد گرد جمع کر کے ایسی صورت بنائی جائے یا گڑھا کھودنے سے یہ شکل بن جائے قرآن کریم میں ہے۔

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحِثُ فِي الْأَرْضِ لِيَرِيهِ كَيْفَ يَوَارِي
سَوَاءَ أَخِيهِ الْآيَةُ -

آیت کے آخری ٹکڑے میں مذکور ہے۔ دفن میت سے مقصود مواراة نعش ہے۔

۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعش البوطاب کے بارے میں حکم دیا تھا۔ "فوارہ"۔ بخاری شریف میں صیغہ ہذا مقصد دفن کی طرف مشعر ہے۔ فقہار نے اسی حدیث کے پیش نظر لکھا ہے کہ۔

يُفْسَلُ الْمُسْلِمُ وَيُكْفَنُ وَيُدْفَنُ قَرِيبَهُ الْكَافِرُ الْأَصْلَى مِنْ

غَيْرِ مَرَاعَاةٍ لِلْسَّنَةِ - (تنویر)۔

معلوم ہوا کہ مواراة دفن ہے لیکن غیر سنون ہے۔

۳: علامہ عینی رح شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ۔

فَصَلَّ فِي الدَّفْنِ الْمَقْصُودُ مِنْهُ سِتْرٌ سَوَاءٌ الْمَيْتُ وَالْيَهُ الْإِشَارَةُ

فِي قَوْلِهِ تَعَالَى فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا - الخ

(ج ۱- ص ۱۲۰- حکما فی الرسالة المطبوعة، ص ۲۶)۔

۴: علامہ نخعی رح فرماتے ہیں کہ۔ اما الدفن انما يتم باهالة القراب -

۵: گڑھا کھودنا اور گہرا کرنا فی حد ذاتہ مقصود نہیں بلکہ اس سے اصل مقصود لاش کی بدبو روکنا اور

اسے دزدوں سے محفوظ کرنا ہے۔ علامہ شامی رح فرماتے ہیں۔

وهذا احد العمق و المقصود منه المبالغة في منع الرأفة

ونبش السباع - (ج ۱ - ص ۸۳۵) -

مندرجہ بالا عبارت اپنے مفہوم و منشاء کے اعتبار سے کسی تفسیر کی محتاج نہیں ہے سب کا مشترکہ مفہوم یہ ہے کہ مٹی میں نعش انسانی کو اس طرح سے چھپا دینا کہ زندے اس کو نہ اٹھاڑ سکیں اور اس کا نعش اور بدبو لوگوں تک نہ پہنچے۔ دفن ہے۔ اور اس سے یہی مقصود ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرات مفسرین کی چند عبارتیں لکھی جاتی ہیں۔
_____ علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔

”ثم امانته فاقبره“ ای جعل له قبرا یوارى فيه اكراما

ولم يجعله مما یلقى علی وجه الارض تأكله الطیر والعوا فی قاله

القرآن۔ (ج ۱۹ - ص ۲۱۹) -

_____ روح المعانی میں ہے۔

”جعل له ذاقبر توارى فيه حیفته تکرمة له لم یجعلہ مطروحا

علی الارض یستقذره من یواہ و تقسم السباع والطیر“

(عیم ص ۴۳)

_____ تفسیر جلالین و حمل میں ہے۔

”وجعله فی قبر یستره ای ولم یجعلہ مما یلقى للطیر والسباع“

(پارہ عم)۔

قر کی صفت توارى فیہ حیفته یہ وصف دال علی العلیت ہے۔ نیز اس کا مقابل ولم یجعلہ مما یلقى علی وجه الارض کو ٹھہرایا۔ یہ مجموعہ دلالت علی المقصود کے بارے میں بالکل صریح ہے۔ تحقق دفن کے لئے جیسے حضر ضروری نہیں ہے ایسے ہی کد حقیقی جو گرٹھا کھود کر اس کے اندر کھودی گئی ہو یا شق حقیقی ضروری معلوم نہیں ہوتی بوجہ ذیل

_____ الف : نعش کا فر کو بدون کد و شق کے گرٹھے میں دبائے کا حکم ہے۔ فقہار نے اس پر

لفظ دفن کا اطلاق کیا ہے۔ جیسا کہ بحوالہ تنویر پہلے ذکر ہوا۔

ب : بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں نے وصیت فرمائی تھی کہ کھد و شق بنانے بغیر ہمیں ویسے ہی مٹی میں دبا دیا جائے۔

» و اوصی کثیر من الصحابة ان یومسوا فی التراب من غیر لحد ولا شق قال لیس احد جنبی اوط بالتراب من الآخر و یوق وجهہ التراب بلبنتین او شلالت۔“ (خطاوی ۱ ص ۳۳۳)۔ فتح القدیر و کبریٰ۔

اگر کھد و شق دفن کے لئے ضروری ہوتی تو یہ حضرات ایسی باطل وصیت فرما کر لوگوں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا کیسے سبب بن سکتے تھے۔ نیز یہ ممکن نہیں کہ ان حضرات کو تا حال غیر مدفون قرار دیا جائے۔ اور یہ تسلیم کرنا نہایت مشکل ہے کہ ان حضرات کو مسائل شرعیہ اور ان کے حقائق کے فہم سے (العیاذ باللہ) بالکل عاری سمجھا جائے۔

ج : علامہ ابن الہمام نقل فرماتے ہیں۔

» بل ذکر لی ان بعض الارضین من الرمال یسکنها بعض الاعراب لا یتحقق فیہ الشق ایضا بل یوضع میت ویہمال علیہ نفسہ“ (ص ۲۹۹)۔ نوکشوری۔ علامہ موصوف نے اس پر کوئی نکتہ نہیں فرمائی۔

د : فساقی میں دفن کرنے کو فقہاء نے دفن ہی قرار دیا ہے۔ گو مکروہ لکھا ہے۔ حالانکہ نہ اس میں کھد نہ شق ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل دفن کے تحقق کے لئے یہ دونوں ضروری نہیں۔ البتہ دفن سے معروف و سنون کے لئے اس کی حاجت ہے۔ تفصیل بالا سے امور ذیل محقق ہوئے۔

۱ : دفن کی حقیقت ستر و مواراة محفوظہ و مخصوصہ اور حفرا اس کی حقیقت میں داخل نہیں۔
۲ : دفن سے مقصود اعزاز اور حفاظت لغش انسانی ہے۔ تاکہ دیگر حیوانات کی طرح نظروں کے سامنے نکلتی اسڑتی اور نکلتی نہ رہے۔

۳ : دفن کی حقیقت میں کھد حقیقی، شق حقیقی داخل نہیں پس حقائق بالا کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت قدس سرہ کی لغش مبارک کو سپرد خاک کرنے کی جو تفصیل صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے اس سے بلاشبہ تدفین محقق ہو گئی ہے۔ اور اس پر دفن کے احکام جاری ہوں گے۔ کیوں کہ مواراة جسد علی وجه الاقم پائی گئی اور منشاء تشریع بھی پورا ہو گیا۔ تحقق دفن کے لئے حفرا یا شق حقیقی درجہ بشرط میں

نہیں۔ کما تر۔ چنانچہ قبل ازیں مطبوعہ رسالہ کے مطابق پاک و ہند کے معتد ترین دارالافتاء اور اکابر بھی اسے تدفین قرار دے چکے ہیں۔ پس صورت مسئلہ میں مزار شریف کو دوبارہ کھولنا ہرگز جائز نہیں۔ اور اس پربش کے احکام جاری ہوں گے۔

تتمہ : واضح رہے۔ و مفادہ انہ لا یجوزی دفنہ علی وجہ الارض اس کے خلاف نہیں۔ اولاً : اس لئے کہ یہ علامہ شامی رحمہ اللہ کا استنباط ہے۔ کتب حنفیہ میں صریحاً یہ جزئیہ کہیں مذکور نہیں۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ اور مفادہ کا لفظ بھی اس طرف مشعر ہے۔

ثانیاً : اس لئے کہ دلائل بالاکی بنا پر اس کی تاویل ضروری ہے۔ لا یجوزی دفنہ علی الوجه المسنون والمتوارث جمعا بین الادلة۔

ثالثاً : بر تقدیر تسلیم ظاہر جواب یہ ہے کہ متنازع صورت کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ زیر بحث صورت میں تابوت کے ارد گرد دیوار بنا کر ڈاٹ لگائی گئی ہے۔ پھر اس کے چاروں طرف دور تک پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر اسے سطح مسجد کے برابر کر دیا گیا ہے اور اس کے اوپر کچی قبر کا نشان بنا دیا گیا۔ مانعہ مطبوعہ رسالہ۔

اب سنا ہے کہ اس صحن کو مزید وسیع کرتے ہوئے ارد گرد مزید مٹی ڈال کر دیں پر مدرسہ کی تعمیر ہو گئی ہے۔ اس سے یہ ساری سطح زمین بلند ہو گئی ہے جس کے ایک حصہ میں گویا کہ بصورت شق تابوت مدفون ہے۔ اور جزئیہ میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ قطعاً اس سے مختلف ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ لاشیں زمین پر رکھ کر ارد گرد انٹیس لگادی جائیں جس سے قبر کی سی صورت بن جائے۔ اور اسے گہرائی میں چھپا یا نہ جائے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے منشاء تشریع اور مقصود تدفین حاصل نہیں ہو سکتا۔ انٹوں کے اکھڑنے اور حشرات الارض کے سوراخ وغیرہ کی صورتوں میں لعش کی بدبو پھیلنے اور لقمہ حیوانات بن جانے کا احتمال بعید از قیاس نہیں اور پختہ اور چونا گج کرنا جزئیہ میں مذکور نہیں۔ اور کیا یہ چیزیں ہر ایک کو سب میسر ہو سکتی ہیں؟ اور اسلامی سادگی کی خلاف ورزی تو ظاہر ہے۔ الغرض صورت زیر بحث کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا غلط ہے۔ زیر بحث صورت میں منشاء تشریع دفن کی تکمیل ظاہر ہے اور جزئیہ کی صورت میں یہ منشاء پورا نہیں ہوتا اور اس طرح فرمان نبوی

احفروا و اعمقوا و احسنوا و ادفنوا الاثنین و ثلاثہ فی قبر واحد

وقدموا احسنهم قدراً

سے بھی اشتراطِ حفر پر استدلال کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ اگر یہ استدلال صیغہ امر سے ہے تو تقدیم احسن قرآن بھی اسی طرح فرض اور شرط ہوگی اور اس کے بغیر دفن کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ حالانکہ اس کا التزام درست نہیں۔ اور اگر استدلال کسی خارجی مقدمہ پر مبنی ہے تو جواب اس کے معلوم ہونے پر دیا جاسکتا ہے۔ نیز بعض حضرات کو ”بحث فی الارض“ سے یہ شبہ ہو گیا ہے، یہ شبہ بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی تفسیر میں دو احتمال ہیں کہ یہ بحث بغرض حفر تھا تاکہ اس میں کوئے کو رکھ کر دبایا جاسکے۔ اور احتمال ثانی یہ ہے کہ بحث بغرض ستر اور مولات تھا۔ یعنی کوئی پنچوں کے ذریعہ مٹی ڈال ڈال کر غراب میت کو دفن کر دے۔

احتمال ثانی اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس میں تعلیل حذف ہے اور یہ عادات غراب سے شبہ ہے۔ اس لئے علامہ سیوطی نے اس تفسیر کو خستیا کر کیا ہے فرماتے ہیں۔

” یبحث فی الارض بنش التراب بمنقار ورجلیہ ویشیر علی

غراب اخر میت حتی واراہ “ (جلد لین شریف)۔

تفسیر ہذا کی بنا پر سقوطِ استدلال ظاہر ہے۔ اور اس کی تائید ایک دوسری تفسیر سے ہوتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ غراب دوسرے غراب میت پر مٹی نہیں ڈالتا تھا۔ بلکہ ہابیل کی نقش پر کرید کرید کر مٹی ڈال رہا تھا تاکہ دفن کی تعلیم کرے۔

” وقال الاصل لما قتله وتركه بحث الله غرابا يحثو التراب

على المقتول “ (ج ۳ - ص ۳۹۴)۔

اور احتمال اول بھی ہمارے لئے مضر نہیں۔ اولاً۔ اس لئے کہ یہ مقصود نہ تھا۔ جیسا کہ آیت میں مذکور ہے۔ لیرئہ کیف یواری۔ اس کی ایک صورت حفر بھی ہے۔ پس حفر کی فرضیت اور تعین ثابت نہیں ہوگی۔ الحاصل آیت زیادہ سے زیادہ مفید حفر ہے مفید حصر نہیں۔ پس ثابت میں نزاع نہیں ہے۔ اور متنازع فیہ ثابت نہیں۔

ثانیاً۔ آیت کی تفسیریں گویا مختلف ہیں۔ لیکن ان کا معنی متحد ہونا ضروری ہے۔ تاکہ مراد خداوندی میں تخالف لازم نہ آئے۔ جب کہ مسئلہ دفن امت کے مابین مختلف فیہ نہیں۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ احتمال اول حفر کو فرضیت اور تعین کے لئے نہ لیا جائے۔ اور یہی اوفق لعموم العلة

ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تقریباً نو سال حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رانی پوری قدس سرہ کی وفات کو ہو چکے ہیں۔ اور ان کی لُغش مبارک کو تابوت میں رکھ کر اس کے چار طرف نیچے اوپر کی اینٹیں لگا کر قبر کے ارد گرد ۲۸ فٹ لمبا، اٹھائیس فٹ چوڑا، اور پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر چبوترہ بنایا گیا ہے۔ جس کی بنا پر با یقین یہ صادق آتا ہے کہ حصل الدفن یعنی مواراة المیت حق التراب دفن کا معنی اور مقصد یہی ہے۔ محض کچھ دفن کی کسٹوں شکلیں ہیں۔ نفس دفن ان پر موقوف نہیں۔ جیسا کہ مفتی صاحب نے جواب میں واضح فرمایا ہے۔ لہذا دفن کے تحقق کے بعد اگر وہ خلاف سنت بھی ہو چکا ہو تبش حرام ہوگا۔ بناؤ علیہ اب ضروری ہے کہ حضرت رانی پوری ج کے مریدین اور متوسلین اور خدام تمام محنت و سعی کو حضرت ج کے اسوۂ حسنہ کے احیاء اور اشاعت طریق میں شریح کریں۔ اہل اسلام میں پہلے بھی کافی اختلاف اور انتشار برپا ہے۔ اب یہ بحث نو سال بعد چھڑنا مزید موجب افتراق اور تشیت ہوگا۔ جو کسی قسم کی اسلامی خدمت نہیں ہوگی۔ بلکہ اعداء اسلام کے لئے باعث شہادت ہوگا۔ اس لئے اس بحث کو ہماری رائے میں ختم کرنا بالکل مناسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

ابجواب صحیح

ابجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفریہ

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس، ملتان۔

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

میت کی وصیت کردہ جگہ میں دفن کرنے کیلئے دفن کے بعد قبر کھود کر میت لے جانے کا حکم

حضرت رانی پوری رحمہ اللہ کا لاہور میں انتقال ہوا اور ان کے وارثوں میں سے بھائی اور بھتیجے موجود تھے انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی وطن میں تدفین کی۔ کچھ حضرات حضرت ج کی میت مبارک کو ہندوستان منتقل کرنے پر اصرار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت ج نے وصیت کی تھی کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے۔

۱: میت کا حق تدفین کس کو ہے؟ اگر وارث حق تدفین کو استعمال کرتے ہوئے ایک جگہ دفن

کر دیں تو دوسرے متعلقین کو اس کے خلاف کاروائی کا جواز ہے یا نہیں ؟

۲ : اگر میت کسی جگہ دفن کی وصیت کر گئے ہوں تو مستحق تدفین کو اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

۳ : اگر خلاف وصیت میت تدفین عمل میں آچکی ہو تو موافق وصیت اس میت کو نکال کر دوسری

جگہ دفن کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب : ۱ : میت کی تجمیز و تکفین کا حق دلی اقرب کو حاصل ہے جیسا کہ حوالہ ذیل سے ظاہر

ہے ۔ نماز جنازہ میں حق تقدم کس شخص کو حاصل ہے ؟ اس مسئلہ کے ضمن میں ”صاحب بحر“ لکھتے ہیں کہ ۔

» (شعر الولی) لانه اقرب الناس الیه والولایۃ له فی الحقیقۃ

كما فی غسله وتکفینہ وانما یقدم السلطان علیہ اذا حضر

کیلا یكون ازدرأوبه « (ج ۲ - ص ۱۹۴) -

۲ : وفي الدر المختار ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبه « (شامی ج ۱ ص ۵۳۲) -

اس جزیئہ سے بھی مسئلہ ہذا کی تائید ہوتی ہے ۔ گو یہ غیر مسلم میت کے بارے میں ہے ۔

۲ : واثبت کے لئے ایسی وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں ۔ قال فی الدر المختار (ج ۱ ص ۵۳۲) -

(مع الشامیۃ) والفتویٰ علی بطلان الوصیۃ بغسله والصلوۃ

علیہ عزاء فی الہندیۃ الی المضمرات ای لو اوصی بان

یصلی علیہ غیر من له حق التقدّم او بان یغسلہ فلان

لا یلزم تنفیذ وصیتہ ولا یبطل حق الولی بذالک وحکذا

تجطل لو اوصی بان یمکفن فی ثوب کذا او یدفن فی موضع

کذا حکما عزاء الی المحيط «

۳ : دفن ہو جانے کے بعد عمل بالوصیت کی غرض سے قبر کو کھولنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ۔ جیسا کہ اگر

کسی میت کو بلا غسل و نماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو نبش جائز نہیں ۔

» حکما اذا دفن بلا غسل او صلاۃ او وضع علی غیر یمینہ او الی

غیر القبلة ۔ فنانہ لا ینبش علیہ بعد اہالۃ التراب کما مر

(الشامیۃ - ص ۵۳۹ ج ۱) -

جب ترک غسل کی وجہ سے نبش جائز نہیں حالانکہ غسل فرض ہے۔ اور اس کا کوئی قائم مقام بھی موجود نہیں تو خلاف وصیت ہو جانے کے عذر کی بنا پر نبش کیسے جائز ہوگا۔ جب کہ وصیت ہذا پر عمل کرنا نہ فرض ہے نہ واجب، بلکہ فقہار نے اسے بطلان کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ الغرض جس وصیت پر دفن سے قبل عمل واجب نہیں بعد از دفن اس پر عمل کرنے کے لئے نبش کو کیسے مباح قرار دیا جاسکتا ہے۔ فقہار اہل تہذیب کے بعد دوسرے منہج میں نبش کی ممانعت فرماتے ہیں۔ پس آنکھ، نو برس کی مدت طویلہ گزر جانے کے بعد بطریق اولیٰ اس کی ممانعت کا حکم کیا جائے گا۔ دفن بطریق مسنون ہوا ہو یا خلاف مسنون دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ اہل تہذیب کے بعد نبش جائز نہیں۔ جزیئہ بالا اس بارے میں صریح ہے۔ کیونکہ دفن بلا غسل، دفن بغیر صلاۃ، وضع علی غیر الیمین، وضع لی غیر القبلة سب امور طریق مسنون کے خلاف ہیں اس کے باوجود نبش کی اجازت نہیں دی گئی۔

فقط واللہ اعلم، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

احجاب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

احجاب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲/۳/۱۳۹۱ھ

قبر میں ”مَنْ نَبِيْكَ“ سے سوال ہوگا یا ”مَا تَقُوْلُ فِيْ هَذَا الرَّجُلِ“ سے

قبر میں مردے سے منکر نیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب سوال کرتے ہیں تو کیا ہذا الرجل کہتے ہیں یا مَنْ نَبِيْكَ کہتے ہیں؟

دونوں طرح کے الفاظ حدیث میں ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

الجلال

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وَضَعَ

فِي قَبْرِهِ وَقُوْلُ عَنْهُ أَصْحَابُهُ إِنَّهُ يَسْمَعُ قُرْعَ نَعَالِهِمْ إِنْ كَانَ فِي قَبْرِهِ أَنْ يَقُوْلَ إِنَّهُ مَا كُنْتُ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ الْحَدِيثُ (مَشْكُوَّةٌ بِإِسْنَادٍ يَحْتَمِلُ) - أَوْ مَجْمَعُ الزَّوَادِ فِي حَضْرَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ عَنْهُ أَيْكَ رَوَايَتٍ مِنْ هَبْ.

وَأَنَّ الْمُؤْمِنَ لِحَالِسٍ فِي قَبْرِهِ فَيَسْأَلُ مِنْ رَبِّهِ فَيَقُوْلُ رَبِّ اللَّهِ فَيَقُوْلُ مَنْ نَبِيْكَ فَيَقُوْلُ نَبِيُّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ مَا دِينُكَ قَالَ دِينِي الْإِسْلَامُ (وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ اِهـ - مَجْمَعُ الزَّوَادِ ج ۳ ص ۵۳۰).

فقط واللہ اعلم

بخازہ گاہ متعین اور وقف ہو تو کسی کو تصرف کرنیکی اجازت نہیں

خیرپور ضلع بہاولپور میں ایک بخازہ گاہ ہے۔ جو کہ عرصہ انتہی سال سے زائد تعمیر شدہ ہے۔ ارد گرد چار دیواری مکمل ہے۔ بخازہ گاہ کی عمارت آج سے انتہی سال قبل خیرپور کے ایک شخص نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ رقبہ زمیندار کا ہے۔ کاغذات سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ مالک نے یہ زمین وقف کی تھی یا تعمیر کنندہ کو صوبہ کی تھی۔ اصل مالک یا اس کے ورثاء نے آج تک کبھی اس رقبے سے تعرض نہیں کیا محکمہ مال کے کاغذات میں یہ رقبہ مملوکہ مالک درج چلا آ رہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جس محلہ میں یہ بخازہ گاہ واقع ہے وہاں کی دیگر مساجد کا رقبہ مثلاً سادھی مسجد وغیرہ جو صدیوں سے آباد ہے اسی اصل مالک کے نام چلا آ رہا ہے۔

اب ٹاؤن کمیٹی خیرپور اس بخازہ گاہ کے رقبہ میں ایک ٹینکی آب اور کواٹر وغیرہ تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ جس سے شہریوں کو پانی فروخت کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ صورت بالا کے مطابق یہ جگہ وقف شمار ہوگی یا نہیں۔ آیا ثبوت وقف کے لئے اتنا کافی ہے یا کاغذی اندراج ضروری ہے۔ اور ٹاؤن کمیٹی کا یہ اقدام درست ہے یا نہیں۔ ؟

احقر غلام قادر مہتمم خیرپور

الحاج اگر عامۃ الناس اس کے بخازہ گاہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ دلیل ہے اس کے وقف ہونے کی۔ لہذا کمیٹی کا اس میں مذکورہ تصرف کرنا شرعاً درست نہیں۔

حذافی امداد الفتاویٰ ج ۱ - ۲ - ص ۵۱ -

وقف ہونے کے لئے کاغذات میں اندراج ضروری نہیں۔

» وفي الخيرية وقف قدیم مشہور لا یصرف واقفہ استولى

علیہ ظالم فادعی المتولی انه وقف علی کذا مشہور وشہدا

بذلك فالمتار انه یجوز اه - (شامیہ ج ۳ ص ۴۱۵)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کے آگے آگے لغت خوانی بدعت ہے یہاں رواج ہے کہ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو کچھ لوگ جنازہ کے آگے آگے بلند آواز سے لغت خوانی کرتے جاتے ہیں یا کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے جاتے ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں۔

یہ رواج بدعت ہے چھوڑ دینا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے۔

الجواب

» كما كره فيهما رفع صوت بذكر أو قراءة - (ج ۱ ص ۶۲) -

اس کی شرح میں لکھا ہے۔ » وينبغي لمن تبع الجنازة ان يطيل الصمت وفيه عن الظهيرية فان اراد ان يذكر الله تعالى يذكره في نفسه لقوله تعالى انه لا يحب المعتدين اي الجاهرين بالدعاء وعن ابراهيم انه كان يكره ان يقول الرجل وهو يمشي معها استغفروا له غفر الله لكم انه قلت واذا هذا في الدعاء والذكر فما ظنك بالغناء الحادث في هذا الزمان -

فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ غفرلہ

۱۸-۱۲-۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ

خطاؔؔؔ خود کشی کرنیوالے کا بالاجماع جنازہ پڑھا جائے خود کشی کرنے والے کے جنازہ میں شدتؔؔؔ تکلیف اور عدم شدت کی

بنامہ پر کوئی فرق ہے یا نہیں؟ ارادہ قاتل نفسہ عمدًا لا لشدة وجع فخرج بمفهومه الخطاء فانه يغسل ويصلى عليه اه (مراقی الفلاح)۔ اس عبارت میں فخرج کس پر تفرع ہے عمدًا پر یا لا لشدة پر۔ اگر عمدًا پر ہے تو عمدہ والے پر بھی جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ پھر خطا۔ وعمد میں فرق کیا ہوا؟

الجواب

فخرج بمفهومه الخطاء۔ عمدًا پر تفرع ہے کیونکہ احتراز عن الخطاء لفظ عمدہ ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ شدت وجع پر تفرع نہیں۔ رہا یہ کہ پھر عمدہ اور

خطا میں ماہ الفرق کیا ہے۔ تو وہ یہ ہے کہ قاتل نفسہ خطاءؔؔؔ پر اجماعاً نماز پڑھی جاوے کیونکہ وہ شیعہ ہے اور قاتل نفسہ عمدًا میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قاتل نفسہ عمدًا پر نماز پڑھی جائے۔ لیکن

راج یہ ہے کہ اس پر بھی نماز پڑھی جائے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ وہ خودکشی کی وجہ سے کبیرہ کا مرتکب ہوا
الاعتر۔ اور قول محشی علام لا لشدة وجع میں شدت وجع کی قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ عام طور پر خودکشی،
شدت درد و الم میں ہوتی ہے۔ کلمہ "لا" سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الرحمن غفرلہ

۲۵ : ۵ : ۱ - ۱۳۶۹ھ

جنازہ لیجاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

جنازہ اٹھا کر لے جانے والے جب چلیں تو ساتھ چلنے والے اور اٹھانے والے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت
یا قرآن پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے چلیں یا خاموشی کے ساتھ چلیں؟
میت کو اٹھا کر لے جانے والوں اور دوسرے پیچھے چلنے والوں کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ
خاموش ہو کر چلیں۔ بلند آواز سے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت اور قرآن پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت
کرتے چلنا مکروہ تحریمی ہے۔ (کما فی البحر ج ۱۲ ص ۳۰۷)۔

”وینبغي لمن تبع جنازة ان يطيل الصمت ويكره رفع الصوت بالذكر
وقراءة القرآن وغيرهما في الجنازة والكراهة فيها كراهة
تحريم۔ اھ

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح : بندہ عبداللہ غفرلہ

۲۹ : ۳ : ۱ - ۱۳۷۷ھ

مفتی خیر المدارس، ملتان

نماز کا وقت ہو اور جنازہ موجود ہو تو کسے مقدم کرے نماز کے وقت جنازہ حاضر ہوا تو پہلے

نماز ادا کی جائے یا جنازہ ؟ دوسری

صورت میں مثلاً ظہر کے فرض پڑھ لئے ہیں باقی نماز یعنی سنتیں نہیں پڑھیں اور جنازہ حاضر ہوا تو پہلے جنازہ ادا کیا
جائے یا باقی نماز ؟ علیہ کیلپوری رحمۃ اللہ علیہ

الجواب

اگر نماز کا وقت تنگ نہ ہو تو جنازہ پہلے ادا کر لینا چاہئے۔

» ینبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفروض مالم يضيق وقته۔ (شامی)

اور مغرب کی نماز کو جنازہ پر مقدم کیا جائے۔

» ویؤخذ من قوله ایضاً ان ضاق الوقت تقدیم فرض الوقت (رد المحتار)۔

اگر فرض پہلے ادا کئے جائیں تو سنتیں بھی جنازہ سے مقدم ادا کرنی چاہئیں۔ » عن الحلبي الفتوى على

تأخير الجنازة عن السنة » شامی صفحہ مذکور۔ فقط واللہ اعلم
بجواب صحیح، بغیر محمد عفا اللہ عنہ بندہ عبد اللہ غفرلہ



قبور پر قبے بننے کا حکم

زید کہتا ہے کہ مزارات پر قبے اور روضے بنانا یہود و نصاریٰ کا کام ہے۔ وہ سود و خنزیر بھی کھاتے تھے۔ جس شخص نے اس

کی ابتدا کی وہ بڑا پاچی اور مسکار تھا۔ اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کو اپنا امام و مصلح تسلیم کرتا ہے۔ کیا زید کا زعم حق ہے یا باطل؟ کیا علماء دیوبند بھی روضے گراما جانر سمجھتے ہیں؟ کیا روضوں کو گراما توہین نہیں سمجھتے؟ کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے کہ میں دیوبندی عقائد رکھتا ہوں

الجواب

احادیث اور کتب فقہ میں قبور پر مکان، قبہ اور روضہ بنانے سے ممانعت وارد

ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اقدس نشئی ہے۔ علماء و اکابر

دیوبند کی قبور بھی سادہ طور پر بغیر بنا کے ہیں۔ حضرت شاہ دلی اللہ محدث دہلوی وغیرہم کے مقابر بھی اسی طرح ہیں۔ اکابر دیوبند اور شاہ دلی اللہ وغیرہم کے بہت اوپر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور بھی بغیر روضوں اور قبوں کے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں بہت بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدفون ہوئے۔ سب بغیر قبوں اور روضوں کے دفن ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنہیں سید الشہداء کا لقب دیا جاتا ہے بغیر قبہ کے مدفون ہوئے۔ یہ قبے وغیرہ بعد کی ایجاد ہے جنہیں سنت نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے باوجود زید کا یہ طرز کلام مسلمانوں کے ساتھ، جاہلانہ ہے۔ اس طریقے پر نہ تو علماء دیوبند نے مسلمانوں کو خطاب کیا ہے اور نہ ہی زید دیوبندی مسلک پر ہو سکتا ہے۔

دیوبندی مذہب یا عقیدہ کوئی الگ مذہب نہیں۔ مسلک حنفیہ اور سلف صالحین کے صحیح

اتباع کو ہم دیوبندیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفریہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶/۴/۱۳۷۸ھ



جسے دعاء جنازہ یاد نہ ہو وہ کیا کرے
جن لوگوں کو دعاء جنازہ یاد نہیں وہ نماز جنازہ
میں شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب
صورت مسئلہ میں ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جلتی ہے کہ وہ دعائیں یاد کریں۔ یاد نہ کرنے پر
برادری اور پنچائیت مواخذہ کرے۔ لیکن جسے دعاء یاد نہ ہو مگر امام کے پیچھے با وضو
تکبیرات کہتا رہے۔ تو اس کا نماز جنازہ ادا ہو جائے گا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفریہ عنہ یکم ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ



لوٹ مار اور واردات کرنیوالے کا جنازہ نہ پڑھا جائے
ولا یصلی علی باغ وقاطع
طریق قتل فی حالة

المحاربة وقاتل بالخنق غيلة ومکابر فی المصر لیلًا بالسلاح الخ (نور الایضاح)^{۱۱۶}
اس عبارت میں ”لیلًا“ اور ”بالسلاح“ کی قید کا کیا فائدہ ہے؟ کیا دن کو واردات کرنے
والے یا بغیر ہتھیار کے واردات کرنے والے کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا؟

الجواب
اس عبارت میں ”لیلًا“ کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ عام طور پر شہروں میں
اس قسم کے جرائم رات کو ہوتے ہیں اس لئے رات کا ذکر کر دیا۔ ورنہ دن کے وقت بھی
اگر کوئی شخص حملہ آور ہو اور وہ مارا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے۔

”قوله ومکابر فی المصر لیلًا بسلاح“ والمکابر المتغلب والمواذیہ

من یقف فی محل من المصر یتعرض لمعصوم و الظاہر ان هذا مبني

علی قول ابی یوسف من انه یكون قاطع طریق اذا کان لیلًا

مطلقًا او نہارا بالسلاح - ۱۵۵ ج ۱۰

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رات کو حملہ کرنے والا مطلقاً قاطع طریق ہے۔ ہتھیار سے حملہ کرے

یا لاکھی کے ساتھ، اور دن کو ہتھیار سے حملہ کرے تو قاطع طریق ہوگا۔ چنانچہ آگے دو سطر کے بعد فرماتے ہیں۔ وبما قرنا ظہران قوله بسلاح بغیر قید لاندہ اذا وقف فی المصر لیلًا لا فرق بین کونہ قاتلاً بسلاح او غیرہ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۳/۵/۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ

قبر سامنے ہو تو جنازہ پاڑھنے کا حکم
ہمارے علاقہ میں مردے کو غسل دینے کے لئے قبروں کے متصل غسل خانہ بنایا گیا ہے اور اسی کے متصل نماز جنازہ کے لئے جگہ بنائی گئی ہے اور اس جنازہ کی جگہ کے سامنے پانچ چھ گز کے فاصلہ پر قبریں ہیں۔ یعنی نماز جنازہ کی جگہ ایسی جگہ ہے کہ جب جنازہ کے لئے صفیں کھڑی ہوتی ہیں تو قبریں سامنے قبلہ کی طرف پڑتی ہیں۔ اب کئی علماء کہتے ہیں کہ یہاں جنازہ حرام ہے کیونکہ سامنے قبریں ہیں اور مسلم شریف کی حدیث لا تجلسوا علی القبر ولا تصلوا الیہما پیش کرتے ہیں۔

اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ وہ نماز جس میں سجدہ ہو ناجائز ہے۔ جنازہ میں اگر یہ بات مد نظر ہو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبر پر جنازہ نہ پڑھتے۔ اور علماء کا اتفاق ہے کہ جس کی نماز جنازہ نہ ہو تو قبر پر تین دن کے اندر پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب
دوسرے علماء کا قول درست ہے کیونکہ قبر نفس نعلش سے زیادہ نہیں اور نعلش کا سامنے ہونا جب جائز ہے تو قبر بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اور حدیث مذکور میں رکوع و سجود والی

نماز مراد ہے۔ کافی فتاویٰ امدادیہ : ج ۱، ص ۴۷۷۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳/۱۱/۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ

نماز جنازہ کا تکرار روا نہیں
ایک میت کی نماز جنازہ ولی کی اجازت سے پڑھ لی گئی۔ بعد میں میت کے بھائی وغیرہ آئے تو انہوں نے دوبارہ نماز جنازہ

پڑھی۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟

الجواب

دل کے جنازہ پڑھ لینے کے بعد پھر کسی کو دوبارہ پڑھنے کا حق نہیں ہے اور نماز جنازہ میں تکرار جائز نہیں۔

” لا یصلی علی میت الامرة واحدة والتفل بصلوة الجنابة غیر مشروع
کذا فی الايضاح وان صلی علیہ العلی لم یجز لاحد ان یتصلی بعدہ“
(عالمگیری ج ۱: ص ۵۲) - فقط واللہ اعلم۔

اجواب صحیح

نئی مسجد عفی عنہ ۲۹/۳/۱۴۴۰ھ

بندہ محمد صدیق غفرلہ

معین مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹/۳/۱۴۴۰ھ

نماز جنازہ کے آگے سے گزرنے کا حکم نماز جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت ہے تو ضرور تہنہ کتنا فاصلہ چھوڑ کر گزر سکتا ہے؟ - اگر اطمینان - راولپنڈی۔

الجواب

نماز جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت وعدہ ہما کے متعلق کافی جستجو کے بعد بھی کوئی جزئیہ دستیاب نہیں ہوا۔ لیکن اگر گزرنا ممنوع بھی ہو تو ضرورت مند موضع سجود کے آگے سے گزر سکتا ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ عام طور پر صحرائ میں ہوتی ہے اور صحرائ میں نمازی کے موضع سجود کے پرے سے گزرنا درست ہے۔

” کما فی الخانیة فی الصحراء اذا لم یکن له سترۃ لایکرہ المرور
وراء موضع السجود اور موضع سجود کی تعریف یہ کی گئی ہے انہ قدر ما یقع
بصرہ علی المار لو صلی بخشوع“

خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے نظر کو موضع سجود پر رکھ کر قبلہ کی طرف جس قدر دور تک نظر پہنچے وہ موضع سجود میں داخل ہے۔ اور اس جگہ سے پرے گزرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۱/۳/۱۳۸۸ھ

قبر پر تعمیرے دن کے بعد نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی ایک بچہ پورے دس ماہ کا پیدا ہوا اور دوسرا بچہ آٹھ ماہ کا پیدا ہوا دونوں کے پیدا ہونے

کے بعد کوئی آواز یا چیخ وغیرہ نہیں سنی گئی۔ البتہ بچوں کی والدہ اور دایاں کہتی ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد بچوں نے

سائنس سے ہیں تو ان کی تصدیق پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے یا نہیں ؟ اگر بغیر جنازہ کے دفنانے گئے ہوں تو نماز جنازہ قبر پر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب اگر بغیر نماز جنازہ کے میت کو دفن کیا جائے تو جب تک اس کی لاش قبر میں بھٹ نہ جائے، قبر پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے۔ یہی یہ بات کہ کتنے دنوں میں لاش بھٹ جاتی ہے تو اس کے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تین دنوں میں، اور بعض کے نزدیک دس دنوں میں، اور بعض کے نزدیک ایک مہینے میں بھٹ جاتی ہے۔ کیونکہ سردی اور گرمی اور میت کے موٹے اور کمزور ہونے کے لحاظ سے بھٹنے میں فرق پڑ جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ جب تک لاش کے پھٹنے کا یقین نہ ہو، قبر پر نماز جنازہ جائز ہے۔

پس اگر ان بچوں میں کوئی علامت حیات پائی گئی تھی تو ان پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے تھی۔ اور قبر پر مذکورہ دنوں میں علی اختلاف الاقوال پڑھ سکتے ہیں۔

وفي الدردان دفن واهيل عليه الثراب بغير صلوة صلى على قبره
ماله يخلد على الظن قفسه من غير تقدير على الاصح - وفي
الشامية قوله من غير تقدير وقيل يقدر بثلاثة ايام وقيل
عشرة وقيل شهر - اه (شامية ۱: ص ۶۱۸) - فقط -

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
فتویٰ کے اعتبار سے تین دن معتبر ہیں لہذا تین دن تک جنازہ قبر پر پڑھا جاسکتا ہے۔
الجواب صحیح
غیر محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ ہذا -

ولی جس سے چاہے جنازہ پڑھوا سکتا ہے
ہمارے ہاں مسئلہ مشہور ہے کہ اگر کسی دوسرے امام مسجد سے جنازہ پڑھوایا جائے تو ادا

نہیں ہوتا۔ صرف اپنا امام پڑھائے۔ کیا یہ صحیح ہے ؟
الجواب یہ مسئلہ غلط مشہور ہے۔ جنازہ جو بھی پڑھا دے ادا ہو جائے گا۔ و تقدیر امام
الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی
اولی کما فی المجتبی الی ان قتال ولہ ای للولی الاذنب لغیرہ فیہا لانہ حقہ

فیملک ابطالہ (درمختار : شامی ص ۶۱۵)۔

جذبیہ بالاسے ظاہر ہے کہ اگر وارث نے دوسرے شخص سے جنازہ پڑھوا لیا تو جنازہ ادا ہو گیا۔ امام مسجد کا جھگڑا کرنا درست نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲/۳/۱۳۹۵ھ

عورتوں کا جنازہ کیساتھ جانا مکروہ ہے
ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ جب جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے تو اس وقت مرد اور عورتیں قریب قریب ہو کر چلتے ہیں اور قبر پر حاضر ہوتے ہیں۔ جب دفن کیا جاتا ہے تو عورتیں وہاں بین کرتی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے ؟

قاضی عبدالجلیل شاہ، ضلع مانسہرہ۔

الجواب
عورتوں کا جنازہ کے ہمراہ جانا مکروہ و ممنوع ہے اور بین کرنا حرام ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویکرہ خروجہن تحریمًا و تزجر النساء حلاً۔
وفی الشامیۃ لقولہ علیہ السلام ارجعن مآزورات غیر مآجورات ابن ماجہ
بسنہ ضعیف۔ (شامیۃ : ج ۱ ص ۸۳۲)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۰/۹/۱۴۰۰ھ

شیعہ کا جنازہ ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے
کیا سنی عالم شیعہ کا جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر پڑھ لیں تو

الجواب
عند اللہ مجرم ہو گا یا نہیں ؟ محمد یوسف مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر اگر شیعہ غالی ہے جیسا کہ آج کل عام شیعوں کی حالت ہے تو مقتدار حضرات مثلاً علماء و مشائخ کو اس کی نماز جنازہ ہرگز نہیں پڑھنی چاہیے۔ اگر محض تفصیلی ہے تو گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۵/۱۳۸۴ھ

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

طواف کے جنازے کا حکم ہمارے پڑوس میں ایک طواف رہتی تھی وہ جان بحق ہو گئی ۔
۱۔ اس کو غسل دیا جائے یا نہ ۔ ۲۔ کفن دیا جائے یا نہ ۔

۳۔ ایسی عورت کی نماز جنازہ میں اہل محلہ شرکت کر سکتے ہیں یا نہیں ۔

۴۔ ایک بچہ پیدائشی طور پر مرد تھا مگر صحبت بد کی وجہ سے وہ خواجہ سراؤں کی مجلس میں شریک ہو گیا اور پوری طرح خواجہ سرا بن گیا ۔ اس کی موت پر اہل محلہ کے لئے شرکت نماز کے بارے میں کیا حکم ہے ؟
۱۔ ۲۔ غسل دیا جائے گا اور کفن بھی دیا جائے گا ۔

الجواب

۳۔ نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی ۔ البتہ مقتدا لوگ زحراً اس کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں ۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں پر زحراً نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرما دیا تھا
۴۔ اس کی نماز جنازہ میں بھی وہی تفصیل ہے جو جواب بالا میں مذکور ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۹/۹/۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ



جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب مردے کو کفن دیکر گھر سے نکالتے

، میں تو بپانچ آدمی مقرر ہو جاتے ہیں ۔ چالیس قدم نکالنے کے لئے چار آدمی مردہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھاتے ہیں ۔ یعنی چار پانی کے چار ہتھ بجاتے کندھوں پر رکھنے کے ہاتھوں پر اٹھا کر آگے امام صاحب قدم شمار کرتے ہیں ۔ جب دس قدم ہو جاتے ہیں تو ایک پاؤں والا دوسرے کے پاس ، دوسرے تیسرے کے پاس اسی طرح کرتے ہوئے جب چالیس قدم پورے ہو جائیں تو زمین پر چار پانی رکھ کر دعا مانگی جاتی ہے ۔ کیا یہ طریقہ درست ہے ؟

الجواب

جنازہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی پالیوں سے پکڑ کر اسے کندھوں پر اٹھائیں اور اپنے طور پر قدم شمار کرتے جائیں دس قدم چل کر پانی بدل لیا جائے اسی طرح ہر پانچ دس دس قدم اٹھائے ۔ اس کے لئے اپنے طور پر سرسری گنتی بھی کافی ہے ۔ کچھ قدم اگر زیادہ ہو جائیں تو بھی حرج نہیں ۔ پس اس کے لئے امام صاحب کا آگے آگے قدم لگاتے جانا اور ہر پانچ قدم پر چار پانی اتار کر دوبارہ اٹھانا ، اور ہر چالیس قدم پر دعا کرتے جانا اور فضول ہے ۔

فیر سنت اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے ۔ پس ان

فقط واللہ اعلم

رسوم سے احتراز کیا جائے۔

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

۹ - ۳ - ۱۳۸۶ھ

نماز جنازہ میں حاضر میت کی نیت کرنا
نابالغ کی نماز جنازہ میں یہ کہنا ضروری ہے کہ دعاء
حاضر میت کے لئے۔ اگر کوئی نہ کہے بلکہ اپنے لئے نیت

کرے تو جنازہ درست ہو جائے گا یا نہیں؟۔

الجواب

وفی الدر ومصلی الجنائزۃ ینوی الصلوۃ للہ تعالیٰ وینوی۔

ایضاً الدعاء للمیت شان ج ۱ ص ۲۹۶۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کی نیت میں ارادہ کرنا اس میت کے لئے خواہ میت بالغ
ہو یا نابالغ بہتر ہے۔ اور اس نیت میں مصلی کا اپنے لئے دعاء کرنے کی نیت کرنا قیاساً علی ظاہر الفاظ الدعاء
درست نہیں اگرچہ اس وجہ سے نماز جنازہ کو فاسد نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۲ - ۲ - ۱۳۸۷ھ

عیدین کے وقت جنازہ آجئے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے

عیدین کی نماز پڑھنے سے پہلے جنازہ آجئے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے جنازہ یا عید کو؟
امام بخش مدرسہ سعید یہ بھکڑ۔

الجواب

در مختار میں ہے کہ عیدین کی نماز جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں۔

”وتقدم صلوٰتہا علی صلوٰۃ الجنائزۃ۔“ شامی ج ۱ ص ۴۵

اجواب صحیح

فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفرلہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہ

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نمازِ جنازہ میں کون سی دعا پڑھی گئی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وص مال دنیا سے کس دن ہوا؟ اور آنحضرت علیہ صلوٰۃ والسلام کو کس دن کس مکان پر لایا گیا؟ نمازِ جنازہ ایک بار ہوتی یا کئی بار؟ دعا: جنازہ میں کتنی دعا پڑھنی چاہیے؟ کون سا دعا پڑھنی چاہیے؟ یا کوئی اور خاص دعا پڑھنی چاہیے۔ اگر ٹوٹے ٹوٹے صحابہ نے رہے تو کتنی جماعتیں ہوئیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دو شنبہ کے دن ہوا۔ منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں حضور اقدس کو قبر شریف میں اتارا گیا۔ تجویز و تحفین کے بعد جنازہ مبارک مکہ میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان گروہ درگروہ داخل ہوتے تھے اور بلا کسی امام کے نماز پڑھ کے چلے جاتے۔ نمازِ جنازہ اسی طریقہ سے پڑھی گئی جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

كما هو الظاهر من هذا الحديث قالوا يا صاحب رسول الله انفسى على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال نعم قالوا كيف؟ قال يذلل قوم فيكبرون ويدعون ويصلون ثم يخرجون الخ قال القارى ولم يذكروا التسبيح كما هو معلوم من وقوعه بعد التكبير الاول (شمائل ترمذی مع حاشیہ: ص ۷۷)

صحابہ کرام علیہم الرضوان اسی طرح نمازِ جنازہ پڑھتے رہے تا آنکہ آخر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی اور تہنیتیں عمل میں آئی۔ جماعتوں کا عدد معلوم نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

ابو اسحاق: عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان۔

میت باہر اور نمازی مسجد میں ہوں تو بھی ظاہر مذہب میں مکروہ ہے ہمارے مسجد میں آج تک جنازہ ایسے

پڑھتے رہے کہ میت بھی مسجد کے اندر ہوتی تھی اور نمازی بھی مسجد میں۔ اب یہ تجویز ہے کہ محراب کی بجانب چہرہ بنا دیا جائے۔ میت چہرہ تریسے پر ہو، امام بھی وہیں ہو، کچھ نمازی بھی ساتھ ہوں، اور باقی

مسجد میں کھڑے ہوں۔ اس طرح جنازہ مکروہ ہے یا نہیں ؟

امجد ستار : براڈ کاسٹنگ ہاؤس ریڈیو پاکستان کراچی

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے لہذا اب تک جس طرح جنازہ پڑھا جاتا رہا ہے شرعاً جائز نہیں تھا بلکہ مکروہ تھا۔ مسجد سے باہر ادا کرنا چاہئے اور آئندہ کے لئے

جو صورت زیر تجویز ہے اس میں بعض کے نزدیک گنجائش ہے۔ کما فی الشامیۃ فی کتاب الجنائز۔

لیکن ظاہر مذہب علی الاطلاق کراہت کا ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۸ : ۳ : ۸۸ ھ

الجواب صحیح

غیر محمد عفا اللہ عنہ

عین دوپہر کے وقت نماز جنازہ

عین دوپہر کے وقت جنازہ درست نہیں

پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

بالکل عین دوپہر میں نماز جنازہ درست نہیں جب کہ جنازہ پہلے سے برائے نماز

تیار رکھا ہو۔ " کما فی الدر المختار وینعقد نفل بشروع فیہا

بکراہۃ التحریم لا ینتد الفروض وسجدة تلاوة و صلوة

جنازة تلیت الایة فی کامل وحضرت الجنازة قبل۔ ۱ھ

(مشافحہ ج ۱ ص ۲۶۱)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۵ : ۱ : ۸۸ ھ

الجواب صحیح

غیر محمد عفا اللہ عنہ

ایک شخص نے نماز جنازہ پڑھائی اور تکبیرات الیم

جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین کا حکم

میں اس نے رفع یدین کیا اور سہوا کیا، عمدًا ایسا

نہیں کیا۔ اب یہ صلوٰۃ جب جنازہ ادا ہو گئی یا دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے ؟

رفع یدین فی الاولی فقط وقال ائمة بلخ فیکلھا (الدر المختار)

وهو قول الائمة الثلاثة وروایة عن ابی حنیفة

الجواب

کما فی شرح درر البعار و الاول ظاہر الروایۃ کما فی البحر۔ (شامی ج ۱)۔
 عبارتِ ہذا سے ظاہر ہے کہ برفِ یدین تکبیرات، جنازہ میں ائمہ ثلاثہ کے علاوہ بہت سے فقہاء برحق
 کا بھی مذہب ہے پس اسے مفسد نہیں کہا جاسکتا۔ اور اعادہ کی حاجت نہیں۔ کیونکہ تنفل بصلوۃ الجنازہ
 مکروہ ہے۔ الحاصل نماز جنازہ صورتِ مستولہ میں درست ہوگئی۔ تشویش نہ کی جادے۔ لیکن آئندہ
 احتیاط کی جگہ امام کو مسائل سے اتنی غفلت روا نہیں۔ فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جو تمام جل جہتے اس پر جنازہ نہ پڑھا جائے
 اگر کوئی شخص جل گیا، گوشت، پوست
 وغیرہ سب کچھ ختم ہو گیا، صرف ہڈیاں باقی
 رہ گئیں، ڈھانچہ بالکل ختم ہو گیا، اس پر جنازہ وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

وان وجد نصفه من غیر الرأس او وجد نصفه
 مشقوقا طولا فانه لا یغسل ولا یصلی علیہ ویلف فی

خرقۃ ویدفن فیہا۔ (عالمگیری ج ۱: ص ۱۸۱)۔

جذبیہ ہذا سے ظاہر ہے کہ جس کا نصف حصہ بدن سرسیت نہ پایا جائے اسے غسل دینے یا اس پر
 جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۸/۲۳، ۱۳۸۲ھ

ہر میت کا جنازہ علیحدہ ہو
 نابالغ بچی کا اور اس کی دادی کا بیک وقت
 جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

بہتر یہ ہے کہ ہر میت کا جنازہ علیحدہ علیحدہ پڑھا جائے اگر اکٹھے پڑھ لیا جائے
 تو بھی ہو جائے گا۔ واذا اجتمعت الجنائز فاضاد الصلوۃ اولیٰ و

ان جمع جان۔ ۱ھ (شامی ج ۱ ص ۸۲۱)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۰/۵، ۱۳۹۸ھ

خودکشی کر نیوالے کی نماز جنازہ کے بارے میں قاتل نفس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص خودکشی کر لے اس کا

جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔؟

مفتی بہ روایت یہی ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنی جاوے گی۔ لوگوں
کا قول مفتی بہ نہیں۔ من قتل نفسه ولو عمدا يغسل ويصلى

الجواب

عليه يفتي اه (شامی ج ۱ ص ۸۱۵) - فقط والله اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح ۱ بندہ عبد التبارع عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

۱۵ / ۵ / ۱۳۹۸ ھ

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

میت غائب پر عند الحنفیہ یہ نماز جنازہ جائز نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا نجاشی کا جنازہ پڑھنا آپ کی خصوصیت تھی یا جنازہ آپ کے سامنے

الجواب

کر دیا گیا تھا۔ فلا تصیر علی غائب الخ وصلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی
لفویۃ او خصوصیتہ اه (در مختار علی هامش الشامیہ ج ۱ ص ۶۰۸)۔

فقط والله اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۶/۲۸/۱۳۹۸ ھ

اجواب صحیح ۱ محمد صدیق غفرلہ

جس میت کے بارے میں مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس پر جبنازہ کا حکم

جن انسانی لاشوں کے بارے میں علم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم تو ان کا جنازہ پڑھنا درست
ہے یا نہیں؟ ہمیں ہسپتال میں اس بات کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔

حسن محمد مودت بسم

قائد اعظم — میڈیکل کالج — بہاولپور

الجواب

جب تک کسی میت کے بارے میں یقینی علم نہ ہو کہ یہ غیر مسلم ہے تو جنازہ وغیرہ اس پر پڑھا جائے۔ مسلمانوں کا ملک ہونے کی وجہ سے اسے مسلمان کی میت ہی سمجھا جائے گا۔

لؤلؤ بدر مسلم ام محافرو ولا سلامۃ فان فی دارنا غسل و صلی علیہ ام

(در مختار علی الشامیۃ : ج ۱ : ص ۶۰۲) - فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ایک سربراہی صاحب نے نماز جنازہ نماز مغرب سے پہلے پانچ چھ منٹ ادا کی کیا وہ نماز جنازہ جائز ہے؟ اور جس نے نماز بساڑ پڑھایا ہے کیا وہ قابل امامت ہے؟

بوقت غروب پڑھی گئی نماز جنازہ کا حکم

اگر جنازہ آیا ہی اسی وقت میں تھا تو یہ نماز درست ہوگئی۔ اور امام مذکور کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر جنازہ پہلے کا آیا تھا مگر پڑھا عین غروب کے وقت میں تو یہ نماز جنازہ درست نہیں ہوتی۔

الجواب

وکرہ صلوة ولو علی جنازة وسجدة تلاوة وسهو مع شروق واستواء وغروب الخ قوله وينعقد نفل بشروع فيها لا الفرض وسجدة تلاوة ودللة جنازة تليت في كامل وحضرت قبل - اهـ (تنوير) - وفي الدر المختار لو جوبہ کاملًا فلا يتأدى ناقصًا فلو وجبت فيها لم يعكره فخلهما ای تحریمًا وفي التحفة الافضل ان لا تؤخر الجنازة اهـ وفي الشامیۃ وما فی التحفة اقصره فی البحر والنهر والفتح و المعراج لحدیث ثلاث لا یؤخرن الخ (ج ۱ : ص ۳۷۷) -

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴/۹/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ہمارے گاؤں میں ایک آدمی کا جنازہ قرأت کے ساتھ پڑھایا گیا۔ قرأت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ عصر پڑھی گئی۔ اس

جنازہ میں قرأت ثابت نہیں

مسئلہ کی تحقیق چاہیے کہ اس طرح نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ جنازہ پڑھانے والا اہل حدیث تھا ہمارے گاؤں میں اکثریت حنفی لوگوں کی ہے۔ یہ بھی بتایا جائے کہ اہل حدیث کے چھپے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟
محمد یعقوب چک نمبر ۲ منڈی یزبان ۔

نماز جنازہ میں قرأت کا کوئی ثبوت نہیں اور جن روایات میں فاتحہ پڑھنا مذکور ہے وہ بطور وعار ہے نہ بطور قرأت ۔

الجواب

ولا قراءة فيها ولا تشهد فيها وعين الشافعي الفاتحة في الاولى وعندنا تجوز بنية الدعاء وتكره بنية القراءة لعدم ثبوتها فيها عنه عليه السلام اه (مشاھی : ج ۱ ص ۱۱۱)۔

جو غیر مقلد امام ائمہ کو برا کہتا ہو یا طہارت میں محتاط نہ ہو اس کی اقتدار میں نماز ادا نہ کی جائے۔
فقط واللہ اعلم

فقیر محمد نور عفا اللہ عنہ : ۱۷ : ۱۲ : ۱۳۹۹ھ

عید گاہ میں جنازہ پڑھنے کا حکم شہر کی عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟۔ احمد یار خطیب جامع مسجد ہاڑی۔

۱۔ وقید بمسجد الجماعة لانها لا تکره فی مسجد اعد لها وكذا فی مدرسة ومصلی عید لانه ليس لها حكم

الجواب

المسجد فی الاصح اه (طحطاوی ص ۳۲۶)۔

۲۔ واما المتخذ لصلوة جنازة او عید فهو مسجد فی حق جواز الاقتداء لانی حق غیره اه (تنویر الابصار علی الشامیة ج ۱ ص ۶۱۵)۔

جزئیات بالا سے عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم
ابجواب صحیح : بندہ عبد التار عفا اللہ عنہ محمد نور عفا اللہ عنہ ۲۳/۴/۱۴۰۱ھ

سفیوں کا جنازہ شیعہ نہ پڑھیں ایک جگہ ایک امام صاحب نے ایک میت پر جنازہ پڑھنے سے اعراض کیا وجہ یہ تھی کہ میت کے وارث شیعہ تھے اور

ان کا خیال سنیوں سے پہلے یا بعد شیعہ مولوی سے شیعوں والا جنازہ پڑھوانے کا تھا اور اسی شیعہ جنازہ کو عقیدہ صحیح اور درست سمجھتے ہیں۔ کیا ایک میت پر شیعہ اور سنی دو جنازے درست ہیں یا نہ! امام صاحب کا اعتراض درست ہے یا نہ۔ کیا جو سنی آدمی شیعہ امام کے پیچھے شیعہ جنازہ پڑھے اس پر کوئی حد یا کوئی حکم ہے یا معاف ہے؟ کیا شیعہ سنی کے جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہو سکتا تو روکنا درست ہے یا نہ؟

الجواب

یہ دو جنازوں والی رسم ختم کرنی چاہیے۔ میت کی اچھی طرح تحقیق کر لیں اگر سنی ہو تو صرف سنی ہی جنازہ پڑھیں شیعوں کو نہ پڑھنے دیں۔ حقیقی شیعہ کبھی سنی کا جنازہ بطور جنازہ

نہیں پڑھتا۔ فقط واللہ اعلم

محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۱۰/۱۴۰۸ھ



نماز پڑھنے سے قبل امام صاحب نماز جنازہ کی نیت سناتے ہیں۔ بعض علماء کرام بایں الفاظ کہ

جنازہ کی نیت میں فرض کفایہ کہنا ضروری نہیں

» چار تکبیر نماز جنازہ فرض کفایہ « اور بعض بایں الفاظ کہ » چار تکبیریں نماز جنازہ فرض « لفظ کفایہ ادا نہیں کرتے۔ ایک آدمی کا کہنا ہے کہ چونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس لئے نیت سناتے وقت کفایہ کا لفظ کہنا ضروری ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ جو آدمی قبرستان میں نماز پڑھنے کیلئے آئے ہیں ان کے لئے نماز جنازہ ادا کرنا فرض عین ہو جاتا ہے کفایہ نہیں رہتا۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی باحوالہ وضاحت فرمادیں۔

الجواب

» فرض کفایہ « کے الفاظ کہنے ضروری نہیں۔ اور نماز جنازہ بہر حال » فرض کفایہ « ہے۔ قبرستان میں آنے والوں کے لئے اس کا حکم بدل

فقط واللہ اعلم

نہیں جاتا۔

محمد النور عفا اللہ عنہ ۹/۲/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



نماز جنازہ میں دائیں طرف سلام کر کے دایاں ہاتھ کھول دیئے جائیں

نماز جنازہ میں سلام سے قبل ہاتھ کھول دیئے جائیں

دایاں ہاتھ چھوڑ دیا جائے اور بائیں

جانب سلام کر کے بائیں ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔ یا دونوں طرف سلام کر کے پھر دونوں ہاتھ چھوڑ دینے جائیں
مسنون طریقہ کیا ہے ؟

تکبیرات ختم ہونے پر سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دینے جائیں۔ خلافت الفتاویٰ
میں ہے۔ ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانه لا یبقی ذکر

مسنون حتی یعقد فالصیح انه یحل الیدین ثم یدعی تسلیمتین

(عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۴)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الوہاب محمد اعظم

الجواب صحیح

۲۵ / ۳ / ۱۴۰۹ھ

احقر محمد نور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

جنازہ اٹھانے سے کبیرہ گناہ مُعاف ہوتے ہیں یا صغیرہ

میّت کے جنازے کی چار پائی کو چالیس قدم تک لے جائے یعنی ہر پائے پر دس قدم چلے تو اس کے چالیس گناہ

کبیرہ مُعاف ہوتے ہیں یا صغیرہ ؟

کبیرہ بدوں تو بہ مُعاف نہیں ہوتے اس ضابطے کے پیش نظر علامہ شامیؒ نے لکھا ہے۔ مثال

فی شرح النقایۃ وورد من حمل بجوانب سیرالاسر بعت عفرلہ اربعون

کبیرۃ (رواہ ابن عساکر عن وائلہ ص ۱۳۴ ج ۱)

علامہ شامی نے اس حدیث بالا کی دو توجیہیں کی ہیں ایک یہ کہ حدیث میں کبیرہ سے مراد صغیرہ کا ہیں کیونکہ ہر صغیرہ اپنے

ما تحت گناہوں کے اعتبار سے کبیرہ ہے۔ بس اس اعتبار سے بعض صغائر پر کبائر کا اطلاق درست ہوا۔ گو وہ فی الواقع

اصطلاحی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ضابطہ کو رد بالا مخصوص ہے۔ ایسے مواضع کے ساتھ جس میں نص وارد نہ ہو اور نص کے بعد

بما توبہ تکفیر کبائر ہو جاتے ہیں۔ کوئی اشکال نہیں۔ (ص ۸۲۲ ج ۱)

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس بنامان

فقط واللہ اعلم

کسی قبرستان میں آئندہ مُردے دفن نہ کرنے کا یقین ہو تو اس جگہ کو دینی درس گاہ بنا سکتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ عرصہ چھ سال سے مدرسہ عربیہ سلیمہ قاسم العلوم کا جس جگہ سنگ بنیاد رکھا گیا ہے۔ یہ جگہ زمانہ قدیم سے مکان مانی چانڈو اور خانقاہ شاہ اسماعیلؒ سے مشہور تھی۔ سرکاری کاغذات اور سن رسیدہ حضرات اسی طرح شہادت دیتے ہیں۔ بیس پچیس برس قبل یہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد اور چند قبور تھیں۔ مگر کم از کم ایک صدی سے یہاں کوئی نئی میت دفن نہیں ہوئی۔ بھنگی بھری اور بد معاشی بر اجماع تھے۔ غیور مسلمانوں کی متحدہ مساعی سے فسق و فجور کا اڈا ختم ہوا۔ چار متولی مقرر کر کے درس قرآن جاری کیا۔ عوام مسلمانوں کے چندہ سے مسجد کی نئی تعمیر شروع ہوئی۔ مسجد کی ترسیع ہوئی اور بربل سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا گیا۔ ایک برآمدہ کلاں درس اور ضروریات مسجد کے لئے تعمیر ہوا۔ دریں اثناء جمیعۃ علماء ملتان نے ایک عربی مدرسہ اکابر علماء دیوبند کے زیر نگرانی قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ متولیان وقفہ مذکور اور دیگر معززین محلہ کو جب علماء کرام کی اس تحریک کا علم ہوا۔ تو انہوں نے دینی ادارہ کے فہام کے لئے اسی جگہ کو موزوں سمجھتے ہوئے علماء جمیعۃ کو دعوت دی کہ آپ ہماری مساعی کو کامیابی کی منازل تک پہنچاتے ہوئے اسی جگہ کو مرکز علوم و فیوض بنائیں۔ تحریراً اور تقریراً وثوق دلایا کہ تعمیری سکیموں اور نظام تعلیم میں ہم لوگوں میں سے کوئی بھی خارج نہیں ہو گا۔ بلکہ ایک معاون اور بھی خواہ کی حیثیت سے مابواری چندہ سے بھی امداد کریں گے۔

جمیعۃ علماء ملتان نے نزاکت حالات کا اندازہ کرتے ہوئے اس دعوت پر لبیک کہا اور محض تو کلاً علی اللہ کام شروع کر دیا۔ بحمد اللہ آج یہ ادارہ رقی کے منازل طے کرتا ہوا مرکزی حیثیت اختیار کر رہا ہے۔ درس گاہوں اور رہائشی حجرات کے لئے تعمیر کی اشد ضرورت ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ضروریات مدرسہ کے لئے جو مکانات تعمیر کئے جا دیں۔ وہ بموجب قوانین اوقات ملحقات مسجد میں شمار ہوں گے یا ان کی الگ صورت ہوگی۔ بصورت ثانیہ

مدرسہ کو سفید زمین جو کہ وقف ہے، کا کرایہ ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ بصورتِ اثبات وہ کرایہ ضروریاتِ مسجد میں صرف ہوگا یا کوئی اور صورت ہوگی۔ یہی دونوں صورتیں اس برآمدہ کے متعلق بھی ہوں گی۔ جس کو قبل وجودِ مدرسہ ضروریاتِ مسجد کے لئے تعمیر کرایا گیا تھا۔ بنیوادِ قوجردا۔ مولوی غلام رسول۔ رکن مدرسہ قاسم العلوم، کچہری روڈ۔ ملتان

یہ زمین جو کہ خانقاہ شاہ اسماعیل دملکان مانی چاندو کے نام سے سرکاری کاغذات میں مندرج ہے۔ اور بورڈ آف اڈمیونسٹریٹیشن کی شہادت سے

الحاج

بھی اسی نام کی تائید ہوتی ہے۔ وقف برائے مقبرہ معلوم ہوتی ہے۔ قبور کا موجود ہونا بھی اس کے لئے شاہدِ قوی ہے۔ یہ زمین غالباً زمانہ قدیم میں کسی نے قبرستان کے لئے وقف کی ہوگی۔ پھر آبادی شہر کی بڑھتے بڑھتے اس کو محیط ہو گئی۔ اور یہ قطعہ جس میں کچھ حصہ مقابر کے ساتھ مشغول ہو چکا تھا۔ اور کچھ حصہ خالی پڑا ہوا تھا۔ آبادی کے درمیان میں آگیا، اور موقع پا کر اس قطعہ خالی پر بھنگیوں اور چرسیوں نے قبضہ جمایا۔ اب جبکہ عام مسلمانوں نے بھنگیوں کو نکال دیا تھا۔ تو اس زمین کو اسی مقصد کے لئے استعمال کرنا ضروری تھا۔ جس کے لئے وقف کی گئی تھی۔ یعنی اس میں اموات کو دفن کرنے کے لئے اذنِ عام دے دی جاتی۔ اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے (کما ہی معروفہ عند الفقہاء) کہ وقف اس مقصد میں استعمال کرنا چاہیئے۔ جس کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اور وقف کی ثبوت کے لئے معائنہ بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہے۔

پس جب بورڈ آف اڈمیونسٹریٹیشن سے اور سرکاری کاغذات کی شہادت سے اور قبور کے موجود ہونے کے قرائن سے ظن غالب بلکہ قریب یقین یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ قطعہ قبرستان کے لئے وقف ہے۔ نو اس کو اس جہت میں صرف کیا جانا ضروری تھا۔

لیکن بعض حضرات اراکین سے معلوم ہوا کہ اس مقبرہ کے وسط آبادی میں آجانے کی وجہ سے حکومت نے اموات کے دفن کرنے کی ممانعت کر دی۔ سو اگر یہ قسۃ صیح ہے تو اس صورت میں یہ گنجائش نکل آتی ہے کہ اس خالی قطعہ کو جو دراصل اموات کے لئے وقف ہے کسی دوسرے مصرفِ خیر میں صرف کر دیا جائے۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الوقف میں یہ عریضہ

لکھا ہے کہ اگر کسی عورت نے قبرستان کے لئے زمین وقف کی حتیٰ کہ اپنا لڑکا بھی اس میں دفن کر دیا۔ لیکن بوجہ غلبہ پانی کے وہ زمین قبرستان بننے کے قابل نہیں رہتے۔ حتیٰ کہ لوگ اس میں اموات کو دفن نہیں کرتے۔ تو اس عورت کے لئے جائز ہے کہ اپنی موقوفہ زمین کو فروخت کر دے۔

امراة جعلت قطعة ارض لها مقبرة واخرجتها من مدها
ودفنت فيها ابنها وتلك القطعة لا تصلح للمقبرة لغلبة
الماء عندها فيصيبها فساد فادارت بيعها ان كانت الارض
بحال لا يرغب الناس عن دفن الموقى لقلّة الفساد ليس لها
البيع وان كانت يرغب الناس عن دفن الموقى فيها لكثرة الفساد
فلها البيع فاذا باعها فللمشتري ان يامر بها برفع ابنها عنها۔
يقول العبد الضعيف۔ فاذا جاز لها البيع عند رغبة الناس
عن الدفن فيها فصرفها الى وجه اخر من وجوه الخير
يكون ادلى بالجواز۔

لیکن یہاں پر یہ امر قابل غور ہے کہ آیا واقعی حکومت کی طرف سے اب ایسی زمینوں کو جو درمیان آبادی میں آچکی ہیں۔ اور وہ قبرستان کے لئے وقف ہیں۔ اموات کے دفن کرنے کی ممانعت ہے۔ اور کیا وہ رکاوٹ دفع نہیں ہو سکتی۔ اگر ان دونوں باتوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر بامرجبوری ایسی زمین کو کسی دوسرے مصرف خیر میں صرف کرنا جائز ہے۔

مسئل شمس الائمة الحلوانی بن مسعود اوحوض خرب ولا
يحتاج اليه لتفرق الناس هل للقاضي ان يصره او قاقه
الى مسجد آخر اوحوض آخر قال نعم۔ (عالمگیری کتاب الوقف)

اس کے بعد قابل غور چیز یہ ہے کہ اس مصرف کے متولی کون سے حضرات ہوں۔ تو اول اس میں حق واقف کا ہے۔ اگر واقف کا علم نہ ہو تو قاضی یا اس کا نائب اس وقف کو دوسرے مصرف خیر میں صرف کر سکتے ہیں اور بحالات موجودہ جب کہ

قضاء کا شرعی نظم مختل ہو چکا ہے۔ جماعت علماء اس قطعہ زمین کو دینی مدرسہ کے لئے صرف کر سکتی ہے۔ اور کسی قسم کا کرایہ وغیرہ مقابر کے قیام اور نگران کرینے کی ضرورت نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الانشاء غیب المدارس ، ملتان ، مورخہ ۸ ج ۵

نوٹ : استفتاء کے اندر دو جملے موجود ہیں جن کے متعلق خصوصیت کے ساتھ توجہ دینی ضروری ہے۔ خط کشیدہ عبارت ۱ میں مرقوم ہے۔ ”چار متولی مقرر کر کے درس قرآن جاری کیا۔ الی قولہ لب سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا۔“ (اس عبارت سے اور آگے والی عبارت ایک برآمدہ کلاں درس اور ضرورت مسجد کے لئے تعمیر کیا۔“ ان دونوں عبارتوں میں درس اور مسجد کو ایسا خلط کر دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درس اور مسجد شے واحد ہیں۔ حالانکہ درس اور مسجد اصطلاح میں دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ (ا)۔ پس اگر اس جملہ کا ”لب سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا۔“ کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی پیداوار سے مسجد کی ضروریات چٹائی۔ لوٹے۔ تیل جلانے کا۔ خرید کئے جائیں گے۔ (ا) ہواظراً کہ تو اگر اس ٹکڑہ میں عمارت قائم کی گئی۔ اور مدرسہ کے استعمال میں آئی تو مدرسہ کی طرف سے مسجد کو کرایہ مناسب ادا کرنا ہوگا۔

(ب)۔ اور اگر یہ مفہوم تھا مسجد کی طرف منسوب کرنے سے کہ مسجد کی آبادی اور رونق کے لئے درس قائم کیا جائے گا جیسا کہ مساجد کی آبادی کے لئے عموماً مساجد ہر یا ان کے ملحق درس قائم کر دیئے جاتے ہیں (کما یدل علیہ قول المستفتی فیما بعد) ”ایک برآمدہ کلاں درس اور ضروریات مسجد کے لئے تعمیر ہوا۔“ تو اس صورت میں یہ ٹکڑہ زمین مدرسہ کے اندر صرف کر سکتے ہیں۔ بلا کرایہ ادا کرنے کے مسجد کو وہ وقف قدیم جس کے واقف کا بھی علم نہیں اس کے متعلق تو ہم قیاس آرائی سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن یہ قطعہ جو بعد میں عام مسلمانوں کے چندہ سے خرید کیا گیا۔ چونکہ یہ چار متولی موجود ہیں۔ اور چندہ لینے والے اور دینے والے بھی موجود ہیں۔ اس لئے اس باب میں قیاس آرائی کرنے کی ہمیں ضرورت

نہیں ہے۔ بلکہ یہ حضرات ان دو صورتوں کو جو کہ لا اور بے میں بیان کی گئی ہیں، بغور پڑھ لیں۔ اور اگر اُن کے عزائم ان ہر دو صورتوں کے علاوہ کچھ اور تھے۔ تو ان کو دوبارہ استفسار کر لیں۔ اسی طرح دوسرے جملہ کہ ایک برآمدہ کلاں برائے درکس اور ضروریاتِ سجد میں بھی دو احتمال موجود ہیں اور ہر دو کا حکم ان کے مناسب سمجھ لیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ،

خیر محمد بہتم مدرسہ خیر المدارس ملتان خادم الانعام، خیر المدارس، ملتان، ۱۱ھ

بزرگوں کی قبضہ کی زیارت کے لئے دور دراز کا سفر کرنا

زیارتِ قبور کی اہمیت شرع میں کہاں تک ہے؟ کیا دور دور کے مُردہ یا زندہ بزرگوں کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں، مثلاً کوئی آدمی بلوچستان کے علاقہ سے ہندوستان کے بزرگوں کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے دوسرا کوئی مقصد سوائے زیارت کے نہیں تو شرعاً ٹھیک ہے؟ کیونکہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں اس قسم کے سفر کو شرک فی العبادۃ کہا ہے۔ اس لئے کہ جو معاملہ خدا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ غیر اللہ کے ساتھ نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ خانہ کعبہ کی زیارت خوشنودی خدا کے لئے کی جاتی ہے۔ اگر غیر اللہ کے مکان کی زیارت موجب ثواب اور برکت جان کر کرے تو یہ معاملہ خدا والا غیر اللہ کے ساتھ ہوگا اور یہ شرک ہے۔ اور ایسا کذب و ایسا کفرستعین کے منافی ہے۔ بعض لوگ تقویۃ الایمانؒ کو حضرت شہید مرحوم کی کتاب نہیں سمجھتے۔ یہ درست ہے یا نہیں، اگر نہیں تو یہ کس کی ہے؟

زیارتِ قبور کے لئے دور دراز سے سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے۔ یہ اختلاف متقدمین سے چلا آ رہا ہے۔ لہذا اس کا فیصلہ اب ہونا مشکل ہے۔ لہذا فی فتاویٰ رشیدیہ۔ لیکن یہ اُس وقت تک ہے۔ جب سفر مذکور میں دیگر مفاسد موجود نہ ہوں مثلاً اہل قبور سے اپنی حاجات طلب کرنا۔ ان کے

تقرب کی غرض سے چڑھا دے چڑھانا۔ قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ امور مذکورہ کے انضمام کی صورت میں یہ سفر بالکل ناجائز ہو جائے گا۔ اور شرک بن جائے گا کیونکہ اب یہ سفر بہ نیت تقرب بزرگ ہوگا بہ نیت زیارت نہ رہا۔ آج کل عوام اپنی اغراض کے لئے ایسے سفر کرتے ہیں۔ کما هو المشاہد ولا ریب فیہ — پس ان کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے۔ حضرت شہیدؒ غالباً اسی کی ممانعت فرما رہے ہیں۔ "تقویۃ الایمان" حضرت موصوف ہی کی تصنیف ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۶ / ۲ / ۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح ،

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

اطفال مشرکین کا حکم

کفار کے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے یا جہنم میں ؟
اطفال مشرکین کے متعلق امام نوویؒ نے تین قول نقل کئے ہیں۔
الحاجہ
(۱) جہنم میں ہوں گے (۲) توقف (۳) جنت میں جائیں گے۔
تیسرے قول کو امام نوویؒ نے صحیح قرار دیا ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ اہل جنت کے خدام ہوں گے۔ امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ جیسے باری تعالیٰ کی مشیت ہوگی ویسے ہوگا۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۶ / ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبرستان کی زائد آمدنی دوسرے قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں

قبرستان کی آمدنی سجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں — ؟ اور جو مسجد محلہ کی

قبرستان کی حدود میں ہو اس پر آمدنی لگ سکتی ہے یا نہیں ؟
الجواب قبرستان کی آمدنی مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں البتہ دوسرے قبرستان
 پر جو اس کے قریب ہو اس کی آمدنی خرچ کرنا جائز ہے ۔ جبکہ اس
 کے لئے رقم کی ضرورت ہو (شامی ص ۲۷۱ ج ۲)

حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنہما وکذا الریاط
 وانیابرا ذلسم ینتفع بہما فیصرف وقف المسجد و الریاط والبر
 والحوض الی اقرب مسجد اور ریاط او بئر (در مختار) و فی الشامیہ
 (قولہ الی اقرب مسجد) لف و نشر مرتب و ظاہرہ انہ لا یجوز
 صرف وقف مسجد خرب الی حوض و عکسہ و فی شرح
 الملتقی یصرف وقفہا لا قرب مجالسن ابی اہد
 (شامی ص ۲۷۱ ج ۲)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ ایک وقف کی آمدنی اس سے استغناء کے وقت
 اس وقف کے مماثل میں صرف کرنا جائز ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ۲۲
 خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۸۵ھ
 بندہ محمد اسماعیل غفرلہ
 نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اہل میت خود اپنے گھر کھانا پکا سکتے ہیں

ایک شخص کے گھر اگر موت ہو جائے اور وہ اپنے گھر کھانا پکوا کر خود کھاتا ہے اور
 کچھ مہمان آئے ہوں تو ان کی خاطر مدارات کرتا ہے نیز اس کے کسی رشتہ دار گھر
 سے کھانا رواج کے مطابق آتا ہے تو وہ اس کو واپس کر دیتا ہے ۔ اور خود نئے کپڑے
 پہنتا ہے اور اپنے بچوں کو بھی نئے کپڑے پہناتا ہے ۔ ان تمام مذکورہ صورتوں میں اگر کوئی امر غلط

سُنّت ہو تو اس کا تدارک بتلائیے نیز ایسا کہ نیوالا گنہگار تو نہیں، نیز نابالغ بچے اور بالغ آدمی کی میت کا ایک حکم ہے یا جُدا جُدا ؟

ان اشیاء مذکورہ میں کوئی چیز سُنّت کے خلاف نہیں، خواہ گھریں نابالغ فوت ہو گیا ہو یا بالغ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق معین مفتی

الجواب صحیح

خیر المدارس، ملتان ۲۸/۱۳۴۸ھ

عبد اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس، ملتان

نوٹ : اگر متوفی کے ورثاء میں یتیم بچے ہوں تو اس کا لحاظ رکھا جائے کہ ان کا مال استعمال نہ ہو۔ محمد النور عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفوائد

اولیاء کرام کے مزارات پر جانا

حضرت مولانا خیر محمدؒ نے نماز حنفی میں لکھا ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات پر جاکر شرعی طریقہ سے مُستفید ہوتا رہے۔ اس جملہ پر بریلوی حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ تم ایک طرف تو یہ کہتے ہو کہ ”ما اهل به لغير الله“ یعنی قبروں پر چڑھاوے حرام ہیں، تو مولانا خیر محمد صاحبؒ کے اس جملہ کا کیا مطلب ہے؟

اولیاء اللہ کی قبریں اللہ کی رحمتوں کا مورد ہوتی ہیں۔ نیز اولیاء کو قبور

میں ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے وہ زائر

کو پہچانتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سائل کی اہمیت کے مطابق کچھ روحانی فیض

بھی پہنچاتے ہیں مگر یہ بات ہر ایک اہل قبر میں نہیں اور ہر ایک زائر کے لئے نہیں۔ نماز

حنفی میں جو لکھا ہے اس سے مراد بھی خاص صورتیں ہیں۔

و اما الا ولیاء فانهم متفاوتون فی القرب من الله ونفع

الذاثرین بحسب معارفهم واسرارهم اھ

(شامیۃ ص ۸۴۲)

اور مزار مطلق قبر کو کہتے ہیں اس سے قبہ وغیرہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔
فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱ / ۲ / ۱۴۰۲ ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت علیہ السلام کا جنازہ پڑھنے کا ثبوت

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں — شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی چنانچہ ان کے ایک عالم مولوی محمد اسماعیل نے کہا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حضورؐ کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہو جائے تو میں سنی ہو جاؤں گا۔ اگرچہ اصولاً اُن کا یہ اعتراض متعدد وجوہ سے غلط ہے، مگر تاہم کسی روایت سے حضرت صدیقؓ کا صراحۃً نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہو تو مطلع فرمادیں تاکہ انکی گندی زبان کو بند کیا جائے۔

طبقات ابن سعد میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ایک جماعت مہاجرین و انصار کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دینے اور چارپائی پر رکھنے کے بعد اس مکان میں داخل ہوئے جس میں آپؐ کو رکھا گیا تھا، اور سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھا۔

الجواب صحیح

لما كفن رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع على سريرته دخل ابوبكر وعمر فقالا السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته ومعهما نفر من المهاجرين والانصار قد رما ليع البيت فسلموا كما سلم ابوبكر وعمر الى ان قال ثم يخرجون ويدخل آخرون حتى صلوا عليه الرجال ثم النساء ثم الصبيان (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۶۵ ح ۵)

اور یہ درود و سلام پڑھنا ہی آپکی نماز جنازہ ہے۔ کیونکہ حضورؐ پر عام طریقے کے موافق نماز نہیں ہوئی۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے۔

ما وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم علي سريره قال لا يؤتم عليه احد الا انه هو امامكم حيا وميتا فكان يدخل الناس ارسالا فيصلون عليه صفا صفا ليس لهم امام ويكبرون وعلم قائم بحيال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته (البداية والنهاية ۲/۵۵۰: ۶) فقط والله اعلم

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۶ / ۱۳۸۶ ھ

الجواب صحیح

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جنازہ کس نے پڑھایا

حضرت علیؑ کا جنازہ کس نے پڑھایا اس کا نام بتائیں۔ آپ کا

مقبرہ کہاں ہے؟

حضرت حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دارالامارت

میں مدفون ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء)

محمد انور

۵ / ۱۱ / ۱۴۰۹ ھ

قاتل کو پھانسی دے دی جائے تو اس کے اولیاء کے ذمہ مزید کچھ باقی نہیں

قاتل کو پھانسی مل جائے تو اولیاء نے مقتول کے ذمہ مزید کچھ واجب یا نہیں ایک آدمی نے اپنے دو ملازموں کے ساتھ مل کر کسی شخص کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، حکومت وقت نے اولیاء مقتول کے مطالبہ پر تینوں شخصوں کو پھانسی دے دی اب آیا ان کے جرم کی تلافی ہو گئی یا نہیں اگر نہیں تو ان کے ورثاء کے ذمہ کچھ باقی ہے ؟

مولانا عابد ^{رحمۃ اللہ علیہ} مدرس جامعہ خیر المدارس - ملتان

الجواب شرعاً اس قتل کی جو دنیوی سزا تھی مکمل ہو چکی و اما قولہما ان ادام الخنق حتى مات فعليه القصاص کما لو قتله بجبر عظیم ام خشبة عظيمة ^{نہج الرائق} لہذا اولیاء مقتول و مصلوب کے ذمہ کچھ باقی نہیں فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جس تابوت میں لاش لائی گئی ہو اس کے استعمال کا حکم

غیر مالک سے ایک تابوت لایا گیا، تابوت کی لکڑی کے اخراجات ورثاء نے خود برداشت کئے۔ کیا وہ تابوت دالی لکڑی خود استعمال کر سکتا ہے یا مسجد و مدرسہ میں استعمال ہو سکتی ہے ؟

الجواب جس شخص کے مال سے وہ تابوت تیار کیا گیا ہے اس کی اجازت سے جہاں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبد اللہ

۲۴
۶
۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبرستان کے درختوں کا حکم

قبرستان کے درخت بہت پڑانے ہونے پر ان کی قیمت کو قبرستان پر ہی خرچ کرنے کی نیت سے اکھاڑ کر انہیں نیلام کیا جاسکتا ہے ؟

۲۔ قبرستان کی گھاس کو صفائی کی نیت سے اکھاڑا جاسکتا ہے ؟

الجواب قبرستان میں ضرورت ہو تو نیلام کر کے قیمت قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں ۔

سئل نجم الدین عن مقبرة فيها اشجار هل يجوز صرفها الى عمارة المسجد قال نعم ان لم تكن وقفاً على وجه آخر قيل لئلا ان متداعت حيطان المقبرة الى الخراب يصرف اليها او الى المسجد قال الى ما هي وقف عليه ان عرف وان لم يكن للمسجد متول ولا للمقبرة فليس للعامة التصرف فيها بدون اذن القاضى (عالمگیری ص ۳۵۲)

۲۔ اکھاڑ سکتے ہیں مگر بکنے کے قابل ہو تو بیچ کر پیسے قبرستان پر لگا دیں ۔

فقط واللہ اعلم ،

بند محمد انور عفا اللہ عنہ

عورت کو قبر میں اس کے محرم اُتاریں

کیا شوہر بیوی کی میت کو کندھا دے سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے ؟

جنازے کو کندھا دے سکتا ہے اور اگر عورت کے محرم موجود نہ ہوں تو قبر میں بھی اتار سکتا ہے لیکن جسم کو کپڑے کے بغیر ہاتھ نہ لگائے۔

الجواب

وذو الرحم المحرم او الحادى با دخال المرأة من غيرهم

كذا في الجوهرة النيرة وكذا ذو الرحم غير المحرم
اولى من الاجنبى فان لم يكن فلا بأس للاجانب
وصنعها كذا في البحر الرائق (عالمگیری ص ۸۵-۱۲۰)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد انور عطا اللہ عنہ

خانقاہوں پر ڈالی ہوئی چادریں وغیرہ اٹھانا

جو خانقاہوں پر لوگ عوام جہلاء کپڑا ڈالتے ہیں اور مزاروں پر پیسہ ٹمکے ڈالتے ہیں
کیا وہ شرعاً اٹھالینا جائز ہے یا ناجائز ؟
چونکہ حد لگائی جائے گی یا کر وقف ہے ؟

خانقاہوں پر جہلاء لوگ جو کپڑا ڈالتے ہیں۔ اور پیسہ ٹمکے اس کے
چرانے والے پر حد نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حد اس شخص پر
لگائی جاتی ہے جو مکان محض سے چوری کرے۔ اور یہ مکان غیر محض سے اٹھایا
گیا ہے۔ اس لئے اس کے سارق پر حد لازم نہیں آتی۔ البتہ ان اشیاء کا اٹھانا جائز
نہیں کیونکہ ما اھل سنتیں داخل ہونے کا شبہ قوی ہے۔ فقط واللہ اعلم
الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافناء خیر المدارس
مورخہ ۵ شوال ۱۳۴۰ھ

شیخ محمد مدرسہ خیر المدارس۔ ملتان
۶ شوال ۱۳۴۰ھ

ایصال ثواب تملیک کر کے کرنا

چند اجاب قبرستان میں جمع ہو کر کچھ سورتیں وغیرہ پڑھتے ہیں۔ پھر اس کا ثواب
ایک آدمی کی ملک کر دیتے ہیں وہ میت کو بخش دیتا ہے۔ یہ بہتر ہے یا ہر کوئی اپنا پڑھا

تملیک کا طریقہ بھی درست ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر شخص اپنے
پڑھے ہوئے کا ثواب خود بخشتے ۔ فقہاء نے خود بخشنا لکھا ہے ۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۲ / ۶ / ۱۴۰۳ ھ

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری نہیں

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری ہے یا گھر سے یا مسجد سے اور جنازہ گاہ
سے بھی پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے ۔ ایصالِ ثواب کن کن چیزوں کا کیا جاسکتا ہے
اور اس کا طریقہ کیا ہے ؟

کوئی ضروری نہیں جہاں سے چاہیں کہہ سکتے ہیں ۔ عبادت اور صدقہ کا
ثواب پہنچایا جاسکتا ہے ۔ بشرطیکہ وہ صدقہ رسم و رواج کے
تحت نہ ہو ۔ ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں ایک جامع اور مفصل فتویٰ "خیر الفوائد"
جلد اول میں موجود ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰ / ۷ / ۱۴۵۸ ھ

مختلف اموات کو ثواب بخشنا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے

- (۱) قبرستان میں جا کر السلام علیکم یا اہل القبور کہنے کے بعد ایصالِ ثواب کے لئے
الحمد شریف اور سورۃ اخلاص تین دفعہ پڑھ کر تمام مسلمان فوت شدگان کو بخشنا جاسکتا ہے ۔
- (۲) اس کا ثواب ہر مسلمان فوت شدہ کو پورا پورا ملے گا یا ہر ایک کو اس کا ہزارواں

حصہ (مطابق تعداد قبر کے) تقسیم ہو کر ملے گا۔

اس طرح ایصالِ ثواب درست ہے بشرطیکہ کسی اور بدعت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ (۲)۔ تحقیق یہی ہے کہ متعدد اصوات کو بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۷/۱۴۰۸

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ کس نے پڑھایا؟

حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات کب ہوئی اور جنازہ کس نے پڑھایا؟
۵۸ھ میں رمضان کی تیرھویں تاریخ کو آپکے وصال ہوا۔ اور جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔
فقط واللہ اعلم ،
محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کو سلامی دینا

بعض بڑے لوگوں کے جنازہ کے بعد میت کو سامنے رکھ کر میت کو سلامی دیتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے؟

نماز جنازہ کے بعد میت کو سلامی دینا قرین ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحتوں کے حامل حضرات اس دور میں گزرے ہیں پس اس طرح سلامی دینا ایک غیر شرعی فعل ہے جو فرنگیوں کی تقلید میں کیا جاتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ من تشبہ بقوم فهو منهم۔

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۹۳/۱ فقط بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میت کا مرثیہ کہنے کا حکم

بعض بڑے لوگ فوت ہو جاتے ہیں تو لوگ اُن کی وفات پر مرثیہ وغیرہ کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب درست ہے۔ بشرطیکہ اس میں میت کے اوصاف میںبالغہ آرائی نہ ہو، جھوٹ نہ ہو بلکہ ایسے اوصاف ذکر کئے جائیں جو دوسروں کے لئے قابل تقلید ہوں۔ وکذا لا باس بمرثیۃ المیت شعراً وغیرہ
کما فی الجلاب (جامع الرموز ص ۱۹۳) فقط واللہ اعلم،
محمد النور عفا اللہ عنہ

جنازہ دیکھ کر راستہ والوں
جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونے کا حکم : کو کھڑے ہونا چاہیے؟
انالٹ پڑھیں یا ساتھ چلے چلیں یہ درست ہے یا از روئے حدیث کھڑے
ہو جانا چاہیے؟ اکر ام الحق۔ راولپنڈی

الجواب اگر ساتھ چلنے کا ارادہ نہ ہو تو جنازہ دیکھ کر اُٹھنا جائے اور
ایسے ہی چلتے ہوئے رکنا جائے، الا یہ کہ رکنے میں جنازہ گزرنے
کی سہولت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بہر حال قیام عن القعود یا توقف عن المشی جنازہ کے
احکام سے نہیں۔

ولا یقوم من فی المصلی لہا اذا راھا قبل وضعہا ولا
من مرت علیہ ہو المختار (در مختار علی الشامیہ ص ۵۹۸)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد النور عفا اللہ عنہ

قبرستان کی خالی جگہ وضو وغیرہ کیلئے استعمال کر سکتے ہیں

کیا قبرستان کی جگہ مسجد میں شامل کی جاسکتی ہے جبکہ مسجد کی جگہ تھوڑی ہے، جو صرف ایک کمرہ اور باہر ایک صف پر مبنی ہے۔ کیا مسجد باہر کی جگہ جو قبرستان کی ہے وہ وضو اور استنجاء کے لئے استعمال کر سکتے ہیں؟

جو جگہ قبرستان کے لئے وقف ہو چکی ہے اسے مسجد نہیں بنا سکتے۔ البتہ بوقت ضرورت خالی ہونے کی صورت میں اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی طہارت کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں مگر یہی کی قبرستان ہی کی۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴۰۸/۸/۱

اجنبی میت کا چہرہ دیکھنا : غیر محرم مرد یا عورت ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں؟

جسے زندگی میں دیکھنا جائز ہے، اُسے موت کے بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۴۰۸/۲/۲۵

تعزیت میں کیا کہا جائے : آدمی کسی کی تعزیت کے لئے جائے تو ہاتھ

اٹھا کر دُعا مانگنی چاہیے یا نہیں اور کیا

اسوہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں؟

تعزیت سنو نہ میں آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام سے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا ثابت نہیں۔ ومن ادعیٰ فعلیہ الا ثبات حضرات

فقہاء کرام نے تعزیت کو نیوالے کے لئے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے تعزیت کرے۔

وَيَقُولُ عَظُمَ اللَّهُ اجْرُكَ وَاحْسَنَ عِزَّاكَ وَغَضِبَ لِيَتَّكَ اه

شامی ص ۸۲۳ - عربی الفاظ نہ آئیں تو ان کا مفہوم ادا کر دے۔

الجواب صحیح ۱۳ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۳/۱۰/۱۴۰۳ محمد انور عفا اللہ عنہ

سوگ میں چپ منٹ کی خاموشی اور پرچم سرنگوں کرنے کا حکم

غیر مسلموں میں رواج ہے کہ کسی بڑی شخصیت کے مرنے پر بطور سوگ اجتماعی طور پر چند منٹ کی خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ نیز اگر وہ شخصیت ملک کے سربراہ کی ہو تو بطور سوگ کچھ دن پرچم سرنگوں رکھتے ہیں، پرچم سرنگوں کرنے کا رواج تو ہمارے ملک میں پہلے سے ہی ہے۔ اب بطور اظہار افسوس چند منٹ کی خاموشی کا رواج بھی شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ کچھ دن ہوئے ایک اسپتالی میں یہ واقعہ پیش بھی آیا ہے تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

شرعیات میں موت اور مابعد الموت کے تمام احکام تفصیل سے مذکور ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرنے والے سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو تو اسے مالی اور بدنی عبادات سے ثواب پہنچایا جائے اور مرحوم کے ورثاء سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں دلاسا دیا جائے اور ان کا غم ہلکا کرنے کی تدبیر کی جائے۔ اسلام میں ”خاموشی“ کوئی عبادت نہیں بلکہ خالص غیر مسلموں کی رسم ہے۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب ضروری ہے اگر ان کے ساتھ تشبہ کے قصد سے مسلمان بھی ایسا کریں گے تو سخت گناہ ہوگا۔

ایسے ہی پرچم سرنگوں کرنا بھی غیر مسلموں کی رسم ہے اس سے بچا جائے۔

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ترکہ تقسیم کرنے سے قبل صدقہ کرنا ہو تو اسکی ایک صورت

ایک نابالغ لڑکا جس کا والد فوت ہو چکا ہے اسکی والدہ اور دُوبالغ بھائی اور ایک بہن موجود ہیں۔ والد وراثت تقسیم کر کے نہیں گیا۔ اسکی مال وغیرہ سے معاملات دنیوی وغیرہ کرتے ہیں۔ خیرات بھی کرتے ہیں اسکی والدہ اگر کچھ خیرات کر دے تو طلباء کے لئے کھانا درست بنے یا نہیں۔ یا بغیر مدرسہ کے کسی کو مشترکہ مال میں سے خیرات کر دے۔

قبل از تقسیم مشترکہ ترکہ سے صدقہ کرنا درست نہیں۔ اگر صدقہ کرنا ہی ہو تو مثلاً ترکہ میں سے ایک ہزار روپیہ حسب شرع تقسیم کر لیں اس میں سے بالغ اپنے حصہ کو صدقہ کر دیں۔ نابالغ کا حصہ محفوظ رکھا جاوے۔

فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی مدرسہ اہذا
۹۹ھ

مزارات پر مروجہ عرس مکروہ اور بدعت ہیں

ایک شخص مسجد امام اپنے والد کی وصیت پر یا ویسے اپنی خواہش پر اپنے والد کی قبر پر اپنی مسجد کے احاطہ میں بنوا ڈالے اور اوپر کافر شس جہاں قبر کی شکل بنائی گئی ہے مسجد کے تھلہ سے ۱۴ فٹ اُدنچا رکھا ہے اور اس پر ایک کمرہ تیار کیا گیا ہے اور قبر پر ریشمی کپڑوں، بجلی کے تمقوں سے سجادٹ کی گئی ہے۔ عوام کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ ہر سال عرس ہوتا ہے اور روضہ سے چند قدم کے فاصلہ پر گائے بھیرٹیں دُبنے ذبح کر کے پکائے جلتے ہیں اور عوام کو کھلائے جاتے ہیں۔ علاقہ کے چند صوفی اور مولوی آکر وعظ کرتے ہیں ایک رات شبینہ بھی ہوتا ہے اپنی دنوں میں لکڑی کا بنا ہوا گبنہ نما روضہ رکھ

دیا جاتا ہے۔ اس کو بجلی کے قمقموں سے سجایا جاتا ہے عورتیں بھی اکثر روضہ پر
سو جاتی ہیں۔

الحمد لله

اگر یہ جگہ وقف ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو اس جگہ قبر
بنانا فرسش لگوانا اور کمرہ تیار کرنا یہ سب تصرفات ناجائز و حرام ہیں
اور یہ غاصبانہ فعل ہے۔ قبر کو ریشمی پردوں سے مزین کرنا اور عرس کرنا یہ افعال بھی مکروہ
و بدعت ہیں۔ ففی الشامیۃ تکرر السطور علی القبور اھ (ص ۸۳۹ ج ۱)

در حاشیہ ہدایہ مذکور است۔ یکرۃ نقل الطعام فی المقبرۃ
فی الأعیاد و اسراج السرج وغیرہ و اتخاذ الدعوة بقراءة
القرآن و بختم القرآن و قرائۃ سورۃ الانعام و سورۃ
الاخلاص الف مرة جمع الصیان و الصلحاء لذلك اھ و مح
شرح المنہاج للنووی الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث
و تقسیم الورد و العود و الطعام فی الايام المخصوصۃ کالثلاث
والخامس و التاسع..... والاربعین و الشہار السادس
والسنة بدعة ممنوعة اھ۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ العزیز ترجمہ ارشاد الطالبین میں ارقام
فرماتے ہیں۔ قبور اولیاء اللہ را بلند کردن و گنبد بر آں ساختن و عرس و اشال آن
چراغاں کہ دن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام و بعض مکروہ اھ۔

(کذا فی المسائل الاثنی عشریہ ص ۴۶)

عبارات سے جملہ امور مذکورہ فی السؤال کا ناجائز و بدعت ہونا ظاہر ہوا اور ایسے
امور پر اصرار کہ فیوالا فاسق و مبتدع ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

(کذا فی الشامیۃ والدر ص ۵۲۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ خیر المدارس مٹان

۲/۹

۱۳۹۹ھ

قبرستان کو کوئی بھی نہیں بیچ سکتا

وقف شدہ قبرستان کو کوئی شخص شرع محمدیؐ کی رُو سے فروخت کرنا چاہتا ہے کیا وہ ایسا کر سکتا ہے یا نہیں؟

موقوفہ قبرستان عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہوتا ہے اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ اس کی خرید و فروخت شرعاً بالکل ناجائز ہے۔ ہدایہ میں ہے: "وَإِذَا تَمَّ الْوَقْفُ لَمْ يَحْنِ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِكُهُ۔"

فقط واللہ اعلم

سید معبود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان

المجیب مصیب ، خطیب ابدالی مسجد غلام علی عفا اللہ عنہ

المجیب مصیب ، محمد شفیع عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم

الجواب صحیح " ۹
محمد عبداللہ غفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲۷۷
الجواب حق والحق احق ان یتبع ملتان
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنے کا حکم

خازے کو جب دفن کرنے کے لئے قبرستان میں لیجاویں تو قبروں کے آداب و احترام کی بنا پر پاؤں میں سے جوتے اتار لئے جاویں یا نہ؟

اولیٰ یہی ہے کہ قبرستان میں جوتا اتار کر چلے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالنثار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس

جوتا پہن کر چلنے والے سے بھی جھگڑا نہ کیا جائے کیونکہ حواز کے درجہ میں آتا ہے۔

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ غفر لہ ، مفتی خیر المدارس ملتان

دفن کے بعد چالیس دن تک قبر پر حاضری دینا

دفن کے بعد قبر پر ۴۰ دن تک صبح و شام حاضری دینا۔ مثلاً سوزج
نکلنے وقت، غروب ہونے وقت حاضری دی جاتی ہے۔ اور کچھ ذکر بھی کیا جاتا ہے یا
پڑھا جاتا ہے۔ یہ عمل چالیس دن تک جاری رہتا ہے۔ پہلے کی رسم کے ساتھ ساتھ
یہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے کوئی وقت اور دن متعین کر
لینا زیادة فی الدین ہے اور بدعت ہے۔

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۸ھ احقر محمد انور

جنات کہاں دفن ہوتے ہیں؟

جنات پر جب موت آتی ہے تو ان کے وجود کو کہاں دفن کیا جاتا ہے؟
خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے ملفوظات
میں منقول ہے کہ جنات فضا میں دفن ہوتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ



کافر مسلمان کی وصیت کا گواہ نہیں بن سکتا

ایک مسلمان نے مرتے وقت اپنی کل جائیداد ایک عیسائی کے نام کر دی اور اس پر عیسائیوں ہی کو گواہ بنالیا۔ کیا یہ وصیت نامہ شرعاً معتبر ہے؟

بر تقدیر صحت واقعہ یہ وصیت نامہ عند الشرع غیر معتبر ہے۔ لہذا غیر مسلم بوجہ وصیت اس جائیداد سے کچھ نہیں لے سکتا۔

و فی الہندیۃ لا تقبل شہادۃ الکافر علی المسلم

کذا فی محیط السرخسی ج ۲۱ - فقط واللہ اعلم الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مسجد میں یہ اعلان کرنا کہ فلاں صاحب جنازہ کا اعلان مسجد میں : فوت ہو چکے ہیں۔ اور فلاں وقت نماز جنازہ

ادا کی جائے گی۔ آیا یہ اعلان جائز ہے؟

جنازہ کے وقت کا اعلان مسجد میں کر سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۰۶ / ۶ / ۳۰

قربانی کی کھالوں کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدنا

جانوروں کی کھال کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدی جائے یا جائز ہے یا نہیں؟

چرہا قربانی کے پیسے واجب التصدق ہیں۔ اس کا مصرف فقرار اور مساکین ہیں، قبرستان کے لئے جگہ خریدنا جائز نہیں ہے۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
فقط واللہ اعلم ،
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

ج ۱۳۸۹ / ۱۲ / ۷



بعد از نماز جنازہ اجتماعی کلمہ و کلام

بعد از نماز جنازہ فوراً بیٹھ کر کلمہ کلام پڑھنا درست ہے یا نہ ؟
نماز جنازہ کے فوراً بعد اجتماعی طور پر تمام کا بیٹھ کر قرآن کی تلاوت
کرنا ثابت نہیں۔ البتہ اگر کوئی علیحدہ طور پر میت کے لئے دعا و
تلاوت کرے تو درست ہے۔

فقط واللہ اعلم ،
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

ج ۱۳۸۹ / ۱۲ / ۱۷



کیا نئی میت کو لینے کے لئے پُرانی آتی ہیں

موت کے وقت یہ جو مشہور ہے کہ میت کو لینے کے لئے سابقہ رُوحیں حاضر
ہوتی ہیں جو کہ میت کے رشتہ دار پہلے سے فوت ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے؟
یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح

۹۰ / ۲ / ۲۷

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان



آنکھیں دینے کی وصیت کر جانے کا حکم

اگر کوئی یہ وصیت کر جائے کہ میری وفات کے بعد میری آنکھیں فلاں کو دیدی جائیں کیا یہ وصیت شرعاً درست ہے ۔ ؟

الجواب لا لاشر انسانى کی شرعاً وہ حیثیت نہیں ہے جیسے جڑی بوٹی یا ناکارہ مشین کی کہ اس میں سے کارآمد چیزیں نکال کر کام میں لائی جاسکیں۔ مردہ انسان کی لاش کی بے حرمتی اور چیر بھاڑ ایسے ہی ممنوع ہے جیسے زندہ انسان کی الاعتداء اضطراب۔ پس شرعاً آنکھوں کے اتارنے کی اجازت نہیں گو مردہ اسکی وصیت ہی کر کے مرا ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۸۵ / ۱۰ / ۲۹

الجواب صحیح

خیر محمد غفرلہ

کافر کی صرف تعزیت جائز ہے جنازہ پڑھنا یا قبرستان جانا جائز نہیں

ہمارے ہاں ایک مرزائی فوت ہو گیا ہے لوگ اس کے جنازہ میں بھی شریک ہوئے اس کے گھر تعزیت کے لئے بھی گئے اور قبرستان بھی ساتھ گئے۔ ان کا یہ عمل کیسا ہے ؟

الجواب کافر کی صرف تعزیت جائز ہے اس کا جنازہ پڑھنا یا اس کے لئے دعا، مغفرت کرنا جائز ہے۔ ایسے ہی اسکی قبر پر جانا بھی جائز نہیں جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ مجمع عام کے سامنے سخت شرمندگی کے ساتھ اللہ سے توبہ کریں۔ وفى النواذر جاد یہودی او مجوسی مات ابن له او قریب ینبغی ان یعزیه ویقول اخلف الله عليك خیرا منك اصلحک وکان مغاکا اصلحک الله بالاسلام یعنی مارتقک الاسلام ورزقک ولدا مسلما کفایة (شامی ج ۳ ص ۳۸۸) (مالگیری ص ۵۲ ص ۵۲)

(۲)۔ بیان القرآن میں ہے کافر کے جنازے پر نماز اور اس کے لئے استغفار جائز نہیں $\frac{۱۲۱}{۴۲۰}$ روح البیان میں ہے ۔

ولا تقم علی قبرہ اھ ای ولا تحف عند قبرہ
للدفن او للزیارۃ والدعاء اھ ص ۴۸ ج ۳

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۱۱ / ۱۴۰۹ ھ

کنواری عورت کے لئے بہشت میں

جو عورت نیک سیرت اور اچھے اعمال کے ساتھ (غیر شادی شدہ) اس دار فانی سے کوچ کر جائے تو جنت کے اندر اس کا اعزاز کیا ہوگا۔ جیسا کہ مردوں کے لئے خوریں ہوں گی۔

غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری **الحاج**
البتہ ولکم فیہا ماتشتمہیہ الا نفس وتلذ الاعین الآتۃ
کے عموم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان کو یہ خواہش ہوئی تو پوری کی جائے گی۔

فقط واللہ اعلم ،

۹/۱۱

الجواب صحیح
بندہ عبدالرحمن اعظمی
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

اہل میت دفن سے پہلے کھانا کھا سکتے ہیں

عام لوگوں سے سنا ہے کہ اگر کسی گھر میں کوئی شخص فوت ہو جائے تو جب تک اسے دفن نہ کر لیا جائے اس وقت تک کھانا پینا جائز نہیں کیا یہ درست ہے ؟

یہ مسئلہ سن گھڑت ہے، شرعاً کھانا درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط

عبد اللہ غفرلہ ۱۱/۵
مفتی خیر المدارس - ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۸۱/۵
نائب مفتی خیر المدارس - ملتان

جو میت کی چار پائی اٹھائے کیا وہی واپس لائے

یہ رداج ہے کہ وہ تختہ جس پر مردہ کو نہلایا جاتا ہے اور وہ چار پائی جس پر مردہ کو قبرستان لے جایا جاتا ہے یہ دونوں چیزیں جس شخص نے اٹھائی تھیں وہی آکر رکھے اگر کسی دوسرے شخص نے آکر رکھی تو یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا آدمی اس گھر میں مرجائے گا۔ کیا یہ اعتقاد رکھنا صحیح ہے یا غلط؟

یہ خیالات اور ادھام جاہلانہ خرافات ہیں ان کی شریعت مقدسہ میں کوئی اصل نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

عبد اللہ غفرلہ ۲۹/۷
مفتی خیر المدارس - ملتان ۱۳۷۷ھ

قبروں پر چھت ڈال کر اوپر رہائشی مکان بنانا

اگر مکان کے متصل کچھ قبریں ہوں۔ تو ان کے اوپر چھت ڈال کر رہائشی مکان کے لئے کمرہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ موجود قبریں پوری طرح محفوظ ہوں گی۔

وقف قبرستان میں ایسا نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

قبر سے مراد عالم برزخ ہے یہ گڑھا مراد نہیں

قبر کی زندگی سے کیا مراد ہے۔ قبر میں عذاب یا راحت کی کیا نوعیت ہے۔ قبر سے کیا زمین کا چھٹا فٹ کا گڑھا مراد ہے جس میں مردہ دفن کیا جاتا ہے۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور جہان مراد ہے۔ ؟

الجواب قبر سے مراد یہی ظاہری قبر ہے اسی میں حسد و حسرت ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سواری پر تشریف فرما تھے کہ اچانک سواری بدکی آپ گرنے بھی لگے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے۔ ادما قال (مشکوٰۃ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اسی قبر سے گزر رہی تھی۔ عالم برزخ یا سبجین سے اس کا گزر نہیں ہوا۔

بعض حضرات نے جو ”قبر“ سے مراد عالم برزخ لیا ہے۔ اور گڑھے کے قبر ہونے کی نفی کی ہے۔ اس سے مقصود تعمیم ہے۔ اور ”قبر“ کو گڑھے میں منحصر سمجھنے کی نفی ہے

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ،



صاحب قبر کے وسیلہ سے دُعا کرنا

صاحب قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے دُعا کرنا کیسا ہے۔ اسے شرک کہا گیا ہے یا نہیں۔ صاحب قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا کیا شرک نہیں جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ صاحب قبر مختار ہے۔ اس لئے اس سے کچھ مانگنا درست ہے تو اس عقیدہ والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ ؟

الجواب صاحب قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے مانگنا جائز ہے۔ اور ایسے

ہی صاحبِ قبر سے اللہ پاک کے دربار میں دعا کی درخواست کرنے کی بھی شرعاً گنجائش ہے۔ اسے شرک قرار دینا غلط ہے۔ صاحبِ قبر کو مختار سمجھنے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا، اسکی شرعاً بالکل اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۴۰۹ / ۱۰ / ۱۹

اگر کوئی شخص قبرستان کے درخت استعمال کر لے تو اُن کی قیمت قبرستان کی ضرورت پر لگا دے

قبرستان کی لکڑیاں کاٹ کر بھٹی پکائی اور اینٹیں مسجد پر لگائیں کیا ان اینٹوں کا جو قبرستان کی لکڑیوں سے پکائی ہوئی ہیں مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہ؟
ان اینٹوں کا مسجد پر لگانا جائز ہے البتہ قبرستان کے درختوں کا لگانے والا شخص (جس نے بھٹی پکائی) خود نہیں ہے اور نہ ان کا لگانے والا شخص معلوم ہے تو اہلِ مقبرہ اس شخص سے ان لکڑیوں کی قیمت وصول کر لیں اور اس قیمت کو مقبرہ کی تعمیر وغیرہ ضروریات میں استعمال کریں۔ لما فی قاضینا
مقبورۃ فیہا اشجار عظیمة وکانت الا شجار فیہا قبل اتخاذ

الارض یعرف مالکھا خالا شجار باصلہا للمالک

درخت لگانے والا معلوم ہو تو وہ مالک ہوگا اسکی اجازت کافی سمجھی جائے گی۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۰ / ۱۲ / ۱۴۴۶ھ

الجواب صحیح

بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ

۱ / ۲ / ۱۴۴۶ھ

قبروں پر ڈالی گئی چادروں کا حکم

جو کپڑا جات قبروں پر ڈالتے ہیں ان کو عقیدہ نہیں اٹھاتے کیا ایسے کپڑوں کو کوئی شخص اٹھا کر اپنے کام میں یا کسی غریب کے کام میں لگا سکتا ہے۔ اور ڈالنے والے کے ملک سے وہ کپڑے نکل جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر نکل جاتے ہیں تو وہ مردہ مالک ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو پھر اٹھانے کا کیا حکم ہے ؟

قبر پر کپڑا ڈالنا جائز نہیں۔ **الحکام عن الحجة**
تکرة المستور علی القبور شامی ص ۸۲۶ ج ۱

میت ان کپڑوں کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ میت ملک کا اہل نہیں۔ اسی وجہ سے تکفین موتی سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ لعدم صحة التملیک منه الا ترى لو افترس سبعة سبع كان الکفن للمتبوع لا للورثة منار رشائی صاحب بحر نے ایسی اشیاء کے بارے میں علامہ قاسم سے نقل کیا ہے ان المنذورة میت والمیت لا ینکح کما فی قبیل الاعتکاف اور ظاہر یہی ہے کہ وہ کپڑا مالک کی ملک سے نہیں نکلتا کما قالوا فی السوائب وحی مسئلة ارسال الطیر فی الحج عند الاحرام۔ پس اس کپڑے کا استعمال بدوں اجازت مالک کے درست نہیں ہوگا۔
 فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں اس قسم کی اشیاء کا یہی حکم لکھا ہے جبکہ اس میں ابطال ہے غرض نادر کا۔

الجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
 محمد عبد اللہ غفرلہ ۱۴۸۳ھ نائب مفتی خیر المدارس سلطان



اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے

اگر میت کے اہل و عیال اپنے مردہ پر روئیں تو ان کے رونے سے میت کو

عذاب و تکلیف ہوتی ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ عذاب ہوتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ عذاب نہیں ہوتا۔ آپ شریعت کی رو سے فتویٰ دیں۔

یقیناً اہل و عیال کے رونے پر میت کو عذاب ہوتا ہے۔ جبکہ میت نے رونے کی وجہ سے شامی میں ہے۔

انما یعذب الميت ببكاء اهله اذا اوصى بذلك ص ۶۰۷ ج ۱

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۸ / ۳ / ۱۴۰۷ھ

مفتی خیر المدارس ملتان

کیا جمعرات کو ارواح گھر آتی ہیں

بعد از موت انسان کی روح ہفتہ یا دو ہفتہ بعد جمعرات کو اپنے فانی گھر میں واپس آتی ہے اور آیا اس روح کے لئے ختم دلوانا جائز ہے۔ نیز موت کے تیسرے دن قل کر وانا جائز ہے شرعاً ختم دلوانا جائز ہے؟

ارواح کا گھر میں واپس آنا صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے۔ یہ اعتقاد نہ رکھا جائے ایصالِ ثواب بلا قید تاریخ و غنیمت کے جائز ہے بلکہ مستحب ہے مگر اس کے لئے ختم کا اہتمام یا خصوصی تاریخوں کا تعین بدعت اور گناہ ہے لہذا مروجہ تاریخوں کے علاوہ بلا ختم دلائے کھانا کپڑا نقدی جو چاہے خیرات کر کے ایصالِ ثواب کرنا چاہیے تیسرے دن قل کرنا بدعت ہے۔

فقط

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس

عبداللہ غفرلہ

۱۲ / ۱۲ / ۸۰ھ

مفتی خیر المدارس ملتان

ایصالِ ثواب کیلئے اجرت پر قرآن پڑھوانا

میں نے اپنی والدہ کے لئے پانچ قرآن حافظ صاحب سے ختم کروائے اور دس روپیہ ہدیہ دیا اس نے کہا کہ میں پانچ روپے فی قرآن ہدیہ لیتا ہوں اس سے کم نہیں لیتا کیا یہ شرعاً جائز ہے ؟

تلاوتِ کلام پر اجرت لینا جائز نہیں اس طرح پڑھانے سے کچھ ثواب نہیں ملتا نہ پڑھنے والوں کو اور نہ جسے بخشا گیا۔ لینے دینے والے دونوں گناہ گار ہیں۔ کتابِ الاجارۃ میں علامہ عینیؒ نے ایسے ہی نقل کیا ہے۔ خود جتنا ہو سکے پڑھ کر یا خیرات کر کے ثواب بخش دیا کریں۔ ایسے حافظوں سے پڑھوانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۸۰ / ۹ / ۱۴

خیر محمد عفا اللہ عنہ

میت کی مجلس بدعات میں تاویل کیسا تھا شرکت کرنا

ہمارے دیوبندی مکتبہ فکر کی جامع مسجد کے امام اور متولیان وغیرہ میت کی رسومِ تیجہ وغیرہ میں شرکت کرتے ہیں اگر انہیں منع کیا جائے تو وہ جواب میں آیت ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة پڑھتے ہیں۔ کیا درست ہے ؟

ثواب پہنچانے کا مروج طریق جس میں ایام و اعمال کی تعیین ہوتی ہے نیز اس کا التزام کیا جاتا ہو بدعت ہے کما ہولا یحفی۔ امام صاحب کا باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے بدعات کی مجلس میں شریک ہونا کسی طرح صحیح نہیں مقتدا، حضرات کی شرکت لوگوں کے عقائد کے فساد کا سبب بنتی ہے۔

ایسے لوگوں کے لئے تو حکم یہ ہے کہ اگر اتفاقاً بھی کسی ایسی مجلس میں پہنچ جائیں تو اٹھ جائیں چہ جائیکہ باوجود علم کے شرکت کی جائے۔

ولو دعی الی دعوة فالتواجب الاجابة ان لم یکن هناك معصية ولا بدعة والامتناع اسلم ف زماننا الا اذا علم یقیناً ان لا بدعة ولا معصية اه شامی ۲۲۹
آیت مذکورہ فی السؤال کو اگر وہ اس مقصد کے لئے پڑھتے ہیں کہ دعوت بالمحکمتہ کے لئے بدعات میں شرکت جائز ہے تو وہ یقیناً غلط سمجھتے ہیں اور وہ دعوت ہدایت کی بجائے بدعت کی تائید و نصرت کر رہے ہیں ان کا اپنے اس عمل پر اصرار ان کے امامت کے لئے مفضی الی الکراہتہ ہے۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور

الجواب صحیح

۲۲ / ۴ / ۱۴۰۳

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بے نماز کی میت کو جنازے کے وقت ڈھیلے مارنا

ایک شخص مر گیا ۴۰ یا ۵۰ سال کی عمر میں اور اس نے بالکل نماز نہ پڑھی ہو اور نہ ہی کوئی گواہی دے۔ اس کا نماز جنازہ پڑھتے وقت ڈھیلے مارنے چاہئیں یا نہیں؟

(۲) ایک شخص نے نماز ظہر یا کوئی فرضی نماز نہ پڑھی ہو اور جنازہ دیکھ کر اس میں شریک ہو جاتا ہے اس کو معلوم تھا کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے اور جنازہ پڑھ کر دفن کرنے گئے اور فرض عین کو ادا نہ کیا۔ کیا اس کو نکال دیا جائے یا شریک ہونے دئے؟

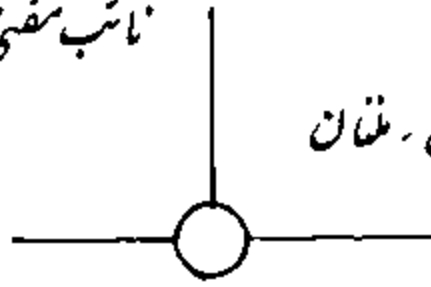
نماز پڑھتے وقت اسے ڈھیلے مارنا درست نہیں۔ آخر وہ کلمہ گو مسلمان تو ہے گو فاسق و فاجر اور سخت گناہگار ہے۔ میت کی

تذلیل درست نہیں۔

عن عائشة رضي الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
 قال كسر عظم الميت ككسره حياً رواه مالك ابوداؤد (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹)
 قوله ككسره حياً یعنی فی الاثم كما فی الروایة قال الطیبی فیہ اشارۃ
 الخ انه لا یمہان الميت كما لا یمہان الحي وقال
 ابن الملك والخ ان الميت يتألم قال ابن حجر
 ومن لازم ان يستلذ بما يستلذ به الحي انتهى وقد
 اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود اذی المؤمن فی موته
 کاذاه فی حیاته ذکرہ فی المرقاة اھ حاشیہ ۶ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹
 ۲۔ جنازہ سے نکالنا نہ جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ فرض عین فرض کفایہ سے زیادہ
 اہم ہے۔ اسکی بھی تاکید کی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
 نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
 مفتی خیر المدارس۔ ملتان



دش محرم کو قبروں کی لپسائی کرنا

دیکھنے میں آیا ہے کہ عشرہ محرم میں لوگ جوق در جوق قبرستان میں جاتے ہیں اور قبروں کی صرف ماہ محرم میں ہی لپسائی و صفائی اور درستی کرتے ہیں اور بعد میں مسودہ کی دال قبر پر بکھرتے ہیں۔ قرآن مجید قبرستان میں ساتھ لے جاتے ہیں اور قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں کیا قبرستان میں قرآن پاک لے جا کر پڑھنا صحیح ہے۔ نیز عشرہ محرم میں مختلف قسم کی اشیاء مثلاً چاول، کھیر، حلیم وغیرہ پکا کر قبر پر لے جا کر تقسیم کرتے ہیں کیا یہ افعال عشرہ محرم میں جائز ہیں۔ آگے پیچھے ان پر توجہ دینا ضروری نہیں۔

۲۔ میت کے کفن پر سیاہی کے پانی سے کلمہ طیبہ و کلمہ شہادت تحریر کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

۱۔ قبروں کی لپسائی بے حرمتی سے بچانے کے لئے امر مستحسن ہے۔ لیکن عشرہ محرم کی تخصیص درست نہیں شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ عاشورہ کے دن اپنے اہل و عیال پر کھانے وغیرہ میں توسیع شرعاً مطلوب ہے۔ عام تقسیم میں اہل تشیع سے مشابہت ہے اس لئے احتراز کیا جائے قرآن کریم کی تلاوت قبرستان میں جائز ہے۔ ہندیہ میں ہے:

قراءة القرآن عند القبور عند محمد لا تکرہ

ومشائختنا الخ بقولہ ص ۱۶۶ ج ۱

۲۔ سیاہی وغیرہ سے لکھنا منع ہے میت کے چہرہ یا سینہ پر سیاہی کے بغیر کلمہ لکھا جاسکتا ہے۔ شامیہ ص ۶۰۷ ج ۱۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

نہ آنحضرت علیہ السلام کا ہر قبر میں آنا ثابت ہے
اور نہ میت لیکر روضہ اطہر تک پرے ہٹائے جانے
کا کوئی ثبوت ہے :

ہمارے امام صاحب کہتے ہیں کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو قبر میں فرشتے
کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گرہ ہو جاتے ہیں۔ آیا صحیح ہے ؟
آنحضرت علیہ السلام کا فرشتوں کے ساتھ جلوہ گرہ ہونا کہیں
ثابت نہیں۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس قبر سے آنحضرت
علیہ السلام کے مزار تک پرے اٹھائیے جاتے ہیں۔ لیکن بعض محققین علمائے کبار نے کہا
ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں۔

ولا نعلم حديثاً صحيحاً مروياً عن ذالك عايشة مشكوة ج ۲۲
مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں :
ولا يلزم من الاشارة ما قيل من رفع الحجاب
بين الميت وبينه صلى الله عليه وسلم حتى يراه
ويستل عنه لان مثل ذالك لا يثبت بالاحتمال اهـ
مرقاۃ ص ۱۹۹ ج ۱ ، فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تدفین سے فارغ ہونے کے بعد کیا کیا جائے

جب میت کو دفن کر چکیں تو اہل میت کے ساتھ ان کے گھر واپس آئیں یا
اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں حکم شرع مطلوب ہے ؟

دفن کے بعد تعزیت کے لئے اہل میت کے ہاں جانا مکروہ ہے
 دفن میں شریک لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں
 ایسے ہی اہل میت بھی اجتماعی تعزیت کے لئے کوئی اہتمام نہ کریں۔

قال كثير من متأخري ائمتنا رحمهم الله يكره
 الاجتماع عند صاحب الميت حتى يأتى الميه من
 يعزى بل اذا رجع الناس من الدفن فليتفرقوا و
 يشتغلوا بامورهم وصاحب الميت بامره ويكره
 الجلوس على باب الدار للمصيبة فان ذلك عمل اهل
 الجاهلية ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك
 وتكره في المسجد اه (مراقی)

(ويكره الجلوس على باب الدار) قال في شرح السيد ولا
 بائس بالجلوس لها الخ ثلاثة ايام من غير ارتكاب
 محظور من فرش البسط والا طعمة من اهل الميت الخ
 قوله عن التجنيس لا بائس بالجلوس لها ثلاثة ايام وكونه
 على باب الدار مع فرش بسط على قوارع الطريق من
 افصح القبايح اه (طحاوی ص ۳۲۹) فقط واللہ اعلم
 محمد انور

میت کو قبرستان کیسے لے جایا جائے

اگر قبرستان آبادی کی مغربی جانب ہو تو ظاہر ہے کہ میت کو قبرستان
 لے جاتے وقت میت کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں گے۔ اس میں کوئی
 گناہ تو نہیں؟

جنازہ لے جانے وقت سر کی جانب آگے رکھی جائے۔

پاؤں چاہے جدھر ہو جائیں ۔

وقف حالة المشى بالجنازة يقدم الرأس كذا
في المصنوعات اهـ (عالمگیری ص ۱۲۰)
فقط واللہ اعلم ،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ،

جوان عورتیں قبرستان میں نہ جائیں

عورتوں کو قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر منع ہے تو کیوں ؟
محمد شفیع حسینی آباد

جواب :
بڑھی عورتیں قبرستان عبرت کے لئے جاسکتی ہیں ۔ جوان
عورتوں کے لئے جانا منع ہے ۔

والا صم ان الرخصة ثابت لمن اهـ (مکاشفة شامیہ) وجزم فی
شرح المنیة بالکراهة لما مرّ فی اتباعهن الجنازة
وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجديد الحزن
والبکاء والندب علی ما جرت عادتهن فلا تجوز و
علیه حمل حدیث لعن اللہ ذلّات القبور وان کان
للاعتبار والترحم من غیر بکاء والستبرک بزیارة قبور
الصالحین فلا بأس اذا کن عجائز ویکره اذا کن
شواب کحصنور الجماعة فی المساجد وهو توفیق حسن
فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار غفر اللہ لہ

الجواب صحیح ،

۱۳ / ۴ / ۱۴۰۹ ھ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ

”بیڑی بھاڑہ“ کی شریعت میں کوئی اصل نہیں

عوام میں رواج ہے کہ جنازہ کے ساتھ کچھ اناج ساتھ لے جا کر مجاور خانقاہ کو یا کسی فقیر کو دے دیتے ہیں اور بعض جگہ یہ رواج ہے کہ مرلے کے بعد کچھ سیر دو سیر گندم وغیرہ مردہ کے سر کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ اپنی گندم یا کچھ بھی ملا کر جنازہ کیساتھ لیجا کر دے دیتے ہیں۔ اس کو بعرف ملتان وغیرہ بیڑی بھاڑہ کہتے ہیں یعنی کشتی پر سوار ہونے کی اجرت۔ گویا یہ مردہ آخرت کی کشتی پر سوار ہوا ہے اسکی اجرت وارث قبل تقسیم وراثت دیدیتے ہیں اور بعض اوقات ہی بیڑی بھاڑہ وارث دیتا ہے یہ اعتقاد اور رسم و رواج درست ہے، سنت کے موافق ہے یا بدعت ہے؟

رسم مذکور المعروف بہ بیڑی بھاڑہ (کشتی کا کرایہ) بدعت ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ جاہلانہ باتیں ہیں۔ البتہ ایک اصلی صورت شرعیہ جو فقہاء نے قضا نمازوں اور روزوں کے متعلق تحریر فرمائی، وہ یہ ہے کہ متوفی کی قضا نمازوں اور روزوں کا حساب لگایا جائے ہر نماز کے بدلے ایک فطرانہ کے بقدر پیسے یا غلہ کسی فقیر یا محتاج کو دیا جائے۔ یہ رقم اگر میت نے وصیت کی ہو تو تہائی مال سے نکالی جائے ورنہ بالغ وارث اپنے ذاتی مال سے دیں۔ اگر وارثوں کے پاس روپیہ زیادہ نہ ہو اور متوفی کے ذمہ نمازیں اور روزے بہت قضا ہوں تو تھوڑی سی رقم مثلاً پانچ نمازوں کا فدیہ فقیر کو دیا جائے۔ بعد میں فقیر اس رقم کو بطور ہبہ وارث کی طرف لوٹائے پھر وارث دوبارہ اور پانچ نمازوں کے بدلہ میں وہ رقم مسکین کو دیدے پھر فقیر وارث کو ہبہ کر دے علیٰ ہذا القیاس لوٹا کر اسکی تمام نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ (کما فی الشامیۃ ص ۵۱ ج ۱)

ولو مات وعليه صلوٰۃ فاستة و اوصى بالكفارة

يعطى لكل صلوٰۃ نصف صاع من برکات الفطرة وکذا

حكم الوتر و الصوم و انما يعطى عن ثلث ماله و لو لم يترك

مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ويدفعه الفقير
للوارث ثم وثم حتى يتم - فقط واللہ اعلم ،
عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹ / ۴ / ۱۳۴۴ھ

اولیاء میت سے اجازت لئے بغیر دفن پہلے نہیں کوٹنا چاہیے

امام مسجد محلہ دالامیت کا جنازہ پڑھا کر میت کے دفنانے سے قبل واپس آجاتا ہے تو اس پر برادری کے لوگ ناراض ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ میت کے دفنانے کے بعد واپس آئے ؟

اولیاء میت سے اجازت لئے بغیر نہیں کوٹنا چاہیے۔ غایہ میں ہے
ولا يرجع عن الجنازة قبل الدفن بغیر اذن اهلها ص ۹۱

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبدالستار غفرلہ عنہ ۲۴/۴/۱۴۰۶ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

قبرستان مٹ مٹا جائے تو بھی وہ قبرستان ہی رہے گا

ہمارے علاقہ میں ایک چھوٹا سا قبرستان تھا آبادی کی کثرت کی وجہ سے نیا قبرستان بنالیا گیا اب وہ جگہ ویران پڑی ہے کوئی وہاں مردہ دفن نہیں کرتا۔ لے کاشت کر سکتے ہیں ۔؟

وقف الہندیہ ص ۳۵۱ سئل هو ایضا عن المقبرة
فی القرى اذا اندرست ولم یبق فیہا اثر الموقی
لا البظم ولا غیرہ هل یجوز زرعہا واستغلالہا قال لا دلہا
حکم المقبرة - روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جو زمین قبرستان پر وقف ہو

گئی ہے اگرچہ لوگ اس میں اموات دفن نہ کرتے ہوں اور دفن شدہ قبریں مٹ گئی ہوں۔ تب بھی وہ زمین قبرستان کے حکم سے نہیں نکلتی اس کو کاشت کرنا اور کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۱۶ / ۷ / ۹۲ ھ

خانہ بدوش اپنی میت منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں

ہمارے ہاں رواج ہے جو حضرات ڈیروں پر بیٹھتے ہیں۔ ان کے ہاں جب کوئی میت ہو جاتی ہے۔ اس کو دفن کرنے کے لئے اپنے وطن لے جاتے ہیں، میت کو بغیر غسل دیئے۔ (یا میت کو غسل دے کر دوسرے مقام پر منتقل کرنا جائز ہے) اگر یہ لوگ مستقل رہائش ڈیروں پر رکھتے ہیں تو انتقال مکروہ ہے خواہ غسل سے پہلے ہو یا بعد میں۔

ولیتجب الدفن قبل مقبرة محل مات به او قتل فان نقل قبل الدفن قدر ميل او ميلين لا بأس به وكره نقله لاكثر منه مراقى على الطحطاوى ۳۳۵

نقطہ واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۲۵

۱۴۱۱ ھ

الجواب صحیح،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا

کیا مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاسکتا ہے؟

از دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ملتان

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورے لیکر آج تک تعادل مسلمان

یہی ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے قبرستان علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

اور تعادل امت حجتہ قطعیہ ہے لہذا مرزائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں

۲۔ قبرستان میں داخلہ کے وقت سلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا دفن مسلمانوں کے قبرستان میں جائز نہیں وہ الفاظ یہ ہیں۔ "السلام علیکم دار قوم مؤمنین"۔^{۸۴۲} اضافت دار مؤمنین کی طرف علامت تخصیص ہے اور یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں (شامی)۔^{۸۴۳}

۳۔ اگر اتفاقاً چند مسلمان اور کافر مڑے باہم مل جائیں اور کوئی امتیازی علامت موجود نہ ہو تو فقہاء لکھتے ہیں کہ ان کو بھی علیحدہ دفن کیا جائے۔ ہر چند ان میں مسلمان بھی ہیں لیکن مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے لامحالہ کافر بھی وہیں دفن ہوں گے (اور یہ جائز نہیں ہے)۔

۴۔ اگر کوئی ذمیۃ عورت مسلمانوں سے حاملہ ہو اور بحالت حمل اس کا انتقال ہو گیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان سے علیحدہ دفن کیا جائے کیونکہ بچہ جب تک اس کے پیٹ میں ہے اُسی کا جُز ہے کہ وہ کافر ہے لہذا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے یہ صراحت ہے اس بات کی کہ غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔

لو اخلط موتانا بکفار ولا علامة اعتبار الا کثر قالوا
والاحوط دفنها علیحدۃ (در مختار) قوله کدفن ذمیۃ
جعل الا قول شہا بہذا الخ اختلف فیہا الصحابة رضی
اللہ تعالیٰ عنہم علی ثلاثۃ اقوال فقال بعضهم تدفن فی
مقابرنا ترجیحاً للجانب الولد وبعضہم فی مقابر المشرکین
لان الولد فی حکم جُزٍ منہا مادام فی بطنہا
وقال واثلة بن الاسقع یتخذ لہا مقبرۃ علی حدۃ
قال فی الحلیۃ و هذا احوط (شامی ج ۱ ص ۸۶۶) فقط واللہ اعلم
الجواب صحیح

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

خیر المدارس کس۔ ملتان

۲۵ / ۴ / ۹۴

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس کس۔ ملتان

کفن و دفن کی فہم بنانا : آج کل نماز جنازہ کفن و دفن وغیرہ کی فلمیں بنتی ہیں۔ کوئی کتنا ہی پیچھے پھر بھی

اسکی فوٹو فلم میں آجاتی ہے ایک حدیث کی شرح میں تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ فوٹو گرافر کو قاتل کا سا گناہ ہوگا۔ یہ پڑھ کر تشویش لاحق ہے۔ (۲)۔ نماز جنازہ پڑھنا اور کفن و دفن میں شریک ہونا چونکہ ضروری کام ہے ان کو چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں کیا تدبیر کرے کہ فوٹو کھجوانے کے گناہ کبیرہ سے بچ سکے۔ کیا ایسی صورت میں نماز جنازہ اور کفن وغیرہ میں شریک ہو تو کوئی شرعی گناہ ہوگا یا نہیں ؟

فوٹو کھینچنا اور کھجوانا سخت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فوٹو کھینچنے والوں پر لعنت فرماتے ہیں۔ جنازہ اور دفن کا وقت انتہائی عبرت کا مقام ہے ایسے موقع پر گنہگار سے گنہگار مسلمان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ایسے موقع پر حرام فعل کا ارتکاب کرنا اور پوسے جمع کو اور میت کو اس میں شریک کرنا انتہائی بد بخمتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے بلکہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی چارہ کار نہ ہو تو جس جگہ اور جس وقت تصویر کشی ہو رہی ہو اس وقت کنارہ کشی کر لیں بدین وجہ شرکت سے دستکش نہ ہوں۔

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

میت کے گرد کچی اینٹیں اور ان کے پیچھے پکی اینٹیں لگانا

اگر قبرستان میں سیم ہو تو وہاں پکی اینٹیں لگائی جاسکتی ہیں ؟ میت کے ارد گرد اینٹیں کچی رہیں ان کے پیچھے ادھر ادھر پکی اینٹیں لگا سکتے ہیں۔ کذا فی الشامیۃ ص ۸۳ ، فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

والدین کی قبر کا بوسہ بھی جائز نہیں

اپنے والدین کی قبر کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں عالمگیری میں ہے کہ جائز ہے۔
اگر جائز ہے تو کس طرح لینا چاہیے ؟

عالمگیری میں ہے۔ ولا یسح القبر ولا یقبلہ فان
ذک من عادة النصارى ولا بأس

بتقبیل قبر والدیہ ص ۱۹۱۔

اس عبارت سے گو کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن حضرات علماء کرام نے تصریح کی
ہے کہ یہ درست نہیں شیخ عبدالحی محدث دہلوی مدارج النبوة میں تحریر فرماتے ہیں :
کہ در بارہ بوسہ قبر والدین روایات فقہی نقل میکنند و صحیح آنست
کہ لا یجوز است۔ حضرت مولانا عبدالحی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ محققین حنفیہ
شافعیہ و مالکیہ و حنبلیہ کے نزدیک اس طرح کے امور مکروہ اور بدعت ہیں کسی قبر کے ساتھ خواہ
قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو یا قبر ولی و مرشد کی ہو یا قبر والدین کی ہرگز ہرگز نہ چاہیے۔
ناقلہ عن الفتاویٰ العزیزیۃ

لہذا کسی قبر کو بوسہ دینا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۴۰۳ / ۵ / ۱۷

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میت کے ساتھ حلوہ پکا کر لے جانا

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ مُردہ کے ساتھ چند روٹیاں پکا کر اُن پر شکر وغیرہ
ڈال کر ساتھ لے جاتے ہیں اور بعض جگہ حلوہ پکا کر ساتھ لے جا کر قبر کھودنے والے
کو خصوصاً اور دوسروں کو کھلاتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ قبر میں

مردہ کو سورج کھڑک مارتا اور غروب ہوتا نظر آتا ہے یہ روٹیاں مردہ کے کان پر آجاتی ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ حلوہ سے مردہ کی تکلیف رفع ہوتی ہے، اور بعض کا یہ ارادہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ اعتقاد صحیح ہے یا نہ؟

جاہلانہ خیال ہے اور بے اصل رسم ہے۔
فقط واللہ اعلم،

الحاج محمد

عبد اللہ غفر اللہ لہ

مفتی خیر المدارس - ملتان

۲۱ / ۷ / ۱۳۷۷ھ

زندگی میں قبر سے نماز بنوانا : اپنی قبر بن کر اوپر قبہ نما عمارت بنا ڈالی ہے۔ کتاب اللہ و سنت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موجب شرعی حیثیت اس کی کیا ہوگی؟
قبر بنانے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس پر گنبد بنانا منع ہے۔ حدیث میں ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن

تخصیص القبور ان یکتب علیہا وان یبني علیہا (رواہ مسلم)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۹ / ۷ / ۱۴۰۸ھ

قبرستان میں ٹیوب ویل لگانا

ایک پُرانا قبرستان ہے جس کے ایک کونے میں گرد و نواح کے باشندے کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں۔ اور وہاں بظاہر کوئی قبر نظر نہیں آتی۔ آیا پیپلز پروگرام کے تحت منظور شدہ ٹیوب ویل لگا سکتے ہیں۔ جواب سے مطلع فرمائیں؟

اس جگہ پر ٹیوب ویل کے لئے نلکہ اور مشین نصب کرنا درست
الجواب ہے۔ فقط واللہ اعلم،

المجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱۱ / ۱۴۱۰

تحقیق کر لی جائے اگر وہ جگہ وقف للمقبرہ نہیں تو لگا سکتے ہیں۔ والمجواب صحیح
 محمد انور، مرتب خیر الفوائد

حدود مسجد میں دفن کرنا: میت کو مسجد میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حدود مسجد جو وقف ہو اس میں قبر بنانا جائز نہیں ہے۔ وہ جگہ تا قیامت مسجد کے لئے ہی وقف رہے گی۔

وشرائط الواقف كنص الشارع (شامہ ۲۵)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

دفن کے وقت کانے وغیرہ استعمال کرنا

میت کو لحد میں لٹانے کے بعد لحد کو کس چیز سے بند کیا جائے؟

الجواب کچی اینٹیں سرکنڈے اور کانوں وغیرہ سے بند کرنا اولیٰ ہے۔ کانے اور کچی اینٹ برابر ہیں (مرقولہ و قصب) قال فی الحلیۃ و تسد

الفرج التي بين اللبت بالمدر والقصب کی لا ينزل التراب منها
 علی الميت ووضوا علی استجاب القصب فیها كاللبن اه شامہ ۸۴/۱۲

فقط واللہ اعلم، محمد انور ۸ / ۱۱ / ۱۴۱۲

قبر کو بوسہ دینے کا حکم : قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا مکروہ ہے۔
 عام لوگوں کی عادت ہے جب کسی بزرگ کی قبر پر جاتے ہیں تو قبر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور بعض لوگ قبر کا بوسہ بھی لیتے ہیں کیا شرعاً یہ درست ہے۔

قبر کو ہاتھ لگانا اور قبر کا بوسہ لینا مکروہ ہے۔
 وكره النوم على القبور وكره تحريماً قضاء الحاجة اى البول والتغوط عليها بل وقريباً منها وكذا ما لم يعهد من غير فعل السنة اه (مراقى)۔
 (قوله وكذا ما لم يعهد من غير فعل السنة) كاللمس والتقبيل وقوله من غير بيان لما اه (طحاوى ص ۳۴۳) وفيه (اى الطحاوى) ولا يمس القبر ولا يقبله فانه من عادة اهل الكتب ولم يعهد الا ستلام الا للحجر الا سود والركن اليماني خاصة (اه ص ۳۴)۔ فقط والشرع علم ،
 احقر محمد انور عفا الله عنه

عذاب قبر سے محفوظ رہنے کی بشارت جمعہ کی رات یا دن کو مرنے والے کے لئے ہے دفن ہونیوالے کیلئے نہیں

زید بڈھ یا جمعرات کے دن فوت ہوا اسے اگر جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن دفن کریں تو کیا وہ بھی عذاب قبر سے محفوظ رہے گا ؟

حدیث نبوی میں جو عذاب قبر سے محفوظ رہنے کا ذکر ہے وہ جمعہ اور جمعہ کی رات کو مرنیوالے کے بارے میں ہے۔ جو ان ایام کے

علاوہ کسی اور دن میں مرے اس کے لئے وعدہ نہیں چاہئے اسے دفن جمعہ کی رات کیا جاوے یا جمعہ تک قبر پر پڑھنے والے بیٹھے رہیں۔

ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر قال القاري فتنة القبر أي عذابه وسواله وهو محتمل الاطلاق والتمديد الاول، هو الاول بالنسبة الى فضل المولى (مرقاۃ ص ۱۱۲ ۲۰)

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ
۲۱/ محمد انور عفا اللہ عنہ
۹۸/ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

قبر زمین سے ایک بالشت اُونچی ہو

قبر زمین سے کتنی اُونچی ہونی چاہیے ؟
ایک بالشت اُونچی ہونی چاہیے۔
ولیسلم القبر خدر الشبر (عالمگیری ج ۵)

الجواب صحیح،
عبدالستار عفی عنہ
محمد انور
۹۵/ ۱۲/ ۲۲

خاوند بیوی کو قبر میں اُتار سکتا ہے ؟

کیا خاوند اپنی بیوی کو لحد میں اُتار سکتا ہے ؟ اور اس میں سب سے زیادہ حق دار کون ہے ؟

زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ عورت کو قبر میں وہ رشتہ دار اُتاریں جو اس کے لئے محرم ہوں، یہ نہ ہوں تو پھر وہ جو رشتہ دار

ہیں، گو محرم نہیں ہیں۔ یہ بھی نہ ہوں تو اجنبی اُتار سکتے ہیں۔ خاوند بھی اجنبیوں کے
 حکم میں ہوتے۔ وذو الرحم المحرم اولیٰ بادخال المرأة من
 غیرہم کذا فی الجوهرة النيرة وکذا ذو الرحم غیر المحرم
 اولیٰ من الاجنبی فان لم یکن فلا بأس للاجانب وضعها ۱۱
 (عالمگیری ص ۱۲۵)
 فقط واللہ اعلم
 احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

قبرستان زیر آب جائے تو نعشوں کو منتقل کر نیک حکم

ایک عالم باعمل کو قبرستان میں دفن کیا گیا بیسٹ سال کے بعد سیلاب نے
 قبریں برباد کر دیں ان کی نعش کو دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟
 بلا ضرورت اموات کو مکان سے منتقل کرنا جائز نہیں البتہ بوقت
 ضرورت جب کہ قبرستان کو پانی لگ رہا ہے۔ اور مردہ کے
 بہہ جانے کا خطرہ ہو منتقل کرنا جائز ہے۔ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی صاحب نے
 جواز نقل کا فتویٰ دیا ہے۔

بہر حال اب صورتِ مسئلہ میں ضرورتِ عدم ضرورت کا فیصلہ مقامی علماء کر سکتے
 ہیں۔ اب دوسری جگہ عالم مذکور کو دفن کیا گیا ہے تو وہاں رہنے و ٹہنا چاہیے اور تردد اور
 نزاع کو ختم کر دینا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
 خادم الافکار خیر المدارس۔ ملتان

دفن سے پہلے قبر میں سورہ ملک پڑھنا

بعض لوگوں کا معمول ہے کہ مردہ کو قبر میں رکھنے سے پہلے قبر میں بیٹھ کر سورہ ملک اور سورہ یسین تلاوت کرتے ہیں ؟

اس وقت سورہ ملک یا کوئی اور سورہ پڑھنا ثابت نہیں لہذا نہ پڑھیں اسکی بجائے کتب فقہ میں یہ لفظ منقول ہیں۔

”بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلَىٰ هَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“
(درمختار)

شامی میں اس کے تحت لکھا ہے کہ یہ لفظ ترمذی اور ابن ماجہ سے ثابت ہیں اس کے علاوہ ان پر مزید کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔ (شامیہ ص ۸۳۷ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

چالیس قدم ہٹ کر دُعا مانگنا : دفن کرنے کے بعد چالیس قدم ہٹ کر دُعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟

چالیس قدم ہٹ کر دُعا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں محض رسم و بدعت ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفی عنہ

۱۴۰۱ / ۵ / ۱۵

بحری جہاز میں مرنیوالے کا حکم

ہم بحری جہاز سے حج پر جا رہے ہیں کئی دن کا سفر ہو گا اگر خدا نخواستہ کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا کریں ؟

اگر تو کہیں ساحل قریب ہو اور اُتر کر دفن کرنا ممکن ہو تو

یہ بہتر ہے ورنہ غسل دے کر کفن پہنا کر جنازہ پڑھ کر سمدر میں ڈال دیں۔
 وإن مات المسلم في البحر في السفينة فان كان
 الشط قريباً بجاء به إلى الشط ويقبر ويدفن وإلا
 فيصلى عليه بعد الغسل ويُلقي في البحر وهو له قبر
 لأن التكليف بحسب الوسع اه (رسائل الأركان ص ۱۵۹)
 فقط واللہ اعلم، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲ / ۱ / ۱۳۹۸ ھ

اگر قبر احاطہ مسجد میں آجائے تو اس کا کیا کریں؟

ایک قبر دورانِ توسیع احاطہ مسجد میں آگئی ہے اس کا کیا حکم ہے؟
 اگر یہ قبر مسجد کی زمین میں ہے۔ اور کافی پرانی ہے تو اس کو
 ہموار کر دیا جائے اور اس کے اوپر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز
 ہے۔ وقال الذیلعی ولو بلی المیت و صار تراباً جاز دفن غیرہ
 فی قبرہ و زرعه و البناء علیہ اه (شامی ص ۸۳۵)

فقط واللہ اعلم،
 الجواب صحیح
 بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ
 ۳ / ۸ / ۹۶ ھ

قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے

دفن کے بعد قبرستان ہی میں لواحقین کے ساتھ انوس کرنا درست ہے
 یا نہیں؟

قبرستان میں قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے۔
 وتکون التعزیمۃ ثانیاً وعند القبراہ (درمختار علی الشامیہ ص ۸۴۳)

فقط واللہ اعلم،
 الجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
 محمد انور عفا اللہ عنہ

میت کے لئے ڈھیلے کا استعمال

عام رواج یہ ہے کہ زندہ جیسے طہارت کرتا ہے ایسے ہی میت کے لئے بھی ڈھیلے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً ثابت ہے ؟

کُتُب فقہ میں استنجا کرانے کا تو لکھا ہے مگر ڈھیلے استعمال کرانے کا نہیں لکھا بلکہ استنجا کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر مکمل کپڑا لپیٹ لے اس کے بعد استنجا والی جگہ کو دھوئے ۔

وَيَسْتَنْجِي عِنْدَ ابْنِ حَنِفَةَ وَ مُحَمَّدٌ كَذَا فِي مَحِيطِ السَّرْحِيِّ
وَصُورَةُ الاستنجاء ان يلفف العناسل على يديه خرقَةً و
يعسل السُّوَّةَ لان من العورة حرام كالنظر اليها كذا
في الجوهرة النيرة - (فتاوى عالمگیری (ص ۱۵۸) -

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور غفرلہ

۳ / ۲ / ۱۴۱۱ ھ

مُرے کے مصنوعی دانت نکال لئے جائیں

بچپن میں میرے دو دانت ٹوٹ گئے تھے ۔ دوبارہ لگوانے پڑے تو دانت لگانے والوں نے کہا کہ سونے کے علاوہ باقی سب چیزیں بیکار ہیں ۔ میں نے مجبوری سے لگوالئے یہ جائز ہے یا نہیں مرنے کے بعد اُتارے جائیں یا نہیں ؟

اگر دانت لگوالئے ہیں اور اب اتارنے میں تکلیف ہو تو رہنے دیجئے فی الجملہ گنجائش ہے مرنے کے بعد اُتار دینے چاہئیں ۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس بٹکان

۵/۱۲

۸۸ ھ

الجواب صحیح ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ

میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھیں ؟

- ۱۔ میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھنا چاہیے ؟
 - ۲۔ قُلْ جائِزٌ ہوں یا نہیں جبکہ مرنے والا قُلْ شریف کے لئے رقم بھی چھوڑ کر گیا ہو؟
- الجواب** ۱۔ غسل دیتے وقت غفرانک یا رحمٰن پڑھتے رہیں۔ لقولہ علیہ السلام
 بِأَعْلَىٰ أَغْسِلُ الْمَوْتَىٰ فَإِنَّهُ مَنَ غَسَلَ مِيتًا غُفِرَ لَهُ سَبْعُونَ مَغْفِرَةً
 لَوْ قُتِلَ مَغْفِرَةً مِنْهَا عَلَىٰ جَمِيعِ الْخَلَائِقِ لَوْ سَحَتَهُمْ۔ قُلْتُ مَا يَقُولُ
 مَنَ يَغْسِلُ مِيتًا قَالَ غُفْرَانُكَ يَا رَحْمَنُ حَتَّىٰ يَفْرُغَ مَنَ الْغُسْلِ
 رواہ ابو حفص ابن شاہین فی کتاب الجنائز (شرح نقایہ ص ۱۳۳)
 ۲۔ مروجہ قُلْ بدعت ہیں۔

نقطہ واللہ اعلم،
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۱ / ۴ / ۱۴۰۶ھ

جُنبی کا غسل دینا مکروہ ہے

- کیا حائضہ اور جُنبی میت کو غسل دے سکتے ہیں ؟
- حائضہ اور جُنبی کا غسل دینا مکروہ ہے۔ ویکرالاہ
- الجواب** ۱۔ یكون الغاسل جنبا او حائضا اھ (شرح نقایہ ص ۱۳۲)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ

۷ / ۵ / ۱۴۱۱ھ

مُردہ بچے کے غسل کا حکم : جو بچہ مُردہ پیدا ہو کیا اسے بھی غسل دیا جائے ؟

الجواب اسے غسل نہ دیا جائے۔ ولو ولد ميتاً روى

عن ابن حنیفۃ ومحمد انه لا یغسل لان الغسل لا جل
الصلوۃ وهو لا یصلی علیہ اھ -

لیکن خلاصۃ الفتاویٰ میں امام ابو یوسف کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ
اسے بھی غسل دیا جائے۔ وف الخلاصۃ السقط الذی لم ینتم اعضاؤہ لا
یصلی علیہ ولكن یغسل ویدفن فی خرقۃ وکانہ اختار روایۃ
ابن یوسف (شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۱) - فقط واللہ اعلم،

محمد انور



خنثی مشکل کو کون غسل دے؟ خنثی اگر فوست ہو جائے اور اس وقت
کوئی اور خنثی موجود نہ ہو تو اس کو

غسل کون دے۔ مرد یا عورت؟ اگر بوڑھا ہو تو اس کو غسل کون دے جو ان اور
نابالغ کو غسل کون دے؟ — قاری شرف الدین صدیقی بہتم اشرف القرآن
کہرڈ پٹا

خنثی میں اگر مردوں والی علامات غالب ہیں تو مرد غسل دے اور اگر
عورت والی علامات غالب ہیں تو عورت غسل دے اور اگر دونوں طرح
کی علامات برابر ہیں تو یہ خنثی مشکل ہے اس کو نہ مرد غسل دے نہ عورت بلکہ صرف تیمم
کرا دیا جائے اگر چھوٹا بچہ ہو تو اسے مرد و عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔

و یتیم الخنثی المشکل لو مراہقاً والا فکفیرہ فیغسلہ
الرجال والنساء اھ (در مختار علی الشامیہ ص ۵۷۸) فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ

الجواب صحیح،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ



میّت کو کون غسل دے : جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اسے کون غسل دے عام طور پر رواج یہ ہے

ہے کہ اس کے لئے امام مسجد ہی کو منتخب کیا جاتا ہے کیا گھر والے خود بھی غسل دے سکتے ہیں؟
بہتر تو یہ ہے کہ میّت کا قریب ترین رشتہ دار اسے غسل دے بشرطیکہ وہ اچھی طرح حسب شرع غسل دے سکتا ہو۔ ورنہ کسی پرہیزگار

صالح آدمی سے غسل دلایا جائے۔ ویکرہ السنۃ یغسلہ جنب او حائضہ
امداد والا دلہا کونہ اقرب الناس الیہ فان لم یحسن الغسل
فاہل الامانة والورع اھ (شامیہ ص ۶۳۶ ج ۱) فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

غسل کو وارث کے انتظار میں مؤخر کرنا

اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے غسل وغیرہ کے لئے اس کے وارث کا انتظار ضروری ہے یا نہیں جبکہ کوئی وارث موجود نہ ہو۔؟
وارث کے انتظار میں تاخیر نہ کی جائے۔

کذا فی الظہیریۃ والشماعیۃ ص ۶۶۳ ج ۱ فقط واللہ اعلم
محمد انور ۱۴۰۹ / ۲ / ۲۹

عورت کو کوئی بھی غسل دینے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا کریں؟

ایک عورت فوت ہو گئی اب اس کو کوئی عورت یا محرم غسل دینے کے لئے تیار نہیں ہے کیا خاوند غسل دے سکتا ہے؟

عورتوں پر واجب ہے کہ غسل دیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گی۔
کسی غسارہ کا اجرت دے کر بھی انتظام کیا جاسکتا ہے۔ اور درجہ
اضطرار میں خاوند ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمم کر دے۔

وقیل تغسل فی ثیابہا ای بلا مسی اھ { عبد الستار عفا اللہ عنہ
ہندیہ ۱ / ۱۶ / ۹۵ ج ۱ فقط واللہ اعلم

کفن پر کلمہ طیب لکھنے کا حکم : کفن پر کلمہ طیب نہ آیت کریمہ روشنائی وغیرہ سے لکھنی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

روشنائی سے لکھنا درست نہیں وقد افق ابن الصلاح
بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يسين والكهف

وغو صا خوفاً من صديد الميت ۱۵ (شامی ص ۸۴ ج ۱)

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

جنارہ پر کلمہ طیب لکھی ہوئی چادر ڈالنا

بعض لوگ میت پر چادر ڈالتے ہیں جس کے اوپر کلمہ طیب اور قرآن شریف کی آیات لکھی ہوتی ہیں اور چادر پاؤں تک ہوتی ہے کیا یہ درست ہے ؟

الجواب

ایسی چادر پاؤں سے پیچھے گھٹنوں تک رہنی چاہیے فقط واللہ اعلم
الجواب صحیح ،
محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۱۰ / ۹۵ ج

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محرم کو عام میت کی طرح کفن دیا جائے

اگر کوئی ساتھی سفر حج میں بحالت احرام انتقال کر جائے تو اُسے ویسے اُسی حالت میں دفن کر دیں یا باقاعدہ غسل دے کر عام مردوں کی طرح کفنائیں ؟
محرم کو بھی عام مردہ کی طرح غسل دیا جائے اور کفن پہنایا جائے اور خوشبو وغیرہ بھی لگائی جائے ۔

الجواب

(قوله والمعصم كالمحلال) اعف فيعطى رأسه وقطيب

اکفانہ خلافا للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ شامیہ ص ۸۰۹ فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ

مسجد میں کفن کیسے کا حکم : کفن مسجد میں سینا جائز ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب صحیح : نہیں ۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ۹۲/۲/۶

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

عورت کے کفن کی تفصیل : اگر میت ہو جائے تو اس کو کس طرح نہلانا چاہیے اور جس کو الفی یا کفی کہتے

ہیں آگے پیچھے سے برابر ہونی چاہیے یا پیچھے سے چھوٹی ۔ بعض لوگ آگے سے بڑی اور پیچھے سے چھوٹی کر دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور بعض لوگ زنانہ کا سر بندھے کہتے ہیں ٹوپی سیکر پہنا دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور کفن پر کلمہ شریف لکھتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے ۔

میت کے نہلانے کا طریقہ بہشتی زیور میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے ۔ وہاں دیکھ لیجئے ۔ (۲) کفی کندھے سے لے کر نصف ساق پٹلی تک ہونی چاہیے ۔ یہ کپڑا اڑھائی گز لمبا ، چودہ گز یا پندرہ گز عرض کا تیار ہوتا ہے ۔ دو برابر حصے کر کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ (۳) ۔ ٹوپی سی کر نہیں پہنانا چاہیے بلکہ ڈیڑھ گز کپڑا جس کا عرض بارہ گز ہو لے کر سر کے بال کے دو حصے کر کے اس میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ پر رکھے جائیں ۔

لہ

نقطہ واللہ اعلم

الجواب صحیح

۸/۶/۱۳۷۷ھ

عبد اللہ غفر اللہ لہ

جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا

کوئی بڑا سیاستدان یا اعلیٰ افسر فوت ہو جاتا ہے تو اُس کے جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالی جاتی ہے اور اخبارات وغیرہ میں اسکی تصویر بھی آتی ہے کہ فلاں صاحب فلاں مرحوم کے جنازہ پر پھولوں کی چادر چڑھا رہے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

میت پر پھولوں کی چادر چڑھانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے اور

الجواب

تصویر کنجھوانا حرام ہے۔ اعاذنا اللہ من ہذا السیات۔

حضرت شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسائل العربین میں فرماتے ہیں :

”وچادر گُل بر جنازہ انداختن بدعت است و مکروہ تحریمی اھ (ص ۲۵)

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

میت پر کفن سے زائد چادریں ڈالنا

ہمارے علاقے میں میت پر کفن کے علاوہ کپڑے ڈالتے ہیں اور ثواب سمجھتے ہیں پھر اس کو گورکن اُتار لیتے ہیں گورکن چاہے صاحب نصاب ہوں۔ ثواب ہو گا یا نہ؟

میت پر سنون کفن سے زائد کپڑے ڈالنا شرعاً درست نہیں بلکہ

الجواب

زائد کپڑے اُتار لینا شرعاً مامور بہ ہے۔ مراقی میں ہے۔

وینقص ان زاد العدد فی ثیابہ علی کفن السنۃ الخ

جو میت نادار ہو یا لاوارث ہو اس کو کفن دینا باعث اجر عظیم ہے۔ ورنہ یہ رقم

ہے یا بدعت ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،

۱۳ / ۶ / ۱۴۰۶ ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عالمِ میّت کو کفن میں عمامہ پہنانا

ہمارے چچا مظاہرِ علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے اور عالمِ شباب میں انتقال کر گئے۔ ہمارے دوسرے چچا جو کہ مظاہرِ علوم ہی کے مستند ہیں کہنے لگے کہ کفن کے ساتھ ساتھ ان کے سر پر عمامہ بھی باندھا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کارِ درست ہے؟

بشیر احمد انور پیر سکندری

میّت عالم ہو یا عام آدمی سب کے لئے کفنِ سنون پر اکتفا کیا جائے
عمامہ کی زیادتی مکروہ ہے۔ والا صحابہ تکرہ العمامۃ

الجواب

بکل حال اھ (شافی ص ۸۰ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

۱۴/۴/۱۴۱۰

محمد انور غفرلہ

غلافِ کعب کا ٹکڑا کفن کے ساتھ رکھنا

اگر غلافِ کعب کا کچھ ٹکڑا جس پر آیت یا کلمہ وغیرہ نہ لکھا ہوا ہو یا اور کوئی ایسا متبرک کپڑا کفن کے ساتھ بطور تبرک رکھ سکتے ہیں؟

رکھ سکتے ہیں! مسجدِ فائدہ ہوگا۔ وفی هذا مذنب ان يجعل الثوب المنبرک فی الکفن نأثمداً علیہ۔

الجواب

(رسائل الادراکان لاجب العیاش عبد العلی محمد بحر العلوم ص ۱۵۳)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ ۹/۳/۱۴۱۱ھ

کفن دیتے وقت عورت کے بال کیسے رکھے جائیں؟

کفن کے وقت عورت کے سر کے بالوں کو کیسے رکھا جائے؟

بالوں کی ڈوڑھیوں کو بنا کر نیچے سے نکال کر سینہ پر رکھ دی جائیں

بجعل شعرها صنفیرتین علی صدرها فوق الدرع اہ

(رسائل الارکان ص ۱۵۲) فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ

○

بالغ اور نابالغ کے کفن کا فرق : بالغ مرد اور نابالغ لڑکے کے کفن میں کوئی فرق ہے یا نہ؟

بہتر یہی ہے کہ نابالغ لڑکے کو بالغ کے موافق کفن دیا جائے

لیکن اگر ایک یا دو کپڑوں میں نابالغ کو کفایا جائے تو یہ بھی جائز

ہے۔ در مختار میں ہے کہ والمرأۃ کالبالغ ومن لم یراہق ان کفن فی

واحد جان الا (شامی ج ۱ ص ۸۹) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق خیر المدارس بمٹان ۹۱/۸/۱۲

○

مختصر (قریب المرگ) کے پاس حائضہ وغیرہ نہ بیٹھے

عام رواج ہے کہ جب کسی کی روح نکلنے لگتی ہے تو سارے دیکھنے کے لئے

جمع ہو جاتے ہیں۔ کیا مرد اور کیا عورت ایک جگہ ٹٹا سا لگ جاتا ہے کیا یہ درست ہے؟

محمد یونس بکیر والا

ایسے وقت میں سورۃ یسین پڑھنی چاہیئے اور خوشبو وغیرہ چھڑکنی

چاہیئے اور حیض یا نفاس والی عورت اور جنبی مرد وہاں سے چلے

○

جائیں تو بہتر ہے۔ وفي التنف انه يقرب عندا ليس و يحضر
الطيب ويخرج من عنده الحائض والنفساء والجنب (جامع الرموز ص ۱۵۶)

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور غفرلہ

موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں تاخیر نہ کی جائے

مرنے کے بعد میت کو کتنی دیر تک رکھ سکتے ہیں ؟
موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں دیر نہ کرنا صحیح نہیں
نوراً ان کاموں میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ بہت مجبوری میں کچھ
معمولی دیر ہو جائے تو ضرورت کی حد تک گنجائش ہے۔

قوله ويسرع في جهازه لما رواه ابو داود عنه صلى الله عليه
وسلم لما عاد طلحة بن البراء والنصف قال ما اري طلحة
الا قد حدث فيه الموت فاذا مات فاذا نوني حتى اصلي
عليه وعجلوا به فانه لا ينبغي لجيفة مسلم ان تحبس بين
ظہرائی اہلہ اھ والصارف عن وجوب التعجيل الاحتياط للروح
الشريفة فانه يحتمل الاعماء وقد قال الاطباء ان كثيرين ممن يموتون
بالسكتة ظاهراً يدفنون احياء لانه يفسد اراک الموت الحقيقي بها الاعلى
افاضل الاطباء فيتعين التأخير فيها الخ ظهور اليقين
بنحو التغير امداد وفي الجوهرة وان مات فجأة ترك
حتى يتيقن بموته اھ (شامی ۴۹۹/۲)

ولنعم ما قيل ويستحب تعجيل خمسة اشياء جمعت في هذه الابيات
 وخمسة قدر أو تعجيلها حسناً

وفي سواها تأفف واسع المهل

تذویج کف و میت ہاک ثالثہا

دفع الديون وتب لله من ذل

والخامس الضيف اذ ياتيك في منزل

فقم له بحديث الجد واحتفل

(مخطاوی ص ۲۱) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

نائب مفتی خیر المدارس - ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۴۰۲ / ۴ / ۱۹

مفتی خیر المدارس - ملتان

قریب المرگ کے بارے میں سنون عمل

جس شخص پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

سنت یہ ہے کہ اُس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر کے بٹا دیا جائے۔

الحاج نجیب بشرطیکہ یہ لڑکا اس کے لئے تکلیف دہ نہ ہو۔ اور کلمہ شہادت

کی تلقین کی جائے۔ اس طرح کہ اس کے بھائی اور دوست احباب وغیرہ اُدبخی آواز سے

پڑھیں، مگر اس کو پڑھنے پر مجبور نہ کریں۔ خدا نخواستہ کہ وہ انکار کر بیٹھے جب وہ

ایک دفعہ پڑھ لے تو یہ کافی ہے بار بار پڑھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ کیونکہ جو مقصود

تھا وہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ آخری کلام کلمہ طیبہ ہو۔ ہاں اگر اس کے بعد کوئی وہ

دُنیوی بات کرے۔ تو پھر دوبارہ پڑھ لینا چاہیے۔

سن للمحتضر ان يوجه الى القبلة مضطجعا على يمينه

وهذا اذا لم يشق عليه والا ترك على حاله وجعل رجلاه

الى القبلة ويستثنى منه المرجوم فانه لم يوجه كما في

الجلابي واختير في بلادنا الاستلقاء على قفاه لانه اليسر

لخروج الروح ان الاول هو السنة ويلقن اى يفهم
الشهادة فيجب على اخوانه واحدا فانه ان يقولوا
عنده كلمة الشهادة ولا يقولوا له قل كيلا يابل عنه
كما في شرح الطحاوى والكرما في فلو قال تلك الكلمة
فيها من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة فاذا
قالها مرة كفاة ولا يكسر عليه ما لم يتكلم بعدة اذا الغرض
من التلقين ان يكون آخر كلامه تلك الكلمة كما في الزاھدى
(جامع الرموز ص ۱۸۷) فقط والله اعلم،

محمد انور غفر له،



جنازہ سے پہلے میت کے مہیون ہونے کی تحقیق کرنا

بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام میت کا جنازہ پڑھنے سے
پہلے تحقیق فرماتے تھے کہ اس پر قرض ہے یا نہیں؟ اگر پتہ چلتا کہ قرض ہے تو آپ
خود نماز جنازہ ادا نہ فرماتے بلکہ صحابہ کرامؓ کو فرماتے کہ تم پڑھ لو۔ دریافت یہ کرنا ہے
کہ اب بھی کسی کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق کر سکتے ہیں کہ اس پر قرض ہے
یا نہیں؟ اگر قرض ثابت ہو تو جنازہ سے انکار کر سکتے ہیں؟

(حافظ بشیر احمد گلی حاکم رائے محلہ ساون خان گجرانوالہ)

آنحضرت علیہ السلام کے دریا فرمانے میں جو مصلحت تھی وہ کسی اور
کے ذریعہ پوری نہیں ہو سکتی۔ لہذا اب کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ جنازہ
سے پہلے یہ تحقیق کرے کہ میت پر قرض ہے یا نہیں۔ نیز آنحضرت علیہ السلام کا یہ
تحقیق فرمانا بھی فتوحات کے پہلے کا عمل ہے بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دیدی
تو آپ مقروض کا جنازہ بھی پڑھا دیتے اور قرض اپنے پاس سے ادا فرمادیتے اسی سلسلہ
میں آپ نے ارشاد فرمایا: من ترک مالا فلو رشتہ ومن ترک کلاً فالیسناہ

(بخاری ص ۳۲۲ ج ۱)۔ بخاری شریف میں اسی حدیث کے حاشیہ پر ہے :

قلت الدين من كل ما يتكلف ومطابقته للترجمة من حيث ان هذا الحديث روى عن ابي هريرة "من وجوه" منها ما مر في آخر كتاب الكفالة في باب الدين وفيه من جملة الا لفاظ من ترك ديناً فعلى قصائده ويجبى في الفرائض وفي سورة الاحزاب قال ابن بطلال هذا ناسخ لتركه الصلوة على من مات وعليه دين قلت ذلك لانه صلى الله عليه وسلم كان لا يصلي عليه قبل فتح الفتوحات فلما فتح الله تعالى منها ما فتح صار صلى الله عليه يصلي عليه فصار فعله هذا ناسخاً لفعله الاول كما قاله ابن بطلال (حاشية ص ۳۲۲ ج ۱) فقط والله اعلم ،

محمد انور عفا الله عنه ۱۴۰۹ / ۳ / ۱۱

زانی، چور اور سود خور کی نماز جنازہ جائز ہے

زانی اور چور اگر موقع پر قتل کر دیئے گئے ہوں یا اپنی موت مر جائیں تو اس صورت میں ان کا نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں نیز کیا سود خور اور ناجائز منافع خور اور حقوق العباد کھانیوالے شخص کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ فتویٰ دے کر عذائے مہجور ہوں۔ والسلام ، ماسٹر عبدالرشید خان لغاری بستی اللہ بخش مذکورہ لوگوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور ان کو غسل بھی دیا جائے گا۔ البتہ مقتدا اور بڑے علماء حضرات برائے حصول عبرت نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں۔ فقط والله اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق عفا الله عنه

بندہ عبدالستار غفرلہ جامعہ خیر المدارس - ملتان ۱۴۱۱ / ۲ / ۳

باپ کے قاتل کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

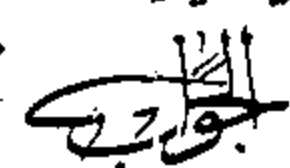
زید کا زمین کے انتقال پر باپ سے جھگڑا ہو گیا دونوں باپ بیٹا طیش میں آ گئے
 زید اندر سے ریوالور لایا اور باپ کو گولی مار دی جس پر زید کے دوسرے بھائیوں
 نے اُسے اتنا مارا کہ زید بھی مر گیا تو کیا زید کا جنازہ پڑھا جائے یا نہ ؟
 باپ کو قتل کرنا شدید ترین کبیرہ ہے ایسے شخص کی نماز جنازہ
 نہ پڑھی جائے۔

ولا یصلی علی قاتل احد ابویہ عمدًا ظلمًا اذانتہ له ام (مراقی)
 قوله عمدًا اخرج بمفهومه الخطاء فانه یغسل ویصلی
 علیه وقوله ظلمًا اخرج به من قتل اباه العربی والباغی
 والله سبحانه وتعالی اعلم واستغفر الله العظیم -
 فقط واللہ اعلم ،
 احقر محمد انور عفا اللہ عنہ



باہر سے کسی امام کو بلا کر جنازہ پڑھوانا

ہمارے دیہات کے ایک محلہ میں رواج ہے کہ محلہ کے امام سے جنازہ نہیں
 پڑھواتے بلکہ باہر دُور سے ایک مولوی صاحب کو بلا تے ہیں وہ آ کر جنازہ پڑھاتے
 ہیں کیا یہ درست ہے ؟

محلہ کے امام کی تقدیم بشرط افضلیت صرف مستحب ہے درمختار میں ہے
 وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون

افضل من الولی والا فالولی اولی

نیز ہدایہ سے نقل کیا ہے امام مسجد الجامع اولی من امام المحلی اھ

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار غفرلہ
۱۲/۵/۱۴۰۳
فقط واللہ اعلم ،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

میت کو مزار کے سامنے رکھ کر جنازہ پڑھنے کا حکم

اگر نماز جنازہ مزار کے سامنے رکھ کر اس نیت سے ادا کی جائے کہ میت کی بخشش ہو جائے گی جبکہ وہ جائے نماز جنازہ بھی ناپاک ہو ۔

جنازہ کو بر نیت بخشش مزار کے سامنے رکھ کر پڑھنا ثابت نہیں
یہ ناپاک جگہ پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے ۔

کما فی الدر المختار طہارۃ مکانہ احی موصی
قدمیہ او احدا ہما ان رفع الاخری (ص ۲۷۰) فقط واللہ اعلم ۔
محمد انور مفتی خیر المدارس

۱۴۰۴ / ۲ / ۶

مقروض کا جنازہ پڑھنے کا حکم

جس شخص نے قرض دینا ہو اور مر جائے اس کا جنازہ پڑھایا جاسکتا ہے ۔
جبکہ اس قرض کی ادائیگی کا کوئی ذمہ بھی نہ لے ، یا نہیں ؟

ایسی میت کا بھی جنازہ پڑھا جائے ۔ (بکبری ص ۵۲۳)
و کذا فی الشامیہ ص ۵۱۴ ج ۱ ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار غفرلہ
۱۲/۵/۱۴۰۳
محمد انور غفرلہ
مفتی خیر المدارس ملتان

فرائض کے وقت جنازہ آجائے تو کب پڑھا جائے ؟

- ۱۔ صلوٰۃ خمسہ کے وقت میں جنازہ آجائے تو کس کو مقدم کیا جائے ۔ ؟
- ۲۔ ایسے ہی عیدین کی نماز کے وقت جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے ؟
(امام غنیش، مدرسہ سعیدیہ - بھکٹر)

الجواب بحر میں جلی سے منقول ہے کہ جنازہ سنٹیوں اور فرضوں کے بعد ادا کیا جاسکتا ہے۔ لکن فی البحر عن الحلبي الفتوى على

تاخير الجنازة عن السنة اهـ (شامی ص ۵۷۷ ج ۱)

- ۲۔ در مختار میں ہے کہ عیدین کی نماز جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں۔ و تقدم صلوٰۃا علی صلوٰۃ الجنازة اهـ - فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

شارع عام پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

مسجد کے سامنے ایک بڑی سڑک ہے۔ جو شارع عام ہے اور ہر چیز وہاں پھرتی رہتی ہے اور نالیوں اور گلیوں کا پانی بھی وہاں کبھی کبھی پھرتا رہتا ہے ایسی جگہ بغیر صف بچھائے تسکلی زمین پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں ؟ محمد شفیع صاحب

الجواب اگر زمین خشک ہو اور نجاست کا رنگ اور بو بھی محسوس نہ ہو تو نماز جنازہ درست ہے۔ کیونکہ زمین نجس خشک ہونے اور نجاست کا رنگ اور بو ختم ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ویسے جو شرطیں صحت صلوٰۃ کے لئے ہیں۔ وہ سب نماز جنازہ کے لئے بھی ضروری ہیں۔ لما فی الہدایۃ وان اصاب الارض نجاسة فجبفت بالشمس وذهب اثرها جازت الصلوة علی مکانتها (ص ۱ ج ۱) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، عبد الستار عفا اللہ عنہ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

جس کو درود و دعا وغیرہ نہ آتی ہو وہ نماز جنازہ میں شریک ہو یا نہ؟

اگر آدمی کو جنازہ نہ آتا ہو تو وہ جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب جنازہ سیکھنے کی کوشش کرے، نہ آنے تک تکبیر کہہ کر ساتھ
 شریک ہو جائے اور امام کے مطابق بجیرات کہتا رہے۔
 کذا فی فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۲۳ نقلاً عن الشامیہ ص ۸۱۳

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار غفرلہ ۱۷
 رئیس الافکار محمد نور مفتی خیر المدارس
 عل و رکعہا شیآن (التکبیرات الاربع) فالاولیٰ دکن ایضاً لا شرط فلذلک
 لم یجز بناء اخری علیہا (والقیام) فلم تجز قاعداً بللہ عذری و سنہا
 ثلاثہ (التحمید و الثناء و الدعاء فیہا) (در مختار علی الشامیہ ص ۸۱۳)



امام محلہ ولی سے مقدم ہے: کیا نماز جنازہ کے لئے اجازت لینا
 ضروری ہے؟ اگر امام مسجد بغیر اجازت
 کے نماز جنازہ پڑھائے تو نماز جنازہ ہو جائے گی؟۔ نماز جنازہ کے لئے اجازت کس
 سے لی جائے۔ وضاحت فرمائیں؟

الجواب صورت مسئلہ میں امام محلہ صالح اور مستقی ہو اور میت زندگی میں
 اس کو اقتدار کے لئے پسند کرتا ہو تو ولی سے مقدم ہے۔
 اسے رسمی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ ولی حقدار ہے۔ وہ خود پڑھائے یا کسی
 سے پڑھاوے، شامی میں ہے۔

وهو امام المسجد الخاص بالمحلة واما كان اولی لان
 المیت رضی بالصلوة خلفه و حال حیاته فینبغ
 ان یصلی علیہ بعد وفاته۔ (منہ ۵۹ ج ۱)
 ہندیہ میں ہے۔ اولی الناس بالصلوة علیہ السلطان

ان حضرات ان لم يحضر فاقض ثم امام المحي شتم
 الولح هكذا اكثر المتون (ص ۱۶۳) در مختار مع رد المحتار
 میں ہے۔ و تقدیم امام المحي مندوب فقط بشرط ان
 يكون افضل من الولح والا فالولح اولی كما
 في المحبتی (ص ۵۹۰) فقط والله اعلم
 محمد انور عفا الله عنه

جنازہ میں چوتھی تکبیر رہ جائے تو جنازہ نہیں ہوا

ایک مشہور عالم شخصیت کے انتقال پر ایک بزرگ شخصیت نے ان کا جنازہ
 پڑھایا تو غلبہ رقت کی وجہ سے تیسری تکبیر کے بعد مختلف دُعاؤں کے بعد سلام پھیر دیا
 چوتھی تکبیر نہیں کہی گئی کیا جنازہ درست ہو گیا ؟
 نماز جنازہ میں پچھلی تکبیر کے باقی تکبیریں رکن ہیں ایک تکبیر بھی رہ
 جائے تو جنازہ نہیں ہوتا ایسی صورت میں چاہیے یہ تھا کہ ایک تکبیر
 اور کہہ کر دوبارہ سلام پھیر دیتے تاکہ جنازہ مکمل ہو جاتا۔

وصلوة الجنابة اربع تكبيرات ولو ترك واحدة
 منها لم تجز صلواته هكذا في الكافي (الى قوله)
 ولو سلم الا امام بعد الثالثة ناسياً كبر الزبينة
 ويسلم كذا في التاتارخانية اه (عالمگیری ص ۸۲)
 له فلهي شرط من وجبه وركن من وجه اه (شامی ص ۶۲۲)

فقط والله اعلم
 احقر محمد انور عفا الله عنه

”ان سبقتونی بالصلوة علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ“

سے مراد اکیلے دُعا کرنا ہے تاکہ اجتماعی دُعا پر معروفہ

نماز جنازہ کے بعد وہیں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر قبل از دفن ہیئت اجتماعی سے دُعا کرنا واجب، سنت یا مستحب ہے؟ نیز کتب فقہ حنفی (ورسی و فتاویٰ) میں اسکی کیا حیثیت ہے؟ اگر اسکی شرعی حیثیت کچھ نہیں تو اس کو شعارِ اہل سنت اور سنتِ نبوی قرار دینا اور اس کے تارک کو ملامتِ شدیدہ سے پریشان کرنا کیسا ہے۔؟ اگر کوئی شخص اس کو سنتِ نبوی اور شعارِ اہل سنت تصور کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلائیں اگر ایک شخص اس کو فرض واجب سنت اور مستحب تو نہیں کہتا بلکہ ممنوع کہتے ہوئے بھی اس بارہ میں نرمی کرتا ہے اس کا موقف از روئے شرع کیسا ہے؟ السائل قاری محمد طلحہ، سمیجہ آباد، ملتان

نماز جنازہ کے بعد ضعیف توڑ کر دُعا مانگنا جائز ہے فرض یا واجب **الجواب** نہیں، حدیث شریف میں ہے۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر آئے تو جنازہ ہو چکا تھا آپ نے فرمایا: ان سبقتمو فی بالصلوة علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ۔ البتہ تارک کو ملامت نہیں کرنی چاہیے، البتہ جو شخص اس کو بدعت یا خلاف شرع کہتا ہے وہ قابلِ ملامت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مفتی غلام مصطفیٰ رضوی ۸۸/۸/۱۳

انوار المسلم کا جواب صحیح نہیں۔ دونوں حدیثوں کا غلط مطلب بیان کیا گیا ہے۔ ان احادیث کا ہرگز یہ مطلب مفہوم نہیں اسی لئے حضرت فقہار نے نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنے کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس سے منع کیا ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔ وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا يدع بعد التسليم كذا في الخلاصة

نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کا حدیث ثبوت

اسال زیارتِ حرمین کا شرف حاصل ہوا وہاں نماز جنازہ حرم میں پڑھی جاتی ہے۔ جیسے کہ آپ کو معلوم ہوگا وہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ نماز جنازہ کا سلام صرف ایک طرف پھرتے ہیں۔ ہم ایک طرف سلام کے بعد منتظر رہے کہ دوسری طرف بھی سلام پھیریں گے کہ لوگ جنازہ اٹھا کر چل دیئے اس میں احناف کا جو مذہب ہو تحریر فرماویں۔ (عتیق الرحمان نظام پورہ۔ بہاول نگر)

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہیے اور یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

و اما التسليم فمذهب ابی حنیفة انه يسلم تسليمين واستدل
لہ بحديث عبد الله بن ابي اوفى انه يسلم عن يمينه وشماله
فلما انصرف قال لا ازيدكم على ما رايت رسول الله
صلى الله عليه وسلم يصنع او هكذا يصنع رواه البيهقي
وقال الحاكم حديث صحيح وفي المصنف بسند جيد عن جابر
بن زيد والشعبي وابراهيم النخعي انهم كانوا يسلمون
تسليمين وفي المعرفة روي عن ابن مسعود انه
قال ثلاث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعلهن وتركهن
الناس احداهن التسليم على الجنائز مثل التسليمين وفي
الصلوة اهـ (اوجز المسالك ص ۲۴۰ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان



جو چوتھی تکبیر کے بعد شریک ہو وہ بھی شریک سمجھا جائیگا

اگر ایک شخص جنازہ میں ایسے وقت پہنچا کہ امام چاروں تکبیریں کہہ چکا تھا۔ مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تھا کہ یہ تکبیر کہہ کر شامل ہو گیا۔ تو اس نے جنازہ پالیا یا نہیں؟ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق مذکور شخص شریک جنازہ سمجھا جائیگا اور یہی مفتیؒ ہے یہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد تین تکبیریں جلدی جلدی کہہ لے۔ وعن ابی یوسف یکبر فاذا سلم الامام قضی ثلاث تکبیرات و ذکر فی المحيط ان علیہ الفتویٰ اہ قلت و ذکر ایضاً فی الہندیۃ عن المصنرات اند الاصح و علیہ الفتویٰ شامی ص ۸۲۱ ج ۱۰ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸ / ۱۱ / ۱۴۰۴ھ

اوپنی آواز سے نیت کرنا : آجکل جنازہ کی نماز میں امام ادبھی

دوسروں کو یاد ہو جائے کیا یہ درست ہے؟

بلند آواز سے نیت کرنا کہیں منقول نہیں۔ اسے رواج نہ دیا جائے

ضرورت محسوس ہو تو پہلے سمجھا دینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲ / ۲ / ۱۴۰۱ھ

غالی بدعتی کی اقتدار میں جنازہ

بدعتی کے پیچھے جنازہ کی نماز کی اقتداء کہنا کیسا ہے اگر لوگوں کے ساتھ مل کر کھڑا ہو جائے اور اقتدار کی نیت نہ کرے۔ علیحدہ ہونے کی طرح نماز پڑھ لے یا اس

جنازہ میں شرکت ہی نہ کرے ؟

الجواب بدعتی غالی نہ ہو تو اسکی اقتدار میں جنازہ پڑھ لے مگر انکی کسی بدعت میں شرکت ہو۔ بدعتی غالی ہو تو میت کے لئے جہاں ہے

وہیں سے مخلصانہ دعا کر دے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۱ / ۲ / ۷

جنازہ لیکر دس دس قدم چلنا ثابت یا نہیں ؟

جنازہ لے کر جو چالیس قدم ، دس دس قدم لوگ گنتے ہیں یہ صحیح

حدیث سے ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب یہ حدیث در مختار میں نقل کی ہے۔ من حمل جنازة اربعين خطوة "كفرت عنه اربعين كبيرة" اور شامی نے اس

حدیث کو زلیعی سے نقل کیا ہے۔ اور بحر میں بدائع سے منقول ہے اور شرح منیہ میں ہے کہ اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے پس اگر ضعیف بھی ہے تو عمل درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۷۸ ج ۵) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس - ملتان

جنازہ کے وضو سے فرض ادا کرنا : جنازہ کے لئے کئے گئے وضو سے فرض ادا کئے جا

سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب فرض ادا کئے جاسکتے ہیں ، لَذَّ الْوُضُوءِ طَهَارَةٌ

مغرب سے چند منٹ پہلے جنازہ پڑھنے کا حکم

ایک مولوی نے نماز جنازہ نمازِ مغرب سے پانچ چھ منٹ پہلے ادا کی کیا وہ نماز جنازہ جائز ہے جس نے نماز جنازہ پڑھائی ہے کیا وہ قابلِ امامت ہے ۔؟

الجواب اگر جنازہ آیا ہی اس وقت میں ہے تو یہ نماز درست ہوگئی ۔ اور امام مذکور کی امامت میں کوئی حرج نہیں اور اگر جنازہ پہلے کا آیا تھا مگر پڑھا عین غروب کے وقت تو یہ نماز جنازہ درست نہیں ہوئی ۔ وکرة صلوة ولو على جنازة وسجدة تلاوة وسهوية شروق واستواء وغروب اه (شامی ص ۳۷۷) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جنازہ کی چار پائی کو بھی خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے

کتبِ فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ جنازہ کی چار پائی کو بھی خوشبو لگائی جائے جبکہ ہمارے ماں پر معمول نہیں ہے کیا یہ مستحب متروک ہو گیا ہے ؟

میت کی چار پائی کو بھی دتراً خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے
الجواب اے بھی معمول بنایا جائے ۔

فیجمر السریر و الکفن وقد ترک الناس التجمیر علی الجنازة فب دیارنا وبقی التجمیر مقصوداً علی

الکفن اه (البنایۃ ص ۱۰۷) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ۳ / ۲ / ۱۴۰۹ ھ

میت کے تمام احکام میں مُراہق بالغ کے حکم میں ہے

بارہ تیرہ سال کا اگر لڑکا یا لڑکی مر جائے تو اس کا حکم بالغ کا ہے یا نابالغ کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب اتنی عمر کا لڑکا اور لڑکی بالغ کے حکم میں ہے۔ (قولہ والمراہق کالبالغ) الذکر کالذکر والامثی کالامثی قال فی البدائع لان المراہق فی حیاتہ یمخرج فیما یمخرج فیہ البالغ عادة فکذا یکف فیما یکف فیہ (اشافی ص ۶۳۸ ج ۱) فقط والشرع علم محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کس حد تک تیز لیکر چلا جائے

عام مشہور ہے کہ جنازہ تیز تیز لیکر چلا جائے اس تیزی کی حد بیان فرمائیں کہ کس قدر تیز چلا جائے ؟ سائل : رب بھروسے عطر فردش میں بازار۔ میاں چنوں

الجواب اس قدر تیز چلا جائے کہ میت چار پائی پر ادھر ادھر نہ ہو۔ والاولی ما فی البحر حیث قال وحد لا سراع المسنون بحیث لا یضطرب المیت علی الجنائزۃ (لططاوی علی المراقی ص ۳۳۲) فقط والشرع علم احقر محمد انور مفتی خیر المدارس۔ ملتان

جنازہ مغرب کی سنتوں سے مؤخر اور نوافل سے مقدم کیا جائے

قبل از نماز مغرب جنازہ حاضر ہو تو مطابق قاعدہ شرعیہ کے بعد ادائیگی نماز

مغرب کے سنت و نوافل سے قبل نماز جنازہ ادا کریں گے یا بعد سنت و نوافل کے نماز جنازہ پڑھی جائے گی ؟

مفتی بہ قول یہ ہے کہ سنت مغرب کو نماز جنازہ سے پہلے پڑھ لیا جائے۔ اور بعد میں نماز جنازہ ادا کیا جائے۔ البتہ نوافل سے جنازہ کو پہلے ادا کیا جائے۔ کما فی الدر علی الشامیۃ ص ۵۸ و تقدم صلوة الجنائزۃ علی الخطیبة الی قولہ ولكن فی البحر من الحلبي الفتوی علی تاخیر الجنائزۃ عن السنة اقرا المصنف کانه الحاق لها بالسنة۔

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحق غفرلہ ، ۶/۷/۱۳۷۷ھ

عبد اللہ عفا اللہ عنہ ، ۷/۷/۱۳۷۷ھ

سو کو حلال کہنے والے کا جنازہ : ایک شخص سود کو حلال کہتا ہے اُس کی نماز جنازہ ادا کریں یا نہ کریں شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب صحیح : یہ شخص کافر ہے اس کی نماز جنازہ ادا نہ کی جائے۔ فقط ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بغیر جنازہ پڑھی گئی لاش پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو تو نکال کر جنازہ پڑھا جائے

کمیٹی والوں نے ایک لاوارث لاش کو عیسائیوں سے قبر کھدوا کر اس کے اندر رکھ دیا، ابھی مٹی نہیں ڈالی تھی کہ پتھر چلا کہ انہوں نے جنازہ نہیں پڑھوایا تو اب کیا کرنا چاہیے تھا آیا قبر میں پڑے پڑے کا جنازہ پڑھا جائے یا باہر نکالا جائے ؟

الحمد لله

مٹی ڈالنے سے پہلے علم ہو جائے تو نکال کر جنازہ پڑھا جاوے

(قوله واهیل علیہ التراب) فان لم یهل

انجریج و صلی علیہ صلیما قدمنا عن ابیہ شامیہ ص ۸۲ - فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

جامعہ خیر المدارس - ملتان

صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر جنازہ پڑھنا

ایک مسلمان قتل ہو گیا۔ ایک ماہ بعد اسکی نعش اس حالت میں ملی کہ جنگلی جانور اس کا گوشت پوست کھا گئے تھے۔ صرف ہڈیاں بعد میں ملی ہیں۔ اور یہ ہڈیاں واقعی اسی کی ہیں اس کے جوتوں اور شناختی کارڈ سے پہچان کر لی ہے۔ کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ یہ جو کتب فقہ میں ہے کہ بغیر جنازہ دفن ہوئے مسلمان پر گلے سڑنے سے پہلے جنازہ پڑھا جاسکتا ہے بعد میں نہیں کیا ان ہڈیوں کا بھی یہی حکم ہے وضاحت فرمائیں!

صورت مسئلہ میں صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر نماز جنازہ جائز

نہیں۔ مرقی میں ہے کہ ویصلی علیہ ما لم یتفسخ

اسکی تشریح علامہ طحطاوی نے یہ کی ہے۔ ای تتفرق اعضاء فان تفسخ

لا یصلی مطلقاً لا نہا شرعت علی البدن ولا وجود له مع التفسخ

۳۲۵ اس سے معلوم ہوا کہ پھٹنے کے بعد جنازہ جائز نہیں پھوٹنے پھٹنے کا عمل

گوشت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی ہوتا ہے۔ نیز لا نہا شرعت

علی البدن یہ تعلیل بھی صادق آتی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

شیعہ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں

اہل سنت کیسے شیعہ کا جنازہ پڑھیں جو علانیہ شیعہ ہو ۲۔ اہل سنت کا امام اہل شیعہ کا جنازہ پڑھتا ہے اور شیعہ اس کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ بعد ازاں اہل سنت کا امام شیعہ امام کی اقتدار میں نماز جنازہ ادا کرتا ہے کیا ایسا امام جو اہل سنت کا عقیدہ رکھتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

اگر اس کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہوں تو اس کا نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں، اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو تب بھی اس کے مبتدع ہونے میں کلام نہیں اور مبتدعین کے جنازہ میں دینی مقندا کا شامل ہونا بھی زجر اور توہیناً درست نہیں۔

کما فی الحدیث..... مشکوٰۃ ص ۲۴۲ پس امام مذکور کے لئے استغفار لازم ہے نائب ہونے کی صورت میں اس کی امامت درست ہے۔

الجواب صحیح، عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس سلطان

۱۳۸۸ / ۱ / ۱۸

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

نامحرم عورت کی میت کو کندھا دینا درست ہے

عورت کا جنازہ غیر محرم مرد قبرستان کی طرف لے جاتے وقت اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس میں امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک کیا اختلاف ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ناجائز اور امام اعظم کے نزدیک جائز ہے کیا یہ صحیح ہے؟

۱۔ عورت نامحرم کے جنازہ کو کندھا دینا بھی مستحب ہے اور ثواب ہے۔

الجواب صحیح

اور چاروں پاؤں کو اٹھانا مستحب ہے۔ ہر ایک پائے کو

دس قدم اٹھانا بہتر ہے ورنہ جیسے میسر ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نامحرم عورت کے جنازہ کو نہ اٹھانا، کہیں نظر سے نہیں گزرا (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۸۲)

فقط واللہ اعلم، محمد انور غفرلہ

نماز جنازہ کی لوگوں کو اطلاع دینا

نماز جنازہ کا آبادی، بازار وغیرہ میں اعلان کرنا کیسا ہے؟
الجواب جاہلیت کے طریقہ پر اور مرد و جہ طریق پر رکشوں پر سپیکر لگا کر تمام
 شہر اور گلی کوچوں میں اعلان کرنا پسندیدہ نہیں۔ ہاں بے تکلف
 بن جن حضرات اور عزیز واقارب کو اطلاع ہو سکے اس میں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اتباع
 جنازہ بھی مسلم میت کے حقوق میں سے ہے اور یہ اطلاع ہی پر موقوف ہے۔

و یکرہ النداء فی الاسواق والمجالات لان ذالک تشبہ
 باهل الجاهلیة کذا ذکر الفقیہ ابو اللیث۔ قال صاحب
 الاختیار والاصح انہ لا یکرہ لان فیہ اعلام الناس فیثودون
 حقہ وفیہ تکثیر المصلین والمستغفرین لہ اھ (تبیین الحقائق ص ۲۳۵)

۱۳ / ۹ / ۱۴۱۱ ھ فقط واللہ اعلم محمد انور غفرلہ

کیا جنات سے بھی حساب و کتاب ہوگا؟

قیامت کے روز جنات سے حساب و کتاب ہوگا یا نہیں اور دوزخ، جنت میں ان کا
 داخلہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب جنات سے حساب و کتاب اور اس کے بعد اس پر ثواب و عتاب متعدد احادیث
 میں وارد ہے۔ بعض نے دخول جنت کا بھی لکھا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے
 کہ ان کو عذاب سے بچاؤ ہی ان کے لئے جنت ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھیں حیوۃ المؤمنین
 جلد اول — فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفی عنہ، ۱۳ / ۹ / ۱۴۰۰ ھ



تعزیت کے لئے دریاں بچھا کر بیٹھنا

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اہل میت اپنے مکان کچے دروازہ پر چٹائی وغیرہ بچھاتے ہیں جہاں پر لوگ تعزیت کے لئے آکر بیٹھ جاتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے۔ ؟

الجواب تدفین کے بعد مستقل تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے اور رسم جاہلیت ہے۔ ہرگز ایسا نہ کیا جائے جو اتفاقاً جہاں ملے وقت کے اندر اندر تعزیت کر لے۔

ویکرۃ التعزیت عند القبر وعند باب الدار (در مختار) (قوله)
وعند باب الدار) وفي الظهيرية ویکرة الجلوس علی باب
الدار للتعزیه لانه عمل اهل الجاهلیة وقد نهی عنه
وما یصنع فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی
قوارع الطريق من اقبح القبائح اه (شامی ص ۸۴۲) فقط واللہ اعلم
محمد انور غفرلہ

جنازہ لیجاتے وقت سر آگے رکھیں : جنازہ قبرستان لیجاتے وقت چاہیئے مگر عوام اس کے برعکس کرتے ہیں کہ پیر آگے اور سر پیچھے جس سے مونڈھا دیتے وقت بھی سنت کی موافقت نہیں ہوتی اور ویسے بھی برا معلوم ہوتا ہے مگر وہ اس لئے کہ پیر میت کے قبلہ کی طرف ہوتے ہیں مطلع فرمائیں ایسا کرنا چاہیئے یا نہیں، قبرستان بستی سے جانب مشرق ہے۔

الجواب وفي العالمکیرية ص ۸۲ وفي حالة المشی بالجنازة یقدم
الراس۔ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو قبرستان

کی طرف لیجاتے وقت سر آگے کی طرف ہونا چاہیے اگرچہ قبرستان مشرق ہی کی طرف ہو عوام کی باتوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ،

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس کس۔ ملتان

نائب مفتی خیر المدارس کس۔ ملتان

۲۵ ۲/۱۳۸۴ھ

جس میت کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس کے جنازہ کا حکم

ایک عورت کی لاش ملی ہے مگر پتہ نہیں چلتا کہ مسلمہ کی ہے یا غیر مسلمہ کی کیا اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں ؟

مذکورہ عورت کی نماز جنازہ پڑھی جاوے۔ ولو وجد میت
او قتل فی دار الاسلام الصحيح انه یفصل و یدفن

فی مقابر المسلمین لحصول غلبۃ الظن بكونه مسلماً بدلالة المكان
وهی دار الاسلام وفیه وهل یعمل بدلیل المكان وحده الصحيح انه
یعمل به لحصول غلبۃ الظن اه بدائع (ص ۳۱۲) ،

الجواب صحیح ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

محمد صدیق مدرس خیر المدارس کس ملتان ۱۹ / ۹ / ۹۶ھ

جماعت میں دیر ہو تو نماز جنازہ کو مؤخر نہ کیا جائے

زید کہتا ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جائے۔ چاہے جماعت کا وقت ایک آدھ گھنٹہ بعد ہو تو اب اگر ایک جنازہ آجائے تو پہلے فرض نماز پڑھی جائے۔ پھر جنازہ پڑھا جائے کیا زید کی بات صحیح ہے ؟

۲۔ عصر کی نماز کے بعد نماز جنازہ درست ہے۔

۳۔ عصر کی نماز سے پہلے بھی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۳، ۱۔ زید کی بات درست نہیں تقدیم فرض علی الجنائزہ کا حکم ہر صورت میں نہیں۔ ہاں اگر جماعت تیار ہو تو پھر فرض وقت کو مقدم کیا جائے

اگر جماعت میں اتنی دیر ہو جتنی سوال میں مذکور ہے۔ تو جنازہ ہی پہلے پڑھا جائے

وینبغی تقدیم الجنائزۃ والکسوف حتی علی الفرض ما لم یضیق

وقتہ (۱۲۰۵ شامی ج ۱) وکذا فی فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۶۳ ج ۵

۳، ۲ درست ہے۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کبھی نماز نہ پڑھنے والا جنازہ پڑھا سکتا ہے

تاک نماز پنج گانہ اگر نماز جنازہ پڑھا ہے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

نماز جنازہ ادا ہو جائے گی لیکن ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز ہے۔ وتکرہ امامۃ الفاسق۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ۱۳۸۲ھ نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کل شرکاء جنازہ سات ہوں تو بھی طاق صفیں بنانا اولیٰ ہے

اگر جنازہ میں صرف چند آدمی ہوں تو بھی طاق صفیں بنانی جائیں یا ایک ہی صف بنانی جائے؟

وتر صفیں بنانا اولیٰ ہے حتیٰ کہ اگر کل سات آدمی ہوں تو بھی تین

صفیں بنانا اولیٰ ہے۔ اس طرح کہ ایک امام بن جائے۔ اس کے پیچھے پہلی صف تین آدمیوں کی ہو دوسری دُڈ کی اور تیسری ایک کی۔

ولهذا قال في المحيط ويستحب ان يصف ثلاثة صفوف
حتى لو كانوا سبعة يتقدم اقدمهم لئلا مامة ويقف وراءه
ثلاثة ثم اثنان ثم واحد اه (شامی ص ۸۱۸ ج ۱) فقط والسلام
محمد انور عفر

کسی خاص شخص کے بارے میں جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تو اس کا حکم

اگر کوئی یہ وصیت کر جائے کہ میری نماز جنازہ فلاں شخص پڑھائے کیا اس وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے ؟

اس وصیت کا پورا کرنا لازم نہیں۔ ہاں اگر کسی بزرگ شخص کے بارے میں وصیت کی ہو اور آسانی سے اس پر عمل ہو سکتا ہے تو مضائقہ بھی نہیں۔

ولو اوصى ان يصلى عليه فلان ففي الحيون ان الوصية باطله
وف نوادر ابن رستم جائزۃ ویؤمر فلان بالصلاة عليه۔ قال
صدر الشہید الفتوی علی الا قول اه (تبیین الحقائق ص ۲۳۹)
فقط واللہ اعلم ، محمد انور عطا اللہ عنہ

جنازہ کے بارے میں عام مساجد کو حرمین پر قیاس نہ کیا جائے

مسجد میں نماز جنازہ سے روکا جائے تو بعض لوگ مسجد حرام کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہاں ہوتا ہے لہذا یہاں بھی جائز ہونا چاہیے۔ اس اشکال کا مدلل جواب

تحریر شریفیں؟ کیا مسجد حرام پر عام مساجد کو قیاس کرنا درست ہے؟
الجواب حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وکرامۃً اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور
 فقہاء کرام نے اس استثناء کی چند وجوہ ذکر فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

واما مسجد الحرام فستثنیٰ كما صرح به ابن الضياء اذ هو
 موضوع للدعاء المكتوبات والجمعة والعیدین وصلوة الکسوف
 والخسوف وصلوة الجنائز والاسْتِسْقَاء ولعله لهذا المعنى
 جمع في قوله تعالى انما يعمر مسجدا لله او لكبرة او وسعة
 قدره او لتعظيم امره او لاشتغالهم على جهات كل جهة بمنزلة
 مسجد اولائه قبله المساجد كلها اه (شرح نقایہ ص ۱۳۱)
 فقط واللہ اعلم ، محمد النور عفا اللہ عنہ

اجرت طے کر کے جنازہ پڑھانا

بستی کے مولوی صاحب اتفاقاً نہ تھے، باہر سے ایک مولوی صاحب آئے انہیں
 جنازہ کا کہا گیا تو انہوں نے کہا میں غریب آدمی ہوں میری کچھ خدمت ضرور کرنا چنانچہ
 بیچا کس روپے طے پائے تب انہوں نے جنازہ پڑھایا کیا یہ جنازہ ہو گیا؟
الجواب نماز جنازہ ادا ہو گئی اور نمازیوں سے فرض ساقط ہو گیا مگر اجرت
 لینا حرام ہے۔

ولا يجوز اخذ الاجرة على الطاعة كالمعصية وفيه ان
 اخذ الاجرة على الطاعة لا يجوز مطلقاً عند المتقدمين
 واجازة المتأخرون على تسليم القرآن والاذان والامامة
 للضرورة كما بين في محله ومقتضاه عدم الجواز هنا وان
 وجد عنده لانه طاعة تعين اولاً ولا تختص عدم الجواز

بالواجب نعم الا ستيجار على الواجب غير جائز اتفاقاً الخ
وعبارة الفتح ولا يجوز الا ستيجار على غسل الميت ويجوز
على الحمل والدفن واجازة بعضهم في الغسل ايضاً شاميه ص ۸۶
فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ

مُطَلَّقة رجعية اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے

کیا مطلقہ خاوند کو غسل دے سکتی ہے ؟
اصل تو مرد عزیز واقارب کو غسل دینا چاہیے لیکن بہر حال اگر
رجعہ ہو اور عدت میں ہو تو غسل دے سکتی ہے ۔
فلو كان طلقها ثم مات وهي في العدة فان كان الطلاق
رجعياً فلها ان تغسله لان الطلاق الرجعي لا يزيل الزوجية
وان كان بائناً لا تغسله اهـ (تبيين الحقائق ص ۲۳۵ ج ۱)
محمد انور عفا اللہ عنہ

مُرتد کو کیسے دفن کیا جائے ؟ : مُرتد جب قتل کر دیا جائے تو
اس کو کیسے دفن کیا جائے ؟

گڑھا کھود کر کتے کی طرح اس میں پھینک دیا جائے ۔
اذا قتل المرتد يحضر حفيرة ويلقى فيها
كالكلب اهـ (مجموع الفتاوى ص ۲۲۴ ج ۱)
فقط واللہ اعلم،
محمد انور

مرنے والا وصیت کر جائے تو تہائی مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے

عورت کا انتقال ہو گیا ہے اس نے کچھ نقد کچھ زیور اور کپڑے چھوڑے ہیں ان کے ذمہ کچھ زکوٰۃ بھی دینی باقی ہے خاوندان کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرے یا اپنے پاس سے ادا کرے ؟

اگر متوفیٰ مذکورہ زکوٰۃ دینے کی وصیت کر گئی ہو تو اس کے تہائی مال میں سے ادا کر دی جائے اور اگر وصیت نہیں کر گئی تو پھر ورثہ پر اس کی طرف سے زکوٰۃ دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کوئی وارث خوشی سے اپنے مال سے اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو بہت بہتر ہے یا سب وارثان رضا مندی کے ساتھ بشرطیکہ سب بالغ ہوں تو اس کے کل ترکہ میں سے قبل از تقسیم ادا کر دیں تو بھی درست ہے۔

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبد اللہ غفر اللہ عنہ / بندہ اصغر علی غفر اللہ عنہ / ۲۵ / ۱ / ۱۳۷۸ھ
الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ عنہ



قبر کے کتبہ پر کیا لکھنا چاہیے :

ہمارے سیاں جنوں میں جامع مسجد محمودیہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب جو خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد عبدالقادر رائے پوریؒ ہیں کی قبر ہے۔ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی قبر پر ان کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔ اس تختی کے علاوہ اب ایک نمازی نے ان کے سر ہانے کی طرف دیوار پر مندرجہ ذیل عبارت لکھوا دی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، یا اللہ ، یا محمد ، فاذکرونی اذ کرکم افضل الذکر لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بنا اعمال کو رحمت کے قابل ، کیا کہ ہر گھڑی ذکر الہی۔ اور بھی اشعار ہیں۔ اس سلسلہ میں نمازیوں نے مولانا کے صاحبزادے کو کہا کہ یہ تو آہستہ آہستہ مزار بن جائے گا اور عورتیں آنے لگیں گی۔ چادر چڑھانے لگ جائیں گے۔ آئندہ چل کر کشتی شروع ہو جائے گی مولانا کی وصیت بھی ہے کہ مجھے قبرستان میں دفن کرنے کے بجائے

مسجد میں دفن کرنا کہیں میری قبر بھی شرک کا اڈہ نہ بن جائے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا مضامین اضافہ کرنے کی اجازت ہے یا نہ ؟

الجواب بوقت ضرورت نام اور تاریخ وفات کی اجازت ہے اس سے زائد ممنوع ہے۔۔۔ بزرگان دین کا بھی یہی معمول ہے۔ لہذا اس پر اضافہ نہ کیا جائے۔ وان احتیج الى الكتابة حتى لا يذهب الاثر ولا يمتحن فلا بأس به فاما الكتابة لتيسر عذر فلا اه حتى انه يكثر كتابة شئ عليه من القرآن او الشعر او اطراء مدح لانه (شامی ص ۶۶۲)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد انور ۱۲/ ۷ / ۱۴۰۹ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

نماز جنازہ میں دعا جہراً اگنا شرعاً
نماز جنازہ ہمراً ادا کی جائے : درست ہے یا نہیں ؟

الجواب نماز جنازہ دعا و ذکر ہے اور اس کے بارے میں اخفاء اولیٰ ہے لہذا جہراً کیا جائے۔

وینجفت فی الصلاة فی التکبیر (کنز الدقائق) وف الذخيرة
ولا یجهر فی صلوٰۃ الجنازة بشئ فی الحمد، والثناء وصلوٰۃ
النبي لانه ذکر والاخفاء فی الذکر اولیٰ (تبيين الحقائق ص ۲۴۱)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ

نابالغہ بچی جس کا باپ مرزائی مگر والدہ مسلمان
ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے

مولوی محمد طیب اردو ادنیٰ اور موجود تھے کہ چوہدری محمد شریف آیا اور اس نے

کہا مولوی صاحب ایک سال بھر کی لڑکی فوت ہو گئی ہے۔ جس کا والد مرزائی ہے۔
 والدہ اہل سنت والجماعت کی ہے آپ کیا خیال ہے جنازہ پڑھانے کا۔ مولوی صاحب نے
 کہا مرزائی جنازہ پڑھائیں گے۔ تو محمد شریف نے کہا کہ لڑکی کی والدہ تو اہل سنت و
 الجماعت کی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا بے شک لڑکی کی والدہ سنی ہے۔ مگر نطفہ
 کس کا ہے۔ محمد شریف نے کہا کہ نطفہ تو مرزائی کا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ
 مرزائی جنازہ پڑھائیں گے تو محمد شریف چلا گیا۔ دس بارہ منٹ کے بعد محمد شریف
 پھر آگیا۔ اُس نے کہا کہ لڑکی کی والدہ کہتی ہے۔ اگر کوئی صورت ہو تو مولوی صاحب
 کو کہو کہ جنازہ پڑھا دیں ورنہ ہم بلا جنازہ پڑھائے دفن کر دیں گے۔ اور مرزائی سے
 جنازہ نہیں پڑھائیں گے۔ پھر مولوی صاحب نے کہا لاؤ میں جنازہ پڑھاؤں گا۔ پھر
 جنازہ آگیا اور حنفی اور اہل حدیث سب نے مل کر جنازہ پڑھ دیا۔ بعد میں ایک آدمی نے
 کہا کہ یہ جنازہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے سب کافر ہو گئے اور ان سب کے
 نکاح ٹوٹ گئے ہیں کیا یہ آدمی سچا ہے یا جھوٹا ؟

لڑکی مذکورہ کا جنازہ مسلمانوں ہی کو پڑھانا چاہیے تھا۔ لہذا جن
 لوگوں نے لڑکی کی نماز جنازہ پڑھی ہے انہوں نے دُرست کیا ہے۔

الجواب صحیح ،
 بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ
 فقط واللہ اعلم ،
 بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

حضرت تھانویؒ نہ ہی دُعا بعد الجنازہ کے قائل تھے اور
 نہ ہی ان کے جہازہ کے بعد دُعا ہوتی ہے

آپ کے مدرسہ کے مدرسین یا متعلقین میں کسی بزرگ حضرت تھانویؒ کے جنازہ میں یا
 کبھی ان حضرات کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی ہو تو کیا یہ حضرات بعد از سلام نماز جنازہ

دُعا کرتے تھے، جبکہ ایک امام صاحب کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ تو ایسا کرتے تھے
حضرت تھانویؒ کے جنازہ پر بھی دُعا ہوتی تھی۔

یہ بہتان دافتر اُٹھے کہ حضرت تھانویؒ جنازہ کے بعد دعا کرتے تھے
یا آپ کے جنازہ کے بعد یہ مروّجہ دعا مانگی گئی۔ حضرت تھانویؒ کی
نماز جنازہ میں شرکت کر نیوالے بہت لوگ اب تک زندہ ہیں بلکہ پڑھائی والے بھی بقید
حیات ہیں۔ سب اسکی تصدیق کریں گے کہ مذکورہ بالا دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۱ / ۱۰ / ۹۷ ھ

ایکسٹرنٹ میں فوت شدہ شہید آخرت کے

زید کسی ایکسٹرنٹ میں اپنا تک مر گیا تو یہ شہید ہے یا نہیں اگر شہادت میں شامل ہے
تو کون سی شہادت ملے گی ایسے شہید کو غسل اور کفن دیا جائے گا۔ اور اس امتحان اور
عذاب قبر معاف ہے یا نہیں؟ ۲۶۔ زید بلا قصور مقدمہ قتل میں ملوث ہو گیا اسکو پھانسی
ہو گئی تو مظلومیت کی بناء پر شہید ہے یا نہیں۔ اور شہید والے احکام اس پر مرتب
ہوں گے یا نہیں؟

ایکسٹرنٹ کی صورت میں موت واقع ہونے اور مقدمہ قتل میں بلا قصور
ملوث کو پھانسی ہو جانے سے جو موت واقع ہو جائے دونوں کو بعد الموت
غسل دیا جائے گا اور کفن دیا جائے گا۔ اور نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ یہ شہید ہیں مگر
احکام آخرت کے اعتبار سے نہ کہ احکام دنیا کے اعتبار سے۔ کیونکہ جس شہید کے لئے
احکام دنیا بدلتے ہیں۔ اسکی تعریف ان پر صادق نہیں آتی وہ تعریف یہ ہے۔

هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة ای بما یوجب
 القصاص ولم یجب بنفس القتل ما ان لا قوله وكذا الوقت له
 باغ او حربی اذ قاطع طریق ولو تسبباً او بغیر آلت جارحة
 او وجد جسد یحتمل فی معرکتهم كذا فی الدر المختار^{۶۲۶}
 منكر تكیر کے سوال کے بارے میں رد المحتار میں ہے کہ شہید اس مسئلے میں ہے۔
 ثم ذكر ان من لا يسأل ثمانية الشهيد والمرابط والمطعون
 والمليت زمن الطاعون ص ۶۳۸ ۱۲ھ۔ فقط والله اعلم،
 محمد انور عفا الله عنه

الجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا الله عنه

گُفّار کی فوج میں شریک مسلمان مر جائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟

اگر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ہو اور ہندوستان کی فوج میں کچھ
 مسلمان بھی موجود ہوں اور وہ اپنے ملک کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے جائیں تو
 کیا ہم انہیں بھی شہید کہیں گے یا کوئی اور حکم لگائیں گے۔ جبکہ ان مسلمان فوجیوں کو جبراً
 جنگ میں لایا جاتا ہے اور انکار کی صورت میں جان کا خطرہ ہے، آپ سمجھ رہے ہیں کہ
 مسئلہ کا جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

الجواب صحیح
 اگر کافروں کی فوج میں مسلمان ہیں اور ان کو جبراً مسلمانوں کے سامنے
 لایا جائے تو مسلمان فوج کافروں کو مارنے کی نیت سے گولی چلائے
 اور قتال وجہاد کریں ان کی گولی سے اگر کوئی مسلمان مر جائے تو مسلمان فوج نہ تو
 عند اللہ مجرم ہے اور نہ ہی قتل مسلم کے احکام دنیاوی مرتب ہوں گے۔ ہندیہ میں ہے۔
 ولا بأس برميهم وإن كان فيهم مسلم أسيراً وتاجراً
 وترسو الصبيان المسلمين أو بالأسارى لم يكفوا عن

رمیہم ویقصدون بالرمح الکفار وما اصابوا منهم

لا دية عليهم ولا كفارة (ص ۲۵ ج ۲)

کفار کی طرف سے جو مسلمان مر گیا وہ آخرت کے اعتبار سے تو شہید ہے۔ حکم دنیاوی کے اعتبار سے (مثلاً عدم غسل وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شہید نہ ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسفؒ شہید قرار دیتے ہیں۔ ہندو میں ہے۔ اور علی مسلم الی المشرکین فاصاب مسلماً (الک ان قال) وما تو ایخلون خلافاً لابی یوسفؒ (ج ۱ ص ۸۶)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۹ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
نقطہ واللہ اعلم،

شہید زخمی ہونے کے بعد ہوش میں نہ آئے تو اسے غسل نہ دیا جائے

ڈیرہ اسماعیل خان سے علماء کرام کا وفد حضرت مولانا حقنواز جھنگوی شہیدؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے گیا۔ اس وقت مظلوم حضرت شہیدؒ کی میت ہسپتال میں تھی۔ وہاں سُننے میں آیا کہ آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ مولانا کو غسل نہ دیا جائے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز دورِ حاضر میں اگر کوئی مسلمان کسی باطل فرقے کے ہاتھوں مثلاً شیعہ، قادیانی، مودودی خارجی وغیرہ کے ہاتھوں شہید ہو جائے تو کیا اسے غسل دیا جائے یا نہیں؟ مدلل جواب دیں؟
مولانا اللہ بخش، مدرس ناظم دارالعلوم عثمانیہ، مرالی
تنویر الابصار میں شہید دنیوی و اخروی کی تعریف درج ذیل ہے۔

”ہو کل مکلف مسلم ظاہر قتل ظلماً بجارحة ولم

يجب بنفس القتل مال ولم يرتث وكذا لو قتله باغ او

قاطع طريق ولو بغیر الة جارحة الخ“

مذکورہ دونوں شقوں کے لحاظ سے حضرت جھنگویؒ شہید ہیں جس شخص میں بھی

مذکورہ اوصاف موجود ہوں تو وہ شہید کہلائے گا۔ خواہ قاتل کا تعلق کسی فرقے سے ہی

کیوں نہ ہو ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،
 (ف) :- واقعات کے مطابق مولانا مظلوم شہیدؒ زخمی ہوتے ہی بے ہوش ہو کر گر
 پڑے اور اُسی حالتِ بے ہوشی میں انہیں ہسپتال لے جایا گیا۔ اور ہسپتال پہنچنے سے
 قبل ہی روح پرواز کر گئی۔ لہذا اثرِ شات بھی نہیں پایا گیا۔ اسلئے غسل نہیں دینا
 چاہیئے تھا۔ نفی الثامیۃ ”خلو لم یحقل لا یغسل وان زاد علی
 یوم ولیلۃ۔ (شامی: ۶/۲۷۷ جلد اول) والجواب صحیح ،
 ۱۹ / ۸ / ۱۴۱۰ ھ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،

زنا کرتے ہوئے قتل ہو جانے والا شہید نہیں

ایک شخص زنا میں مبتلا رہے اس کو دُوسرا شخص اسی وقت عورت کے اوپر
 اس کو جان سے مار ڈالتا ہے مرنے والا شہید ہے یا نہیں ؟
 ایسا مقتول شہید نہیں جبکہ قاتل کی بیوی وغیرہ سے فعلِ بد کی صورت
 میں مقتول ہوا ہو۔ کما تَذَلُّ علیہ ہذہ الجزئیۃ لو کان
 مع امرأته وهو یزنی بہا او مع محرمة وہما مطاوعان قتلهما جمیعاً
 (در مختار ص ۱۸۵) ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ ،
 الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۱۲ / ۲ / ۸۶ ھ

شہید کو غسل نہ دیا جائے : ایک بے گناہ لڑکی قتل ہوتی ہے اس کے
 باپ نے اس کو چھڑی سے قتل کیا ہے وہ اس سے فعلِ بد کرنا چاہتا تھا تو اب اسے انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے یا
 نہ ؟ محلہ کے لوگ یہ تصدیق کرتے ہیں کہ لڑکی حق بجانب تھی ۔
 وهو فی الشرع من قتله اهل الحرب والبغی الخ

او قتله مسلم ظلماً ولم تجب بقتله دية كذا في الكافي
ولو وجبت الدية بصلح او بقتل الاب ابنه لا تسقط
الشهادة اه (هندیہ ص ۸۶ ج ۱)

وحكمه ان لا يغسل ويصلى عليه ويدفن بدمه اه كذا
في الهندیة ص ۸۶ ج ۱

جزئیات بالا کی بنا پر یہ مظلوم لڑکی شہید ہے لہذا اسے غسل نہ دیا جائے۔
بلکہ اپنی خون آلود کپڑوں میں کفن دے کہ نماز جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا جائے اگر یہ
کپڑے کفن سنت سے کم ہوں تو مزید کپڑا کفن میں شامل کیا جاسکتا ہے فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ،
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۵/۹/۸۶
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس کسان

نیم پاگل ڈوب کر مر جائے تو شہید ہو گا یا نہیں ؟

نیم پاگل اگر کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کو شہادت صغریٰ کا درجہ ملے گا یا نہیں؟
اگر کچھ دین ایمان کو سمجھتا ہے تو اُمید ہے کہ یہ موت ضرور رفع
الدرجات کا سبب بنے گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۱ / ۲ / ۷

ہجوم میں دَب کر مرنے والا حکماً شہید ہے

ایک شخص اسلامی کانفرنس پر گیا اس غرض سے کہ شاہی مسجد میں شاہ فیصل
کے پیچھے نماز جمعہ بھی ادا کریں گے تو نماز جمعہ ادا کر لے کے بعد ہجوم کے اندر دَب
کر فوت ہو گیا۔ کیا یہ متوفی شہید ہے یا نہیں ؟

یہ شخص حکماً شہید ہے لیکن اے عُغل وغیرہ دیا جائے گا۔

الحاج

فقط ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ، ۹ / ۲ / ۹۲ هـ

جلسے جلوسوں میں مرنے والا شہید ہوگا یا نہیں ؟

۱۔ ایک شخص موجودہ جلسے اور جلوسوں میں شمولیت کرتا ہے یعنی قومی اتحاد کے جلسے اور جلوسوں میں اور ان میں تشدد کا نشانہ بن جائے یا قتل ہو جائے کیا یہ شخص شہید ہے یا نہیں ؟

۲۔ ان جلسوں اور جلوسوں میں بغیر اذن والدین کے شرکت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الحاج

دنیاوی احکام کے لحاظ سے اگر اس پر شہید کی تعریف ، صادق آتی ہو تو اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے البتہ

انجام کا دار و مدار نیت پر ہے لقولہ علیہ السلام انما الاعمال بالنیات ۔

۲۔ جہاد بھی جب تک فرض کفایہ کے درجہ میں ہو تو والدین کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے ۔

فقط والدین ائم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خیالمدارس ۔ ملتان

۲ / ۴ / ۹۸ هـ

جنازہ کب فرض ہوا؟ نماز جنازہ کب فرض ہوئی ہجرت سے قبل یا بعد کیا حضرت خدیجہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی گئی یا نہ اگر پڑھائی گئی تو کس نے پڑھائی؟

نماز جنازہ کی مشروعیت ہجرت کے پہلے سال ہوئی ہے ہجرت سے قبل جو حضرات وفات پا گئے تھے انکی نماز جنازہ نہیں پڑھائی گئی۔
 اوجز المساک میں ہے۔ وفي الا نوار الساطعة شرعت صلواته الجنازة بالمدينة المنورة في السنة الاولى من الهجرة فمن مات مكة المشرفة لم يصل عليه (ص ۱۹۱) فقط والله اعلم،
 الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
 بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۲ / ۱ / ۱۳۹۰

جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مُصلیٰ بچھانا

نماز جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مُصلیٰ جائے نماز بچھانا کیسا ہے؟
 ضروری نہیں۔ اور جو فعل شرعاً ضروری نہ ہو اسے لازم قرار دینا بدعت ہے فقط والله اعلم، محمد اسحاق
 مدرسہ خیر المدارس کس، تھان ۶۱ / ۲۳

میت کو بوقت جنازہ چار پائی کے بجائے زمین پر رکھنا

بعض علاقوں میں جنازہ پڑھتے وقت میت کو چار پائی سے نیچے اتار دیتے ہیں کیا یہ کونسا سنت ہے یا مستحب یا مباح؟

شرعیت میں ایسا فعل ثابت نہیں ہے۔ فقط والله اعلم
 بندہ عبدالستار عفی عنہ ۱۲ / ۲ / ۲۸

نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو جنازہ پڑھنے سے حائث نہ ہوگا

ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا نہ پڑھاؤں گا۔ اگر وہ نماز جنازہ پڑھ لے یا پڑھا دے۔ آیا حائث ہوگا یا نہیں؟

دو دنوں صورتوں میں حائث نہ ہوگا۔ ففی السہندیۃ ولوحلف لا یصلی فقام وقراً و رکع لم یحث وان سجد مع ذالک ثم قطع حث کذا فی الہدایۃ۔ جب قیام و قرأت اور رکوع پائے جانے کے باوجود حائث نہیں ہوتا تو جنازہ پڑھنے یا پڑھانے سے بطریق اولیٰ، حائث نہیں ہوگا۔ نیز اس لئے کہ نماز سے مراد صلوٰۃ مطلقہ ہے جو رکوع سجدے والی ہوتی ہے۔ جنازہ اس میں داخل نہیں۔ وفيہا ایضاً رجل حلف ان لا یؤم احداً (الی ان قال) ولو ام الناس فی صلوٰۃ الجنائزۃ وسجدۃ التلاۃ لا یحث لان یمینہ تنصرف الی الصلوٰۃ المطلقۃ وہی المکتوبۃ او النافلۃ وصلوٰۃ الجنائزۃ لیس بصلوٰۃ مطلقۃ ص ۲۱۲-۲۱۵، اور ابن الہمامؒ کی بحث صورت مسئلہ میں جاری نہیں، علاوہ ازیں خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۲۹ اور بحر الرائق ص ۳۸۹ میں بھی یہ مسئلہ مصرح ہے۔ فقط واللہ اعلم،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ^{لہان} ۱۴۰۱/۶/۲۹

مجذوم جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ : زید فوج میں اپنے مقام پر فوت ہو گیا فوجیوں نے

کفن وغیرہ دے کہ جنازہ پڑھ دیا اور لاشس ورثاء کو پہنچا دی۔ جب لاش پہنچی تو باپ نے ابام مسجد سے کہا کہ جنازہ پڑھاؤ امام نے کہا کہ میں تو نہیں پڑھا سکتا تم ولی ہو۔ تم دوبارہ پڑھا سکتے ہو۔ مگر تم جذام کے مریض ہو لہذا تمہاری امامت درست نہیں نتیجہً بغیر جنازہ ہی دفن کر دیا گیا

الجواب ولی یعنی باپ ام صاحب کو اجازت دے کر امام صاحب سے جنازہ پڑھوا سکتا تھا ولی کو حق ہے خود پڑھے یا کسی سے پڑھوائے البتہ مجرم کی امامت مکروہ ہے۔ وَلَهُ اِیَّیْهِمُ الْوَلٰی وَ مِثْلُهُ کُلُّ یَقْدُمُ عَلَیْهِ مِنْ بَابِ اَوَّلٍ لَا ذَنْ لَغَیْرِہٖ فِیْہَا لَا نَدَّ حَقُّہٗ فِیْمَلْکِ الْبَطَالِہٖ
 اھ در مختار ص ۸۲ شامی - محمد انور ۲۱ / ۴ / ۱۴۰۳ ھ

ناپاک کپڑوں میں جنازہ کا حکم : ناپاک کپڑوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں ؟

الجواب ناپاک کپڑے پہن کر نماز جنازہ درست نہیں۔
 فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
 نائب مفتی خیر المدارس - ملتان
 محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
 ۲۴ / ۲ / ۹۱ ھ

جنازہ پر رشتہ دار جو چادریں ڈالتے ہیں وہ انہیں کی ملک ہیں

ایک عورت جس کا خاوند پہلے فوت ہو چکا تھا اس عورت کے مرنے کے بعد اور دفن کرنے سے پہلے جو چادریں برادری کی عزت کے لئے اس پر ڈالی گئیں وہ چادریں کس کا حق بنتی ہیں اس عورت کا باپ کہتا ہے کہ لوگوں نے میری عزت کے لئے ڈالی ہیں اور مرنے والی کے خاوند کا بھائی کہتا ہے کہ یہ چادریں میری عزت کے لئے ڈالی گئی ہیں۔ لہذا میرا حق ہے۔ اب وہ شرعاً کس کا حق ہیں ؟

الجواب وہ چادریں ڈالنے والوں کی ملکیت ہیں ان سے استفسار کیا جاوے۔
 فقط واللہ اعلم ،
 عبد الستار عفا اللہ عنہ ۳۹۶ ھ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

نابالغ کی قبر پر فاتحہ بقرہ پڑھنے کا حکم

نابالغ لڑکا یا لڑکی فوت ہو جائے تو تدفین کے بعد اسکی قبر پر اول و آخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے یا نہیں ؟

الحاج محمد عارف
کان ابن عمرؓ یستحب ان یقرء علی القبر بعد الدفن
اول سورۃ البقرۃ ونحوها (شامی ص ۲۳۸)

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوه واسرعوا بہ الی قبرہ ویقرء عند رأسہ فاتحۃ البقرۃ وعند رجلہ۔ بخاتمۃ البقرۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال والصیحح انہ موقوف علیہ (ص ۱۲۹)۔ حدیث پاک میں چونکہ کسی میت بالغ کی شرط نہیں لگائی اس سے بظاہر حکم میں نعیم معلوم ہوتی ہے۔ لہذا نابالغ کی قبر پر بھی اول و آخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲ / ۶ / ۱۴۰۸ ھ

قبر میں میت کے نیچے چادر یا چٹائی وغیرہ نہ بچھائی جائے

بعض علاقوں میں رواج ہے کہ لحد میں میت کے نیچے چٹائی بچھادیتے ہیں اور چادر وغیرہ بچھادیتے ہیں کیا درست ہے ؟

الحاج محمد عارف
لحد میں کوئی چیز نہ بچھائی جائے مٹی پر میت کو لٹا دیا جائے۔
وفی الاکتفاء اشعار بانہ لا یلقى الحصیر فی القبر

تحت المیت فانہ مکروہ (جامع الرموز ص ۱۹۲)

ولا يجوز ان یوضع فیہ مضربۃ۔ (در مختار)

(قوله ولا يجوز الخ) ای یکرہ ذلک قال فی الحلیۃ ویکرہ
ان یوضع تحت المیت فی القبر مصریۃ او فخذۃ او حصیر
أو نحو ذلک اھ ولعل وجهہ انہ اتلاف مال بلا ضرورۃ
فالکراہۃ تحریمیۃ ولذا عین بلا يجوز اھ (شامی ص ۶۵۹)
فقط واللہ اعلم ، محمد انور ، ۱۱ / ۹ / ۱۳۹۸ھ

پسماندگان کے بارے میں بدعات وغیرہ کرنے کا اندیشہ ہو تو وصیت کر جائے

حسن خاتمہ کے لئے وصیت نہ کرنا ایسے تاکہ مرنے کے بعد کسی رسم و رواج
میں مبتلا نہ ہوں مرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اپنے عزیز و اقارب کو وصیت نامہ تباؤ
اور سمجھا دوں اور میری تجہیز و تکفین عین سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت مقدسہ کے
مطابق ہو۔

دُعا کو تلقین نہ دیں کہ کوئی امر خلاف شرع و سنت نہ کریں ، مثلاً بلند
آواز سے رونا وغیرہ تجہیز و تکفین میں حتی الوسع دیر نہ کی جائے کسی کی
شرکت کی وجہ سے جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے ، قبر میں ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رخ رکھا
دیا جائے ، صرف چہرے کا رخ قبلہ کی طرف نہ دینا کافی نہیں ایصالِ ثواب کے لئے
کوئی خاص دن یا کوئی خاص چیز متعین نہ کی جائے ، چند عام پیش آینوالی باتیں لکھ دیں
کیونکہ آپ کے علاقے کے رسم و رواج کی ہمیں تحقیق نہیں ورنہ تفصیل لکھ دیتے کہ یہ
چیز سنت کے مطابق ہے۔ یہ مخالف۔ بہشتی زیور میں میت کا بیان دیکھ لیں۔

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،

۱۳۹۸ / ۶ / ۲

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جانور کے مشابہ بچہ پیدا ہو تو اس کا حکم

ایک عورت کا بچہ پیدا ہوا اس کا منہ بہت چھوٹا اور دونوں طرف چھوٹے چھوٹے سینک تھے گھر والوں نے اس بچہ کا گلا دبا کر مار دیا اور جنازہ پڑھا گیا اسی طرح اور بھی کئی واقعات ہوئے ہیں۔

مسخ اشکال شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ گلا گھونٹ کر خود مارنا درست **الجواب صحیح** نہیں ایسے بچے دیے ہی زندہ نہیں رہتے۔ اُسے قتل کرنا سخت گناہ ہے۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۰ / ۷ / ۱۴۰۲ھ

زیارت قبور کا مستنون طریقہ

زیارت قبور کے متعلق ایک فتویٰ طلب کیا گیا تھا۔ لیکن تشفی نہیں ہوئی۔ کیونکہ مندرجہ ذیل فتویٰ کے متعلق مندرجہ ذیل کتب میں یہ عبارات مذکور ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

من باب السادس عشر من باب الكراهة اذا بلغ المقبرة خلع عليه ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت ويقول السلام عليكم يا اهل القبور يخبر الله لكم ولنا واذا اراد الدعاء يقوم مستقبل القبلة (۲) والدعاء عندها قائماً كما كان يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم في المخرج الى البقيع الكبير (۳) ايضاً ويدعو قائماً مستقبل القبلة (۴) (قد كانت الصحابة تدعو الله لنا هناك مستقبلين القبلة ولم يرو عنهم استقبال القبر عند الدعاء مع الله واختلف الائمة في استقباله عند السلام فعند ابى حنيفة

رحمہ اللہ انہ لا یستقبل بل یتدبر واستقبل القبلة والصیح
المصنوع علیہ انہ یستقبل وقت السلام وعند الدعاء یستقبل
القبلة الخ (روح المعانی للعلامة آلوسی ص ۱۶۶) (ویدعوا مستقبل
القبلة مجمع الانہار ص ۵۵۲) اور مجالس الابرار میں دعا کے بارے
میں یوں ہے استقبال القبلة وجعل ظہرہ الی جدار القبر ثم
دعا وهذا لا نزاع فیہ بین العلماء وانما نزعہم فی
وقت السلام قال ابو حنیفۃ "یستقبل القبلة عند السلام ایضاً"
فانہ ایضاً دعاء والدعاء لا تكون عند القبر اھ (مجالس الابرار ص ۳۶۲)
الجواب طحاوی ص ۳۲ میں ہے۔ قال فی الاحیاء والمستحب فی
زیارة القبور ان یقف مستدبر القبلة مستقبلاً وجہ المیت
وان یسلم ولا یمسح القبر ولا یقبلہ ولا یمسہ فان ذلک من
عادة النصارى کذا فی شرح الشریعة قال فی شرح مشکوٰۃ
بعد کلام وحديث ما نصّه فیہ دلالة علی ان المستحب فی حال السلام
علی المیت ان یتدبر لوجهہ وان یستمر کذا لک فی الدعاء ایضاً
وعلیہ عمل عامة المسلمین خلافاً لما قالہ ابن حجر
روایت بالاسے معلوم ہوا کہ بوقت دعا استقبال بوجہ المیت مستحب ہے

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، ہندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۳۰ / ۳ / ۸۹ ھ

خشتی کے جنازہ اور اس میں دُعا کا حکم

جو آدمی پیدائش سے خسرہ ہو۔ اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کون سی دُعا پڑھنی چاہیے ؟

اگر خسرہ بالغ شخص ہے تو اسکی نماز جنازہ میں بالغ مرد و عورت کی دُعا پڑھی جائے اور اگر خسرہ نابالغ ہے تو اس کی علامات کی تحقیق کی جائے گی۔ اگر علامات مذکور غالب ہوں تو لڑکے والی دُعا پڑھی جائے اور اگر علامات مؤنث غالب ہوں تو مؤنث والی (لڑکی والی) دُعا اور تحقیق سے کچھ تعین نہ ہو سکنے کی صورت میں دونوں دُعاؤں میں اختیار ہے۔ خواہ لڑکے والی دُعا پڑھے یا لڑکی والی دُعا جو بھی پڑھے جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافکار خیر المدارس ۳/۳/۱۴۰۹ھ

رمضان المبارک میں علانیہ کھانیوالے کا جنازہ ،

جو شخص نماز کا پابند نہیں ہے اور روزے نہیں رکھتا رمضان شریف کا احترام نہیں کرتا۔ علی الاعلان کھاتا پیتا ہے۔ سیر بازار حقہ نوشی کرتا ہے۔ باہر مریج میں روٹی منگوانا ہے تو کیا ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں ؟

ایسا شخص فاسق ہے۔ شرعاً اس پر نماز جنازہ ترک نہیں کی جاسکتی ہاں اگر تنہا ترک کی جائے کہ آئندہ لوگ ایسی حرکات سے باز رہیں تو پھر گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ اصغر علی غفرلہ معین مفتی

خیر المدارس کس۔ ملتان

المجواب صحیح ، جمال الدین غفرلہ

۱۰/۸/۱۳۷۳ھ

المجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

ہنر سے نکالی ہوئی لاش بلا غسل دفن کر دی گئی ہو تو بھی قبر پر جنازہ پڑھا جائے

ہنر سے ایک تازہ لاش بہتی ہوئی ملی۔ چند دیہاتیوں نے نکال کر یہ سوچ کر کے کہ پانی سے نکالی گئی ہے غسل کی ضرورت محسوس نہ کی اور قبر نما گڑھا کھود کر اس میں مکمل دفن کر دیا۔ آیا اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے یا نہیں؟

اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے۔ (قولہ ادبہا بلا غسل)

هذا رواية ابن سماعة والصحيح انه لا يصلى على
قبره في هذه الحالة لانها بلا غسل غير مشروعة كذا في
غاية البيان لكن في السراج وغيره قيل لا يصلى على قبره
وقال الكرخي يصلى وهو الاستعسان لان الاولى لم يعتد بها
لترك الشرط مع الامكان والآن زال الامكان فسقطت
فرضية الغسل وهذا يقتضى ترجيح الاطلاق وهو الاولى
نہر (شامیہ ص ۸۲) فقط واللہ اعلم، محمد انور مدرّسہ خیر المدارس عمان

شیعہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہوں تو بجائے دُعا کے بدعا کرتے ہیں

بعض دفعہ اہل تشیع بھی سنیوں کے جنازہ میں آکر شریک ہو جاتے ہیں۔ آیا انکی یہ شرکت درست ہے؟

اہل تشیع کو شریک نہ کیا جائے۔ کُتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اول
تو سنی کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ اگر بضرورت پڑھنا پڑے تو

دُعا کے بجائے بدعا کریں۔ نخفۃ العوام ص ۱۳۸ میں ہے۔ اگر سنی خلاف مذہب
ہو اور بضرورت اس کا جنازہ پڑھنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے یہ کہے۔

اللهم اخذ عبدك فـ عبادك وبلادك اللهم اصله
حر نارک اللهم اذقه اشد عذابک -

ترجمہ : اے خدا اس بندے کی میت کو اپنے بندوں اور اپنے شہروں میں
ذلیل و رسوا کر۔ اے خدا اس بندے کی میت کو نارِ جہنم میں جلا۔
اے خدا اسے سخت ترین عذاب دے۔

یہ چونکہ کُتبی میت پر بدعا کرتے ہیں اس لئے شرکت کی اجازت نہ دی جائے۔
الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

قریب المرگ کی زبان کوئی نامناسب کلمہ نہ نکلے تو اسکا کوئی اعتبار نہیں

محضر اگر بوقت تلقین کلمہ سے انکار کر دے یا کلمہ کفریہ کہہ دے تو اس پر مسلمان کے
احکام جاری ہوں گے یا غیر مسلم کے ؟

اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ وہ حالت بہت سخت ہوتی ہے
اس وقت خواہ اس معطل ہو جاتے ہیں اس لئے ایسے وقت کی کبھی ہوئی باتوں
کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ عین ممکن ہے وہ صحیح ہی کہنا چاہتا ہو مگر غلطی سے کوئی کلمہ نکل

گیا ہو۔ وان صدر عنه الانكار في تلك الحالة اعاذنا الله منه لا
يلتفت الى انكاره ولا يحكم بكفره ويجري عليه احكام المؤمن
ويوكل سريره الى الله تعالى لان ذالك الوقت وقت
ذهاب الحواس وتعطلها۔ وايضاً انه تلفظ بكلمة الكفر من
دون قصد بل عسى ان يكون ارادته التكلم بكلمة الاسلام
وظهر كلمة الكفر بسبقه اللسان اه (رسائل الاركان ص ۱۵۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

میت معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض ہو تو دوسرے کو بلا سکتے ہیں

زید اپنے محلہ کے امام صاحب سے کبیدہ خاطر رہتا تھا ان کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا تھا۔ اب زید فوت ہو گیا ہے تو وہی امام محلہ نماز پڑھائے یا کسی دوسرے کو بلا سکتے ہیں ؟

الجواب اگر زید کسی معقول وجہ سے امام محلہ سے ناراض تھا تو جنازہ کے لئے دوسرے کو بلا سکتے ہیں۔ فَعَلَىٰ هَذَا لَوْ عَلِمَ أَنَّهُ كَانَ غَيْرَ رَاضٍ بِحَالِ حَيَاتِهِ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَتَعَبَّ تَقْدِيمَهُ إِهْدَاقَ هَذَا مُسْلِمٍ إِنْ كَانَ عَدَمَ رِضَاةٍ بِهِ لَوَجْهِ صَحِيحٍ وَلَا لَا تَأْمُلْ أَهْلَ (ثَانِيَةً ص ۸۲) الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

کس صورت میں چند اموات کو اکٹھے دفن کر سکتے ہیں؟

جب ایام و بار میں اموات کی اتنی کثرت ہو جائے کہ الگ الگ دفن کرنا مشکل ہو جائے تو اکٹھے دفن کرنا بھی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ مثلاً زلزلہ یا دباؤ یا سیلاب کی وجہ سے اموات بے شمار ہو جائیں۔ دفن کر نیوالے بہت کم ہوں تو ایسی صورت میں کئی میتوں کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں۔ دونوں مردوں کے درمیان مٹی کی دیوار کر دی جائے۔

وَمِنْ الصَّرُورَةِ الْمُبِيعَةِ لِجَمْعِ مَيِّتَيْنِ فِصَاعِدًا فِ قَبْرِ وَاحِدٍ ابْتِدَاءً عَلَى مَا ذَكَرَهُ ابْنُ امِيرٍ حَاجِ قَلْعَةِ الدَّافَنِينَ اَوْ اشْتَغَالَهُمْ بِمَا هُوَ اَهَمُّ وَلَيْسَ مِنْهَا دَفْنُ الرَّجُلِ

مع الرجل قریبہ ولا ضیق محل الدفن فی تلك المقبرة
مع وجود غیرها وإن كانت تلك المقبرة مما یتبرک بالدفن
فیہا لمجاورة الصالحین فضلاً عن هذه الامور لما
فیہ من هتک حرمة المیت الاول و تضریق اجزائہ
فیمنع من ذلك اھ و یُحجَّد بین کل اثنین بالتقارب مندبا
إن أمکن کما فی ابن اُمیر حاج لیکون فی حکم
قبرین کما فی العینی علی البخاری (طحا د ع ۳۲۶)

۱۲ / ۲ / ۱۴۰۳ ھ فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ

مرزائی کے جنازے کا حکم : مرزائیوں کے جنازہ میں مسلمانوں کا شامل ہونا
کیا ہے ؟ ۱۔ مرزائی کے مرنے کے بعد

مرزائی کے وارثوں کے پاس فاتحہ خوانی کے لئے جانا کیا ہے ؟ ۲۔ اہل سنت
والجماعت کے جنازہ میں مرزائی کا شامل ہونا کیا ہے ۔ ۳۔ مسلمانوں کے قبرستان میں
مرزائی کا دفن کرنا کیا ہے ؟ ۴۔ پہلی صورت میں مرزائی کا جنازہ پڑھنے والوں کا نکاح
باقی ہے یا نہیں ؟

۱۔ اگر مرنے والے کا مرزائی ہونا معلوم تھا ، تو اس کا جنازہ پڑھنے
والوں نے سخت غلطی کی ہے ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی ہندو سکھ

کی نماز جنازہ پڑھی جائے ۔ ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیئے اور مجمع عام
کے سامنے اس فعل پر مذمت کا اظہار کر کے توبہ کریں ۔

- ۲۔ اگر پڑوسی ہو تو تعزیت کی کچھ گنجائش ہے فاتحہ ہرگز نہیں پڑھنی چاہیئے ۔
- ۳۔ وہ شامل ہو کر یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں لہذا ان کو شامل نہ کیا جائے ۔
- ۴۔ ناجائز ہے ۔ شرعاً کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جاسکتا ۔
- ۵۔ اگر انہوں نے مرزائیوں کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہے تو وہ احتیاطاً اپنے

اپنے ایمان و نکاح کی تجدید کریں۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح ، بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو اس کا جنازہ پڑھنا

ایک شخص نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی اور نہ کسی نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ مگر ہے کلمہ گو اور موصد اور مصدق بالرسالة تو ایسے شخص پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا کہ نہیں اگر جائز ہے تو اس حدیث شریف کا مطلب کیا ہے؟ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ؟

مسلمان تارک صلوٰۃ پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے، حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس نے قصداً نماز ترک کر دی وہ کافروں جیسا کام کرنے والا ہو گیا نہ کہ خود کافر ہو گیا۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ خادم الافتاء
خیر محمد عفا اللہ عنہ خیر المدارس - ملتان ۱۵/۱۰/۲۵ھ

وضو کرنے سے جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کا حکم

نماز جنازہ ہو رہا ہے۔ اگر وضو کرے تو نماز جنازہ نہ ملنے کا اندیشہ ہے اب وضو کرے یا تیمم؟

نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم سے پڑھ سکتا ہے۔
و یجوز التیمم اذا حضرته جنازة والولى غیرہ

فخاف ان يشتغل بالطهارة انت قنوتہ الصلوة ولا یجوز للولى الخ قوله یجوز له التیمم اذا انت

لغیرہ بالصلوٰۃ الخ (عالمگیری ص ۱۶) فقط واللہ اعلم ،
 الجواب صحیح ، محمد انور ، مفتی خیر المدارس - ملتان
 ۱۷ صفر ۱۴۰۲ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جنازہ سامنے سے گزرنے تو اسے دیکھ کر کیا پڑھا جاتے؟

جب جنازہ سامنے سے گزرتا ہے تو لوگ مختلف طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ بعض دیکھ کر سر پر کپڑا لیکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض بیٹھے رہتے ہیں، اور بعض زیر لب کچھ پڑھتے بھی ہیں آپ شرعی حکم سے آگاہ کریں؟
 جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا کوئی سنت نہیں البتہ جب جنازہ سامنے سے گزرے یا جنازہ پر نظر پڑے تو یہ پڑھے۔

ابو یوسف

”سُبْحَانَ الَّذِي لَا يَمُوتُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ“
 اور میت کے لئے دُعا بخیر کرے اور ننگہ کے جواب میں میت کے ثابت قدم رہنے کی دُعا کرے اور بعض کتب میں یہ دُعا منقول ہے۔

هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ اللَّهُمَّ
 زِدْنَا إِيْمَانًا وَتَسْلِيمًا اِهْ وَيَسْتَحِبُّ لِمَنْ مَرَّتْ عَلَيْهِ جَنَازَةٌ أَوْ رَأَاهَا
 أَنْ يَقُولَ سُبْحَانَ الَّذِي لَا يَمُوتُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ
 وَيَدْعُوَ لِلْمَيِّتِ بِالْخَيْرِ وَالتَّثْنِيتِ اِهْ وَفِي شَرْعَةِ الْإِسْلَامِ
 إِذْ رَأَاهَا يَقُولُ هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ
 وَرَسُولُهُ اللَّهُمَّ زِدْنَا إِيْمَانًا وَتَسْلِيمًا اِهْ (طحاوی ص ۲۳۳)

فقط واللہ اعلم ،
 فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بچہ کان میں اذان دینے سے پہلے مر جائے تو جنازہ کا حکم

بعض شہروں کے اندر رواج ہے کہ مسلمان کے گھر بچہ یا بچی اگر زندہ پیدا ہو اور اذان کان میں پڑھنے سے پہلے ہی مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے ہمارے ہاں کئی بچے بچیاں زندہ پیدا ہوئے جو کہ اذان پڑھنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تو ان کی نماز نہیں پڑھی گئی۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بچہ یا بچی زندہ پیدا ہو، خواہ کان میں اذان پڑھی جائے یا نہ۔ اس کا نام بھی رکھا جائے اور اسے غسل بھی دیا جائے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے۔ ہند یہ میں ہے۔

ومن استهل بعد الولادة ستمی وغسل وعلیہ ص ۸۱۔ ۱۲۰
دفن کرنے کے بعد قبر سے نکالنے کی اجازت نہیں۔ پھولنے پھٹنے سے پہلے
قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ فقط واللہ اعلم،
الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفی عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس۔ ملتان شہر

پاگل کی نماز جنازہ میں کونسی دعا پڑھی جائے

ہمارا ایک بھائی پاگل تھا۔ تھوڑا عرصہ ہوا اس کا انتقال ہو گیا اس کی نماز جنازہ کے وقت بعض مولوی حضرات میں اختلاف ہو گیا کہ کونسی دعا پڑھی جائے بعض کہتے تھے کہ نیچے والی دعا پڑھی جائے اور بعض کہتے تھے کہ بالغ والی۔ آپ صیح حکم سے مطلع فرمادیں۔ محمد زبیر۔ جھنگ صدر

جواب: اگر وہ پیدائشی پاگل تھا تو اس پر نیچے والی دعا پڑھی جائے اور اگر بالغ ہونے کے بعد پاگل ہوا تھا تو پھر بالغوں والی دعا

پڑھی جائے۔ والمجنون كالطفل ذكره في المحيط وينبغي ان
يقتيد بالجنون الا صلى لانه لم يكلف فلا ذنب له كالصبي بخلاف
العارض فانہ قد كلف وعرض الجنون لا يحو ما قبله بل هو
كسائر الامراض وردنه للتكليف انما هو فيما يأتي لا فيما مضى اه
(کبریٰ ص ۵۳۹) وکذا فی الشامیہ ص ۵۸۷ ج ۱

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۴ / ۱۴۱۰ ھ

شنار میں وجلّ شئارک کی زیادتی شاذ ہے

دعائے جنازہ میں جو شئار پڑھی جاتی ہے جس میں وجلّ شئارک کی زیادتی
ہے یا اسی طرح درود شریف میں زیادتی ہے۔ آیا یہ حدیث سے ثابت ہے۔ ؟
شئار کے متعلق جو مشہور روایات ہیں۔ ان میں وجلّ شئارک کے
الفاظ نہیں ہیں۔ حدیث ابن عباس (خرجہ) ابن ابی شیبہ اور ابن مردیہ
نے اپنی کتاب الدعاء میں شئارک کے ساتھ ذکر کی ہے نیز حدیث ابن مسعود میں
بھی موجود ہے۔ عن ابن مسعود ان من احب الکلام الی اللہ عز وجل ان
يقول العبد سبحانک اللّٰهم وجمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجلّ
ثناءک ولا اله غیرک رواه الحافظ ابو شجاع في کتاب الفردوس
(فتح القدیر ص ۲۵) درود پاک کے حدیث میں مختلف صیغے وارد ہوئے ہیں۔ زیادتی
والی روایت بہیقی میں موجود ہے۔ عن ابن مسعود عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا
تشهد احدکم في الصلوة فليقل اللّٰهم صل علی محمد وعلی آل
محمد وبارک علی محمد وعلی آل محمد وارحم محمد و آل محمد
کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک

حمید مجید (فتح القدیر ص ۲۴۵) صاحب عنایہ نے درود شریف مذکور حضرت علیؑ
 حضرت ابن عباسؓ۔ ابن مسعودؓ اور جابرؓ سے نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ شہداء میں
 وجل ثناؤک اور درود شریف میں ترحمت وغیرہ کی زیادتی احادیث میں موجود ہے۔ گو
 احادیث مشہورہ اس سے خالی ہیں۔ اس لئے اس کے پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔
 اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وہی ثناء اور درود شریف پڑھنا چاہیے جو احادیث مشہورہ میں منقول
 الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مروجہ اسقاط کا حکم : ہمارے اہل جو کوئی فوت ہو جائے تو مقامی
 علماء جنازہ پڑھنے کے بعد مُردہ کو دفن نہیں
 کرتے بلکہ مُردہ اسی جگہ پڑا رہتا ہے۔ علماء اور دیگر غریب اس کے پاس بیٹھ کر اسقاط
 کرتے ہیں۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کے بعد دفن کرنے سے پہلے میت والا
 گھر سے کچھ مٹھائی اور ایک چھابہ میں تھوڑی گندم اور نمک کا ایک ڈبہ اور قرآن مجید
 اور کچھ نقدی لے آتا ہے۔ جنازہ خواں مولوی صاحب دل میں اس پر کچھ پڑھتا ہے
 پھر اپنی دائیں طرف والے کو کچھ کہتا ہے کہ یہ چیزیں میں نے تجھے بخشی ہیں۔ پھر
 وہ دوسرے کو کہتا ہے۔ اسی طرح کرتے کرتے اگر لوگ بہت ہوں تو گھنٹہ ڈیرہ گھنٹہ
 مُردہ کو دفنانے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ وہ جنازہ خواں مولوی صاحب
 ایسا کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ ایسا کرنے کا کہیں ثبوت ہے؟ تو وہ مولوی صاحب
 بگڑ گئے، اور کہنے لگے کہ شیطان کا کام ہے لڑائی کرانا۔ یہ شخص بھی شیطان ہے۔
 اور اسکی ساری جماعت شیطان ہے اور کافر ہے۔ اب معروض ہے کہ یہ اسقاط حضور اکرمؐ
 یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے کیا ہے۔ اگر نہیں تو اس مولوی صاحب نے اس شخص کو شیطان
 یا کافر کہا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ح. بجواب اسقاط مروج ناجائز اور بدعت ہے چند وجوہ سے۔ قال فی الشامیۃ

ونقص عليه في تبين المحارم فقال لا يجب على الولي فعل الدوران وان اوصى به الميت لا نهيا وصية بالتبرع والواجب على الميت ان يوصي بما يفي بما عليه ان لم يفتق الثلث عنه فان اوصى باقل وامر بالدور وترك بقية الثلث للورثة او تبرع به لغيرهم فقد اثم بترك ما وجب عليه امر ربه ظهر حال وصايا اهل زماننا فان الواحد منهم يكون قد ذمته صلوات كثيرة وغيرها من زكوة واصحاح وایمان ويوصى لذلك بدراهم يسيرة ويجعل معظم وعيسته لقراءة النجفات والتها ليل التي نص علماءنا على عدم صحة الوصية بها الخ شامية ص ۵۱۲ -

جب وصیت کے باوجود ولی کے ذمہ ضروری نہ ہو الو عدم وصیت کے وقت کے ضروری ہوگا۔

۲۔ جس اسقاط کی اجازت منقول ہے اسکی شرط یہ بھی ہے۔ جبکہ وہ فقیر کے لئے ہو یا ثلث سے فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو۔ یہ صورت کبھی اتفاقاً پیش آتی ہے۔ اسے مستقل وصیت کے لئے حیلہ بنالینا درست نہیں، درمختار میں ہے۔ ولو لم يترك ما لا يستقرض وارثه الخ (شامی ص ۶۸۴)

۳۔ حیلہ کے جواز میں تملیک فقیر ضروری ہوتی ہے۔ وہ مرد جو اسقاط میں صحیح معنوں میں نہیں ہوتی۔

۴۔ اس سے عوام کو گویا ترک صلوة وصوم پر دلیر بنانا ہے کہ خواہ کساری عمر نماز نہ پڑھے۔ آخر میں یہ عمل کہ جس کے گویا اسے بری کر دیا ہے۔

۵۔ ایسے اعمال تکفیر کا جزو سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۶۔ اگر کوئی شخص مثلاً افلاس کی حالت میں فوت بھی ہو گیا تو اسقاط کرنے کے لئے قبرستان کی تفصیص کیوں کی جاتی ہے۔ لہذا یہ فعل واجب ترک ہے۔ روکنے والے کو کافر کہنا انتہائی قبیح فعل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۸ / ۴ / ۱۴۰۳ ہجری

قبر بہت بوسیدہ ہو جائے تو وہاں نئی قبر بنانا جائز ہے

قبر کو کب تک آباد کرنا چاہیے اور کون سے وقت میں ان پر مسجد آباد کرنا اور مکان بنانا اور مزارعت کرنا جائز ہو جائے گا اور اگر ان پر مٹی ڈالنی ہو تو اس کے لئے کوئی دن مخصوص ہے یا جس دن چاہیں ڈال لیں دش محرم کو ڈالنا کیسے ہے؟

الجواب قبریں جب خراب ہو جائیں تو پھر ان کو محفوظ رکھنے کے لئے مٹی ڈالنا یا لینا جائز ہے۔ کما فی العالمگیریۃ ص ۸۵۔ و اذا خربت القبور فلا بأس بتطینہا کذا فی التاتاریخانیۃ وهو الاصح وعلیہ الفتوی۔ لیکن اس لینے یا مٹی ڈالنے کے لئے کوئی دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور قبریں جبکہ بالکل بے نشان ہو جائیں اور میت بھی ان میں گل سٹر کر مٹی ہو گئی ہو تو پھر وہاں دوسری قبر نکالنا اور مکان بنانا اور زراعت کرنا جائز ہے۔ کما فی العالمگیریۃ ص ۸۵۔ ولو لم یلمیت وصار ترا باً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وذرعہ والبناء علیہ کذا فی التبین۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ اصغر علی غفرلہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافکار خیر المدارس ۱۳/۲/۱۳۷۲ھ

معتکف جنازہ کے لئے مسجد نکل سکتا ہے؟

اگر کوئی امام مسجد رمضان المبارک میں اعتکاف بیٹھا ہوا ہے کیا نماز جنازہ کے لئے باہر جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جاسکتا تو کیا وہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے؟

الجواب اگر اعتکاف بیٹھے سے پہلے یہ شرط کیا تھا کہ نماز جنازہ کے لئے باہر

جایا کروں گا تو پھر نماز جنازہ کے لئے باہر جانا جائز ہے۔ وگرنہ اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ مسجد اندر جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۰/۸۰ ھ

مسلمانوں اور کفار کی لاشوں میں پہچان ممکن نہ ہو تو جنازہ کا حکم

پچھلے دنوں کھٹنڈو میں ایک بین الاقوامی پرواز حادثے کا شکار ہو گئی جس میں مسلمان اور غیر مسلم لاشیں مل گئی تھیں۔ ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نعشیں مل جائیں۔ اور پہچان ممکن نہ رہے تو مسلمان نعشوں کی نماز جنازہ کس طرح ادا کی جائے گی۔

اکثر فضائی حادثات میں اس طرح ہو جاتا ہے اس لئے وضاحت سے جواب مرحمت فرما کر عند الناس مشکور اور عند اللہ ماجور ہوں۔ سائل ، زکریا مجاہد۔ ملتان

ایسی صورت میں جب کفار کی لاشیں علیحدہ نہ کی جاسکیں اور کوئی علامت نہ ہو تو سب پر جنازہ پڑھا جاوے مگر نیت یہ ہو کہ ان میں جو مسلمان

الجواب

ہیں ان کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔

اختلفوا في ان يقرأ ولا علامة اعتبارا لاكثر فان استتوا

عسلوا واختلف في الصلوة عليهم اه (در مختار)

(قوله واختلف في الصلوة عليهم) فقل لا يصلی لان

ترك الصلوة على المسلم مشروع في الجملة كاللغة وقطاع

الطریق فكان اولی من الصلوة على الكافر لانها غیر

مشروعة لقوله تعالی ولا تصل علی احد منهم مات

ابداً۔ وقیل یصلی ویقصد المسلمین لانه ان عجز عن

التعین لا یعجز عن القصد كما في البدائع قال في الحلیة

فعلى هذا ينبغي ان يصلى عليهم فى الحالة الثانية ايضا اى
حالة ما اذا كان الكفار اكثر لانه حيث قصد المسلمين فقط
لم يكن مصليا على الكفار وإلا لم تجز الصلوة عليهم فى
الحالة الاولى ايضا مع ان الاتفاق على الجواز فينبغى الصلوة
عليهم فى الاحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاثة وهو
اوجه قضاء لحق المسلمين بارتكاب منى عنه اهل ملغصا
(شامى ص ۸۵) - فقط والله اعلم ، محمد انور عفا الله عنه
الجواب صحیح ، بنده عبدالستار عفا الله عنه

دُعا بعد الجنازہ کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا جہالت ہے

نہید اور بکر دونوں میں اختلاف ہے اس بات کا کہ وعظ اور تقریر جو کہ جمعہ کے روز
دونوں اذانوں کے درمیان کی جاتی ہے بدعت ہے اور اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملتا۔
اور اگر اس کو صحیح مان لیں تو ہماری بعد صلوٰۃ جنازہ دعا بھی صحیح اور غیر بدعت ہے۔
آیا یہ قیاس صحیح ہے ؟

اس وعظ و تقریر پر بعد الجنازہ کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ شریعت
میں اس دعا کی ممانعت صریحہ مذکور ہے۔

البحر

قال فى البحر قید بقوله بعد الثالثه لانه لا يدعو بعد
التسليم بحر ص ۱۹۴ وقال فى حاشية المشکوٰۃ ولا يدعو للمیت
بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانه يشبه الزیادة فى صلوٰۃ الجنان ص ۱۲۴
اور وعظ مذکورہ کی ممانعت مذکور نہیں اس لئے کہ وعظ مذکور کو چھوڑنے پر تارک
پر تحیر نہیں کی جاتی اور دعا مذکور نہ کرنے والے کو بے دین و باہمی وغیرہ کہا جاتا ہے۔
معلوم ہوا کہ لوگ عقیدۃ اس کو ضروری اور حکم شرعی سمجھتے ہیں۔ پس یہ بدعت ہوگی

اور وعظ مذکور ایسے نہیں شامل تھا وعظ سے مقصود تذکیر و نصیحت ہے اور خطبہ بھی تذکیر ہے۔ لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے مخاطبین اس کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اس مقصود شرعی کے پیش نظر خطبہ سے قبل وعظ کرتے ہیں تاکہ خطبہ کا فائدہ لوگوں کو پہنچے اور جنازہ سے مقصود شرعی دعا ہے جو کہ شارع علیہ السلام کے تجویز کردہ طریقہ کے مطابق ہو چکی ہے۔ اس کو نا کافی سمجھتے ہوئے ایک اور دعا کا اضافہ کرنا اور تمام لوگوں پر اس کا لازم کرنا خود شارع بننا ہے۔ اور تجویز شارع کی العیاذ باللہ تو ہین کے قریب ہے۔ الغرض دعا مابعد جنازہ بدعت ہے۔ اور وعظ مذکور بدعت نہیں گو لب چوڑا وعظ جیسا کہ آج کل رواج ہے شرعاً پسندیدہ نہیں کیونکہ اس سے جمعہ میں تاخیر ہو جاتی ہے اور حکم تعمیل کا ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ،
محمد عبداللہ عفر اللہ

بندہ عبدالستار عفر اللہ
۱۲ / ۶ / ۱۳۹۲ ھ

لا وارث لانشس پر عمل جراحی کی مشق کرنا

ڈاکٹر کو ایک مریضہ کی تشخیص کے لئے عموماً یہ صورت پیش آتی ہے کہ اس کو مریضہ کے سارے جسم کا ہاتھوں سے چھو کر معائنہ کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ بعض حالات میں اعضاء مخصوصہ کا معائنہ بھی ضروری ہو جاتا ہے اور سب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مردہ جسم پر عمل جراحی کر دینی جاتی ہے براہ کرم جواب مفصل مرحمت فرمائیں۔

مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کے لئے جن مواضع کا چھونا یا دیکھنا لابدی ہو تو مجبوری کی حالت میں ان کے دیکھنے اور چھونے کی اجازت ہے (جبکہ بدول اس کے تشخیص و علاج درست نہ ہو سکتا ہو) البتہ انسانی جسم پر عمل جراحی برائے مہارت سولہ جوہ ذیل شرعاً اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (وجہ اول) مسلمان میت کو غسل دینا کفن پہنانا اور پھر دفن کرنا شرعاً تمام اہل اسلام

کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے کما فی الدر المنثور وغیرہ من الاعتبار اور
 عمل جراحی کی مشق کے لئے مُردہ جسم کو محفوظ رکھنے کے ساتھ احکام بالا کی تعمیل کا ہونا ممکن نہیں۔
 (وجہ دوم) حق تعالیٰ سبحانہ نے انسان اور باقی تمام اشیاء (مثلاً معدنیات، نباتات، حیوانات)
 کے مقاصد تخلیق میں بنیادی طور پر فرق رکھا ہے پورے عالم میں پھیلی ہوئی اجناس متعددہ کے
 ان گنت اشیاء کو اس لئے وجود میں لایا گیا تاکہ مختلف انسانی حاجات کی براری اور زندگی کے
 گونا گوں تقاضوں کی تکمیل ہو سکے۔ قرآن کریم میں ہے۔ ھو الذی خلق لکم ماف
 الارض جمیعاً (۲) وسخر لکم مافی السموات وما ف الارض جمیعاً الآیۃ
 ۱۰، پتل، چاندی، سونا اور تمام معدنیات اناج، غلے، سبزیاں اور دیگر نباتات اسی طرح
 حیوانات ان سب اشیاء کو انسان کے تصرف میں دیدیا گیا ہے انسان مختلف طریقوں سے
 اپنی زندگی کو باضابطہ آسودہ اور محفوظ بنانے کے لئے ان اشیاء کو استعمال میں لاتا ہے
 کوئی چیز پس کر کام آتی ہے کوئی کٹ کر کسی کو گرم کر کے کار آمد بنایا جاتا ہے کسی کو
 ٹھنڈا کر کے کسی چیز کو چیر بھاڑ کر کام میں لایا جاتا ہے تو کسی کو سی کر پرو کر کہیں تحلیل
 ہوتی ہے کہیں ترکیب و تجزیہ ہوتا ہے کہیں تنقید۔ الغرض ان اشیاء کو انسان کے
 استعمال ہی کی غرض سے پیدا کیا ہے اور ان کی حیثیت محض سامان زندگی اور متاع انسانی
 ہونے کی ہے۔ پس ان میں سب تصرفات درست ہیں۔ بخلاف انسان کے کہ اسے
 خداوند قدوس نے سامان اور متاع کی حیثیت میں پیدا نہیں کیا کہ ضروریات زندگی میں اسے بھی
 چیر بھاڑ کر یا کوٹ چھان کر یا گلا بگھلا کر لگایا اور استعمال کیا جاسکے۔ بلکہ انسان کو
 صاحب متاع اور فطرتی طور پر ان اشیاء میں تصرف کنندہ بنایا ہے۔ اسی بنیادی فرق کی
 وجہ سے مکرم خُداوندی کا مورد ٹھہرایا گیا ہے۔ دیکھئے آیت میں اسی خصوصیت انسانی
 پر کس صراحت سے نص کی گئی ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ہم فی البر
 والبحر ورزقناہم من الطیبات الخ اور کچھ ایسے ہی فطرتی تفوق اور فضائل کی بناء
 پر مکرم سے بڑھ کر خلانت خداوندی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے۔ واذ قال
 ربک للملئکۃ ان جاعل فی الارض خلیفۃ ید پس انسان کی اس

متصرفانہ حیثیت اور دیگر اشیاء کی اس خادمانہ حیثیت اور متاعی حیثیت کو برقرار رکھنا صریح تقاضائے فطرت اور عین منشاء خداوندی کے مطابق ہے جب بھی ان میں سے کسی ایک نوع کو اس کے فطرتی مقام سے پست و بالا کیا جائے گا قانون فطرت کی خلاف ورزی اور حدود خداوندی کی شکست و ریخت لازم آئے گی اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسانی جسم پر عمل جراحی کی مشق یہ لے دائرہ انسانیت سے نکال کر متاع و جمادات کی نوع میں داخل کرنا ہے تو کسی انسان یا کسی خاص طبقہ انسانی کو یہ کیسے حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی فنی تکمیل کے لئے کسی دوسرے انسان یا اس کے کسی عضو کو تختہ مشق بنائے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو ایک بویار لوہے کے ساتھ یا ایک بڑھئی لکڑی کے ساتھ یا ایک درزی کپڑے کے ساتھ اور ایک قصاب گوشت کے ساتھ کرتا ہے آخر خدائی حدود کی شکست و ریخت کو کیسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

(وجہ سوم) مُردہ انسان کو عمل جراحی کے لئے تختہ مشق بنانے میں انسانی جسم کی توہین و تذلیل ہے جو کہ مقامِ تکریم کے قطعاً خلاف ہے پس عدم جواز ظاہر ہے۔
(وجہ چہارم) بعض احادیث میں آتا ہے کہ مُردہ کی رُوح بھی اسی طرح درد و الم کو محسوس کرتی ہے جیسا کہ زندہ انسان کی رُوح اور مُردہ کو بھی ایذا پہنچتی ہے اور عمل جراحی میں ایذا ہونا ظاہر ہے اور ایذا سے احتراز کرنا واجب ہے۔

(وجہ پنجم) کوئی سلیم الفطرت اپنے ساتھ یا اپنے کسی عزیز کی لاش کے ساتھ اس معاملہ (عمل جراحی معہود) کو پسند نہیں کرتا تو جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کی جاتی تو آخر لادارت اور غریبہ کی لاشوں کے لئے وہ کیسے پسند کی جاتی ہے؟ اسلام کی نظر میں نفس ہونے کی حیثیت سے شاہ و گدا، امیر و غریب، زبردست و زبردست سب برابر ہیں اور انسانی حقوق میں سب یکساں ہیں۔

(وجہ ششم) لادارت، غریبہ، مسکین کی لاشوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا قساوتِ قلبی اور سخت معاشرتی بے رحمی ہے معاشرہ کافر ص ہے کہ لادارت لاشوں کا اسی طرح احترام کرے جیسا کہ ہر شخص اپنے اقرباء کی لاشوں کا کرتا ہے۔ اقرباء کی لاشوں کا

انہائی احترام کرنا اور لاوارث نعشوں کو فنی تکمیل کی بھینٹ چڑھا دینا آخر یہ کہاں کا انصاف ہے اور انسانی ہمدردی کی کونسی قسم ہے غرُبا پروری اور رحمہلی کی کونسی نوع ہے؟

مختصراً تحریر ہوا اُمید ہے کہ انسانی مُردہ جسم پر عمل جراحی کی شرعی حیثیت کے بارے میں آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے اس پر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ عمل جراحی مذکور ناجائز ہوا تو فن جراحی میں تکمیل کی کیا صورت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہی محذو شس ہے کہ بدوں اس کے تکمیل و تحصیل فن ممکن نہیں ثانیاً یہ کہ یہ ایک مشترکہ انسانی حاجت ہے۔ اس کے لئے کوئی جائز طریقہ تجویز کرنا ماہرین فن کا کام ہے اگر کہا جائے کہ تکمیل مذکور کے لئے کوئی دوسرا طریقہ تجویز کیا جانا دُشوار ہے تو جواب یہ ہے کہ ناجائز سہل کے مقابلہ میں جائز دُشوار کو اختیار کرنا عین عقلی تقاضا ہے اور انسانی خصوصیت ہے۔ آخر چوری اور جائز کسب میں یہی فرق تو ہے۔ دیگر واضح ہے کہ یہ مشکل شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ موجودہ نظام تعلیم کو ترتیب دینے والوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے موجودہ نظام تعلیم کی ترتیب کے وقت جائز و ناجائز کی تفریق کو پیش نظر نہیں رکھا یہ تو درکنار جو بیچارے غالباً اس کے ابتدائی شعور سے بھی بے بہرہ ہوں گے۔ تو ایسے لوگوں کا مرتب کردہ کوئی نظام جب بھی ان لوگوں پر چالو کیا جائے گا جو لوگ جائز و ناجائز کی تفریق کے قائل ہیں آخر مشکلات اور دُشواریاں ہی تو پیش آئیں گی۔ فَا لِيَ اللّٰهِ الْمَشْكَلُ - فقط واللہ اعلم ،

الحجواب صحیح ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ عبداللہ غفرلہ

۶ / ۶ / ۱۳۸۱ ھ

ساتھ آنے والوں کا میت کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے

جب جنازہ قبرستان لیجاتے ہیں تو کوئی کسی طرف سے قبرستان میں داخل ہوتا ہے، کوئی کسی طرف سے تو جو پہلے دفن کی جگہ تک پہنچ جائیں وہ کھڑے رہیں یا بیٹھ سکتے ہیں؟
جنازہ کے ساتھ آنے والوں کا جنازہ کو زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا **الجواب** مکروہ ہے۔

وكره الجلوس اعم جلوس متبى الجنازة قبل وضعها فلا بأس بالجلوس بعد وضعها كما في الكافي وفيه اشعار بان القيام اولى قال الجلابي ان القيام يستحب حتى يدفن اهـ
(جامع الرموز ص ۱۹۳)

محمد انور ۱۳۹۸ / ۹ / ۲

فقط واللہ اعلم

قبر کتنی گہری ہو؟

قبر کھودتے وقت قبر کتنی گہری کھودی جائے؟
اصل تو یہ ہے کہ قبر اتنی گہری ہو کہ بدبو وغیرہ باہر نہ آئے اور لاش درندوں سے محفوظ ہو جائے اس کی تحدید فقہاء نے یوں فرمائی ہے کہ کم از کم میت کے نصف قد کے برابر ہو اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو زیادہ اچھا ہے۔
و حصر قبرۃ فی غیر دار مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن (در مختار)
رقولہ مقدار نصف قامۃ الخ) والی حد الصدر وان زاد الخ
مقدار قامۃ فهو احسن كما فی الذخیرۃ فعلم ان الادفـ
نصف القامۃ والا علی القامۃ وما بینہما بینہما شرح کافیه وهذا
حد العمق والمقصود منه المبالغۃ فـ منع الراۃ ونیش السباع

و فی القہستانی و طولہ علی قدر طول المیت و عرضہ علی قدر نصف طولہ (۱) (شامیہ ص ۶۵۹ ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم ، احقر محمد نور عفا اللہ عنہ

تدفین کے لئے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم

- (۱) میت کی جہاں وفات ہو اس جگہ دفن کرنا چاہیئے یا اس کو وطن میں لے جاسکتے ہیں۔
- (۲) اگر ولی باوجود موجود ہونے کے جنازے میں شامل نہ ہو تو جنازہ متعدد بار کرایا جاسکتا ہے۔
- (۳) اگر ولی عالم ہے تو جنازہ پڑھانے میں حق جو محلے کا امام ہو اس کا حق مقدم ہے یا ولی کا۔ ولی امام کے علاوہ کسی اور کو کہہ سکتا ہے۔

سائل عبداللہ منظر گڑھ

مستحب ہے کہ اُسی جگہ دفن کیا جائے جہاں پر وفات ہوئی ہو مسافت بعید کے لئے فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ گو بعض فقہاء نے اپنے شہر کی طرف

الجواب

منتقل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ)

- (۲) اگر جنازے میں امام۔ امام اعظم سلطان یا قاضی یا امام المحمی ہو تو اب ولی کو لوٹانے کا حق نہیں۔ لان ہو لا آء اولیاء منہ و ان کان غیرہ فاولیاء لہ ان یعید (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۲۲)
- (۳) ولی سے محد کا امام زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ افضل ہو۔ ورنہ ولی احق ہوگا۔ (طحاوی حاشیہ)

میراثی میں ثم امام المحمی المراد بہ امام مسجد محلہ لکن بشرط ان یکون افضل من الولی و الا فالولی و اولیٰ منہ کما فی النہر و فی الشرح و الصلوۃ فی الاصل حق الاولیاء لقریبہم الا ان الامام و السلطان یقدماں لعارض الامامۃ العظمیٰ و السلطنۃ۔ الی ان قال و اما امام المحمی فیستحب تقدیمہ عن طریق الافضلیۃ (طحاوی ص ۲۲۲) اور جس شخص کے لئے حق تقدیم حاصل ہو۔ وہ دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

شہید کی اقسام اور ان کے احکام

کیا فہماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام

مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) شہید کسے کہتے ہیں ؟ شہید کے کتنے درجے ہیں ؟ یعنی کتنے قسم کے شہید ہیں ؟

(۲) جو آدمی آگ میں جل جائے کیا وہ بھی شہید ہے ؟

(۳) اسی طرح جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم اور ان کے مسلمان رفقاء جو طیارہ میں ہلاک ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

(۵) اگر کوئی شخص مکان گرنے سے مر جائے — یا —

(۶) کسی حادثہ میں مر جائے تو کیا وہ بھی شہید ہے ؟

(۷) کافی دن پہلے جو ایک جہاز گم ہو گیا ہے کیا اس میں سوار تمام حضرات شہید ہیں ؟

سندہ کی طرف سے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ برائے ہر بانی ان تمام مسائل کے بارے میں تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔ — فیاض احمد عثمانی - مکتبہ امدادیہ - ملتان

۱ تا ۶ — شریعت میں شہادت کی تین صورتیں ہیں۔

الجواب :

(۱) ایسی شہادت جس کی وجہ سے اُس شہید پر دنیا میں بھی شہید کے احکام جاری ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اُسے شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور شہیدوں کا سارا عزا و اکرام اس کے ساتھ کیا جاتا ہے ایسا شہید ہر وہ مکلف مسلمان ہے جو ظلماً آئے جارحہ سے قتل کیا جائے ایسا قتل جو موجب قصاص ہوتا ہے اور وہ مقتول عدت اکبر سے پاک ہو اور زخمی ہونے سے لیکر وفات تک زندگی کا کوئی عمل مثلاً کھانا پینا، دوا کرنا وغیرہ نہ پایا جائے اور جو باغیوں، اڈاکوڑوں، دہشت گردوں اور کافروں کے ہاتھوں مارا جائے وہ بھی شہاد کی اسی قسم میں داخل ہے خواہ وہ اسے کسی ذریعہ سے قتل کریں یا اسے شہید کا حکم یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ انہی کپڑوں سمیت (بشرطیکہ وہ کفن بن سکتے ہوں) جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے۔

هو (ای الشہید) کل مکلف مسلم طاهر قتل ظالماً بجارحة ولم یجب بنفس

القتل مال ولم یرث و کذا الوقتلہ باغ او حربی او قاطع طریق ولو تسبیا

لغیر آلة جارحة فان مقتولہم شہید بای آلة قتلوہ لان الاصل فیہ

شهداء أحد ولم يكن كلهم قتل سلاح اہر (درمختار)
 قوله ولو تسبباً لان موته يكون مضافاً اليهم فلو أو طئوا إذا بتمهم مسلماً
 او نفر وأدابة مسلم فرمته اور مو اناراً في سفينة فاحترقت ونحو ذلك
 فهو شهيد اہر۔
 (شامی ص ۶۱۱)

شہید کی تعریف کے لحاظ سے ظاہر یہی ہے کہ منظم صدر بنیاء الحق مرحوم اور ان کے مسلمان رفقاء شہید
 کی اسی قسم میں داخل ہیں اور وہ دنیوی احکام اور آخری درجہ کے اعتبار سے ہر طرح شہادت سے سرفراز ہوئے
 ہیں اعلیٰ اللہ درجہ اتھم و تجاوز عن سیاتھم۔

(۲) ایسی شہادت جس میں آخرت میں تو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور انہی جیسا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے لیکن
 ان پر شہید کے دنیوی احکام جاری نہیں ہوتے۔ ایسی شہادت پانیوالوں کی تعدد بہت ہے علامہ شامی
 نے چالیس سے زائد نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ بعض نے پچاس سے بھی زائد نقل کئے ہیں آگ میں جل کر مرنے
 والا مکان کے نیچے دب کر مرنیوالا اور اتفاقی حادثے میں مرنیوالا بھی انہی میں داخل ہے۔

و كل ذالك في الشهيد الكامل والا فالمرتث شهيد الآخرة وكذا
 الجنب ونحوه ومن قصد العدو فاصاب نفسه الخريق والحريق والمهدم عليه
 والمبطون والمطعون والنساء والميت ليلة الجمعة وصاحب ذات الجنب ومن
 مات وهو يطلب العلم وقد عدهم السيوطي نحو الثلاثين (درمختار)
 وبذلك زادت على الاربعين وقد عدها بعضهم اكثر من خمسين وذكرها
 الرحمتي منظومة فراجع اہر (شامی ص ۶۱۲)

(۳) جو شخص کا فردوں کے ہاتھوں مارا جائے اور اس میں ظاہری شرائط وہی پائی جائیں جو پہلی صورت میں ذکر
 کی گئیں مگر اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو بلکہ محض شہرت یا کسی اور غرض سے جنگ میں شریک ہوا ہو، ایسا شخص
 آخرت کے لحاظ سے شہید نہیں مگر دنیا میں اس کے ساتھ شہیدوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔

(قوله في الشهيد الكامل) وهو شهيد الدنيا والآخرة وشهادة الدنيا بعدم الغسل
 الا لخجاسة اصابته غير دمه وشهادة الآخرة بنيل الثواب الموعود للشهيد افادة
 في البحر والمراد بشهيد الآخرة من قتل مظلوماً او قاتل لا علاء كلمة الله حتى
 قتل فلو قاتل لغرض دنيوی فهو شهيد دنیا فقط تجری علیہ احکام الشہید

ف الدنیا وعلیہ فالشہداء ثلاثۃ اھ (شامی ص ۶۴۲)
۴۔ اگر وہ جہاز حادثہ کا شکار ہو گیا ہے تو اس میں مرنے والے بھی شہید ہیں۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور،

الجواب صحیح،

۲۲ / ۲ / ۱۴۱۰ ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کفن کیسے کپڑے کا دیا جائے؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں — مسئلہ صورت یہ ہے کہ آیا چار ہزار
جاپانی کیٹی کا کفن بنانا جائز ہے یا نہیں؟ — فقط والسلام،
حاجی امیر احمد صاحب

الجواب: میت اپنی زندگی میں جمعہ و عیدین جیسے اجتماعات پر جیسے اچھے کپڑے پہنتا ہو ویسا ہی کفن دیا
جائے نیز کفن میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ وہ سفید ہو صاف ستھرا ہو زیادہ قیمتی نہ ہو جاپانی کیٹی اگر
اس اصول کے تحت آتی ہو تو اس کا کفن درست ہے۔

و یحسن الکفن لحديث حسنوا كفان الموتى اھ (در مختار) قوله و یحسن الکفن
بان یكفن بکفن مثله وهو ان ينظر الـ ثیابہ فی حیاتہ للجمعة و العیدین
و فی المرأة ما تلبسه لزیارة ابویها کذا فی المعارج فقول الحدادی و تکرر
المغالاة فی الکفن یعنی زیادة علی کفن المثل (نہر) لحديث الخ و فی صحیح مسلم عند
صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاه فلیحسن کفنه و روی ابو داؤد عند صلی اللہ
علیہ وسلم لا تغالوا فی الکفن فانه یسلب سلبا سریعا و جمع بین الحدیثین
بان المراد تجنیسه بیاضه و نظافته لا کونه ثمینا اھ (شامی ص ۶۴۲)۔ فقط :

واللہ اعلم،

محمد انور

۱۲ / ۲ / ۱۴۱۰ ھ

الجواب صحیح

منظور احمد نائب مفتی جامعہ قائم العلوم ملتان

۱۲ ستمبر ۱۴۱۰ ھ مطابق

۱۳ ستمبر ۱۴۱۰ ھ

دفن کے پندرہ دن بعد قبر پر نماز جنازہ کا حکم :-

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین دریں مسئلہ کہ زید غائب ہو گیا۔ زید کے ورثاء کافی عرصہ تلاش کرتے رہے۔ پھر معلوم ہوا کہ نعش لاوارث فلاں جگہ ملی اور اُس کو دفن کر دیا گیا۔ زید کے ورثاء نے وہاں جا کر معلوم کیا اور نعش کی شناخت کی تو واقعی وہ نعش زید کی تھی۔ زید کو بغیر غسل و کفن و نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا۔ اب زید کے ورثاء کہتے ہیں کہ کیا ہم زید کا غائبانہ نماز جنازہ اپنے گھر پڑھ سکتے ہیں یا اس قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کریں۔ جو حکم شرعی ہو وہ مفصل لکھیں۔

نوٹ: دفن کرنے کے بعد تقریباً پندرہ یوم بعد قبر کُشائی ہوئی جس سے زید کے ورثاء نے معلوم کر لیا کہ واقعی نعش زید کی ہے۔ دفن کو اب پندرہ دن گزر چکے ہیں۔ قبر کُشائی کے وقت جسم کے جس حصہ کو ہاتھ لگاتے تھے تو گوشت الگ ہو جاتا تھا۔

سائل: غلام رسول

اب نہ قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ غائبانہ البتہ اس کے لئے دعاء مغفرت اور ایصالِ ثواب کی دوسری صورتیں جتنی ہو سکیں کرتے رہیں۔

الجواب

وان دفن و اھیل علیہ التراب بغیر صلوٰۃ او بھابلا غسل او صلی من لا

ولایتہ صلی علی قبرہ استھمانا مالہ یغلب علی الظن تفسیخ من غیر تقدیر

ھوالاصح ۵۲ — (در مختار علی الشامیہ ص ۶۵۲)

فقط واللہ اعلم
محمد انور

صفر ۱۴۱۰ھ

تفسیح کے بعد جنازہ پڑھنے کا حکم

ایک لاش کے بارے میں

غالب گمان یہ یقین تھا کہ نعش میں تفسیح ہو گیا ہے۔ اس لئے امام مسجد نے نماز جنازہ پڑھنے سے اجتناب کیا اور کہہ دیا کہ جو آدمی جنازہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ ایک آدمی کو امام بنا کر نماز جنازہ پڑھ لیں۔ اس لئے جو آدمی قبرستان پر تھے اکثر نے نماز جنازہ پڑھ لیا

اب سوال یہ ہے کہ جس میت کی ایسی حالت ہو اس کا نماز جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ نیز شامی وغیرہ
 مکتب فقہ میں صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسیحہ جو وارد ہے۔ کیا تفسیح صرف قبر
 والے میت کے لئے علت ہے یا قبر سے باہر بھی جس میت میں تفسیح پایا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے یا اس
 کا الگ حکم ہے۔ نیز یہ بھی تفصیل سے بیان فرمادیں کہ تفسیح کی ابتدا کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ کیا تعفن سے
 تفسیح کی ابتداء شروع ہوتی ہے یا نہیں اور تعفن تفسیح میں داخل ہے یا نہیں؟
 یا تفسیح کی ابتداء اس وقت شروع ہوتی ہے جب بال اور کھال جسم سے الگ ہونے شروع ہوں یا گوشت
 اعضاء کو چھوڑنے لگیں۔ براہ مہربانی تفصیل سے تفسیح کی تشریح فرمادیں۔ ابتداء اور انتہاء کی حد بندی فرمادیں۔ نیز
 ایسی حالت میں بکسہ پیٹی کو قبر کی حیثیت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب

جب غالب گمان یہ ہو کہ لاش میں تفسیح ہو گیا ہے تو جنازہ نہ پڑھنا چاہیے۔

ولولم یهل التراب یخرج فیصل ویصلی علیہ مالم یتفسخ (مراق)

قوله مالم یتفسخ ای تتفرق اعضاءه فان تفسخ لا یصلی علیہ مطلقاً لا کما شرعت
 علی البدن ولا وجوده مع التفسخ (طحاوی ص ۳۲۲)

تفسیح عام ہے قبر میں ہو یا باہر کما یفہم من عموم قوله ولا وجوده مع التفسخ۔ شامی میں ایک مقام

پر انتفاخ، تمعظ اور تفسیح کا فرق کرتے ہوئے تفسیح کی تعریف یہ کی ہے کہ اعضاء الگ الگ ہو جائیں۔

قوله وانتفیخ ای تورم وتغیر عن صفۃ الحيوان وقوله تمعظ ای سقط شعره

وقوله او تفسخ ای تفرق اعضاءه عضواً عضواً (شامی ص ۱۳۱)

فقط والشرع علم
 محمد انور

۲۰ / ۱ / ۱۴۱۰ھ



دُعا بعد الجنازہ کے بارے میں

اہل بدعت کے پمفلٹ کا مفصل جواب

جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دُعا مانگنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے ہمیں ایک پمفلٹ بھیجا ہے۔ اس میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل دلائل دیئے ہیں۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ کرام سے بھی یہ دُعا ثابت ہے اور عام مسلمان بھی اسے اچھا سمجھتے ہیں۔

۱۔ وَلَمَّا رُويَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُمَا فَاتَتْهُمَا الصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَازَةِ فَلَمَّا حَضَرَا مَا زَادَا عَلَى الْاِسْتِغْفَارِ لَهُ وَعَبَدَ اللَّهُ بَنِي سَلَامٍ فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ عَلَى جَنَازَةِ عُمَرَ فَلَمَّا حَضَرَ قَالَ إِنْ سَبَقْتُمُونِي بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَلَا تَسْبِقُونِي بِالْدُّعَاءِ لَهُ اهـ۔ (مبسوط سرخسی ص ۶۷)

۲۔ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ الْآيَةُ

۳۔ وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ الْآيَةُ۔

۴۔ عَنْ عَمَلِ الْمَيِّتِ كُلِّهِ نِصْفُ الْعِبَادَةِ وَالْدُّعَاءُ نِصْفُ۔

۵۔ إِذَا ارَادَ اللَّهُ بَعِيدٍ خَيْرًا أَلْجَأَ قَلْبُهُ لِلدُّعَاءِ اهـ

۶۔ إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنْ صَلَاةٍ فَلْيَدْعُ۔

۷۔ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاخْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ (ابوداؤد) اس کی تفسیر میں

ہے إِذَا فَرَغْتُمْ مِنَ الصَّلَاةِ فَاخْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ ————— (بیہقی)

(۸) عن ابراهيم الهجري قال رأيت ابن ابي اوفى اذا ماتت ابنته ثم كبر عليها اربعاً ثم قام بعد ذلك قدر ما بين التكبيرتين يدعو وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصنع على الجنازة هكذا (كنز العمال ۲۵۲ ج ۶)

(۹) :- علامہ زلیحی نے نصب الراية میں اور ابن ہمام نے فتح القدير میں اور ابراہیم طبری نے کبریٰ میں واقعی کی کتاب المغازی سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں زید بن حارثہ جعفر بن ابی طالب کی شہادت کا ذکر ہے۔ أَخَذَ الرَّأْيَةَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ فَمَضَى حَتَّى اسْتَشْهَدَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا لَهُ وَقَالَ اسْتَغْفِرُكَ۔ (۱۰) :- وعن نافع قال كان ابن عمر إذا انتهى إلى الجنازة قد عُصِّيَ عليه دعا والنصف مزيد برآء مبسوط سرخسی میں رقم ہے۔ ان ما تعارفه الناس فليس في عينه نصٌّ يبطله فهو جائز وقال العلامة لا يعمل بما يخالفه ولا يركن إلا إليه ولا يفتي إلا به (شامی ص ۱۵۱) (۱۱) :- اور امام سیوطی نے لکھا ہے کہ طاؤس کے بیٹے نے اپنے باپ سے پوچھا ۔ "ما افضل ما يقال عند الميت قال الاستغفار له" اھ

(۱۲) :- اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ (مشکوٰۃ شریف)

(۱۳) :- يرفع العذاب عن دعاء الأحياء (زہرۃ الیاسین)

(۱۴) :- لا تعجزوا عن الدعاء فإنه لن يهلك مع الدعاء أحد (مسند حاکم)

(۱۵) :- ان الله يغضب من لا يسئل الله تعالى اھ

(۱۶) :- قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب احتمال وارد کہ بعد نماز یا پیش ازاں بتصدیق تبرک خواندہ باشد چنانچہ الان متعارف است (اشعۃ اللمعات)

(۱۷) :- بعد از تکبیر چہارم سلام ہر دو جانب بگوید و دعاء بخواند فتویٰ بر این قول است ۔ (مجموعہ خانی ص ۱۱۱)

(۱۸)۔ ویقول بعد صلوٰۃ الجنائزۃ اللہم لا تحرمننا اجرہ الخ

(نہر الفائق شرح کنز الدقائق باب الجنائزۃ)

یہ اٹھارہ دلائل مولوی صاحب نے دیئے ہیں آپ ان دلائل پر تبصرہ فرمادیں اور سوال میں جو فتاویٰ حنفیہ کے ہیں ان کا جواب فقہ حنفی کے مطابق عنایت فرمادیں۔

ایک انسان جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو یہ وقت اس کے لئے **الوقت الخیر** نہایت ہی پریشانی و لاچاری اور بے بسی کا ہوتا ہے کیونکہ ایک اجنبی اور ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جس کے مالک کی نافرمانی میں عمر گزارے نہ معلوم یہاں کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور کون کون سے مصائب کا سامنا کرنا پڑے، پہلے کوڑی نہیں اور ضروریات کو ڈروں ہیں بلکہ ان گنت۔

اس بیکسی کی حالت میں شریعت مقدسہ نے اہل اسلام کے ذمہ مرنے والے کی اعانت کو ضروری قرار دیا یہ اعانت مالی نہیں بلکہ فعلی یعنی قوی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرنے والے کو پُر دُعا کر کے پہلے سب مسلمان بل کہ بہ الحاح بارگاہِ خداوندی میں یہ درخواست کریں کہ اے اللہ مرنے والے نے اپنی زندگی میں جتنے تیرے قصور کئے ہیں ان پر مواخذہ نہ فرمانا بلکہ اسے آرام و چین کی زندگی اور نئی دنیا میں ہر قسم کی ہولتیں مہیا فرمانا نیز اسی کا سوال ہم اپنے لئے بھی کرتے ہیں یہ حقیقت ہے نماز جنازہ کی جیسا کہ حضرات فقہاء نے تحریر فرمایا مگر چونکہ درخواست کے قبول ہونے میں الفاظ کے مضمون کا اور درخواست پیش کنندگان کی ہئیت وغیرہ امور کو بڑا دخل ہے کوئی عجب نہیں کہ ایک درخواست صحت مضمون کے باوجود امور بالا میں مزاج شاہی کی رعایت نہ ہو سکنے کی وجہ سے نہ کہ دی جائے لہذا آداب بارگاہِ خداوندی پر مطلع ذاتِ صمدیت سے آگاہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے حق میں درخواست بذکور پیش کرنے کے لئے سب سے بہترین صورت اس کی مکمل تفصیلاً کے ساتھ ہمیں تسلیم فرمادیں ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ صورت سے بہتر صورت کی تجویز ممکن نہیں اور آپ کی تعلیم ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے لہذا مزید کسی ترمیم و اصلاح اور حک و اضافہ کی محتاج نہیں کیونکہ تعلیم نبوی کو بھی اگر محتاج اصلاح سمجھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے مصلح کو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے اُغْلَمَ یقین کیا ہے کیونکہ مصلح کا طالب اصلاح کی نسبت اُغْلَمَ ہونا لازمی ہے تو اس میں تنقیص شان نبوی ہے جو مستلزم کفر ہے۔

پس ثابت ہوا کہ تسلیم نبوی ہرگز قابل اصلاح و حک و اضافہ نہیں یہی وجہ ہے کہ سنت نبویہ اور طریقہ صحابہ کو نہایت مضبوطی سے تھامنے کی سخت تاکیدات وارد ہیں اور اس کے خلاف کہنے پر وعیدیں آتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نہایت ہی مؤثر و عظیم ضمن میں ارشاد فرمایا کہ میرے اور خلفائے راشدین کے راستے (سنت) کو اپنے اوپر لازم کر لو اور اس کے ساتھ چمٹ جاؤ اور نیز فرمایا کہ اس راہ سنت کو دانتوں کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو (کہیں چھوٹنے نہ پائے) آخر میں ارشاد فرمایا کہ نئے نئے پیدا ہونیوالے کاموں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اس حدیث کے پیش نظر اہل اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ہر کام میں سنت طریقہ کو اپنا معمول بنائیں اور عبادات اور تعلیمات نبویہ پر کی جانے والی کمی اور زیادتی سے قطعی احتراز کریں۔ پس نماز جنازہ کی وہی شکل جو زمانہ نبوت میں یا خیر القرون میں موجود تھی اسی پر عمل کیا جائے اور اس پر ہونے والی زیادتی کو مردود ٹھہرایا جائے اور ذخیرۂ احادیث اس پر شاہد ہے کہ خیر القرون میں دُعا مذکورہ کا نشان نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ سے نماز جنازہ کی کیفیت بطریق شہرت ثابت ہے وہ صرف یہی ہے کہ بحیرات ہیں اور ان کے اثناء میں حمد و درود کے بعد دُعا ہے اور بعد ازاں سلام پھیر کر نماز ختم ہو جاتی ہے اور بس۔

کسی حدیث میں یہ زیادتی موجود نہیں کہ سلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کرام دُعا مانگا کرتے تھے۔ اگر خیر القرون میں مانگی جاتی ہوتی تو یقیناً منقول ہوتی ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ درمیان والی دُعا بہ صراحت احادیث کثیرہ میں منقول ہو اور بعد والی منقول نہ ہو۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرات صحابہؓ سے نماز جنازہ کی جو کیفیت منقول ہے یہ ہے:

”نجاشی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ اس طرح پڑھی :

وَجَرَجَ الْحَبَّ الْمَصْلَى فَصَفَّ بِهِمْ فَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ ۱۵۔

(موطا بروایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

ایک مسکینہ کی نماز جنازہ میں آپ شرکت نہ فرمائے تو قبر پر تشریف لے گئے تو
نماز جنازہ یوں پڑھا : فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی صَفَّ
بالناس علی قبرھا فکبر اربع تکبیرات۔ (موطا)

اہم لحاویؒ نے کثیر روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کا تکبیرات
پر اختتام پذیر ہونا ثابت کیا ہے نیز حضرت عثمان، علیؓ، ابن عباس رضی اللہ عنہ
برابر بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہم صحابہؓ کا یہی معمول نقل کیا ہے۔ (لحاویؒ ج ۱)
ان احادیث سے تکبیرات ثابت ہوتیں۔ درمیان فی دُعاء و سلام وغیرہ حدیث ذیل سے
ثابت ہیں۔ قال ابو ہریرۃؓ انا لعمرا للہ اذبرک اتباعھا من اہلھا۔ فاذا
وضعت کبرت وحمدت اللہ وصلیت علی نبیہ ثم اقول اللھم عبدک
و ابن عبدک الخ (موطا) قال الشارح صلیت بعد التکبیرۃ الثانیۃ ثم ادعو
بالدعاء الا فی بعد التکبیرۃ الثالثۃ۔ و اخرج البیہقی فی المعرفۃ عن
ابی امامۃ بحدیث سعید بن مسیب قال ان السنۃ فی صلوة الجنائزۃ ان
یقرا بفاختۃ الکتاب ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یخلص الدعاء
للمیت حتی یفرغ ولا یقرا الا مرۃ واحده ثم یسلم اخرج مالک عن
نافع ان عبد اللہ بن عمر کان اذا صلی علی الجنائز یسلم الی آخرہ۔
یعنی نے بروایت عبداللہ بن ابی اوفی مرفوعاً نماز جنازہ کے ختم پر سلام کو ذکر کیا ہے
(بذل جائز ص ۲۶۵)

الحاصل احادیث مشہورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا نماز
جنازہ پڑھنا صرف سلام پھیرنے تک منقول ہے اس کے بعد دُعا ہرگز منقول نہیں پس
یہ دُعا مانگنا تعلیم نبویؐ پر زیادتی ہوگی جس کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی جیسا کہ
اوپر کہا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص تعلیم نبویؐ میں کوئی کمی زیادتی کرتا ہے گویا کہ وہ تعلیم نبویؐ کو
لغو و باطل من ذلک ناقص سمجھتے ہوئے اسکی اصلاح و تکمیل کرتا ہے اور اپنے تیش گویا کہ
شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ اعلم اور اُمت کے حق میں آپ کی بہ نسبت زیادہ
شفیق ہونے کا مدعی ہے الحیاذ باللہ ورنہ بتلائے کہ اگر یہ ادعا نہیں تو تعلیم نبویؐ کے

کامل ہونے پر ایمان رکھنے کے باوجود وہ کون سا داعیہ ہے جو اس زیادتی کا محرک بنا۔
چونکہ احادیث میں نماز جنازہ صرف سلام تک وارد ہے اس لئے فقہاء کرام نے بھی
اسی ہی نماز جنازہ بتلائی چنانچہ ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

والصلوة ان یکبر تکبیرۃً ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم
یکبر تکبیرۃً یدعو فیہا لنفسہ وللیمت والمسلمین ثم یکبر الرابعة
ویسلم (ص ۱۱۱) وف التَّنْوِیر وَهِيَ اَرْبَعُ تَكْبِیْرَاتٍ یَرْفَعُ یدَیْهِ
فِی الْاَوَّلِ فَقَطْ وَیَثْنِیْ بَعْدَهَا وَیصلی علی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم بَعْدَ الثَّانِیَةِ وَیَدْعُو بَعْدَ الثَّالِثَةِ وَیَسْلَمُ بَعْدَ الرَّابِعَةِ
وَلَا قِرْأَةً وَلَا تَشْهَدَ فِیْهَا الْا (شامی ص ۸۱۶ ج ۱)

تنویر کے شارح صاحب درمختار بھی یہاں خاموشی سے گزر گئے ہیں اور سلام کے بعد
دُعا کو ذکر نہیں کیا ہے۔ نیز درمختار کے شارح علامہ شامی نے دُعا کی زیادتی کو بیان نہیں کیا صاحب
کنز بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ ہو، وتسلیمتین بعد الرابعة فلو کبر الا امام
خمساً الخ اس میں دُعا مذکورہ کا نشان نہیں سلام تک بیان فرما کر آگے دوسرا مسئلہ
شروع فرما دیا۔ حسن شرنبلالی نور الایضاح میں فرماتے ہیں۔ ویسلم بعد الرابعة من
غیر دُعا فی ظاہر الروایۃ ولا یرفع یدَیْهِ غَیْرَ تَکْبِیْرَةِ الْاَوَّلِ الخ سلام
پر نماز جنازہ ختم ہو گئی۔ آگے دوسرا مسئلہ بیان کیا۔ الشرع تمام کتب فقہ میں نماز جنازہ
کی یہی کیفیت منقول ہے۔ بات طویل ہو جائے گی ورنہ ساری کتب فقہ سے اس قسم کی نقول
پیش کی جاتیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی کی کوئی معتبر کتاب ایسی نہیں جس میں یہ مسئلہ بیان
کیا گیا ہو اور اس میں سلام کے بعد دُعا کا اضافہ بھی بلکہ ائمہ اربعہ کی فقہ سے اجماعی طور
پر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کا جُز ہونے کی حیثیت سے شرعاً ثابت نہیں پس جب
ذخیرۃ احادیث اور ائمہ اربعہ کی فقہ کی رو سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ گیا کہ دُعا مذکورہ نماز
جنازہ کا جُز نہیں اور تعلیم نبویؐ جسے تمام ائمہ مجتہدین نے ہر کسی اصلاح و ترسیم یا کمی و زیادتی کے قبول
کیا وہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ پس یہ دُعا تعلیم نبویؐ پر زیادتی اور خیر القردن کے
بعد کی پیداوار ہوئی۔ پس نبض حدیث من احدث فی امرنا هذا مالس جندہ نہر

رَدِّ"۔ یہ زیادتی مردود ہوگی نیز نبض حدیث فان کل محدث بدعت وکل بدعت ضلالة
زیادہ مذکورہ بدعت اور گمراہی بنے گی۔ لہذا یہ دُعا واجب التَّرك ہے۔

تنبیہ: فقہ کے اس مُتفقہ فیصلہ سے کہ نمازِ جنازہ سلام پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ امر بھی
بخوبی واضح ہو گیا کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں جس جگہ تک ہم کوتاہ بنوں

کی رسائی بھی ممکن نہیں کہیں بھی کوئی ایسی صحیح قابلِ استناد حدیث موجود نہیں جس سے دُعا
مذکورہ کے اثبات میں استدلال کیا جاسکے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ائمہ ہدٰی اربعہ اور ان کے
اصحاب پر ایسی حدیث مخفی رہ جاتی۔ انتہا یہ ہے کہ کسی امام مجتہد کا مذہب تو کیا اختلاف روایات
بھی تو منقول نہیں کہ جنازہ کے بعد دُعا کی جائے پس اس تفصیل سے ضمنی طور پر اس حدیث
کا جواب ہو گیا جسے خصم کی جانب سے اثباتِ دُعا مذکورہ کے لئے بطورِ دلیل کے پیش کیا
جاتا ہے کہ ایسی ساری احادیث یا تو صحیح اور قابلِ استناد ہی نہیں یا پھر مُفیدِ دُعا نہیں۔

تفصیل بالا سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ دُعا مذکورہ نہ نمازِ جنازہ میں
رکن ہے نہ شرط نہ واجب نہ سنت نہ مستحب بلکہ بدعت ہے۔ لیکن بالفرض اگر تھوڑی دیر
کے لئے اسے بدعت نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اس خصوصی محل کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ
اسے مباح یا غایت مافی الباب منسوب کہا جائے گا۔ مگر عوام نے عملاً اور اعتقاداً چونکہ اس
دُعا کو واجب کر رکھا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ تارک پر نیکمرشد پکرتے ہیں اور خود اس پر
اصرار کرتے ہیں بلکہ راقم الحروف کا خود مشاہدہ ہے کہ لوگوں کو دُعا نہ کرنے والوں کے متعلق کہتے
سناتے کہ اگر انھوں نے دُعا نہیں کرنی تھی تو جنازہ گاہ میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ گویا کہ
وہ بدون دُعا نے مذکورہ کے جنازہ کے پڑھنے نہ پڑھنے کو برابر سمجھتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جب
یہ حالت ہو چکی ہو عوام کے فسادِ عقیدہ کی کہ جس مباح یا مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے
فسادِ عقیدہ کا اندیشہ ہو وہ مباح یا مستحب واجب التَّرك ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری ج ۱۰

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروۃ لان الجہال یعتقدونہ اذینہ

وکل مباح یؤدی الیہ فمکروۃ ہکذا فی الزاہد

دیکھتے مجتہد مذکورہ اگرچہ اس محل کے اعتبار سے مباح تھا لیکن عوام کے فسادِ عقیدہ

کے سبب اسے ناجائز اور مکروہ قرار دیا گیا۔ سجدہ مذکورہ کی مخالفت بوجہ احتمالِ فساد کے مضر ہے تو جو فعل شرعاً ثابت نہ ہو بلکہ بدعت ہونے کا احتمال لقیماً متعین ہو اس کے بارے میں عوام کا فسادِ عقیدہ بھی محقق ہو تو اُسے کرنے کی کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے اور دعاء مذکور ایسے ہی ہے پس یہ ہرگز جائز نہ ہوگی۔

(۴)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سورتیں نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے (مثلاً جمعہ کی فجر میں آلم سجدہ اور دہر وغیرہ) ان کا مذکورہ نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے لیکن ان سورتوں کا مقرر کر لینا کہ ان نمازوں میں یہی سورتیں ہمیشہ پڑھا کرے۔ ایہام الجاحل کی وجہ سے تمام فقہائے اُسے مکروہ لکھا ہے یعنی ایسی توقیت گناہ ہے جو واجب الترتیب ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو: ہدایہ میں ہے:

(ا)۔ ویکرہ ان یوقت بشئ من القرآن بشئ من الصلوۃ لما خید من ہجر الباق۔ وایہام التفصیل۔ اس پر محقق ابن ہمام کچھ کلام کے بعد فیصلہ فرماتے ہیں کہ :

(ب)۔ فالحق انہ ایہام التعیین، نسأتم المحققین علامہ شامی اس مسئلہ سے گزرتے ہیں تو فرماتے ہیں : اقول حاصل معنی کلام ہذا من الشیخین یعنی الطحاوی والسیجانی بیان وجہ الکراہۃ فی المدامۃ وهو انہ ان رأی عن ذلک حتماً یکرہ من حیث تخیر المشرع والایکرہ من۔ یت ایہ نام الجاحل (صفحہ ۱۱)

(ج)۔ یہی علامہ شامی صاحب بحر سے وتر کی سور ثلاثہ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ ہمیشہ انہی کو پڑھنا درست نہیں۔

(والسورۃ الثلاثہ) ای الا علی والکافرون والاخلاص

لکن فی النہایۃ ان التعیین علی الدوام یفنی الی اعتقاد بعض

الناس انہ واجب وهو لا یجوز اھ ص ۶۲ ج ۱۔

دیکھتے ان سورتوں کا مخصوص نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے۔ مگر عوام کے خرابی عقیدہ کے اندیشہ سے اُسے مکروہ لکھا ہے تو دعا بعد نماز جنازہ جس کے بارے میں عوام کا فسادِ عقیدہ مشاہد ہے کیونکر جائز ہوگی۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض دعائے مذکورہ کو مستحب بھی

مان لیا جائے تو موجودہ حالات میں عوام کے عقیدہ کی اصلاح کے پیش نظر اس دُعا کو چھوڑ دینا چاہیے۔

(۵) :- دُعا کے مذکور کو چھوڑ دینے کی پانچویں وجہ یہ بھی ہے کہ مباح و مستحب تو کیا اگر بالفرض اس سے بڑھ کر دُعا کے مذکور کا کسی درجہ میں سنت ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے جس کا دلائل کی روشنی میں قطعاً کوئی امکان نہیں جیسا کہ مفصل گزرا تو پھر چونکہ اس میں بدعت ہونے کا قوی احتمال ہے لہذا قابل ترک ہوگی اس لئے کہ جو فعل بدعت اور سنت ہونے میں متردد اور دائر ہو جائے اُسے چھوڑ دینا ہی ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فقہار کرام نے اسکی تصریح فرمائی ہے۔ بحر الرائق میں ہے: ان ما تردد بین بدعة و سنت یمتک احتیاطاً (ص ۲۷۱) پس یہ دُعا قابل ترک ہے۔

(۶) :- دُعا کے مذکورہ کے ترک کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ خود محققین فقہاء نے بالتصریح اس دُعا سے مخالفت فرمائی ہے حوالہ سے قبل ایک ضروری امر ذہن نشین کر لینا چاہیے وہ یہ ہے کہ ایک مقلد کے لئے اوپر کی بحثوں میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جبکہ مسئلہ خود فقہاء میں موجود ہو، کیونکہ قرآن و حدیث سے استنباط مسائل کی صلاحیت و استعداد جس شخص میں موجود ہے اُسے مقلد بننا ہی درست نہیں۔ تو مقلد وہی بنتا ہے جو اپنے اندر ایسی صلاحیت نہیں پاتا تو اس کے لئے فقہ کی تصریحات بس ہیں۔ پس چونکہ ہم مقلد ہیں تو اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات ہی کافی سمجھنی چاہیے ورنہ ہماری حقیت ختم ہو جانے گی۔ سو ملاحظہ ہو صاحب بحر الرائق محقق العصر علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں کہ دُعا نہ مانگے۔ وقید بقولہ بعد الثالثة لانه

لا يدعو بعد التسليم كما في الخلاصة۔ (ص ۲۷۱ مصری)

(۷) :- علامہ صفدر صاحب نے محیط سے نقل کیا ہے کہ جنازہ کے بعد دُعا کرنا مکروہ ہے۔

ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنائزہ مکروہ۔

(۸) :- حضرت ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ولا يدعو للمیت

بعد صلوٰۃ الجنائزہ لانه يشبه الزیادة فی صلوٰۃ الجنائزہ (ص ۲۷۱)

(۹) :- مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں بھی تقریباً انہی الفاظ سے جنازہ کے بعد دُعا کرنے سے منع کی گئی ہے۔ ”جنازہ کی نماز کے بعد دُعا نہ مانگئے“ کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ ہے۔

(۱۰) :- حواشی مالا بدینہ میں ہے۔ و بعد تجیر چہارم سلام گوید و بعد اں بیچ دُعا بخواند (مجمعی) واضح ہے کہ اصل حواشی مذکورہ مفتی محمد سعد اللہ صاحب کے ہیں اور علامہ حافظ سید محمد عبد اللہ بنگرہ امی اور فاضل اُدھد مفتی عنایت احمد صاحب نے ان پر نظر ثانی فرمائی ہے۔ جیسا کہ "مالا بدینہ" کے خاتمۃ الطبع سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۱) :- فتاویٰ سعدیہ میں مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں : خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادت بودن براہِ مرسنون منع میکنند۔ (تحقیق الدعاء ص ۳۹)

(۱۲) :- علامہ فہامہ محقق العصر ابن نجیم "بحر الرائق" میں فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تجیر رابعہ کے بعد اور کچھ نہیں جس کے عموم میں دُعا بعد الجنازہ کا منہی ہونا بھی آجائے گا۔ ملاحظہ ہو۔
و اشار بقولہ وتسلیتین بعد الرابعة الى انه لا شئ بعدها
غیر ہما۔ ص ۱۹۷ ج ۲)

(۱۳) :- مبسوط سرخی میں ہے : وقف ظاہر الروایۃ لیس بعد التکبیرۃ
الرابعة دعاء سوی السلام۔ (ص ۶۴ ج ۲)

(۱۴) :- شرح نقایہ میں ملا علی قاریؒ نے بھی اسی کے قریب قریب الفاظ اس بارے میں نقل فرمائے ہیں۔

(۱۵ تا ۲۰) تحقیق الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ کے مؤلف نے مزید کتب سے بھی دُعا بعد الجنازہ کی ممانعت ذیل کے الفاظ میں نقل کی ہے ہم ایک کتاب کے الفاظ نقل کر کے دوسری کتب کے حوالے پر اکتفا کریں گے، جسے تفصیل مطلوب ہو اصل رسالہ کی طرف مراجعت کرے۔
خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ خلاصۃ الفتاویٰ، فتاویٰ سراجیہ، شرح وقایہ بر جندی قنبر، جامع الرموز، زاد الاخرت۔
مجموعہ خانہ میں ہے : دُعا بخواند و فتویٰ بریں قول است۔ کذا فی المنہاج۔ الواضح للعلامہ ابی الزاہد ص ۱۹۶۔

مذکورہ بالا دلائل صریحہ سے صراحت یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ دُعا بعد الجنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں عہد صحابہؓ و تابعین میں بھی اس کا نشان نہیں ملتا۔ ائمہ مجتہدین نے بھی اجماعی طور پر نماز جنازہ کی جو کیفیت بتلائی ہے۔ اس میں یہ دُعا موجود نہیں بلکہ اس سے بڑھ کہ

یہ ہے کہ فقہاء نے اس دُعا کی صراحت کر کے اسے مکروہ و ناجائز لکھا ہے۔ جیسا کہ مفصل بیان ہوا ہے پس ایک منصف مسلمان کے لئے تفصیل بالا کے پیش نظر یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ دُعا بعد الجنازہ بدعت ہے اور اُسے ترک کرنا ضروری ہے پس ان عربی عبارتوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں رہتی جو بطور مغالطہ کسی صاحب نے اثبات دُعا مذکور کے لئے استفتاء میں تحریر کی ہیں مگر چونکہ وہ ان عبارتوں کو دلائل سمجھ رہا ہے اس لئے ان کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہوا۔

مقصود سے قبل ایک مقدمہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے تاکہ فہم جواب میں سہولت ہو۔ وہ یہ ہے کہ دلیل مطلق سے کسی مخصوص دعویٰ کا ثابت کرنا درست نہیں نہ عقلاً نہ شرعاً مثلاً دیکھئے کہ زید قتل کے جرم میں ماخوذ ہے۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا تو گواہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ زید سے قتل کا جرم ہمارے سامنے سرزد ہوا ہے بلکہ ان کی گواہی صرف اتنی ہے کہ قتل کا وقوع ضرور ہوا ہے لیکن تعین قاتل سے سکت ہیں۔ تو کیا ان کی گواہی سے زید پر قتل کی فرد جرم عائد کر دی جائے گی۔ دُنیا کے کسی عقلمند کے نزدیک ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ دعویٰ خاص ہے اور گواہی مطلق ہے۔ پس دلیل مطلق سے دعویٰ خاص ثابت نہیں ہو سکے گا۔ شرعاً بھی یہی ہے کہ کسی امر کی فضیلت میں اگر کوئی نص مطلقاً وارد ہو تو اس نص مطلق سے امر مذکور کے کسی خاص موقع پر مستحب ہو جانے کا قول کرنا درست نہیں ہوتا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ ذکر اللہ کی عام حالت میں بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں لیکن کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی مخصوص ذکر پر کسی مخصوص وقت میں خاص اجر و ثواب کا وعدہ ذکر کرے یا اس وقت خصوصی استجاب کا قائل ہو جائے۔

چنانچہ بحر الرائق میں ہے : لان ذکر اللہ اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت او بشیء دون شیء لم یکن مشروعاً ما لم یرد بہ الشرع (جلد ۱) اسی طرح مصافحہ کرنا عام حالات میں سنت ہے مگر اس کے لئے کسی خاص وقت کی تخصیص کرنا درست نہیں۔ سنت ہونے کے وجود اس خاص محل میں بوجہ تخصیص کے بدعت بن جائے گا۔ اور سنت مصافحہ کی دلیل مطلق سے تخصیص مذکور پر استدلال کرنا باطل ہوگا۔ چنانچہ بعض لوگوں میں نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے کا رواج پڑ گیا تھا۔ مگر فقہاء

نے اس مخصوص مصافحہ کو دلیل مطلق کے تحت داخل نہ مانتے ہوئے اسے بدعت قرار دیا ہے اور ناجائز ٹھہرایا ہے ۔

۔ اسی طرح بعض لوگوں نے ایک نماز صلاۃ الرغائب کے نام سے ایجاد کی تھی ۔ مگر فقہار نے لوگوں کو اس سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا اور نماز کے فضائل میں وارد ہونے والی مطلق احادیث کے تحت اس نماز کو داخل نہیں سمجھا ، بلکہ اس کے واضح کو ملعون قرار دیا ہے ۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں :

وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بکراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوة مع ان المصافحة سنة وما ذاك الا لكونها لم توثر في خصوص هذا الموضع فالمواطبة عليها توهم العوام بانها سنة فيه ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوة الرغائب التي احدثها بعض المتعبدین لا منها لم توثر على هذه الكيفية في تلك الليالي المخصوصة وان كانت الصلوة هي خير موضوع

پس جب یہ دعویٰ محقق ہو گیا کہ دلیل مطلق سے دعویٰ خاص پر استدلال کرنا باطل ہے تو اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ دُعا بعد الجنازة کے اثبات کے لئے کسی ایسی حدیث یا آیت سے استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے جو آیت یا حدیث مطلق دُعا کی فضیلت میں وارد ہوئی ہو کیونکہ دعویٰ دُعا سے مخصوص کا ہے اور دلیل مطلق دُعا کے بارے میں وارد ہوئی ہے ۔ واضح ہے کہ استفتاء میں مذکورہ اکثر دلائل ایسے ہی ہیں ۔ پس یہ مفید دُعا نہیں ہوں گے ۔ مگر تحریر کنندہ اپنی نادانی سے ان کو دلائل سمجھ رہا ہے ۔ یہ صرف ان کا تصور نہیں بلکہ جو شخص بھی بدعت کو سنت بنانے کی ناکام کوشش کرے گا اُسے یہی کچھ کرنا پڑے گا ۔ چنانچہ رسالہ ”ایذان الاجر خلف التاذین علی القبر“ دیکھ لیا جائے ، اس اجمالی جواب کے بعد اب ہم عبارات مذکورہ کا تفصیلی جواب دیتے ہیں ۔ واللہ الموفق ۔ (واضح رہے کہ اختصار کے پیش نظر جواب میں دلیل کا اعادہ نہیں کیا گیا بلکہ دلیل کا نمبر ذکر کر کے جواب لکھا گیا ہے ۔

کا جواب یہ ہے کہ آثار مذکورہ سے متنازعہ منیر دُعا کا ثابت کرنا **دلیل نمبر ۱:** محض دھوکہ یا خود فریبی ہے ان آثار کو مقصد سے قطعاً کوئی تعلق نہیں

اہم سرخی اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جب ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہو تو بعد میں آنیوالوں کو اعادہ کا حق حاصل نہیں۔ جبکہ یہ غیر ولی ہوں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، مگر امام شافعیؒ اعادہ کے قائل ہیں تو امام سرخیؒ نے حنفیہ کے مسلک کی تائید میں آثار مذکورہ کو پیش کیا ہے کہ دیکھو ان حضرات نے جنازہ کا اعادہ نہیں کیا بلکہ صرف دُعا کرنے پر اکتفا کیا۔ جبکہ نماز جنازہ میں یہ حضرات شرکت نہ کر سکے تھے۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ جو لوگ نماز جنازہ پڑھیں وہ جنازہ کے اختتام پر اسی اجتماعی حالت میں دُعا بھی مانگا کریں۔ نیز ان آثار میں یہ بھی مذکور نہیں کہ یہ حضرات نماز ہو چکنے کے کتنی دیر بعد میں پہنچے تھے۔ تقریباً دس منٹ، بیس منٹ، گھنٹہ، آدھ گھنٹہ، بلکہ آثار اس سے بھی ساکت ہیں کہ ان حضرات کی تشریف آوری جنازہ کی موجودگی میں ہوئی یا دفن کے بعد؟ تو ان کی دُعا سے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ نماز جنازہ کے متصل بعد ہوئی یا کب ہوئی؟

نماز جنازہ کے متصل بعد میں کی جانے والی دُعا کے اثبات پر استدلال کیونکر صحیح ہوگا؟ پس ان حضرات کے دُعا کرنے سے دُعا بعد الجنازہ ثابت کرنا محض لغو ہے ان آثار کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اگر کسی شخص سے جنازہ فوت ہو جائے تو وہ جس وقت بھی قبرستان یا جنازہ گاہ میں پہنچے تو ویسے ہی مایوس ہو کر نہ ٹوٹ جائے بلکہ اپنے طور پر مردہ کے لئے دُعاے مغفرت کر دے، اس سے بھی مردہ کی حق رسی ہو جائے گی، کیونکہ نماز جنازہ کی حقیقت بھی دُعاے مغفرت ہی ہے لیکن اس کے لئے پھر مخصوص شرائط ہیں۔ جن کی عدم موجودگی میں یہ صحیح نہیں ہوتی اور نفس دُعا مانگنے کے لئے اجتماعیت وغیرہ کی شرط نہیں۔ انفرادی طور پر جب بھی چاہے دُعا مانگ سکتا ہے۔ (یاد رہے کہ اس انفرادی دُعا مانگنے کے ہم بھی مخالف نہیں)۔ تو جب کسی شخص سے مخصوص دُعاے مغفرت یعنی نماز جنازہ فوت ہو جائے اور اس کا اعادہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دُعاے مغفرت ہی کر دینا چاہیے۔ اس میں تو کسی کی تخصیص نہیں نہ ہی کسی وقت کی قید یہی مطلب ہے جس جملے کا کہ ان سبق متونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ۔ کہ اگر نماز جنازہ میں تم مجھ سے بازی لے گئے ہو کہ تم نے پڑھ لی اور میں شامل نہ ہو سکا۔ اور اس کا اعادہ بھی ممکن نہیں، تو نفس دُعاے مغفرت تو کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہارے ساتھ مخصوص ہو کہ تم کر سکو اور میں نہ کر سکوں بلکہ

یہ تو تم بھی کر سکتے ہو اور میں بھی کر سکتا ہے ہوں۔ لہذا تم اس دُعا میں مجھ سے بازی نہیں لے جا سکو گے، اگر کہا جاوے کہ سبقت مقتضی ہے فعلِ طریقین کو تو جواب ہے کہ پھر سبقت موقنی بالصلوٰۃ علیہ میں بھی سبقت اسی کی متقاضی ہوگی جس سے حضرت عبداللہ بن سلام کا جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہو جائے گا حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

جواب نمبر ۲: اگر آثارِ مذکورہ مفید دُعا ہوتے تو کم از کم امام سرخسیؒ بھی اس کے قائل ہوتے کہ جنازہ کی نماز کے بعد دُعا مانگی جائے، حالانکہ آپ نے بھی دیگر ائمہ اور فقہاء کی طرح نماز جنازہ کے بعد دُعا کا ذکر نہیں کیا، ملاحظہ ہو۔

و یسلم تسلیمتین بعد الرابعة ولا تھُ جاعاً وان التخلل
و ذالک بالسلام الخ ان قال فان کبرا لا امام خمسا الخ
دیکھئے نماز جنازہ تسلیتین تک بتلاک دو سراسر اسلئے شروع کر دیا، بعد میں دُعا مذکورہ ہوتی تو یقیناً بیان فرماتے کیونکہ محل بیان ہے۔ چنانچہ دیکھئے صلوٰۃ کوف میں نماز کے بعد دُعا وار د ہے تو سب فقہاء نماز میں اختتام پر دُعا کا ذکر فرماتے ہیں ہدایہ میں ہے۔
و یدعو بعدھا حتی تنجلي الشمس (ص ۱۵۶ ج ۱)

۱۰ صلوٰۃ خمسہ کے بعد دُعا ہے فقہاء اُسے بیان فرماتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دُعا ثابت ہو اور فقہاء بیان نہ فرمائیں۔

جواب دلیل نمبر ۲: دلیل نمبر ۲-۳ سے وجہ استدلال سمجھ میں نہیں آتی کہ دُعا بعد الجنازہ ان سے کیسے ثابت ہوتی ہے؟

افسوس ہے کہ شوقِ اجتہاد میں ضروری امور کو بھی بیان نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اکڑنے والے یقیناً جہنم میں جائیں گے لیکن ان کو دُعا سے کیا تعلق؟ اللہ کی عبادت اور نیکی کرنے والے یقیناً اُمیدوارِ فلاح و کامیابی ہیں۔ مگر دُعا بعد الجنازہ اس سے کیسے ثابت ہوئی؟ دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ۔ سوال از آسمان جواب از لیسان۔ اگر ایسی ہی عمومی لُصوص سے دُعا ثابت ہو سکتا ہے تو اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہر نماز کے بعد دو سو مرتبہ کلمہ شریف پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ یہ بھی عبادت اور نیکی کی ہے اور نیکی عبادت کرنا بے نصِ قرآنی فرض ہے لہذا یہ کلمہ شریف بھی ہر نماز کے بعد پڑھنا فرض ہے اور جو

شخص اُسے تسلیم نہ کرے وہ جہنمی ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت سے تکبر کر نیوالے جہنم میں داخل ہوں گے تو شخص مذکور کے استدلال مذکور کا کیا جواب ہوگا؟

جو جواب اس کا ہوگا وہی جواب اس کا ہے جو ان نصوص سے دُعا بعد الجنائزہ کا مثبت ہے۔ اگر جہلاء کے لئے ایسے استدالات کی اجازت دے دی جائے تو شریعت کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا ہر وظیفہ بالقوہ فرض ہوگا۔ جتنی نمازوں کو مزید چاہو فرض بنالو۔ جتنے روزوں کا اضافہ کر لو۔

پس ایسی عمومی نصوص سے دُعا بعد الجنائزہ کو ثابت کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ ایسی آیت یا حدیث سے اثبات ہونا چاہیے جس میں یہ تصریح ہو کہ نمازِ جنازہ کے بعد دُعا مانگی جائے وغیرہ مطلق فضائل دُعا کی نصوص سے دُعا کو کوئی تعلق نہیں۔

جواب دلیل نمبر ۵: بفرض صحت احادیث ان سے مطلق دُعا کی فضیلت ظاہر ہو رہی ہے اور پہلے ہم یہ بالتحقیق ثابت کر چکے

ہیں کہ ایسی مطلق احادیث سے مخصوص دُعا کے اثبات کے لئے استدلال باطل ہے فلیراجع، دُعا بہت فضیلت رکھتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُسے جس عبادت کا چاہیں جزو بنادیں اور جس مقام پر چاہیں اُمت کے ذمہ اس کا مانگنا فرض و واجب یا سنت و مستحب قرار دیدیا جائے مثلاً دیکھئے نماز کی احادیث میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے مگر ان فضائل کے پیش نظر کسی مجتہد کے لئے اسکی اجازت نہیں کہ وہ یہ کہہ دے کہ مثلاً ظہر کی سُنن قبلہ سے پہلے دو رکعت پڑھنا سنت ہے اور اُسے اُمت کے ذمہ عملاً لازم قرار دے۔ یاد رکھیے عمل خاص کی مشروعیت و استحباب کے لئے نفس خاص کا وارد ہونا ضروری ہے۔ امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں :

الأتري ابن عمر قال في صلاة الضحى انها بدعة لا مند
لم يثبت عندها دليل ولم يراد راجها تحت عمومات الصلوة
لتخصيصها بالوقت المخصوص وكذا لك قال في القنوت كان
يفعله الناس في عصر لا انه بدعة ولم يراد راجه تحت
عمومات الدعاء الخ۔ (احكام الاحكام ص ۵۲)

پس اثباتِ دُعا، مذکور کے لئے کوئی ایسی حدیث پیش کی جاوے جس میں بالتصریح مذکور ہو کہ نماز جنازہ کے بعد کی دُعا کی جاوے۔

جواب دلیل نمبر ۱: اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ مطلق ہے اور مطلق کا استعمال جب بلا کسی قید کے کیا جائے تو اس سے مراد فردِ کامل

ہوا کرتا ہے۔ والمطلق اذا اطلق يراد به الفرد الكامل — قاعدہ کلیہ ہے اور صلوٰۃ کا فردِ کامل صلوٰۃ مکتوبہ ہے پس حدیث میں صلوٰۃ سے مراد یہی صلوٰۃ مکتوبہ ہوگی تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز کے بعد دُعا کی جائے کیونکہ محلِ اجابتِ دُعا رہے۔ جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے۔

عن ابی امامۃ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودر الصلوات المكتوبات۔ (مشکوٰۃ ص ۷۷)

پس اس حدیث سے دُعا، بعدِ الجنازہ کا اثبات غلط ہے حدیث مذکور بیہقی میں ملنے کی اس لئے سند کی تحقیق نہ ہو سکی۔ اگر مکمل تحقیق مطلوب ہو تو حوالہ بقید صفحہ دسٹر دیا جائے۔ حدیث مذکور کی یہ تفسیر من گھڑت ہے بتلایا جائے کہ یہ تفسیر کس شارح سے منقول ہے جب تفسیر من گھڑت ہے تو یہ حجت نہیں اور متن حدیث سے مدعا ثابت نہیں ہوتا پس اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہوا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نمازِ جنازہ پڑھو، تو میت کے لئے اخلاص سے دُعا کرو، کذا ترجمہ صاحب مظاہر حق خلیفہ راجع یعنی وہی دُعا جو نمازِ جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔ الدعاء پر الف لام کا دخول معہودیت دُعا کی طرف مشعر ہے اور معہود دُعا صرف وہی ہے جو تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہے جنازہ کے بعد والی دُعا تو شرعاً ثابت ہی نہیں تو معہود کہاں سے ہوگی بلکہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام نے تو اسے مکروہ لکھا ہے اور یہ دُعا مانگنے سے منع کیا ہے۔

پس دُعا، بعدِ الجنازہ اس ”الدعاء کا مصداق ہرگز نہیں بن سکتی بلکہ وہی دُعا مراد ہے جو معہود فی الشرع اور تمام ائمہ کے نزدیک مشروع ہے۔

نمبر ۲:- اگر حدیث کی وہی تفسیر صحیح ہوتی جو سوال میں مذکور ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فقہاء کرام اس کا

استحباب منقول نہیں، بلکہ اسے مکروہ قرار دے رہے ہیں۔ خاکے مقتضی تعقیب بلا تراخی ہونے سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ لازم نہیں۔ دیکھئے ارشادِ باری اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا الخ اسی طرح اذا قرات القرآن فاستعذ بالله الخ پس حدیث کی تفسیر مذکور غلط ہے۔

نمبر ۳: سنن الکبریٰ للبیہقی میں کتاب الجنائز باب الدعاء فی صلوٰۃ الجنائز ص ۴۷ کے تحت اس حدیث اذا صلیتم علی المیت الخ کو نقل کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرات محدثین کے نزدیک بھی الدعاء سے مراد وہی دُعا ہے جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے۔ نیز ملا علی قاریؒ نے ابن ہک سے اس حدیث کی یہ تاویل ذکر کی ہے۔ ويمكن ان يكون معناه اجعلوا الدعاء خالصاً في القلب وان كان عاماً في اللفظ الخ

اور ظاہر ہے کہ تاویل مذکور کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جنازہ کے اندر پڑھی جانے والی دُعا کے الفاظ عام ہیں جو سب مسلمانوں کو شامل ہیں اور حدیث کے ظاہری الفاظ مقتضی خصوص ہیں۔ پس تاویل سے دونوں کو جمع کر دیا تو اس سے بھی ظاہر ہوا کہ شارح حدیث کے نزدیک بھی الدعاء سے مراد نماز جنازہ میں مانگی جانے والی دُعا ہے ورنہ تاویل شرح لغو ہوگی۔

کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پس اثبات احکام میں حجت نہ ہوگی۔ لہذا استدلال ساقط ہے۔

ابراہیم الحجری نہایت ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ امام بخاریؒ اور نسائیؒ اسے منکر الحدیث ٹھہراتے ہیں وغیرہ۔ (تہذیب التہذیب بحوالہ منہاج ص ۱۵۵ ج ۱)

ثانیاً یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ کہاں مذکور ہے کہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دُعا مانگی جو مفید دُعا ہے۔ بلکہ ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے قبل دُعا مانگی جیسا کہ بعض مشائخ احناف بھی اس کے قائل ہیں۔ پس اس حدیث سے استدلال کہ ناخطِ محض ہے۔ صاحب منہاج الواضح نے علامہ نوویؒ کی اذکار سے یہی روایت نقل کی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ دُعا قبل از سلام تھی اس کے آخری الفاظ یہ ہیں :

ثم سلم عن يمينه وعن شماله۔ (ص ۲۰۲)

(۱)۔: واقدی کی روایت احکام میں معتبر نہیں، کمالا

جواب دلیل نمبر ۹:

یحییٰ علی اہل الفن پس روایت مذکورہ احکام کے بارے میں حجت نہیں بن سکتی (۲)۔: نیز ابراہیم حلبی کبیری ص ۵۲ میں روایت ہذا کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ علی ان طرقہ ضعیفۃ ضما فی المخازی مرسل الخ پس جب حدیث مذکور مرسل ناقابل احتجاج ٹھہری تو اس سے استدلال کرنا کیسے درست ہوگا۔ فتح القدیر میں بھی محقق ابن الہمام نے اسے مرسل قرار دیا ہے تقریباً یہی الفاظ ہیں تیسرا جواب یہ ہے داؤد مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے۔ پس الفاظ حدیث سے دُعار کا جنازہ کے بعد متصل ہونا ہرگز ثابت نہ ہوگا۔ لہذا اس سے استدلال کرنا باطل ہوگا۔ اگر عطف تفسیری نہ مانا جائے تو حدیث سے قواعد کے لحاظ سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے دُعار بھی فرمائی اور نماز جنازہ بھی پڑھا لیکن تقدیم تاخیر سے حدیث ساکت ہے پس مفید دُعار نہیں اور ظاہر تو یہی ہے عطف تفسیری مان لیا جاوے تاکہ دوسری احادیث کے ساتھ منطبق ہو جائے واللہ اعلم۔

کا یہ ہے اگر حضرت ابن عمر نماز جنازہ ہو چکنے کے بعد جنازہ گاہ میں پہنچے اور دُعار کر کے واپس تشریف لے

جواب دلیل نمبر ۱۰:

لئے تو اس سے دُعار بعد الجنازہ کیسے ثابت ہوئی۔ آپ تو نماز جنازہ میں شامل ہوئے نہیں ہو سکے تو ان کے دُعار مانگنے سے استدلال کرنا کیسے صحیح ہے۔ ہاں جو لوگ جنازہ پڑھ چکے تھے انہوں نے اگر فوراً دُعار مانگی ہوتی تو استدلال صحیح بن سکتا تھا۔ مگر ان کا دُعار مانگنا منقول نہیں الحاصلہ جنہوں نے جنازہ پڑھا، انہوں نے دُعار نہیں مانگی اور جنہوں نے دُعار مانگی انہوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ پس آپ کے استدلال باطل کی کیا صورت معلوم ہوتی ہے کہ سائل کے نزدیک صرف عربی عبارت ہی نقل کر دینا اپنے دعویٰ کی دلیل بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے جس حدیث میں دُعار کا لفظ دیکھتے ہیں جھٹ اس کو اپنے دعویٰ کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ ایسے جاہل کا جواب دینا بھی محض اصاعت وقت ہے مگر کیا کیا جاوے جہالت کی حکمرانی ہے۔ لوگ ایسے غیر متعلق مضامین کو دلائل سمجھنے لگتے ہیں۔ انکی رعایت سے لکھنا پڑتا ہے۔

اب دلائل مذکورہ از نمبر ۱۵ تا ۱۵ پر مکرر نظر ڈالیئے اور بتائیئے کہ ان میں سے کون سی عبارت

ایسی ہے جس سے دُعا بعد الجنائزہ کا ثبوت ہوتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہو یا آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہو۔ نماز جنازہ ختم کر کے دُعا مانگا کر دیا کسی صحابیؓ نے جنازہ کے بعد دُعا مانگی ہو اور آپ نے اس پر نکیر نہ فرمایا ہو۔ آخر عبارت مذکورہ کو دُعا سے کیا تعلق۔ اگر ان کے عموم سے تمسک کیا گیا ہے تو ان کا باطل ہونا بالتفصیل پہلے گزر چکا۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔ اگر یہ عبارت دُعا بعد الجنائزہ کی مثبت ہیں تو دُعا قبل الجنائزہ کی بھی مثبت ہیں۔

نیز ایک ہی دفعہ کے لئے مثبت نہیں بلکہ بیٹیوں دفعہ کے لئے مثبت بن سکتی ہیں۔ تو بعد الجنائزہ ہی کیوں دُعا کی جاتی ہے۔ قبل از جنازہ بھی اجتماعی طور پر کرنی چاہیے نیز ایک ہی دفعہ پر اکتفا کرنا درست نہیں۔ جب استغفار عند المیت افضل ٹھہرا تو افضلیت زیادہ سے زیادہ حاصل کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سلیم نصیب فرمائے۔ آمین !

جواب دلیل نمبر ۱۴ فاتحہ بقصد تبرک سے جواز دُعا بعد الجنائزہ کیسے ثابت ہوا۔ خواہ قرأت مذکورہ بعد الجنائزہ ہی کیوں ہو نیز جب یہ احتمال ہے کہ یہ قرأت فاتحہ قبل از نماز جنازہ ہوئی ہو جیسا کہ مصرح ہے۔ تو اس سے استدلال کیوں کر صحیح ہوگا اس لئے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال استدلال تو اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ جب یہ ثبوت متعین ہو کہ قرأت مذکورہ نماز جنازہ کے بعد متصلاً ہوئی۔ یہ بھی ارخائے عنان کے طور پر ہے۔ ورنہ اصل تو یہ ہے حدیث مذکور کو ہمارے دُعا سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسکی اسناد قوی نہیں **جواب نمبر ۲** اس کا راوی ابراہیم، منکر الحدیث ہے۔ مظاہر حق ص ۵ جلد ۲۔ تو احکام میں حدیث مذکورہ سے استدلال درست نہیں۔ امام ترمذیؒ کے الفاظ یہ ہیں :

حدیث ابن عباسؓ۔ اسنادہ لیس بذالک القوی ابراہیم بن

عثمان هو ابو شیبہ المعاف۔ منکر الحدیث ص ۱۲ ج ۱، مطبع مجیدی

جواب دلیل نمبر ۱۵۔ مجموعہ خانی ہمارے پاس اور مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود نہیں کہ اسکی اصل عبارت کو دیکھ لیا جاتا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ ہمیں حوالہ مذکور کی صحت میں شبہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ علامہ صفدر صاحب گکھر وی نے سہاج الواضح میں ص ۱۹۶ میں مجموعہ خانی سے دُعا بعد الجنائزہ کی ممانعت پر فتویٰ نقل کیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے

اور فقہ کی مشہور کتاب مجموعہ خانی میں ہے :

”دعائے بخواند و فتویٰ بریں قول ست“ (مجموعہ خانی قلمی ص ۲۲۹)

پس جب تک یہ محقق نہ ہو جائے کہ اصل میں صحیح عبارت کون سی ہے، تب تک فیصلہ مشکل ہے۔ البتہ دوسرے فقہاء کی تصریحات جو عدم جوازِ دعاءِ مذکور کے بارہ میں ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ان کے پیش نظر صحیح عبارت وہی معلوم ہوتی ہے جو مہناج الواضح میں نقل کی گئی ہے۔ اگرچہ ان عبارات میں یہ تصریح نہیں کہ فتویٰ عدم جوازِ دعاءِ مذکور پر ہے لیکن فقہاء کے جم غفیر کا دعاء بعد الجنازہ کے عدم جواز کو نقل کرنا یہ خود اس پر دال ہے کہ معمول بہ اور مفتی اب یہی قول ہے بلکہ فقہاء کے ہاں اس کے مقابلہ میں سرے سے کوئی دوسرا قول موجود ہی نہیں حقیقت یہ ہے تو اس کے مفتی اب ہونے کا کیا معنی؟ پس درست وہی عبارت ہے جو مہناج الواضح میں منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

اور اگر بالفرض یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ جائے کہ صحیح عبارت دعاء بخواند ہے تو بھی یہ عبارت حجت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ کتب فقہ کا مستند بہا ذخیرہ جو اعلیٰ علم کے مابین متداول ہے ہمارے پاس موجود ہے اس میں تصریحات موجود ہیں کہ لا یدعون ان الدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ مکروہ۔ وغیرہ وغیرہ اور اس کے مقابلہ میں دعائے مذکور کے استحباب یا سنیت کا سرے سے کوئی قول ہی موجود نہیں۔ تو اس صورت میں صرف صاحب مجموعہ خانی کے یہ تحریر کرنے سے کہ بخواند۔ دیگر فقہاء کی تصریحات سے آنکھیں بند کر لینا کیسے درست ہے۔ نیز تمام فقہاء کی تصریحات کے علی الرغم صرف مجموعہ خانی کوئی ایسی کتاب نہیں جیسے حنفیہ کے متون معتبرہ اور شرح متداولہ نیز کتب فتاویٰ کے ہم پلہ قرار دیا جاسکے، پس اس کا کوئی نقل قابل قبول نہیں ہے۔ جو کتب مشہورہ متداولہ کے خلاف ہو۔

نہر الفائق مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود نہیں۔

جواب دلیل نمبر ۱ :

اور فتاویٰ نظامیہ کسی غیر معروف شخص کا ہے اس کے علم و

دیانت کے بارہ میں ہمیں تحقیق نہیں کہ وہ کس پایہ کے ہیں لہذا نقل حوالہ مذکور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ تاوقتیکہ اصل کتاب کو نہ دیکھ لیا جائے۔ بشرط ثبوت اس کا محل ہمارے نزدیک انفرادی دعاء ہے تاکہ دوسرے فقہاء کی تصریحات کے ساتھ اس کا تعارض نہ ہو۔

تفصیل بالا سے یہ واضح ہو گیا کہ استفتاء مذکورہ کی عبارت میں سے صرف ایک دو عبارتیں ایسی ہیں جن سے دُعا بعد الجنائزہ کے جواز کا شبہ ہو سکتا تھا جن کا بحمدہ تعالیٰ ثانی جواب دیا جا چکا ہے۔ باقی عبارات کو متنازعہ فیہ دُعا سے قطعاً کوئی تعلق نہیں محض عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھانے کے لئے انہیں استفتاء میں درج کیا گیا۔ مگر جیسا کچھ تھا ان کا جواب تحریر ہو چکا۔ اور اس کے مقابلہ میں دُعا کے متنازعہ فیہ کے عدم جواز میں ۲۱ دلائل پیش کئے گئے جو ایک منصف مسلمان کے لئے کافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل موجود ہے کہ یہ دُعا آپ نے نہیں فرمائی۔ حضرات صحابہؓ نے یہ دُعا نہیں کی ائمہ اربعہ سے اس کا ثبوت نہیں۔ مذاہب اربعہ کی فقہ اس سے خالی ہی نہیں بلکہ اس دُعا کی مخالفت اور اسکی کراہت کے بارے میں تصریح ہیں۔ تو کیا یہ ایک مسلمان کے لئے کافی نہیں، واللہ کافی ہے پس سب اہل اسلام پر لازم ہے کہ اس طریقہ سنت کو اپنائیں اور اسی کو اپنا معمول بنائیں اور اس کے مقابلے میں جو سلام پھیرنے کے بعد دُعا ملنگنے کی بدعت رواج پکڑ گئی ہے اُسے مٹانے کی کوشش کریں۔

اس زمانہ فساد میں سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر مضبوطی سے قائم رہنا اجر عظیم رکھتا ہے۔ فرمان نبویؐ ہے :

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فُسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ . او

کما قال وما علينا الا البلاغ . فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ،

خیر محمد ہتھم خیر المدارس ملتان

عبد اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

مطلب یہ ہے کہ اگر "ف" کے مقتضی تعقیب ہونے کی وجہ سے

حاشیہ نمبر ۱ : اس حدیث کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ

تو میت کے لئے اخلاص سے دُعا کرو۔ تو یہی "ف" اس آیت میں بھی موجود ہے۔

اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم۔ تو آپ کے قول کے مطابق ترجمہ

یہ ہونا چاہیے۔ کہ جب تم کھڑے ہو چکو نماز کے لئے تو اس وقت وضو کرو۔ نیز اس

آیت میں بھی ویسی "ف" موجود ہے۔ اذ اقرأت القرآن فاستعذ بالله تو اس کا ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ جب تم قرآن پڑھنے سے فارغ ہو چکو تو اللہ کی پناہ پکڑو اور اسی طرح واذ اسألتموهن۔ کا ترجمہ ایسے ہونا چاہیے کہ تم ان سے کوئی چیز مانگ چکو تو ان سے پس پردہ مانگو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب تراجم غلط اور خلاف مقصود ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ "ف" کو تعقیب مذکور لازم نہیں۔ اور اگر کوئی تاویل ان آیات کے ترجمہ کے لئے کی جاتی ہے تو وہی تاویل اس حدیث میں بھی پھر کی جائے گی۔

کبھی فریق مخالف کی طرف سے امام فضلی کا قول لا بأس بہ بطور حاشیہ نمبر ۲: دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے اولاً اس کا جواب یہ ہے کہ لا بأس بہ کے معنی یہ نہیں کہ دعا بعد الجنائزہ سنت یا مستحب ہے بلکہ یہ ہیں کہ اس میں کراہیت تنزیہی ہے اگرچہ جواز ہو اور مکروہ تنزیہی بھی قابل ترک ہی ہے اگرچہ واجب ترک نہ ہو۔ پس اس سے بھی ترک دُعار کا ادلی ہونا مہنوم ہوا، نہ کہ دُعار کا ادلی ہونا۔

ثانیاً یہ ہے کہ امام فضلی کا یہ قول تمام فقہاء کے سامنے تھا مگر اس کے باوجود پھر انہوں نے اس دُعار کی ممانعت یا کراہیت کی تصریح کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام فضلی کا یہ قول قابل اعتماد اور لائق عمل نہیں۔ بلکہ مرجوح اور ناقابل التفات ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس قول کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے سے احتراز کیا ہے پس ایسا قول ہرگز حجت نہیں بن سکتا۔

ثالثاً یہ ہے کہ ممکن ہے کہ امام فضلی کے زمانہ کے اندر دُعار بعد الجنائزہ کے بارے میں عوام اس جہالت میں مبتلا نہ ہوں جس جہل مرکب میں آج کل کے لوگ مبتلا ہیں کہ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور تارک پزیر شدید کرتے ہیں۔ اور ان کے زمانہ میں اپنے طور پر کوئی شخص دُعار کرے یا نہ کرے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ تو ایسے حالات میں آپ نے لا بأس بہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

مہندار سعدی کہ راہ صفا
توان رفت عجز پئے مصطفیٰ

كتاب الرحمة

أَنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمَلِينَ
عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرْمِينَ
وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ط فَرِيضَةً
مِّنَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (سُورَةُ تَوْبَةٍ)



خير الفتاوى

(جلد سوم)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اسلام کا نظم ربوبیت

عبد جاہلیت میں غریب پروری کا کوئی نظم تو کجا زیر دستوں، کمزوروں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہر قسم کی بیگار ان سے لی جاتی تھی اور ان کی مزدوری بھی ادا نہیں کی جاتی تھی۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کا ابتدائی تعارف ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ سے کر لیا ہے۔ اچھڑ بٹھڑ رب العلمین رحمانیت اور رحیمیت بھی ربوبیت کی فروع ہیں۔ جمائی نشوونما اور روحانی تربیت جس کے لئے سلسلہ نبوت جاری ہوا۔ یہ سب حق جل شانہ کی ربوبیت عامہ کے مظاہر ہیں۔ اس وقت جمائی ربوبیت پیش نظر ہے۔

تمام عالم کی ربوبیت کا جو غیبی نظام ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ وہ بالکل کامل اور مکمل ہے۔ ہر چیز کو اس کے مناسب تربیت پھر اس کی بقا و نشوونما کے اسباب و وسائل مہیا فرمائے۔ دورِ حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ غریب پروری ہے۔ سرمایہ داری کے ردِ عمل کے طور پر کمیونزم اور سوشلزم وجود میں آئے جس کی بنیاد پر باندھاگ دعوے کئے گئے لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی زیر دستوں کے مزید استحصال اور ان پر مظالم کی ایک شکل ہے جن ممالک میں کمیونزم اور سوشلزم رہا ہے۔ ان ممالک کی تاریخ نے یہ بتایا کہ کمیونزم اور سوشلزم بھی غریب و مزدور کو بے وقوف بنانے کی اور اسے غریب سے غریب تر اور مجبور سے مجبور تر کرنے کی ایک صورت ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے محکوم اگر

پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری

اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے جبکہ غریب کی حمایت کا تصور ہی خال خال تھا۔ غریب کا ایسا مکمل نظام دیا کہ اگر اس پر عمل کر لیا جائے تو حقیقت میں غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جن حکمرانوں نے حقیقتاً اسلام کو نافذ کیا ان کے دور میں قدرت کی طرف سے اس قدر فزادانی ہوئی کہ لوگ صدقات و زکوٰۃ کا مال اٹھائے پھرتے تھے اور کوئی مصرف نہ ملتا تھا۔ خلافتِ سلاسیہ کے دور کی تاریخ

اس کا شاہد بتن ہے۔ اسلام نے اپنے احکام کے تمام ابواب میں غریب کو کبھی فراموش نہیں کیا بلکہ کسی نہ کسی طرح اس کی معاونت کی راہ پیدا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر اتنی زکوٰۃ فرض فرمائی ہے اگر صحیح طور پر اس کو ادا کر دیں تو کوئی بھوکا رہے نہ تنگ رہے۔

حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔ مَاجَاعُوهَا وَلَا عَرَوْا

موجودہ غربت و انسلاخ ظاہری اسباب میں مالداروں کے بخل کی وجہ سے ہے۔ ہم مختصر یہاں اسلام کے نظام غریب پروری کو اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں :-

۱ — حق جل شانہ نے تمام مالداروں پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سونا، چاندی زیورات، اموال تجارت اور نقدی کا بہرہ حصہ غریبوں کو دینا فرض قرار دیا۔ بازار اور منڈیاں، کارخانے اور فیکٹریاں، کوڑوں اربوں کے اموال تجارت سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر ہر سال صحیح طور پر ان کا بہرہ حصہ بطور زکوٰۃ غریب کو دے دیا جائے تو شاید ہی بھوک سے کوئی کمی کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

۲ — شریعت نے پورے ملک میں لاکھوں ایکڑ میں پھیلی ہوئی زرعی پیداوار میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا۔ ارشاد باری ہے : **وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ** (سورۃ النعام)

حدیث پاک میں ہے : **مَا أَخْرَجْتُمُ الْأَرْضَ فِيهِ الْعَشْرَ**۔

جو کچھ زمین سے پیداوار ہو اس کا عشر غریب کو دینا ضروری ہے۔

باغات کی اربوں کی آمدنی میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کا بہرہ غریب کا ہے حتیٰ کہ پھل کے مکمل پکنے سے پہلے اگر مالک کسی ضرورت کے لئے کچھ پھل توڑے یا فصل کاٹے تو اس میں سے بھی غریب کا حصہ لازماً ادا کرنا ہوگا۔

۳ — جنگلوں میں چرنے والے جانور بھڑ بھڑیاں، گائے بھینس، اونٹ وغیرہ ان سب میں

بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام ربوبیت کے تحت غریبوں کو ان کا حصہ دینا ضروری قرار دیا۔ ایسے ہی مختلف دھاتوں کی قدرتی کانوں میں بھی غریب کو شریک ٹھہراتے ہوئے اس کا ایک حصہ متعین کیا گیا۔ یہ تو غریب کا ایک معروف اجمالی خاکہ تھا۔ اس کے علاوہ تقریباً تمام ابواب فقہیہ میں غریب پروری کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہے۔ مثلاً مکتابلطہارۃ میں ہے کہ جو آدمی بیوی سے حالت حیض میں مباشرت کر بیٹھے وہ ایک دینار (اشرفی) صدقہ کرے۔ ایسے ہی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ اگر کسی کی نمازیں رہ جائیں اور وہ مرتے وقت فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے تو غریب کو اس کی نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے جس کی صرف ایک ماہ کی مقدار

تقریباً نو سو گندم بنتی ہے۔ ایسے ہی کتاب الصوم میں ہے کہ جس کے روزے رہ جائیں یا وہ کسی عذر سے روزے رکھنے پر قادر نہ ہو جیسے شیخ فانی یا مریض یا کس تو اس پر روزوں کا فدیہ دینا واجب ہے جو غریبوں کو ادا کیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی روزہ رکھنے کے بعد عمداً اسے توڑ دے تو غلام آزادانہ کر سکنے کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو صبح شام کھانا کھلانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کتاب النکاح میں ہے کہ شادی کے بعد ولیمہ سنون ہے۔ اس ولیمہ میں بھی غریب کو شریک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور شریک نہ کرنے کی صورت میں اس کھانے کو بدترین کھانا کہا گیا۔ حدیث میں فرمایا گیا۔

مشر الطعام الولیمۃ بدعی لھا الاغنیاء و یتروک لھا الفقراء

کتاب الطلاق میں کفارہ ظہار کا حکم ہے جس میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے

کتاب الاعتاق میں معمولی معمولی بات پر غلام کو آزاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ ایسے تمام کفارات میں مثلاً قسم کا کفارہ، قتل خطا کا کفارہ، یا عمدہ روزہ توڑنے کا کفارہ۔ ان میں بھی بنیادی چیز عن غلام کو آزاد کرنا قرار دیا گیا ہے۔ ایسے ہی بیوع میں تمام ارباب فاسدہ کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو صدقہ کرنا لازم ہے۔ یہ بھی غریبوں ہی کو ملیں گے۔ مال مغصوب کے منافع کو بھی غریب ہی کے لئے مختص کیا گیا۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت کا بھی غریب کو دینا ضروری قرار دیا گیا۔

اضحیٰ کے بعد کتاب الوصایا آتی ہے۔ گواہ تو لوگوں میں یہ معمول نہیں رہا مگر متمول مسلمانوں کی تاریخ ماضی دیکھیں تو تقریباً سب ہی کا یہ معمول تھا کہ اپنے مال سے کچھ نہ کچھ مال کی غریب، مدارس، مساجد، مسافر خانے اور کنوؤں وغیرہ کے لئے وصیت کر جاتے تھے، کسی وقت میں بنگال کے صرف اوقاف کی آمد پوری حکومت کے سالانہ بجٹ کے برابر یا کچھ کم ہوتی تھی جس کا اکثر حصہ غریب اور مساکین کے لئے مختص ہوتا تھا۔ عید کی خوشیوں میں غریبوں کو شریک کرنے کے لئے مالداروں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر کے جائیں۔ یہ تو ابواب فقہ کا ایک سرسری جائزہ تھا۔ اگر کوئی صاحب غور سے تتبع کریں تو سینکڑوں ایسی مثالیں اور بھی مل سکتی ہیں۔

ان تفصیلات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنی میں اسلام ہی غریب پرورد مذہب ہے۔ رب العالمین نے اپنی کمزور اور ضعیف مخلوق کو کسی مال میں بھی فراموش نہیں فرمایا۔ اور مختلف نوع کے احکام کے ساتھ غریب پُرری کو منسلک فرمادیا۔ یہ اسلام کی حقانیت کی ایک بین دلیل ہے۔ اور اس میں کمبوزم اور سوشلزم جیسے نظموں

کا حقیقی توڑ مو جو د ہے۔ اسلام نے غریبوں کے لئے مختص مال کو اللہ تلے ہمارا ڈالنے کی اجازت نہیں دی۔ ایسے ہی تعمیرات اور مٹی گارے میں صرف کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس مال سے ٹی اے ڈی اے اور بھتے بنانے کی اجازت نہیں دی بلکہ واضح طور پر حکم دیا کہ یہ پیسہ غریب کے ہاتھ پر رکھا جائے اور اسلامی تعلیمات کا تحسن ہے کہ اس پیسے کے ذریعے سے طبقاتی منافرت پیدا ہونے سے سختفظ کی صورت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ دوسرا طرح کہ دینے والوں کو یہ تصور دیا گیا اور یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی کہ تم یہ مال خدا کو دے رہے ہو۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تصدق بعدل بترة من کسب طیب ولا یقبل اللہ الا الطیب فان اللہ

یتقبلہا بيمينہ ثم یوربہا لصاحبہا کما یرفی احدکم فلوہ حتی تکون مثل الجبل متفوق علیہ (مشکوٰۃ شریف)

نیز یہ تصور بھی دیا کہ جو کچھ غریب کو دے رہے ہو وہ درحقیقت اپنے ہی کو دے رہے ہو۔ اور جو نہیں دیتا وہ اپنے ہی کو محروم کرتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ واللہ الغنی وانتم الفقراء وفي مقام آخر

من یخل فاشما یخل عن نفسه

ایکے شریعت نے غریب کو منع کیا کہ تم براہ راست کسی سے رت چھینو اور نہ کسی کے آگے دست سوال دراز کرو۔ جب انسان کسی کو مال دیتا ہے تو ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کو اپنا زیر احسان سمجھ کر اس سے شکریہ کا اُمیدوار رہتا ہے اس پر احسان جلتا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس دینے کے مقام میں غریب سے بیگاری جاتی ہے۔ اسلام نے دونوں باتوں سے صراحتہ منع کر دیا اور فرمایا:

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَتُكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَى (الآیہ)

کہ ایسا کرنے سے تمہارے صدقات ضائع ہو جائیں گے۔ جو کہ صدقہ کے موضوع کے خلاف ہے مگر انسانی انفسیات کے پیش نظر یہ کہا گیا کہ وہ شکریہ کے ساتھ ساتھ دینے والے کے لئے دُعا بھی کرے۔ اس طرح سے طبقاتی منافرت پیدا ہونے کا بیج ہی ختم کر دیا۔

نیز یہ جملہ امور اسلامی تعلیمات کے من جانب اللہ ہونے کی بین دلیل ہیں۔



مرکزی وزارت مالیات

کی طرف سے زکوٰۃ و عشر متعلق اثنالیس سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ

محترمی السلام علیکم -

جیسا کہ آنجناب کو علم ہو گا کہ حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل ارسال خدمت ہے۔ کمیٹی شکر گزار ہوگی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر سوالنامے کا جواب عنایت فرمائیں گے۔ چونکہ کمیشن کو اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کرنا ہے۔ لہذا درخواست ہے کہ آنجناب ۳۱ اگست ۱۹۶۹ء سے پہلے اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔ والسلام

دقار احمد سیکرٹری زکوٰۃ کمیشن وزارت مالیات حکومت پاکستان

زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنی اور اس سے متعلق کچھ توضیحات

سوال نمبر ۱: زکوٰۃ کی تعریف کیا ہے؟

زکوٰۃ کے لغت میں دو معنی مشہور ہیں۔ ”طہارت“ اور ”نماء“۔
الحاصل ہے یعنی پاکیزگی اور افزائش (زیادتی) اور اصطلاح شرعی میں زکوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ ایک مسلمان عاقل، بالغ اپنے اس مال میں سے جو شرعی نصاب کو پہنچ چکا ہو، ایک حصہ معینہ جو شرعی میں ہلہ مقرر ہے کسی ایسے مسلمان فقیر اور محتاج کی تملیک کرے جو نہ توسید ہاشمی ہو۔ اور نہ اس کا آزاد شدہ غلام ہو۔ اور اس کا یہ خرچ کرنا بنیت ادائیگی زکوٰۃ ہو۔ اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت بالکل مقصود نہ ہو۔ در مختار ج ۲ ص ۳۔ میں ہے۔

”ہی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر“

غیر ہاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعة عن المملک من کل وجه اللہ تعالیٰ

لغوی و شرعی معنی میں مسببت اس طرح سے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے سے مال پاک ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتا بھی ہے۔ اس لئے اس فعل کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

توضیحات ۱ : عاقل، بالغ، اور مسلم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ دیوانے، نابالغ اور کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ و شرط افتراضها عقل و بلوغ

و اسلام و حریت - (در مختار مع الشامیہ ج ۲ ص ۴)

۲ : شرعی نصاب کی قید سے وہ مال خارج ہو گیا جو نصاب کو نہ پہنچا ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۳ : حصہ معینہ کی قید سے صدقاتِ نافلہ خارج ہو گئے کیوں کہ ان میں تعیین نہیں ہوتی۔

۴ : مسلمان فقیر کی تملیک کرنا جو نہ ہاشمی ہو اور نہ اس کا آزاد شدہ غلام ہو۔ اس عبارت سے کافر خارج ہو گیا۔ اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن فقیر نہ ہو بلکہ غنی ہو اسے بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن سید ہاشمی ہو، یا اس کا آزاد کردہ غلام ہو وہ بھی بوجہ اپنی عظمت و حرمت کے زکوٰۃ نہیں لے سکتا

تملیک کے لفظ سے واضح ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کے روپیہ وغیرہ کو ضروری ہے کہ کسی فقیر کی تملیک کیا جائے۔ لہذا زکوٰۃ کا روپیہ ہر اس جگہ جہاں تملیک اور قبض نہ ہو خرچ نہیں ہو سکتا مثلاً مسجد پر براہِ راست خرچ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ مسجد میں اہلیتِ قبض و تملیک نہیں۔ ایسے ہی یہ روپیہ کسی میت پر کفن وغیرہ میں خرچ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ میت اہل تملک و قبض نہیں ہے۔

۵ : خرچ کرنا بہ نیتِ ادائیگی زکوٰۃ کی قید اس لئے لگائی گئی کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادات بخیر نیت کے ادا نہیں ہوتیں۔

۶ : اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت مقصود نہ ہو۔ اس قید سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ اپنے اصول (والد، دادا، والدہ وغیرہم) اور اپنے فروع (بیٹا، پوتا، اور بیٹی، نواسا وغیرہم) کو نہیں دے سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص اور اسی طرح زوجین باہم ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے (مرتب)

شخص اپنے غلام کو تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس میں زکوٰۃ دہندہ کی ذاتی غرض پائی جاتی ہے۔

وجوب زکوٰۃ کی شرائط سوال ۱۷ : کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں عورتوں نابالغوں ، مسافروں ،

فاتر لعقل افراد مستأمنوں یعنی غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے ؟
الجواب زکوٰۃ کے وجوب کے لئے چار شرطیں ہیں۔ عقل۔ بلوغ۔ اسلام بحریت بناء علیہا۔

ا : عورت و مرد کے درمیان وجوب زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں۔ جیسے مرد پر زکوٰۃ فرض ہے ایسے ہی عورت پر بشرطیکہ صاحب نصاب ہو۔

ب : نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں بوجہ فقدان شرط نمبر ۲۔

ج : قیدی جب کہ صاحب نصاب ہو اور شرائط مذکورہ بالا اس میں پائی جاتی ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

د : مسافر پر بھی فرض ہے جب کہ وہ غنی اور صاحب نصاب ہو۔

ه : فاطر لعقل (مجنون) لوگوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بوجہ فقدان شرط اول۔

و : اگر مستأمن سے مراد وہ کفار ہیں جو اسلامی ملک میں رہتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بوجہ شرط اسلام کے نہ ہونے کے اور اگر مسلمان مراد ہیں جو غیر اسلامی ملک میں

آمان لے کر مقیم ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

وجوب زکوٰۃ کیلئے حد بلوغ سوال ۱۸ : زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھنا چاہیئے۔ ؟

الجواب اگر علامات بلوغ جو مرد کے لئے احتلام و اِحْبَال وغیرہ اور عورت کے لئے حیض وغیرہ ہیں ظاہر نہ ہوں تو عمر کے لحاظ سے پندرہ سال قمری یعنی چاند

کے اعتبار سے مقرر ہیں۔ عالمگیری : ج ۳ : ص ۶۰۲۔

بلوغ الفلام بالاحتلام او الاحبال او الانخال والجارية

بالحيض او الاحتلام او الحبل وفي الدر المختار والمسنن

الذی یحکم ببلوغ الفلام والجاریة اذا انتهيا الیه
خمس عشرة سنة عند ابی یوسف ومحمد وهورواية
عن ابی حنيفة وعليه الفتوى - (حواله ، ۳)۔

زلیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے سوال ۴ : زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے
کے لئے عورت کے ذاتی استعمال کے زلیور کی

حیثیت کیا ہے ؟

الجواب زلیورات کے اندر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ حد نصاب کو پہنچ جائیں
چاہے وہ استعمال کے ہوں یا تجمل اور زیب و زینت کے لئے رکھے ہوں۔

در مختار مع حاشیہ - ج ۲ - ص ۴۰۰ - واللازم فی کل منہما
ومعمولہ ولو تبرأ وحلیاً مطلقاً مباح الاستعمال اولاً ولو
للتجمل والنفقة لانہما خلقتا اثماً فان کیمما کیف
کانا۔ (حوالہ ۴)۔

کمپنیوں کے اموال پر زکوٰۃ کا حکم سوال ۵ : کیا کمپنیوں کو زکوٰۃ ادا کرنے
چاہئے یا ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کے مطابق

فرداً فرداً زکوٰۃ ادا کرنے کا مجاز ٹھہرایا جائے ؟

الجواب شریعت میں ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا
ہے جس کی وجہ سے کہ زکوٰۃ عبادات میں سے ہے ۔ جیسے نماز ہے ۔ اور

کوئی عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے ہر مکلف پر لازم ہوگا کہ وہ زکوٰۃ خود ادا
کے ۔ اور ادا کرتے وقت یا مال کو زکوٰۃ کے لئے جدا کرتے وقت نیت کرے ۔ دوسری چیز اس
باب میں یہ بھی ہے ۔ کہ زکوٰۃ میں نیابت جاری ہو سکتی ہے ۔ یعنی اگر کوئی شخص دوسرے کو ادا لئے
زکوٰۃ کے لئے دیکل اور نائب بنادے تو یہ بھی جائز ہے ۔ لیکن نیابت جاری ہونے کے لئے
انابت ضروری ہے ۔ یعنی صاحب زکوٰۃ کسی شخص کو مثلاً کمپنی کے کسی حصہ دار یا مینیجر کو اجازت
دے دے کہ تم میرے مال میں سے زکوٰۃ ادا کر دو ، تو یہ بھی جائز ہوگا ۔ حاصل یہ ہے کہ کمپنی
اور اس کے ڈائریکٹر زکوٰۃ ادا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں مالکان حصص خود ذمہ دار ہیں ۔

کارخانوں اور تجارتی اداروں سے زکوٰۃ لینے کا حکم سوال ۷۷ کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب

کے حدود بیان کیجئے۔!

الجواب واضح رہے کہ زکوٰۃ کی حیثیت ایک عبادت کی ہے اس کی حیثیت ٹیکس کے نہیں جو کہ ہر کارخانہ اور تجارتی ادارہ پر لازم کر دیا جاتے۔ لہذا سوال کے اندر کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب اور اس کے حدود کا دریافت کرنا بے معنی ہے ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر کارخانہ یا تجارتی ادارہ جس کا مال حد نصاب کو پہنچ جائے اور اس کا مالک شرط وجوب زکوٰۃ کا حامل ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

کمپنیوں کے قابل انتقال حصص کی زکوٰۃ کا حکم سوال ۷۸ : جن کمپنیوں کے حصص قابل انتقال ہیں ان کے سلسلے

میں تشخیص زکوٰۃ کے وقت کس پر ادائیگی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خرید کنندہ پر یا بیچنے والے پر ؟
الجواب احتمال اول اگر حصہ اتنی مالیت کا ہے کہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بالغ پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ اتنی مالیت رکھتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے۔ اور اگر بیچ رہا ہے تو اس کے بدلے میں بھی مال لے رہا ہے اس لئے اس پر بھی زکوٰۃ لازم رہے گی۔ لیکن ادائیگی زکوٰۃ بعد گزرنے سال کے واجب ہوگی۔ ہاں اگر وہ سال کے گزرنے سے پیشتر فقیر ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی مشتری پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ غنی ہے۔ اور اتنی مالیت رکھتا ہے جس سے وہ ایسا حصہ خرید رہا ہے جو نصاب شرعی کو پہنچ سکتا ہے۔ لہذا وہ جب سے غنی ہوا ہے اس وقت سے اس پر زکوٰۃ واجب رہے گی۔ اور خریداری حصہ سے اس کی مالیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ پہلے اس کی مالیت نقدی کی تھی اب تجارتی سامان میں منتقل ہو گئی۔ لہذا زکوٰۃ کا وجوب جو غنی شرعی پر ہے، قائم رہے گا۔ اگر کمپنی کا حصہ یا حصے جو فروخت ہوئے ۱ رہے ہیں اتنی تھوڑی رقم کے ہیں جو نصاب شرعی کو نہیں پہنچ سکتے۔ مثلاً پچیس کے حصہ کے پانچ پندرہ پندرہ کے دو حصے ہیں کل تیس روپے کے حصے ہیں جو ارج کل کے حساب سے نصاب کو نہیں پہنچ سکتے تو اندریں صورت اگر بالغ اور مشتری کے پاس اور کوئی مال نہ ہو تو زکوٰۃ کسی پر بھی لازم

نہ ہوگی۔ نہ بائع پر نہ مشتری پر۔

سوال ۷ : کن کن اثاثوں اور چیزوں پر اور موجودہ سماجی حالت کے پیش نظر

کن کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ؟

بالخصوص

ان چیزوں کے بارے میں یا ان سے پیدا شدہ حالات میں کیا صورت ہوگی ؟

ا : نقدی سونا۔ چاندی۔ زیورات اور جواہرات۔

ب : دھات کے سکے (جن میں طلائی، نقرئی اور دوسری دھاتوں کے سکے شامل ہیں) اور کاغذی سکے۔

ج : بینکوں میں بقایا امانت یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی چیزیں لئے ہوئے قرضے اور دیتے ہوئے قرضے مرہونہ جائیداد، اور ایسی جائیداد جو قابلِ ارجاعِ نالش ہو۔

د : عطیات

ه : بیمے کی پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقمیں۔

و : مویشی، شیرخانہ کی مصنوعات، زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل، اور پھول۔

ز : معدنیات۔

ح : برآمد شدہ دفتینہ۔

ط : اثاثہ تدبیر۔

ی : جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد۔

ک : پھل، حوض اور پانی سے نکلنے والی دوسری چیزیں۔

ل : پٹرول۔

م : درآمد، برآمد۔

الجواب

شرائط وجوب زکوٰۃ جو مال کی طرف راجع ہوتے ہیں، باعتبار قواعد کے درج ذیل ہیں۔

- ۱ : شرط اول یہ ہے کہ مال مملوک ہو، وقف کے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔
- ۲ : ملک کا بل ہو یعنی یداً و رقبتہ مملوک ہو۔ پس مال ضمار پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ مال ضمار کی تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ مال کہ جس سے انتفاع حاصل کرنا قدرت سے خارج اگرچہ ملک کے اندر داخل ہے۔ مثلاً بھاگا ہوا غلام، گم شدہ مال وغیرہ۔
- ۳ : مال کا نامی ہونا یعنی سونے چاندی کے سوا میں تجارت اور اسامت کے ذریعہ سے معنی للاستفادہ ہونا۔ یا بلفظ دیگر سونے چاندی کے سوا میں حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔ پس جو مال کہ ضروریات و حاجاتِ اصلیہ میں مشغول ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۴ : حولان حول یعنی سال کا گزر جانا۔ پس اگر کسی کے پاس مال آگیا تو مال حاصل ہوتے ہی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ بعد از سال۔

۵ : نصاب کو پہنچنا۔ شریعت میں کچھ مقدار مقرر ہے۔ جب مال اس مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے ان قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے سوال کا جواب یہ ہے۔

الف : نقدی، سونا، چاندی، زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔ جب کہ مملوک بملک تام ہوں کیونکہ یہ اشیاء خلقۃ مال نامی ہیں۔ البتہ جواہرات مثلاً لعل، یاقوت، زمرد وغیرہ اور موتی اگر تجارت کی نیت سے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور بہ نیت تجارت جب نصاب کو پہنچ جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

» در مختار - ج ۲ - ص ۱۳ - ولا زکوٰۃ فی اللآلی والجواہر

وان ساوت الف الا ان تكون للتجارة اه (حوالہ ۵)

ب : دھات کے تمام سکے سونا چاندی وغیرہا اور نوٹ کاغذی سکے، سب میں زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن سونے اور چاندی میں زکوٰۃ باعتبار وزن کے واجب ہوگی۔ اور باقی سکوں میں باعتبار مالیت۔ یعنی ان کی مالیت اتنی ہو کہ ان کی قیمت نصاب زکوٰۃ کو

پہنچ جائے۔

واذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة و

اذا كان الغالب عليها الفش فهو في حكم العروض

يعتبر اذا تبلى قيمته نصايا - (شرح ہدایہ) - (حوالہ ۶)۔

ج : بینکوں میں جمع شدہ رقوم - بینکوں یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی رقوم اور زیورات ، اور سامان تجارت ، اور ہر وہ مال جو قابلِ زکوٰۃ نہ ہے اور دوسرے مقام میں امانت رکھا ہوا ہے اگرچہ اپنے پاس نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

”لئے ہوئے قرضے ، دیئے ہوئے قرضے“

اس میں یہ تفصیل ہے کہ لیا ہوا قرضہ اگر اتنا ہے کہ اس کے ادا کرنے کے بعد مال نصیب زکوٰۃ کو پہنچ جاتا ہے تو قرضہ کی رقم مستثنیٰ کر کے باقی رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہوگی۔ دیا ہوا قرضہ اگر قابلِ وصول ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

اور اگر ایک شخص ایسا ہے جس نے قرضہ دیا ہوا ہے اور کسی سے خود لینا بھی ہے۔ تو اس صورت میں اس کے لئے ہوئے اور دیئے ہوئے قرض کو مستابلہ کرنے کے بعد اگر رقم قابلِ زکوٰۃ حدِ نصاب کو پہنچنے والی بن سکتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی وگرنہ نہیں۔

مرہونہ جائیداد (تنازع فیہ جائیداد الخ)۔

جائیداد دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو بغرضِ تجارت نہ ہو بلکہ بغرضِ سکنی ہو یا کرایہ پر دے رکھی ہو۔ اور دوسری وہ جو بغرضِ تجارت ہو۔ یعنی ایک شخص جو زمینوں کا کاروبار کرتا ہے۔ خرید کرتا ہے ، پھر نفع پر فروخت کرتا رہتا ہے۔ اس کی زمین بغرضِ تجارت ہے تو وہ جائیداد جو بغرضِ تجارت ہے اس کی قیمت اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جو جائیداد بغرضِ تجارت نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

في الدر المختار ولا ثياب البدن واثاث المنزل ودور

السكنى ونحوها۔ قوله ونحوها كشياب البدن الغير

المتحاج اليها وكالحوانيت والعقارات - (ج ۲ ص ۷) (حوالہ ۷)

البتہ مرہونہ جائیداد اگر تجارتی ہے تو اس قرضہ کو منہا کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس میں

زکوٰۃ واجب ہوگی۔

د عطایات سرکاری یا غیر سرکاری اگر نقود کی قسم سے ہوں تو بعد حوالان حول کے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اور اگر اراضی اور جاگیر کی قسم سے ہوں تو بغیر نیت تجارت زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور اگر عرض اور سامان کی قسم سے ہوں جیسا کہ جہیز میں عورتوں کو دیا جاتا ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

ليس خف دور السكنى و ثياب البدن و اثاث المنزل و دواب
الركوب و عبيد الخدمة و سلاح الاستعمال زكوة۔

(شرح الہدایۃ - ج ۲ ص ۱۶۹) (حوالہ ۸)

ھ بیمہ کمپنی میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے جو اصل رقم ہے اور جو رقم سود کے، کمپنی کی طرف سے ملتی ہے وہ حرام ہے۔ اس کو لے کر اپنے استعمال میں بھی لانا جائز نہیں اور نہ اس پر زکوٰۃ ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ پراویڈنٹ فنڈ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ وہ جو کہ تنخواہ سے کاٹ کر ہر ماہ سرکار کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کے اس حصہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ

نہیں اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جو کہ گورنمنٹ اپنی طرف سے ملازم کو عطا کرتی ہے۔ وہ عطیات کے حکم میں ہے۔ عطیہ اور ہبہ بغیر قبض کے تام نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ملازم کے ملک میں تب آئے گا جب کہ اس کا قبض ہوگا۔ جب پراویڈنٹ فنڈ وصول ہوگا اس وقت سے اس پر بعد گزرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

و : مویشی شیرخانہ کی مصنوعات زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل۔
ا : واضح رہے کہ مویشی چند قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ جو جنگل میں اس مقصد کے لئے چرائے جاتے ہیں کہ ان کی نسل بڑھے اور دودھ حاصل ہو۔ سو ایسے جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے اور

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ" مؤلف حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ
(مرتب خیر الفتاویٰ)

وہ زکوٰۃ تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ سے مختلف ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔
۲۔ دوسرے وہ مویشی جو بغرض سواری، بار برداری اور گوشت حاصل کرنے کے لئے پالے جاتے ہیں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۳۔ تیسرے وہ مویشی جو تجارت اور خرید و فروخت کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اس طریق سے جو کہ مال تجارت میں ہوتی ہے۔ $\frac{1}{4}$ حصہ ان کے قیمت سے ادا کرے۔

اما صفة نصاب السائمة فله صفات منها ان يكون معدا للاسامة وهو ان يسميها للدِّرِّ والنسل لما ذكرنا ان مال الزكوة هو المال الناحي وهو المعد للاستعمال والنماء في الحيوانات بالاسامة اذ بها يحصل النسل ويزداد المال فان اسيمت للحمل او الركوب او اللحم فلا زكوة فيها ولو اسيمت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة۔
(بدائع ج ۲ ص ۳، حوالہ ۹)

شیر خانہ کی مصنوعات اگر شیر خانہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے دودھ، مکھن، بالائی اور دودھ کی مصنوعات، مٹھائیوں وغیرہ کی تجارت کی جائے تو اس میں یقیناً زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بوجہ مال نامی اور معد للتجارة ہونے کے۔

زرعی پیداوار مع اناج سبزیوں اور پھل واضح رہے کہ عشری زمین سے جو پیداوار ہو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور اس زکوٰۃ

کو عرفِ شرع میں "عشر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے یہاں اس قدر بیان کافی ہوگا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے یا پانی مفت ہے مگر کنوئیں کے پانی سے کھینچ کر آبپاشی کرتا ہے تو اس صورت میں کل پیداوار کا $\frac{1}{4}$ حصہ دینا واجب ہے۔

اور اگر بارش کے پانی سے آبپاشی کرتا ہے تو اس صورت میں $\frac{1}{4}$ حصہ دینا واجب ہے یہ عشر اناج، ساگ، ترکاری، پھل، پھول، میوہ وغیرہ ہر چیز میں واجب ہے۔ چاہے

پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ۔ مثلاً دسلس من سے ایک من اور دسلس سیر سے ایک سیر۔

معدنیات واضح رہے کہ معدنیات دو قسم کے ہوتے ہیں مستجمد (جماد)۔ مائع (پہنے والے)،

پھر مستجمد دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو گلانے پھلانے سے گل پھل جائے۔ اس قسم

میں سونا، چاندی، لوہا، قلعی پتیل وغیرہ آجاتے ہیں۔ اسے اصطلاح میں «مایذوب بالاذابۃ»

کہتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو گلانے اور پھلانے سے نہیں گلتے۔ اس قسم میں یا قوت۔ بلور، عقیق

زمرد۔ فیروزہ، سرمہ، ہڑتال، چونہ ہیں انہیں «مالایذوب بالاذابۃ» کہتے ہیں۔

مائع کے ذیل میں تیل مٹی، پٹرول وغیرہ جو زمین سے برآمد ہوتے ہیں، داخل ہوجاتے ہیں

احکام حکم قسم اول یعنی مستجمد «مایذوب بالاذابۃ» سونا، چاندی، لوہا

وغیرہ اگر یہ معدنیات دارالاسلام میں ارضی غیر منسلوکہ کے اندر برآمد ہوں تو برآمد کرنے والا تمام

اخراجات کان کھدائی وغیرہ کے ادا کرے گا۔ اور برآمد شدہ سے بغیر منہا کرنے مصارف

کھدائی وغیرہ کے صرف پانچواں حصہ شرعی بیت المال کو دینا ہوگا۔ باقی چار حصے پانے والے

کے ہوتے ہیں۔ اس میں سے وہ ماہرین زمین معسومات اور مزدوروں کے اخراجات ادا

کرے گا اور باقی سے خود منتفع ہوگا۔ اس برآمد شدہ مال میں مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔ چار

حصے جس طرح مسلمان لے سکتا ہے، غیر مسلم بھی لے سکتا ہے۔ لیکن ایک غیر منسلک کافر جو کہ امان

لے کر آیا ہے۔ اور اس نے اسلامی ملک کو وطن نہیں بنایا ہوا، اس کو کوئی معدن مل جائے

تو اسے نہیں دی جاسکتی بلکہ تمام برآمد شدہ مال واپس لیا جائے گا۔ اللہ یہ کہ امام المسلمین اس کے

ساتھ معاہدہ کر چکا ہو تو پابندی عہد لازمی ہوگی۔

ب نیز صورت مذکورہ بالا میں سال کا گزرنا، نصاب کا ہونا اور دیگر شرائط زکوٰۃ کا بھی

اعتبار نہیں۔ جو کچھ بھی ازیں قسم کان سے برآمد ہو، قلیل ہو یا کثیر یہ مال بمنزلہ

مال غنیمت قرار دے کر خمس اس مال کا نکالنا لازم ہوگا۔

ج : یہ مال برآمد کنندہ اپنے والدین اور اپنی اولاد، فقراء پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔

د : اگر کان کھودنے والا یا معدنیات کا پانے والا مفلس ہے اور برآمد شدہ مال کے

حصے اس کو کفایت نہیں کرتے تو $\frac{1}{5}$ حصہ اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے۔

حکم قسم دوم : یعنی مستجمد (مالایذوب بالاذابۃ) جیسا کہ سرمہ، بلور، عقیق وغیرہ

یہ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا کوئی خمس اور پانچواں حصہ لازم نہیں۔

حکم قسم سوم مٹی کا تیل وغیرہ مائعات ان تمام چیزوں میں بھی کوئی خمس اور پانچواں حصہ واجب نہیں۔ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا۔ پانہ اگر برآمد ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس میں خمس واجب ہے۔

نوٹ : یہ تمام احکام کتاب "البدائع الصنائع" سے لئے گئے ہیں جو فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے۔

برآمد شدہ دینہ دارالاسلام میں برآمد شدہ دینہ دو قسم کا ہے

۱: الف: جو کسی کو اپنی ملک کو زمین کی کھدائی کرنے سے حاصل ہو۔

۲: ب: جو غیر ملک کو زمین مثلاً پہاڑ، جنگل وغیرہ سے مل جائے۔ پھر یہ دینہ باعستبار علامات بھی دو قسم ہے۔

۱: الف: "ما فیہ علامۃ الاسلام" جس میں اسلامی علامات مثلاً نقش کلمہ طیبہ، مسجد کی تصویر وغیرہ ہو۔

۲: ب: "ما فیہ علامۃ الکفر" جس میں زمانہ کفر کے علامات ہوں۔ بت یا مندر، یا صلیب، نزاری وغیرہ کل چار قسمیں ہو گئیں۔

زمین غیر ملک میں حاصل ہونے والا		زمین ملک سے حاصل ہونے والا	
جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو	جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو
اس کا حکم غنیمت کلمہ ہے۔ لفظ نکال کر پچھلے یا نیوا لا خود لے اور	یہ بمنزلہ لفظ کفر ہے کیوں کہ یہ مال ملک کو	اس کا خمس نکال کر باقی مختص لڑائی الاسلام کو دیا جائے یعنی وہ پہلا پہلا ملک ہو	یہ بھی بمنزلہ لفظ ہے۔
حصہ بیت المال میں داخل کر دے یا خود فقرا پر تقسیم کر دے۔ ویدل علیہ صریحہ	مسلمین سے غنیمت نہیں بن سکتا۔ اور	یہ زمین بادشاہ اسلامی نے تقسیم کی تھی اگر وہ مر گیا ہو تو اسکے وارثوں کو دی جائے اگر وہ	کما یدل علیہ عبارت البدائع
ما قال صاحب المختار ج ۲ ص ۲۷	لفظہ کے نو مسائل	اور اسکے وارث غیر معلوم ہوں تو فقہی مالک	والدر المختار
ومن اصاب رکازاً وسواء ان تصدق بخبر علی المساکین الی قولہ کرکوة	اس کے تحریر کیے جاتے ہیں۔	لدارض فی الاسلام یعنی اس موجودہ مالک پہلا اور اس پہلا جہاں تک جا ہی تحقیق ختم ہو جائے اور اسکے بعد پہلے مالک کا علم نہ ہو	وشرحہ
الاموال الباطنہ۔		تو اسکو دے دیا جائے۔	

یہ چار صورتیں ان ذہینوں کی ہیں جو دارالاسلام میں پائے جائیں اور جو دارالحرب میں پایا جائے۔ اس کی تفصیلات اور ہیں۔ چونکہ وہ نادر الوقوع ہیں اس لئے ان کی تفصیل یہاں درج نہیں کی جاتی۔

مسائل لفظ ۱۔ ”لفظ“ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی غیر محفوظ جگہ پر پڑی ہو۔ اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔

۲۔ اگر اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اٹھالینا بہتر ہے۔

۳۔ ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اٹھانا مباح ہے۔

۴۔ اس نیت سے اٹھانا کہ خود استعمال کریں گے حرام ہے۔ اس طرح اٹھانے میں ضمان واجب ہے۔

۵۔ اٹھاتے وقت گواہ بنانا اپنے آپ کو ضمان سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔ اگر گواہ نہ بنائے تو حجب تک مالک تصدیق نہ کرے ضمان سے نہیں بچ سکتا۔ گواہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں کھڑا ہو کر اعلان کر دے کہ میرے پاس مال لفظ موجود ہے جس کا سامان گم ہوا ہو اسے میری طرف روانہ کیا جائے۔

۶۔ اٹھانے کے بعد اس مال کی تشہیر کرنا ضروری ہے۔ مساجد کے دروازوں اور عام جموں میں بھی اعلان کرنا ضروری ہے۔

۷۔ ”دس درہم“ (تقریباً اڑھائی روپیہ) اور اس سے زائد کی مالیت کے لئے ایک سال تعریف کی جائے۔

۸۔ تین درہم سے دس درہم تک، ایک ماہ تک۔ ایک درہم سے تین درہم تک، ایک ہفتہ۔ اور اس سے کمترین ایک دن۔ اور ایک پیسہ پانے کی صورت میں ادھر ادھر دیکھ کر فقیر کو دے دینا کافی ہے۔

۹۔ بعد تعریف کے اگر مالک نہ ملے، تو فقرا پر خرچ کر دے۔ اگر خود فقیر ہو تو اپنے اوپر بھی صرف کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بعد میں مالک آگیا تو واپس کرنا لازم ہوگا۔

آثار قدیمہ واضح رہے کہ آثار قدیمہ سے مراد اگر پرانے کھنڈرات ہیں تو ان پر کوئی چیز حجب نہیں ہے اور نہ اس کا کتابوں میں مستقل کوئی ذکر آتا ہے۔ البتہ اگر ان سے

نوٹ: دس درہم سے مراد دو تولے ساڑھے سات ماٹھے چاندی کی مالیت مراد ہے جس دور میں اسکی جو بھی قیمت ہو (مرتب خیر الفادی)

کچھ مال و متاع برآمد ہو تو اس کا حکم " برآمد شدہ دینہ " کے ذیل میں آچکا ہے۔
جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد شہد کے اندر چاہے وہ جنگلی مکھی کا ہو یا پالتو مکھی کا عشرہ واجب ہے بشرطیکہ زمین عشری سے برآمد ہو۔ اگر شہد زمین خراجی سے برآمد ہو اس میں عشر واجب نہیں۔

ثم انما يجب العشر في العسل اذا كان في ارض العشر فاما اذا كان في ارض الخراج فلا شيء فيه - (بدائع - ج ۲ ص ۶۲)۔
 جنگلی اور پالتو مکھی کے اندر فرق تتبع روایات سے معلوم نہیں ہوتا، دونوں میں عشر واجب ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک شہد کے اندر دیگر زروع و ثمار کی طرح نصاب شرط نہیں، قلیل و کثیر میں عشر واجب ہے۔

مچھلی، موتی اور پانی سے نکلنے والی دوسری اشیاء

ان اشیاء میں جو سمندر سے برآمد ہوتی ہیں۔ مثلاً موتی، مونگا، عنبر وغیرہ ان پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اسی طرح مچھلی بھی از قبیم شکار ہے اس میں بھی کوئی عشر یا خمس واجب نہیں۔
 فاما المستخرج من البحر كاللؤلؤ والمرجان والعنبر وكل حلية تستخرج من البحر فلا شيء فيه في قول ابی حنیفہؒ
 ومحَمَّد وهو للواحد وعند ابی يوسف فيہ الخمس۔

(اشای ج ۲ - ص ۶۸)۔

پٹرول اس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ پٹرول، مٹی کا تیل اور ہر وہ چیز جو زمین سے نکلے اور وہ مائع (بجئے والی) ہو وہ بالکل پانے والے کے لئے ہوتی ہے اس میں کوئی خمس وغیرہ نہیں۔

واما المائع كالقير والنفط فلا شيء فيه ويكون للواحد لانه ماء وانما لا يقصد بالاستيلاء فلم يكن في يد الكفار حتى يكون من الغنائم فلا يجب فيه الخمس
 (بدائع ج ۲ - ص ۶۷)۔

درآمد، برآمد مال کی درآمد اور برآمد پر جو ڈیوٹی اور ٹیکس موجودہ زمانہ میں حکومتوں کی طرف سے لگایا جاتا ہے۔ اس کی نظیر ہمیں شریعت میں نہیں ملتی۔ اور نہ

اس کے جواز کے لئے کوئی ثبوت ہاتھ میں آتا ہے۔ البتہ کتب فقہ میں یہ ملتا ہے۔

۱ : اگر اس کا مالک مسلمان ہے تو اس سے ۱/۵ حصہ بطور زکوٰۃ وصول کر لیا جائے اور اسے مصارف زکوٰۃ پر خرچ کیا جائے۔ اس کے مال سے اس سال کی زکوٰۃ ساقط ہو ہو جائے گی۔

ب : اگر اس کا مالک ذمی ہے تو اس سے ۱/۵ حصہ وصول کیا جائے۔ اگرچہ اس لینے میں شرائط زکوٰۃ کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ لیکن اس کا صرف مصارف خراج پر ہوگا۔

ج : اگر اس کا مالک حربی ہے تو اس سے وہی ٹیکس لینا چاہیئے جو کہ وہ ہمارے سلم تجارت سے لیتے ہوں۔ اگر ۱/۵ لیں تو ہم بھی ۱/۵ لے سکتے ہیں۔ اگر وہ ۱/۵ لیں تو ہمیں بھی یہی لینا چاہیئے۔ اگر ان کے متعلق علم نہ ہو سکے تو ۱/۵ وصول کر لیا جائے۔

(بدائع : ج ۲ : ص ۳۸)۔

جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ مایامت وہی ہیں گے جو ابتداء اسلام میں تھے

سوال ۹ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی کیا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے ان کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا ؟ اگر کوئی اضافہ یا تبدیلی کی تو کن اصولوں پر؟

آنحضرت علیہ السلام کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی، حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی انہی املاک پر زکوٰۃ کو عائد کیا۔ اور ان کے علاوہ دیگر

چیزوں کی طرف تجاوز نہیں کیا۔ اور یہ حضرات اس معاملہ میں اپنی رائے سے دخل دے بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے یہ کوئی ٹیکس نہیں ہے کہ جس کے اندر زمانہ اور مصلحت کے لحاظ سے تبدیلی اور تغیر ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ یتیم کے مال پر نہیں۔ جو املاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ مستثنیٰ تھیں حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی مستثنیٰ رہیں۔

راج الوقت سکوں کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل

سوال ۱ : کیا بیکل کے سکوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے راج الوقت سکوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟ جو سکے راج نہیں رہے ، جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں ، یا جو دوسرے ملکوں کے سکے ہیں ، ان کا بھی اس سلسلہ میں شمار ہونا چاہیے یا نہیں ؟

اس کی مختلف صورتیں ہیں ۔

الجواب

۱ : وہ سکے جن میں سونا چاندی بھی ہے اور دوسری دھات بھی ہے ، لیکن غالب اجزاء سونا اور چاندی ہیں تو اسے سونا اور چاندی تصور کیا جائے گا۔
فی الهدایۃ و اذا کان الغالب علی الورق الفضۃ فہو فی حکم الفضۃ ۔ اھ

۲ : وہ سکے جن میں سونے اور چاندی کی مقدار کم ہے اور دوسرے اجزاء زیادہ ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروج سکے ہیں یا بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ اور اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروج سکے نہیں ہیں اور نیت تجارت کی بھی نہیں ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ۔ البتہ ان سکوں میں اگر چاندی مخلوط ہے ، وہ اگر اتنی مقدار کو پہنچ جاتے جو چاندی کا نصاب ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ۔ ” بدائع ص ۱۱ میں ہے ۔

وان کان الغالب هو الغش والفضۃ مغلوبۃ فان كانت اشمانا رائجۃ او کان یسکھا للتجارۃ یتبر قیمتھا فان بلغت قیمتھا مائتی درہم من ادنی الدراہم التی تجب فیہا الزکوۃ وہی التی الغالب علیہا الفضۃ تجب فیہا الزکوۃ والا فلا وان لم تکن اشمانا رائجۃ ولا معدۃ للتجارۃ فلا زکوۃ فیہا الا ان یکون ما فیہا من الفضۃ یتبع مائتی درہم بان

كانت كبيرة لان الصفر لا تجب فيه الزكاة الابنية
التجارة - (بدائع - ج ۲ - ص ۱۷۱) -

۳ : وہ سکے جو خالص پتیل، تانبے قلعی وغیرہ دھاتوں کے ہیں ان میں سونے چاندی
کی بالکل ملاوٹ نہیں ان کی دو صورتیں ہیں۔

ا : عرف اور اصطلاح میں مروج سکے ہیں اور لین دین میں کام آتے ہیں۔

ب : اب عرف اور اصطلاح میں مروج سکے نہیں رہے، کسی زمانہ میں تھے۔

قسم اول کا حکم یہ ہے کہ اگر بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر
ان کی قیمت نصاب شرعی چاندی کے برابر ہو جائے۔ یعنی دو سو درہم کو پہنچ جانے تو زکوٰۃ واجب
ہوگی ورنہ نہیں۔

اسی طرح قسم دوم کے سکے بھی عروض کے حکم میں ہیں۔ اگر نیت تجارت کے ساتھ جمع کر رکھے
ہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ حوالہ کے لئے دیکھیں بدائع ج ۱ ص ۱۲۷ -

وكذا روى عن الحسن عن ابي حنيفة فيمن كانت عنده
فلوس او دراهم رصاص او نحاس وممؤهة بحيث
لا يخلص فيها الفضة انها ان كانت للتجارة يعتبر
قيمتها فان بلغت مائتي درهم من الدراهم التي
تغلب فيها الفضة ففيها الزكاة وان لم تكن للتجارة
فلا زكاة فيها لما ذكرنا ان الصفر ونحوه لا تجب
فيها الزكاة ما لم تكن للتجارة الحقوله وان لم تكن
اشمانا رائجة فان كانت سلما للتجارة تعتبر قيمتها
ايضا وان لم تكن للتجارة ففيها الزكاة بقدر ما
فيها من الفضة ان بلغت نمائيا او بالضم الى ما عنده
من مال التجارة -

۴ : نوٹ : ا : جو پاکستانی نوٹ ہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس حیثیت سے نہیں
کہ یہ نوٹ خود مال ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ایک چیک اور سند اور وثیقہ مال ہے

جس شخص کے پاس اتنے نوٹ جمع ہو جائیں جن سے دوسو درہم چاندی حاصل ہو سکتی ہے تو اس مالیت پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

ب : غیر ملکی نوٹ اگر کسی کے پاس جمع ہوں تو ان کو پاکستانی نوٹوں کے ساتھ تبادلہ کر کے یا تبادلہ کا اندازہ کر کے جب دوسو درہم کی مقدار کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

سوال : مال ظاہر اور باطن کی کیا تعریف
ہے ؟ اس سلسلہ میں بنکوں کے اندر جمع شدہ

اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف

رقوم کی کیا حیثیت ہے ؟

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ جو کہ قرآن و حدیث کے ماہر ہیں فرماتے ہیں کہ
الاجوبہ : اموال زکوٰۃ دو قسم ہیں۔ ظاہرہ۔ باطنہ۔

ا : اموال ظاہرہ سے مراد مویشی، اونٹ، بکریاں، گائے وغیرہ ہیں۔ جو جنگل میں چرتے ہیں۔ اور وہ اموال تجارت ہیں جو تجارت کے بلکہ ہیں اور سرکاری شرمعی عامل کے پاس سے گزرتے ہیں۔

ب : اموال باطنہ سے مراد سونا، چاندی اور وہ تجارتی مال ہے جو کہ دوکان یا موضع تجارت میں رکھا ہوا ہو۔ قسم اول کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام اور اس کے نائبوں کو حاصل ہے چند شرائط کے ساتھ، جن کی تفصیل کا اور مقام ہے۔

قسم دوم کی زکوٰۃ ارباب اموال کے سپرد ہے وہ خود ادا کریں۔ اور اگر وہ اپنی زکوٰۃ امام کی طرف لے آئیں تو امام کو قبول کرنے کا اختیار ہے۔

والدلیل علی ذلک ما فی البدائع - ج ۲ - ص ۳۵ -

» اما الاول فمال الزکوٰۃ نوعان ظاہرہ و باطنہ
والمال الذی یمر بہ التاجر علی العاشر و باطنہ
وہو الذهب والفضة و اموال التجارة فی مواضعها
اما الظاہر فللامام و نوابہ و هم المصدقون من
السعاة و العشار و لایة الاخذ _____ ثم قال

بعد اسطر اما المال الباطن الذي يكون في المصر
فقد قال عامة مشايخنا ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم طالب بزكوة و ابوبكر و عمر و طالب و
عثمان و طالب زمانا ولما كثرت اموال الناس و رأى
ان في تتبعها حرجا على الامة و في تفتيشها ضررا بارباب
الاموال فوض الاداء الى اربابها و ذكر امام الهدي
الشيخ ابو منصور الماتريدي السمرقندي رحمه الله
لم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث في مطالبة
المسلمين بزكوة الورق و اموال التجارة ولكن الناس
يعطون ذلك و منهم من كان يحمل ذلك الى الائمة
فيقبلون منه ذلك و لا يسألون احدا عن مبلغ ماله
ولا يطالبونه بذلك و قال في ص ۳۳ لان زكوة الاموال
الباطنة مفوض الى اربابها اذا كانوا يتجرون بها
في المصر - (بدائع) -

اس سلسلہ میں بینک میں جمع شدہ رقوم اموال باطنہ کے ذیل میں
داخل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ رقوم شہروں میں اور مواضع تجارت
میں ہوتی ہیں۔

اور اموال ظاہرہ میں شرط مرد علی العاشر موجود ہے۔ جو یہاں مقصود ہے۔ علاوہ انہی
بینکوں میں جمع شدہ رقوم کی حیثیت امانت علیہ کی ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص کاروبار کسی کے پاس
امانت ہو تو امانت کے اندر ہونا اس کے باطن ہونے میں مغل نہیں۔ لہذا بینکوں میں جمع شدہ
رقوم اموال باطنہ ہیں۔ محلہ بینکوں میں جمع رقوم عرفا امانت کہا گیا ہے۔ حقیقتہً وہ دین ہے۔ (محمد نور، مرتب)

سوال ۱۲: اعراض زکوٰۃ کے لئے
مال نامی سے کیا مراد ہے

مال نامی (نمودیر) کے حدود بیان کیجئے!

کیا صرف مال نامی پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ -

زکوٰۃ کے وجوب کے لئے تقریباً نو شرطیں ہیں۔ بعض شرطیں مالک کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، اور بعض مال کے ساتھ۔

مکلف کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱۔ حریت - ۲۔ اسلام - ۳۔ بلوغ و عقل

مال کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱۔ مال کا نصاب ہونا۔

۲۔ ملک تام ہونا۔

۳۔ مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔

۴۔ مال کا دین سے فارغ ہونا۔

۵۔ حوالانِ حول ہونا۔

۶۔ مال کا نامی ہونا۔

مال کا نامی ہونا ان شرائط میں سے ہے جن کے بغیر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اس کے تفصیل یہ ہے کہ نمو دو قسم ہے۔ نمو حقیقی۔ نمو تقدیری۔

۱۔ نمو حقیقی : وہ ہے جو مویشی اور مال تجارت میں پایا جاتا ہے۔ سال کے بعد حقیقۃً ہوتا ہے۔

بذر لعیہ تو والد و تناسل بڑھ جاتے ہیں۔ اور مال تجارت بھی بوجہ منافع کے حقیقۃً بڑھ جاتا ہے۔

۲۔ نمو تقدیری : وہ ہے کہ مال اس کے پاس یا اس کے نائب (امین، وکیل) کے پاس رکھا ہو۔ اگر وہ چاہے تو استنماء کر سکتا ہے۔ پھر ہر ایک ان میں سے دو قسم پر

ہے۔ خلقی، عملی۔

۱۔ خلقی : وہ ہے جو پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھ دیا ہے جیسا کہ سونا

اور چاندی۔ ان دونوں دھاتوں کو اللہ تعالیٰ نے صفتِ "نماء" کے ساتھ پیدا فرمایا

ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے ساتھ نفع اٹھانا بالاجیان ممکن نہیں، جب تک کہ ان کی فروخت

نہ کی جائے۔ لہذا ان دونوں دھاتوں میں جب "نماء" خلقی ہوا تو ان دونوں میں سے

زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ چاہے نیت تجارت کرے یا نہ کرے۔

۲۔ نماءِ عملی یا فعلی : وہ ہے جو ان دونوں کے ماسواہ باقی تمام اشیاء میں ہوتا ہے

موشیوں میں بہ نیت اسامت ہوتا ہے اور انہی تجارت میں تجارت کی نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔
تنبیہ نیت تجارت و اسامت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب کہ فعل تجارت، اور اسامت کے ساتھ متصل ہو۔ پھر نیت تجارت صراحتہ ہوتی ہے یا دلالتہ۔ صراحتہ کی مثال یہ ہے کہ خرید و فروخت کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ میں اس سامان میں تجارت کروں گا۔ اور دلالتہ یہ ہے کہ خرید کرتے وقت ارادہ کچھ نہ ہو لیکن خرید و فروخت عروضے تجارت میں واقع ہو۔ پس نمو کی چار قسمیں ہو گئیں جن کی وضاحت کے لئے نقشہ ذیل معاینہ فرمادیں۔

نمو حقیقی		نمو تقدیری	
خلقی	عملی	خلقی	عملی
اس کی مثال وہ سونا چاندی ہے جو تجارت میں لگایا گیا ہو اس کا نمو حقیقی ہے کہ تجارت کی وجہ سے حقیقہً بڑھ جاتا ہے اور خلقی بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سونا چاندی کو وصف نما کے ساتھ پیدا فرمایا ہے	اس کی مثال عروض تجارت ہے جو سونا چاندی کے ناموا ہو یا سوائم ان کا نام حقیقی ہوتا ہے لیکن ہمارے ارادہ اور نیت اور عمل تجارت یا اسامت کو اس میں دخل ہوتا ہے۔	سونا چاندی جو تجارت میں مشغول نہیں ہے اس کا نام تقدیری ہوتا ہے یعنی مالک استعمار پر قادر ہے اگر تجارت پر لگا دے۔	سوائم اور عروض تجارت جن کے اندر نیت تجارت یا اسامت تو کر چکا ہے لیکن حقیقہً ابھی تک ناما نہیں ہوا۔

واضح رہے کہ بغیر وصف نما کے مال کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہ تمام مسائل ”فتاویٰ عالمگیری“ سے لئے گئے ہیں۔

کرایہ پردی جانے والی اشیاء کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱۳ : جو مکان، زیورات دوسری چیزیں کرایہ پردی جائیں ان پر اور ٹمکیں گاڑی موٹر وغیرہ پر زکوٰۃ لگانے کے کیا قاعدے ہیں ؟

الجواب

جو چیز کرایہ پر چلائی جائے مثلاً مکانات ، شامیانے ، دیگیں ، سائیکل ، موٹر گاڑی وغیرہ اسی طرح ملع کے زیورات جو کرایہ پر دینے کے لئے تیار کئے

کئے ہوں ان سب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ ان سب کی آمدنی سے جو سرمایہ جمع ہوگا اس پر بعد حوالان حولی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر ایک شخص ان کو تجارت کے لئے خریدتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ لیکن اگر پھر کرایہ پر دینا شروع کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

البتہ سونے چاندی کے زیورات اگرچہ وہ کرایہ پر بھی دیتے جائیں تب بھی ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ کیونکہ جب استعمال کرنے سے سونے اور چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی تو کرایہ پر دینے کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہو سکتی۔ حوالہ قاضی خان : ج ۱ ص ۲۹۱۔

ولو اشترى الرجل دارا او عبدا للتجارة ثم اجره يخرج من
ان يكون للتجارة لانه لما اجره فقد قصد المنفعة ولو
اشترى قدورا من صفر يمسكها او يواجرها لا تجب
الزكاة -

سوال ۱۷۷ : کسی آدمی کے کن کن مملوکہ جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے ؟ اس سلسلہ میں بھینسوں ، مرغیوں

دوسرے پالتو اور شوقیہ پالے ہوئے جانوروں کی حیثیت کیا ہے ؟ کیا ان کی زکوٰۃ نفی کی شکل میں یا جنس کی صورت میں یا دونوں طرح دی جا سکتی ہے۔ کسی آدمی کے مختلف مملوکہ جانوروں کی کتنی مقدار پر اور کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے ؟

زکوٰۃ تمام جانوروں میں سے صرف مندرجہ ذیل جانوروں پر جمع ان شرائط کے جو درج ذیل ہیں واجب ہوتی ہے۔

الجواب

۱ : اونٹ : ان میں عربی ، بختی ، ہر قسم کے اونٹ داخل ہیں۔

ب : گائے : اس میں بیل ، بھینس سب شامل ہیں۔

ج : بکری : اس میں بھیڑ ، دنبہ ، سب شامل ہیں۔

ان کے ماسواہ اور کسی جانور پر مرغی ، کبوتر ، گدھا وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جن جانوروں

(اونٹ ، گائے ، بکری) پر زکوٰۃ واجب ہے اس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں۔

۱ : ان جانوروں کو جنگل میں چسرایا جاتا ہو۔ اگر گھر میں چرایا جاتا ہے اور چارہ ڈالا جاتا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ پہلی قسم کو ”سامتہ“ اور دوسری قسم کو اصطلاح میں ”علوفہ“ کہتے ہیں۔ اگر یہ صورت ہو کہ سال کے کچھ عرصہ میں گھر کے اندر چارہ ڈال کر چسرایا جاتا ہے۔ اور کچھ حصہ سال میں جنگل کے اندر چرایا جاتا ہے تو اکثر سال کا اعتبار ہوگا۔ اگر اکثر حصہ سال جنگل میں چرتے ہیں، اور تھوڑے دنوں گھر میں تکلیف برداشت کی جاتی ہے تب تو یہ ”سامتہ“ ہیں ورنہ ”علوفہ“۔

فان كانت تسام في بعض السنة وتكلف في البعض فان اسيمت في اكثرها فهي سائمة والا فلا۔ كذا في المحيط عمالمکبیری ج ۱ ص ۲

۲ : ان جانوروں کو جنگل میں چرانا (جسے اصطلاح فقہاء میں ”اسامت“ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) بغرض نسل کشی اور دودھ ہو۔ لہذا جن جانوروں کی اسامت بغرض حمل، رکوب اور گشت ہوگی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ عالمگیری ج ۱ ص ۹۰ میں ہے۔

”حتى لو اسيمت للحمل والركوب لا تلدر والنسل فلا زكوة فيها كذا في محيط السرخسی وكذا لو اسيمت للحمل“

بدائع ج ۲ ص ۳۰ : میں ہے۔

”منها ان يكون معداً للاسامة وهوان يسيمها للدر او النسل لما ذكرنا ان مال الزكوة هو المال النافع وهو المعد للاستنماء والنماء في الحيوان بالاسامة اذ بها يحصل النسل فيزداد المال فان اسيمت للحمل او الركوب او اللحم فلا زكوة فيها ولو اسيمت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة لا زكوة السائمة۔“

۳ : تیسری شرط یہ ہے کہ جنس واحد ہو۔ مثلاً اونٹ اگر ہوں تو پورے نصاب کو پہنچ جائیں اسی طرح اگر گائے ہو تو بھی نصاب کو پہنچ جائے۔ ایک جنس کا نصاب دوسری جنس سے پورا نہ کیا جائے گا۔ بدائع ج ۱ ص ۲۰ میں ہے۔

” ومنها ان يكون الجنس فيه واحدا من الابل والبقر“ (ص ۲۶)۔

زکوٰۃ کے اندر جانور بھی دیا جاسکتا ہے اور نقد رقم بھی دی جاسکتی ہے۔

” واداء القيمة اداء مال مطلق مقدار بقيمة المنصوص عليه

بنية الزكوة فيجزئه الى قوله بخلاف الهدايا والضحايا

لان الواجب فيها اراقة الدم ۱۵ - (بدائع - ج ۲ - ص ۲۶)۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کے لئے نصاب کم از کم پانچ مقرر ہے۔ پانچ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اس کے بعد جب اونٹوں کی تعداد بڑھتی جاتے تو زکوٰۃ کی مقدار بھی بڑھتی جاتی ہے۔ زیادہ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

بکریوں کی زکوٰۃ کے لئے کم از کم تعداد شریعت میں چالیس مقرر ہے۔ اس سے کم تعداد میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ جب بکریاں چالیس کی مقدار کو پہنچ جائیں تو ان میں سے ایک بکری متوسط درجہ کی واجب ہو جاتی ہے۔

گائے بیل بھینس کے لئے نصاب مقررہ تیس ہے۔ جب ان کی تعداد تیس ہو جائے تو ان میں ایک بچھڑا جس کی عمر ایک سال ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، دینا لازم ہے۔ اسے اصطلاح میں تبیع کہتے ہیں۔

سوال ۱۵ : جن مختلف سامانوں اور چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان پر

کس مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی

زکوٰۃ کس شرع سے لی جائے ؟

جانوروں کے متعلق ابھی ابھی تحریر ہو چکا ہے۔ سونا چاندی، اموال

الجواب

تجارت پر ۱/۲ زرعی پیداوار پر بعض حالات میں ۱/۴ اور بعض حالات

میں ۱/۲ واجب ہوتا ہے۔ اور ”معا دن“ وغیرہ میں ۱/۴ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کو شرح زکوٰۃ میں تبدیلی کی اجازت نہیں

سوال ۱۶ : خلفاء راشدین کے دور میں نقدی، سکوں، مویشیوں، سامان تجارت

زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے ؟ اگر ایسا ہو تو سند کے ساتھ تفصیلی

الْحَلَالُ

ہمارے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے کہ حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مقادیرِ زکوٰۃ میں اپنی رائے سے تبدیلی کی ہو۔ بلکہ مقادیر

سب انحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ ہیں۔ فخمس ذود من الابل شاة۔

اور ازیں قسم جو مقادیر اس باب میں ہیں سماعی ہیں ان میں کوئی قیاسی نہیں۔ جس طرح کہ تعداد رکعات فرض وغیرہ سب منقولات سے ہیں۔ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے نہ کہ از قسم ٹیکس و خراج۔ اس لئے اس میں سیاسی مصلح کو اور اپنی رائے کو دخل نہیں۔ حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شرح زکوٰۃ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

دوسرے درہم رائج الوقت سکہ کے لحاظ سے کتنے بنتے ہیں

سوال ۱۷ : نقی کی صورت میں اگر زکوٰۃ دو سو لقرنی درہم اور بنس طلاق مشقال میں واجب ہو تو یہ سیکھ کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہوں گے۔ اناج کی صورت میں در صاع و دسق پاکستان کے مختلف علاقوں میں کن مروجہ اوزان کے برابر ہوں گے ؟

الْحَلَالُ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز "بہشتی زکوٰۃ" کے اندر ارشاد فرماتے ہیں کہ "دو سو درہم کا وزن روپیوں کے حساب سے

للعص ۲ رتی چاندی۔ اور مچھ، رتی بھر سونا بنس مشقال سونے کا وزن ہوتا ہے۔ اور صاع کا وزن استی تولہ کے سیر سے تین سیر، نو چھٹانک ہوتا ہے۔ اور ایک دسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک دسق میں پانچ سو تیرہ سیر بارہ چھٹانک وزن لگے گا۔

نصاب اور مقدار واجب میں تبدیلی کا حکم

سوال ۱۸ : کیا موجودہ حالات کے پیش نظر نصاب (دہ کم از کم سرمایہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) اور زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ؟ اس مسئلے پر اپنے خیالات دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

الجواب

موجودہ حالات اور ماضیہ مستقبلہ : حالات میں بھی کوئی وجہ نہ ہو
ان نصابہائے زکوٰۃ اور شرح میں تبدیلی کی پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب
یہ ایک تعبدی تشریحی حکم ہے، کوئی سیاسی اور سببی مصلحت نہیں تو اس میں تبدیلی کیسی؟

کتنی مدت گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال ۱۹ : مختلف اثاثوں اور سامانوں پر کتنی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے؟
جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور جن پر نہیں ان کی شرح مدت تفصیل
سے گزر چکی ہے۔

الجواب

سال میں چوبیس بار یا اڑھائی جاہیں ہر پیدوار سے عشر دیا جائے

سوال ۲۰ : اگر ایک سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ ادا
کی جائے یا ہر فصل پر؟

الجواب

حولان حول یعنی سال گزرنے کی شرط زرعی پیداوار کے علاوہ اور چیزوں کے
سلسلہ ہے۔ زرعی پیداوار تو جب بھی اٹھائی جائے گی اس وقت اس کے
زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔ اگر سال میں دو مرتبہ پیداوار اٹھائی جائے تو دو دفعہ عشر
دینا ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ وَاَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ " الایۃ

زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی

سوال ۲۱ : زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہونی چاہئے یا شمسی سال
کے حساب سے؟ کیا زکوٰۃ کی تشخیص اور وصولی کے لئے کوئی مہینہ مقرر ہونا چاہئے؟

الجواب

زکوٰۃ اور دیگر امور کے اندر مثلاً خیاب بلوغ وغیرہ میں قمری سال کا اعتبار ہے
زکوٰۃ کا وجوب بھی قمری سال سے ہوگا۔ جس دن سے ایک شخص نصاب مالک
ہوتا ہے۔ اس دن سے قمری سال پیدا کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہو جائے گی اور سال میں کوئی
خاص مہینہ زکوٰۃ کے لئے مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ زکوٰۃ کا وجوب ملک نصاب سے ہوتا ہے

جب غنا کے لئے اور ملک نصاب کے لئے کوئی ماہ مقرر نہیں تو وجوب ادا کے لئے تعیین ماہ کیسے کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سال کے مختلف حصوں میں زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔

مصارف زکوٰۃ کی تفصیل

سوال ۲۲ : زکوٰۃ کی قسم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہیئے ؟

زکوٰۃ کے لئے مندرجہ ذیل مصارف ہیں۔

الجواب

۱ :- فقیر : اصطلاح شریعت میں فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہے لیکن اتنا نہیں کہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے۔ یا اتنا مال و اسباب ہے کہ اس کی مالیت نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتی ہے لیکن وہ حاجتِ اصلیہ کے ساتھ مشغول ہے تو ایسی صورت میں یہ شخص فقیر ہی رہے گا۔ اور مستحق زکوٰۃ ہو سکے گا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۶) مثلاً ایک شخص کے لئے رہنے کا گھر اور پہننے کے لئے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر چاکر اور گھر کا اثاثہ جو اکثر کام میں آتا ہے، موجود ہے۔ لیکن ان چیزوں کے علاوہ کوئی نقدی رقم جو نصاب کو پہنچے یا زیور جو نصاب کو پہنچ جائے، نہیں ہے۔ یا سہے لیکن قرض کے ساتھ مشغول ہے۔ ایسی صورت میں یہ شخص اصطلاحاً فقیر ہے۔

لا بأس ان يعطى من الزكاة من له سكن وما يتأثت به

في منزله وخادم وفروس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم

لاھلہ - (شامح ۱ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

۲ : مسکین : اصطلاح شریعت میں ”مسکین“ اُسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہیں ہے

جس کی وجہ سے وہ مانگ کر کھاتا ہے۔ یہ شخص فقیر سے زیادہ محتاج اور مفلوک الحال ہوتا ہے۔

ومنہا المسکین وهو من لا شيء له فيحتاج الى المسئلة

لقوته او ما يوارى بدنه ويحل له ذلك بخلاف الاول

حيث لا تحل له المسئلة فانها لا تحل لمن يملك قوت

يومه بعد ستره بدنه كذا في الفتح -

(عالمگیری ج ۱ ص ۹۶)۔

۳ : « عامل » : اصطلاح فقہاء میں « عاملین » انہیں کہتے ہیں جن کو امام نے بغرض وصول صدقات و عشر مقرر کیا ہو۔ ایسے شخص کو ان ہی صدقات میں سے تنہیں وہ وصول کر کے لاتا ہے بقدر کفایت دیا جائے گا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۶)۔

متعلقات : ۱ : ۱ : واضح رہے کہ فقیر اور مسکین کا استحقاق بحیثیت حاجت ہے اور عامل کا استحقاق بحیثیت عمالہ ہے۔ لہذا عامل اگر غنی ہو تو بھی دینا درست ہے۔

ب : عامل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بحیثیت عمالہ ہے۔ اس قید سے واضح ہو جانا چاہئے کہ جو کچھ اسے ملتا ہے یہ اجرت نہیں کیوں کہ اجرت میں بھالت مفید عقد ہوتی ہے۔ یہاں بھالت مضر نہیں ہوتی۔ امام اس کی ضروریات کو مد نظر رکھ کے اسی زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ نکال کر دے دیتا ہے جو کہ اسے کافی ہو جائے۔ لیکن اگر اس کی ضروریات اتنی زیادہ ہوں جو اس کی وصول کردہ تمام زکوٰۃ کو محیط ہو جائیں تو اس صورت میں نصف سے زائد نہ دیا جائے گا۔ (عالمگیری نقلاً عن البحر ص ۷۶)

ج : عامل کو جو کچھ دیا جائے گا اس کی وصول کردہ زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس کی دھول کردہ زکوٰۃ ضائع ہو گئی تو اس کی عمالہ بھی ضائع ہو جائے گی۔

۴ : نکت الرقاب : چوتھا مصرف زکوٰۃ « نکت رقاب » ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی ایسے غلام کی امداد کی جائے جس نے اپنے مولیٰ کے ساتھ عقد کتابت کیا ہوا ہے۔ اور روپیہ جمع کر کے اپنے مولیٰ کو دے کر اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ سو ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اگرچہ وہ غنی ہو۔ کیوں کہ اس کا غنی مشغول بالحاجت ہے۔

ومنہا الرقاب۔ هم المكاتبون و يعاونون في فلق

رقابهم كذا في محيط السرخسی و يجوز الدفع الخ

مکاتب غنی علم بذلك اولو يعلم كذا في العالمگیری

ج ۱ ص ۹۶۔

۵ : الغارمین : غارمین غارم کی جمع ہے۔ اصطلاح میں غارم اسے کہتے ہیں جس پر قرضہ کا بوجھ ہو اور وہ نصاب کا مالک نہ ہو، یا نصاب کا مالک تو ہے لیکن وہ نصاب قرض کے اندر مشغول ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۶)

۶ : فی سبیل اللہ : اس کی تفسیر میں ”صاحب بدائع“ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ سے تمام انواع خیر اور بہات عبادت مراد ہیں۔ اس میں حج یا غزوہ کی تخصیص مناسب نہیں۔ لہذا ہر وہ شخص جو طاعت اللہ میں اور وجہ خیر میں کوشش کرنے والا ہو، مثلاً طلباء علوم دینیہ اور مبلغین اسلام کو زکوٰۃ دینی جائز ہے بشرطیکہ محتاج ہوں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فقرائے غزاة ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک منقطع حجاج مراد ہیں۔

۷ : دابن سبیل : وہ مسافر جس کا سفر میں زاد راہ ختم ہو گیا۔ اگرچہ وطن میں مال موجود ہے اور غنی رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ فی الحال یہ فقیر ہے لہذا اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے سوال ۲۳ : قرآن حکیم میں جن مختلف مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کی حدود بیان کیجئے۔ بالخصوص اصطلاح فی سبیل اللہ کے معنی و مفہوم کی وضاحت کیجئے۔

سوال نمبر ۲۲ : میں مصارف دریافت کئے گئے تھے اس کے جواب میں آیت شریفہ ”انما الصدقات للفقراء الاثیۃ کے اندر جو تحقیق اور ان کے انواع مذکور ہیں۔ ہم نے ان کی تشریح کر دی ہے بحمد اللہ تعالیٰ۔ اب دو امر باقی ہیں۔ ”مؤلفۃ القلوب“ جو قرآن میں مذکور ہے مگر ہم نے مصارف میں نہیں لکھا، اور ”فی سبیل اللہ“ کی وضاحت۔

”مؤلفۃ القلوب“ : یہ رؤساء قریش میں چند وجاہت والے لوگ تھے جیسے ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن وغیرہ ان لوگوں کو شان و شوکت حاصل تھی اور ان کے اتباع کثیر تھے۔ بعض ان میں سے حقیقتہً اسلام لے آئے تھے اور بعض علی وجہ النفاق مسلمان ہو چکے تھے۔ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات میں سے کچھ حصہ دیتے تھے تاکہ اسلام میں مضبوط ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکثر حضرات ان میں سے نخلص مسلمان بن گئے۔

صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ نے پہلی تربہ مال مجھے عطا فرمایا تو آپؐ میرے نزدیک انبغض الناس تھے پھر آپؐ مجھے ہمیشہ دیتے رہے جتنی کہ آپؐ میرے نزدیک محبوب ترین خلائق ہو گئے۔

یہ حصہ مولفۃ القلوب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک تھا۔ بعد وفات آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا حصہ ساقط ہو گیا۔ چنانچہ خلافت صدیقی میں یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک فرمان لکھوا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لائے کہ ”ہمیں زکوٰۃ دی جائے“ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خط لیکر پھاڑ دیا۔ اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ لوگوں کو دینا تطیب قلب کے لئے تھا تاکہ تم لوگ سلام پہنچے رہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سلام کو قوت اور شوکت عطا فرمائی ہے۔ اگر اسلام پر قائم رہو گے تو فہما، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ اس بات کو سن کر یہ لوگ واپس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ خلیفہ آپ ہیں یا حضرت عمرؓ؟ تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”ان شاء ہو“ یہ جملہ فرما کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل کی تصویب فرمائی۔ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر متفق ہو گئے۔ اس طرح یہ اجماع قائم ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ سقوط سہم از باب انتہاء الحکم بانتهاء العلة ہے۔

بعض احکام ایسے ہوتے ہیں جو کسی علت کے ساتھ معلول ہوتے ہیں اور معلق ہوتے ہیں جب علت ختم ہو جائے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس چیمین کی معرفت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم کو تھی۔

فی سبیل اللہ فی سبیل اللہ کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے مراد فقیر غازی و مجاہد ہے۔ کیونکہ سبیل اللہ کا اطلاق عرف شرع میں جہاں بھی آیا ہے اس سے مراد یہی ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو حج کو گیا لیکن بوجہ اتلاف زاد راہ منقطع ہو گیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کے راہ میں وقف کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس پر حاجی کو سوار کرو۔

لیکن ”صاحب بدائع“ فرماتے ہیں کہ اس کو عام رکھنا مناسب ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کے دین کے لئے سعی کرتا ہے اور عبادات میں سرگرم رہتا ہے، مثلاً طلباء علوم دینیہ اور مبلغین دین۔ اگر یہ محتاج ہوں تو ان کو دینا فی سبیل اللہ ہو گا۔

مصارفِ زکوٰۃ میں کسی ایک مصرف کو بھی ساری زکوٰۃ دے سکتے ہیں !

سوال ۲۴ : کیا یہ لازمی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا ایک حصہ ان مصارف میں سے ہر ایک مصرف پر خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا جائے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ یا زکوٰۃ کی پوری رقم قرآن مجید میں بتائے ہوئے تمام مصارف پر خرچ کرنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک یا چند مصارف میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے ؟

الحاجہ مالک نصاب پر یہ پابندی نہیں کہ وہ تمام مصارفِ مذکورہ فی القرآن پر زکوٰۃ صرف کرے۔ ویسے بھی اس پابندی میں سخت حرج اور تنگی ہے۔ بلکہ حکم شرعی جو سنت اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے وہ تقسیم اور اختیار ہے۔ اگر چاہے تو ان تمام صنف پر برابر تقسیم کرے یا کسی بیشی کے ساتھ یا مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض مصارف کو ترجیح دے اور دوسرے بعض میں خرچ نہ کرے۔

”بدائع“ ج ۲ - ص ۲۶ - میں ہے۔ ”ولو صرف الى واحد من هذه الاصناف يجوز عند اصحابنا“

تعریفِ غنی جسکے ہوتے ہوئے زکوٰۃ لینا منع ہے نیز ساداتِ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال ۲۵ : مستحقینِ زکوٰۃ کے ہر طبقے میں کسی فرد کو کن حالات میں زکوٰۃ لینے کا حق پہنچتا ہے۔ پاکستان کے مختلف حصوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان کی روشنی میں اسے امر کی وضاحت کی جائے کہ ”سیدوں، بنی ہاشم“ سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو زکوٰۃ لینے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے ؟

الحاجہ مصارفِ زکوٰۃ کے ضمن میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ آٹھ قسموں میں سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ”مؤلفۃ القلوب“ کا سہم ساقط ہو چکا ہے باجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ باقی سات قسمیں جو مذکور ہیں ان میں سے عالمین کے ماسواہ باقی اقسام کو زکوٰۃ کا استحقاق بحالتِ فقر و احتیاج ہے۔ عالمین کا استحقاق بوجہ عمالہ ہے، غنی ہونے کے باوجود لے سکتے ہیں۔

- ۱ : اِنَّا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ ، بِحَالَتِ فَقْرٍ لے سکتا ہے نہ بحالتِ غنی۔
- ۲ : وَالْمَسَاكِينِ ، بِحَالَتِ فَقْرٍ لے سکتا ہے نہ بحالتِ غنی۔
- ۳ : وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا ، بِحَالَتِ غْنٰی بھی لے سکتا ہے۔
- ۴ : وَالْمَوْلَفَةَ قُلُوبِهِمْ ، ساقط ہو گیا۔
- ۵ : وَفِي الرِّقَابِ ، مکاتیب بحالتِ فقر لے سکتا ہے۔ یہ اگر غنی ہو جائے تب بھی فقیر ہی رہتا ہے جب تک بدل کتابت ادا نہ کر دے یا بدل کتابت سے زائد رقم نہ جمع ہو جائے۔
- ۶ : وَالْفَارِیْنَ ، بحالتِ فقر۔
- ۷ : وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، بحالتِ فقر۔
- ۸ : وَابْنِ السَّبِيلِ ، بحالتِ فقر۔

فائدہ متعلق استحقاقِ زکوٰۃ کن حالات میں ہوتا ہے ؟
 واضح رہے کہ ہمارے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ غنی تین قسم پر ہے۔

- ۱ : ایک غنی وہ ہے جس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حاجاتِ صلیہ سے زائد دوسو درہم نقد یا کسی نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہو۔
- ۲ : دوسرا غنی وہ ہے کہ جس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ؛ لیکن صدقہ لینا حرام ہے اور اس صورت میں صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایسے اموال کا مالک ہو جو نامی نہیں ہیں۔ اور ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن وہ اس کی ضرورت سے زائد ہیں اور دوسو درہم کی مقدار کو پہنچ جاتے ہیں مثلاً میزیں ، کرسیاں ، فرش و مکانات ، نوکر چاکر ، مال مویشی موجود ہیں جو قدر حاجت سے زائد ہیں ، لیکن تجارت کے لئے نہیں ہیں۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ تو واجب نہ ہوگی لیکن صدقہ اور زکوٰۃ لینا حرام ہوگا۔

- ۳ : تیسرا غنی وہ ہے کہ سوال کرنا اب بھی حرام ہے لیکن اگر بغیر سوال کے زکوٰۃ و صدقہ مل جائے تو لے لینا جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہے اور پہننے کا کپڑا بھی ہے تو ایسی صورت میں سوال کرنا ٹھیک نہیں۔ ہاں اگر کوئی حالات

پر واقف ہو کر از خود دے دے تو لینا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔

لما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال من سأل الناس عن ظهر غنی فانما یتحکثر من جہنم قیل یا رسول اللہ وما ظہر الغناء قال ان یعلم ان عنده ما یغدیہم ویعشیہم اھ (هذا کله من البدائع)۔

بنی ہاشم۔ اس سے مراد مندرجہ ذیل افراد ہیں۔ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، اولاد حارث بن عبدالمطلب۔ ان تمام حضرات کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اگرچہ فقراء اور حاجت مند ہوں۔ اسی طرح ان کے ازاد کردہ غلام کے لئے بھی زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ وجہ حرمت ان کی عظمت اور رفعتِ شان ہے۔ درحقیقت زکوٰۃ مطہر مال ہوتی ہے۔ مال کے اندر سے ہر قسم کا خبث اور شبہات وغیرہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اور زکوٰۃ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کپڑوں کو دھونے کے بعد میل کچیل والا پانی۔ جیسا کہ وہ پینے کے قابل نہیں ہوتا ایسے ہی یہ مال زکوٰۃ درحقیقت اس قابل نہیں کہ استعمال کیا جائے لیکن فقراء کے لئے بوجہ ضرورت اجازت دی گئی ہے۔ مگر بنی ہاشم کو باوجود حاجت کے بھی اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے عوض خمس غنائم مقرر کیا گیا ہے جو کہ اطیب و اطہر ہے۔ پاکستان کے حالات بحمد اللہ اچھے ہیں اقتصادی حیثیت سے کسی قسم کی مشکلات پاکستان کو درپیش نہیں۔ جس کی بناء پر ایسی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ سادات بنی ہاشم کے لئے دوسرے ذرائع مسدود کر کے زکوٰۃ کے کھلنے پر مجبور کیا جائے۔

زکوٰۃ افراد کو دینی ضروری ہے یا اداروں کو بھی دے سکتے ہیں

سوال ۲۶: کیا زکوٰۃ صرف افراد کو دی جاتی ہے یا اداروں کو (مثلاً تعلیمی اداروں، یتیم خانوں اور محتاج خانوں) کو بھی دی جاسکتی ہے۔

در اصل زکوٰۃ کے مصارف تو وہی ہیں جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ اب جو تعلیمی ادارے یا یتیم خانے وغیرہ ان مصارف پر خرچ کرتے ہیں۔ ان سے کو بحیثیتِ وکالت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کو مستحقین پر تملیک کے بعد خرچ کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دینی درس گاہیں جن میں طلباء علوم عربیہ کی تعلیم پاتے ہیں مستند ہیں اور صحیح مصروف ہیں۔ کالج اور قومی اسکول جو کہ عام طور پر سرکاری امداد اور طلباء کی فیس پر گزارہ کرتے ہیں یہ چند اسے استحقاق نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان میں تعلیم پانے والے عام طور پر اغنیاء میں جو تعلیم کے مصارف کے علاوہ فیس وغیرہ ادا کرنے پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ یہ چیز عمومی حالات کے پیش نظر لکھی گئی ہے اگر خصوصیت کے ساتھ بعض اسکول اور کالج ایسے پائے جاتے ہیں جن میں مستحقین تعلیم پاتے ہیں تو ان اداروں میں بھی دینا جائز ہوگا۔ بشرطیکہ ارباب اہتمام اس رقم کو مصرف شرعی میں بعد از تمیک خرچ کریں۔

سوال ۲۷ : کیا زکوٰۃ کی رقم میں سے مستحق زکوٰۃ بطور گزارہ الاؤنس دینے کا حکم

غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور ان لوگوں کو جو اچا ہج یا ضعیف ہونے کی وجہ سے روزی کمانے سے معذور ہوں، ہجر بھری پنشن کے طور پر گزارہ الاؤنس دیا جاسکتا ہے ؟

الجواب : ان مستحقین کو جو حرج حاجت اور فقر کے دیا جاسکتا ہے۔ یکمشت دیں یا ماہوار لیکن ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱ : زکوٰۃ میں قبض و تمیک ضروری ہے۔ اس لئے زکوٰۃ میں نقد رقم یا جنس ہی دی جاسکتی ہے نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ دی جائے تو ضروری ہے کہ وہ نوٹ کے بدلے میں کوئی چیز وغیرہ خرید کر اس پر قابض ہو جائے۔

ب : اس امر کی خبر گیری ضروری ہوگی کہ وہ مستحقین جن کو گزارہ الاؤنس مل رہا ہے ان کا استحقاق دائمی ہو، انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کسی وقت تنگ دستی، کسی وقت فراخ دستی، اگر کسی وقت ان کو غنی حاصل ہو گیا تو پھر ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مال زکوٰۃ کو عرف عامہ میں لگانے کا حکم

سوال ۲۸ : کیا زکوٰۃ کی رقم رفاہ عامہ

کے کاموں مثلاً مسجدوں، ہسپتالوں، پٹرکوں، پلوں، کنوؤں اور تالابوں وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کی جاسکتی ہے ؟ جس سے برآمدی بلا لحاظ مذہب و ملت فائدہ اٹھاسکے۔

الجواب ان تمام مذاات میں جن کا سوال میں ذکر ہے زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی۔ اگر ان مذاات میں خرچ کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ مصارف میں سب سے پہلے ان کا ذکر فرماتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے۔ مگر آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا **خذها من اغنياءهم وردها على فقرائهم**۔ اغنياء سے وصول کر کے فقراء پر خرچ کرنے کا حکم دیا تاکہ نظام معیشت ٹھیک رہے۔ انما الصدقات للفقراء میں جو لام ہے یہ تلمیح کے لئے ہے جو اشارہ کرتا ہے اس بات کی طرف کہ زکوٰۃ ایسے مصارف پر صرف کی جائے جو تملک پر قادر ہوں اور زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے تلمیح ہو۔

زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دینے کا حکم سوال ۲۹: کیا زکوٰۃ کی رقم کسی شخص کو قرضہ حسنہ یا قرض بلا سود کے طور پر دی جاسکتی ہے؟

الجواب زکوٰۃ کی رقم جب کسی دیکل کے حوالہ کی جائے تاکہ وہ اسے کسی فقیر یا مستحق پر صرف کر دے تو اسے اجازت نہیں کہ وہ اس رقم کو ادھار کے اندر لگا دے کیونکہ یہ رقم اس کے پاس امانت ہے اور امانت میں کسی قسم کا تصرف ٹھیک نہیں۔

ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ کے فقراء کو دینے کا حکم

سوال ۳۰: کیا یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے، اسی میں صرف کی جائے۔ یا اس علاقہ سے باہر یا پاکستان سے باہر تالیف قلوب کے لئے یا آفات ارضی و سماوی مثلاً زلزلہ و سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدگان پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک علاقہ کی تعریف کیا ہے؟

الجواب یہ ضروری تو نہیں لیکن بہتر ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے اسے وہاں کے مستحقین پر صرف کیا جائے۔ اگر زکوٰۃ کو دوسرے علاقہ میں حتیٰ کہ پاکستان کے باہر بھیجا جائے جب کہ وہاں ضرورت زیادہ ہو یا حادثہ آسمانی کی وجہ سے مصیبت زدہ لوگ زیادہ حاجت مند ہوں تو جب اتنا ہوگا بشہ طیکہ زکوٰۃ کا روپیہ مسلمان فقراء پر صرف ہو۔

متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم سوال ۳۱ : متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنیکا کیا طریقہ ہونا چاہیئے۔

الجواب واضح رہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جو کہ مکلف کو از خود ادا کرنی لازم ہے۔ اگر ایک شخص زندگی بھر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اور بغیر وصیت کے مر جاتا ہے تو اب یہ شخص بوجہ تارک زکوٰۃ ہونے کے گنہگار ہوگا۔ اور زکوٰۃ اس کے ذمہ سے احکام دنیا میں ساقط ہو جائے گی۔ اس کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ البتہ اگر وہ وصیت کر چکا ہے کہ میرے ذمہ تھے سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے، ادا کی جاوے تو تہائی مال سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔

ایسی تدابیر جن سے لوگ بخوشی زکوٰۃ ادا کرنے لگیں

سوال ۳۲ : ایسی کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے جیل نہ کر سکیں ؟

الجواب سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ حکام اور رعایا قرآن اور اسلام کے دل و جان سے پابند ہوں اور اپنے اندر دینی فکر پیدا کریں۔ اسلام پر صرف قانونی گرفت سے بچنے کے لئے عمل نہ کریں۔ حبیب ایسی زندگی پیدا ہو جائے گی تو پھر انشاء اللہ ضابطوں کی ضرورت نہ رہے گی۔ حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ پہلے اپنے پاس رکھتے ہیں اور پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

وصول زکوٰۃ کا کام وفاقی حکومت کرے یا صوبائی ؟

سوال ۳۳ : زکوٰۃ کی تفصیل اور اس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے یا صوبوں کے ہاتھ میں۔ اگر مرکز جمع کرے تو اس میں صوبوں یا دوسرے علاقوں کے حصے مقرر کرنے کے کیا اصول ہوں۔ ؟

الجواب زکوٰۃ ہمیشہ مرکز میں جمع ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں زکوٰۃ عالمین مدینہ طیبہ میں لے آتے تھے۔ آپ اسے حسب احتیاج لوگوں پر صرف کر دیا کرتے تھے اس میں علاقہ جات اور ان کے حصہ جات کی کوئی تقسیم نہ

تھی۔ اب اگر کچھ ہو سکتا ہے تو ایسا ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کو ایک مرکز میں جمع کر کے بلا لحاظ صوبہ و علاقہ صرف مستحقین پر صرف کی جائے اس قسم کا ناپ تول کرنے کی حاجت نہیں کہ فلاں علاقہ سے اتنی زکوٰۃ وصول ہوئی۔ لہذا اس علاقہ کا یا صوبہ کا اٹنا حصہ متعین کر دیا جائے۔ چاہے وہاں کے باشندوں میں مستحقین کی تعداد نہ ہو یا بالکل کم ہو۔ اس میں بڑی خرابی اور نقصان یہ ہوگا کہ ایک علاقہ کے لوگ باوجود استحقاق کے تنگی میں رہیں گے اور دوسرے علاقہ کے لوگوں کا روپیہ فاضل ہو کر جمع ہوتا رہے گا۔

لہ فیہ نظر لما فی حدیث معاذؓ توؤخذ من اغنیائہم و
تورد فی فقیرائہم اھ و فی کتب الفقہ و کرہ نقلہا اھ
من بلد الی بلد اخر و یکرہ نقل الزکوۃ من بلد الی
بلد و انما تفرق صدقۃ کل فریق فیہم لما روینا
من حدیث معاذؓ اھ (شامیہ - ہدایہ - ج ۱ ص ۱۹۰)۔

وصول زکوٰۃ کے لئے علیحدہ محکمہ قائم کرنا موزوں ہے

سوال ۳۳۱ : آپ کی نظر میں زکوٰۃ کے نظم و نسق کو چلانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ کیا زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے کوئی الگ محکمہ قائم کیا جائے یا حکومت کے موجودہ محکموں میں سے ہی کام لیا جائے؟

الحاجہ : ہماری ناقص رائے میں زکوٰۃ کے نظم و نسق کو چلانے کی بہترین صورت تو یہ ہے کہ پورا نظام خلافت راشدہ کی طرز پر چلایا جائے۔ اگر سب کو چھوڑ کر صرف اس ایک شعبہ کی اصلاح مقصود ہو تو موجودہ حالات میں اس کی جو موزوں صورت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ چند دین دار آدمیوں کی ایک امارت شرعیہ قائم کر دی جائے جس کے قیام و انتخاب کی تمام ذمہ داری حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی جیسے شجرہ متدین عالم پر ڈال دی جائے۔ وہ اس امارت شرعیہ کے افراد کا انتخاب فرمائیں۔ پھر وہ زکوٰۃ کے وصول اور خرچ کے معاملہ پر شرعی نکتہ نظر سے کام کریں۔

سوال ۳۵ : کیا زکوٰۃ کو سرکاری محصول قرار دیا جائے
یا وہ کوئی ایسا محصول ہے کہ حکومت محض اس کی وصولی اور

انتظام کی ذمہ دار ہے ۔ ؟

الجواب
زکوٰۃ ایک عبادت ہے سرکاری محصول نہیں ہے لیکن حکومت جیسا کہ دوسری
عبادات کے سلسلہ میں ذمہ دار ہے

الَّذِينَ اتَّكَفَّوْا فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا

الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ الْآيَةُ

اسی طرح لوگوں سے زکوٰۃ کی عبادت ادا کرنے کی بھی ذمہ دار ہے ۔ حکومت کی ذمہ داری ادا کرنے
عبادات اور علاقے کلمۃ اللہ ہے ۔ حکومت زکوٰۃ کی ادائیگی کرانے اور بخرچ چلانے کی ذمہ دار ہے
لیکن ٹیکس و محصول کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبادت کی حیثیت سے ۔ یعنی لوگوں کو مجبور کیا جائے
گا کہ وہ زکوٰۃ کی عبادت کو ادا کریں اور ترک نہ کریں ۔ اس سلسلہ میں اولین ذمہ داری نماز کی ہے
جو اہم العبادات ہے حکومت اس کی زیادہ ذمہ دار ہے ۔ کہ کوئی مسلمان ملک میں بے نماز نہ
ہو ۔ بعد ازاں کوئی بے زکوٰۃ نہ ہو ۔

دورِ خیر لہٰذا میں جبراً کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا

سوال ۳۶ : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفائے راشدین رض
کے دورِ حکومت میں اغراضِ عامہ کے کاموں کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی سرکاری محصول وصول
کیا گیا ہے ۔ اگر کیا گیا ہے تو وہ کیا تھا ؟

الجواب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے زمانہ میں فضا ۔ ایسی بن گئی تھی کہ محصول عائد کرنے کی ضرورت ہی پیش

نہیں آتی ۔ آپ کے زمانہ میں تو صورت یہ تھی کہ جب بھی کوئی حاجت پیش آتی تھی تو آپ مسلمانوں
کو جمع فرما کر ذکر کر دیتے تھے پھر ہر شخص اپنی اپنی ہمت اور بساط سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا ۔
اور حضراتِ خلفائے راشدین رض کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر کسبِ اطاعتِ خدا و رسول بہت فتوحات
عطا کیں اور اس کثرت سے اموال و غنائم آئے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے ۔ ان لئے ہمیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضراتِ خلفاء رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کوئی ٹیکس نظر نہیں آتا جو جبراً وصول کیا گیا ہو۔

زکوٰۃ کی وصولی کا طریقہ : سوال ۳۷ : اسلامی ملکوں میں زکوٰۃ کی وصولی اور انتظام کرنے کا کیا طریقہ تھا؟ اور اب کیا ہے؟

الجواب : ابتداء اسلام میں تو یہی طریقہ تھا کہ عاملین آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جاتے تھے اور لوگوں سے اموال ظاہر کی زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتے تھے۔ پھر بیت المال سے مستحقین پر صرف کی جاتی تھی۔ یہ نظام حضراتِ خلفاء رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی رہا ہے۔ اس کے بعد یہ نظام بگڑ گیا۔ اب موجودہ اسلامی ملکوں کا کوئی خاص نظام ہماری نظر میں نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی وصولی حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں کی جاتی ہے

سوال ۳۸ : کیا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا انتظام صرف حکومت کے پاس رہنا چاہیے یا کوئی مجلس اُمّت مقرر ہو کر اس کا انتظام حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں ہونا چاہیے؟

الجواب : زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ خلیفہ کا کام ہے اور خلیفہ کے ساتھ اربابِ حل و عقد اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اب موجودہ زمانہ میں چونکہ وہ صورت نہیں ہے لہذا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کی حکومت کو وہ صورت اختیار کرنی چاہیے جو ”سوال نمبر ۳۴“ کے جواب میں عرض کی گئی ہے۔

عمال زکوٰۃ کو اموال زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کا حکم

سوال ۳۹ : زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے جو عملہ رکھا جائے ان کی تنخواہیں، الاؤنس، پنشن، پراویڈنٹ فنڈ اور شرائط ملازمت کیا ہیں؟

الجواب : اگر زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام وہی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا، تب تو یہی صورت ہوگی کہ عامل کو بطورِ عمالہ اسی کی وصول

کردہ زکوٰۃ سے بقدر کفایت دیا جائے گا۔ مگر ”قدر کفایت“ کا لفظ قابل غور ہے اگر قدر کفایت وصول شدہ سے بڑھنے لگے تو نصف سے زائد دینا جائز نہیں۔ کما فی البحر الرائق وقد ذکرناہ من قبل۔

اور اگر زکوٰۃ کی وصولی کا کوئی اور نظم قائم کیا جائے تو اس عاجز کے خیال میں زکوٰۃ وصول کرنے والے عملہ کو دوسرے سرکاری فنڈز سے تنخواہ، الاؤنس اور پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ دینا چاہئے یا اس کو امارت شریعیہ کی رائے پر چھوڑ دینا چاہئے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان۔ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

جواب صواب ہے

عبد الشکور غفرلہ مدرس مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان

بقلم احقر عزیز الرحمن عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان۔



ائمہ مساجد کو بطور تنخواہ اور غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

عامۃ الناس ائمہ مساجد کو صدقات واجبہ کے علاوہ کچھ اور دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اگر ائمہ مساجد یہ نہ لیں تو مساجد دیران ہو جائیں گی۔ کیا ذیل کی عبارات ثقلیہ و دلائل عقلیہ سے اس اشد ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ائمہ مساجد پر صدقات واجبہ کے جواز کا استدلال کیا جاسکتا ہے؟ اور ائمہ مساجد میں غنی اور مفلس کا فرق ہے یا نہیں؟ کیوں کہ لوجہ اللہ امامت کوئی نہیں کرتا بحق الخدمت غنی اور مفلس امام دونوں لیتے ہیں۔

واذا عینوا لا ما مهم شیئاً من الاوقات والصدقات والهدایا

وغیرہا الزمہم ادا کثہا - (نقل از سلطان الفقہ : ج ۲) -

اور علامہ ابن جیون کی کتاب " وجیز " ص ۲۲ پر ہے -

و اگر بظاہر نہ گفتہ اند بوقت نصب و تقریر بطریقہ رسم و رواج و عادت بلاد خود اور امام کہ دند پس دریں صورت ہم حصہ مرسومہ آن بلاد برایشان ادا کردن برائے امام خود واجب است - لان المعروف کامل شرط ۱۱ " (سلطان الفقہ : ج ۲ ، ص ۴۱) -

والعاشرفیعطی ولو غنیا لا ہاشمیا لانہ فرغ نفسه لهذا العمل فیحتاج الی الکفایۃ والغنی لا یمنع من تناولہا عند الحاجة کابن السبیل وبهذا التعلیل یقوی مانسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسه لافادۃ العلم واستفادۃ لہ لہجۃ عن الکسب والحاجة داعیۃ الی مالا یدمنہ -

علماء متقدمین کے نزدیک تعلیم قرآن ، امامت ، اذان و تدریس کتب دین پر اجرت لینا حرام تھا مگر متاخرین نے دیکھا کہ بقول شاعر

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر

مدت سے اسے دور زمان میٹ رہا ہے

تو تنخواہ لے کر یہ سب امور کرنے جائز قرار دیئے -

ایسے ہی سادات بنی ہاشم پر صدقات واجبہ کو حرام قرار دیا گیا مگر عجیب دیکھا گیا کہ وہ بوجہ افلاس در یوزہ گری کر رہے ہیں تو علمائے متاخرین نے جائز قرار دے دیا -

ایسے ہی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ائمہ مساجد کے لئے صدقات واجبہ کو جائز قرار دیا جائے - اس لئے کتب معتبرہ و فتاویٰ مستندہ مثل فتاویٰ اشرفیہ ، عزیز یہ ، نظامیہ امدادیہ ، بحر الرائق ، فتح القدیر ، شامی ، روح البیان ، بیان القرآن ، سے استنباط کر کے اس اشد ضرورت کو پورا کر دیا جائے -

مقبول احمد ، ایبٹ آباد ، ہزارہ -



الجب

اگر کوئی امام مسجد مفلس و نادار اور مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کو زکوٰۃ، اور
 حرم قربانی بحیثیت مفلس و مصرف ہونے کے دینے جائز ہیں۔ بحیثیت
 تنخواہ دینا جائز نہیں۔ فتاویٰ امدادیہ : ج ۱ : ص ۱۶۸۔ میں ہے۔ قربانی کی کھال کے متعلق
 لکھتے ہیں۔

” اور چونکہ صدقہ واجب ہے اس لئے اس کے مصارف مثل مصارف زکوٰۃ

کے ہیں۔ مدرسین کی تنخواہ میں ان کا صرف کرنا جائز نہیں “

اور اگر امام مسجد مال دار ہے تو اسے زکوٰۃ اور چرمہائے قربانی کی رقوم دینا کسی صورت
 میں ٹھیک نہیں۔ نہ بطریق مصرف ہونے کے اور نہ بطریق اجرت و تنخواہ۔ استفتاء کے اندر
 جو نقول اور حوالہ جات پیش کئے ہیں اور المسماہ ساجد کو زکوٰۃ کے جواز کے لئے جو قیاس عامل
 ہاشمی پر کیا گیا، ٹھیک نہیں سب غلطی ہے۔ کاسبتین۔

طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگر وہ فقیر اور حاجت مند ہو۔ اسی طرح ”ابن اسبیل“
 کے لئے بھی یہی شرط ہے۔ وهو كل من لا مال له كما في الشاھی۔
 غنی طالب علم کے لئے اگرچہ بعض علماء نے زکوٰۃ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور علامہ شامی نے اس
 قول کو نقل کیا ہے مگر وہ قول مرجوح اور غیر معتمد ہے۔

در مختار میں نقل ہے۔ ان طالب العلمو يجوز له اخذ الزکوۃ۔ ۱ھ

یہ قول غیر معتمد ہے اس پر فتویٰ دینا یا اس پر قیاس کرنا جائز نہیں۔

قال في الطحاوی وهذا نوع مخالف لا یتعلق به الحرمة

في الغنی ولو يعتمد ۱ھ۔

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں۔ ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ قول یہی ہے۔ وہ روایت
 جس میں ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا گیا ہے وہ روایت ابو عصمہ کی ابو حنیفہ سے ہے جو
 کہ نوادر کی روایت ہے۔ یہ روایت غیر مفتی بہ ہے۔

در مختار میں ہے۔

ظاهر المذهب اطلاق المنع ۱ھ فقول العینی والہاشمی

يجوز له دفع زکوۃ لمثلہ صوابہ لا يجوز۔ الخ۔

تفصیل کے لئے دیکھئے "فتاویٰ مولانا محمدالحی صاحب رحمہ"۔

عامل کو جو زکوٰۃ دی جاتی ہے وہ بحیثیتِ عمالہ کے ہے نہ بوجہ فقر کے اس لئے غنی کو دینا جائز ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عامل کو زکوٰۃ دینا بوجہ نص کے ہے اور علت اس کی عمالہ ہے۔ اس پر کسی مدرس کو قیاس کرنا جائز نہیں۔ وجیز اور سلطان الفقہ کی عبارت اس بات پر مطلقاً دلالت نہیں کرتی کہ ائمہ مساجد کو زکوٰۃ و صدقات تنخواہ میں اور بعض حق امامت دینے جائیں۔ بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں نے وقف میں سے یا صدقات اور ہدایا میں سے امام کے لئے کچھ رقم مقرر کی ہو تو اس رقم کا ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ اجارہ ہے اور اجارہ میں اجرت ادا کرنا واجب ہے۔ صدقات سے مراد ہدایا اور صدقات نافلہ لئے جائیں گے۔ جیسا کہ آگے ہدایا کا لفظ دلالت کرتا ہے نہ کہ صدقات واجبہ۔ تاکہ یہ روایت دوسری روایتوں کے موافق ہو جائے۔ اور متاخرین نے جو مقتدین کے خلاف فتوے دیے ہیں وہ اسی چیز میں ہے کہ متقدمین کے نزدیک استیجار علی الطاعات جائز نہیں تھا۔ متاخرین نے طاعت پر جائز قرار دیا نہ کہ زکوٰۃ میں سے ان کو دینا جائز قرار دیا۔

البتہ اگر ضرورت شدیدہ ہو تو تسلیم شرعی کے بعد دیئے جاسکتے ہیں جس کا طریقہ

زبانی دریافت کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۲/۲/۱۳۶۹ھ

ایک مشہور جماعت زکوٰۃ، چرم قربانی وغیرہ طبی امداد کے لئے اکٹھے کرتی ہے

ایک سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینے کا حکم

اور منظم طور پر فراہمی کی جدوجہد کرتی ہے اور بلطائف حیل وصول کرتے ہیں۔ اس جماعت کے ارکان چاہتے ہیں کہ ان ذرائع سے سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے۔ اور ان مدات میں جو کچھ بھی ہو وصول کر کے یہ لوگ سیاسی مقاصد، مقدمات، الیکشن، سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کو مذکورہ صدقات دینا کیسا ہے؟ اور ان کا یہ استعمال درست ہے یا نہیں؟

الجواب

صدقات واجبہ ، سیاسی مقاصد ، مقدمات ، الیکشن اور سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں میں استعمال کرنے جائز نہیں ۔ جو جماعت ان مصارف پر استعمال کرتی ہو اسے یہ صدقات نہ دیئے جائیں ۔ مدارس دینیہ ان صدقات کا بہترین مصرف ہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۵ / ۴ / ۱۴۰۰ھ

تحقیق کر کے غنی کو زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی

ایک شخص نے کسی غریب رشتہ دار کو زکوٰۃ کا مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دے دی ۔ دوسرے سال معلوم ہوا کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق نہ تھا ۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں ؟
(قاری) محمد رفیع (صاحب) مہتمم مدرسہ تجوید القرآن ، موتی بازار ، لاہور ۔

الجواب
اگر شخص مذکور نے اس رشتہ دار کو پورے غور و خوض کے بعد غریب سمجھا اور زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے ۔ حکما فی الدر المختار ۔ ج ۲ ص ۹۲ ، ۹۳ ۔ علی الشامیۃ ۔ دفع بتحرر لمن یظنہ مصرفا الی قوله وان بان غناہ او کونه ذمیا الی ان قال لا یعید لانه الی بما فی وسعہ اه فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۱۶ / ۱۱ / ۱۴۰۰ھ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

یکل مستحق نے زکوٰۃ کی رقم خود صرف کر لی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

زید نے ایک عربی مدرسہ کے طالب علم بکر کو چالیس روپے زکوٰۃ کے دیئے کہ ان کو اپنے مدرسہ میں داخل کر دو ۔ طالب علم نے اس خیال سے کہ میں بھی غریب اور مصرف زکوٰۃ ہوں اپنے اوپر صرف کر لئے بکر کا یہ فعل بہشتی زیور کی تحریر کے مطابق صحیح معلوم نہیں ہوتا ۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں ؟ اگر

بکر، مالک زید سے اجازت لے لے تو یہ کافی ہو جائے گا یا نہیں ؟ اگر اجازت کافی نہیں تو بکر اپنے پاس سے دے یا نہیں ؟

مولانا عبد المجید مدرس دارالعلوم عید گاہ کبیر والا

فالدراختار، ج ۲، ص ۱۰۰، واللوحیل ان یدفع

لولده الفقید وزوجته لالنفسه الا اذا حال ربها

الجواب

صنعا حیث شئت اھ۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اور اب جب کہ وہ رقم خرچ ہو چکی ہے تو مالک اجازت بھی دے دے تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اور اگر بکر اپنے پاس سے رقم مدرسہ میں دے دے اور زید کو اس کی اطلاع نہ کرے تو بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ البتہ اگر زید کو پوری تفصیل بتلا کر دوبارہ زید سے اجازت حاصل کر کے رقم جمع کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح
غیر محمد عفا اللہ عنہ

عبدالرحمن دستس ایگززمینے

کا مالک ہے اس نے اپنی

مدیون کو زکوٰۃ دینا دوسروں کی نسبت افضل ہے

مملوکہ زمین سو روپیہ سالانہ فی ایکڑ کے حساب سے احمد خان کاشت کار کو اجارہ پر دے دیے یعنی آپس میں طے کیا کہ احمد خان ایک ہزار سالانہ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے عوض عبدالرحمن کو ادا کرے گا۔ معلوم نہیں سالانہ پیداوار زمین کی کم رہی یا احمد خان کے بال بچوں کی کثرت کی وجہ سے وہ ہر سال اجارہ کی پوری رقم ادا کرنے پر قادر نہ ہوتا تھا۔ ہر سال سوڑوڑھ سو اس کے ذمہ باقی رہ جاتا۔ عبدالرحمن بھی وصولی میں سختی نہ کرتا۔ قریباً دستس سال ایسے ہی چلتا رہا۔ میعاد اجارہ پوری ہونے پر زمین اس سے واپس لے لی۔ لیکن مجموعی طور پر احمد خان کے ذمہ نو سو روپے باقی رہے اگر عبدالرحمن اپنے ذمہ واجب شدہ مال کی زکوٰۃ میں سے کچھ رقم اس احمد خان کو جو فقر و مسکنت کی وجہ سے مصرف زکوٰۃ ہے ادا کرے اور پھر اس سے سابقہ قرضہ طلب کر کے وہی رقم اس سے قرضہ میں لے لے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ؟ اشکال کی وجہ یہ ہے جس کی بناء پر فتویٰ حاصل کرنے کیلئے

استغفار بھیجا جا رہا ہے۔

۱۲ اپنی ملوکہ زمین سے عقد اجارہ کے ذریعہ نفع حاصل کرنا اور سالانہ ایک متعین رقم لینا بلاشبہ جائز ہے یا اس میں کوئی شبہ ہے۔ کیا بدلہ اجارہ واجب الاداء دین ہے؟

۱۳ ہر سال رقم اجارہ جو احمد خان کے ذمہ جمع ہوتی رہی تو کیا ہر سال اس سے وصولی نہ کرنا اور نرمی برتنا حکماً ابرار ہو سکتا ہے؟

۱۴ احمد خان بالکل مفلس اور تہی دست ہے یہ قرضہ اس سے کسی صورت وصول نہیں ہو سکتا بالکل ایک سوختہ قرضہ ہے اس لئے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم اسے قلیکاً دے کر پھر واپس لینا ناجائز حیلہ نہ ہو۔ کیوں کہ عبد الرحمن کا مقصد یہ ہے کہ میری جیب سے زکوٰۃ میں کوئی نقد رقم نکل کر نہ جائے اس پر لے قرضہ ہی سے ذمہ داری ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے محض ٹٹلنے والا معاملہ قرار نہ دیں۔

معین الدین، معرفت مفتی سید مایح الدین کا کاخیل۔

صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ اگر عبد الرحمن نقد روپیہ احمد خان کو بہ نیت زکوٰۃ دے دے اور پھر وہی روپیہ اس سے اپنے قرض میں واپس لے لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

لما فی الدر ج ۲ - ص ۱۶ - واعلم ان اداء الدين عن الدين و العين عن العين وعن الدين يجوز و اداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لا يجوز وحيلة الجواز ان يعطى مديونه الفقير زكاة ثم يأخذها عن دينه - ۱ھ -

۱۲ ائمہ اربعہ کے نزدیک زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ نیز دیگر بہت سے فقہاء بھی اسی کے قائل ہیں (حکما فی شرح مسلم للنووی ج ۲ - ص ۱۲) - اور زمین سے انتفاع کے بعد طے شدہ اجرت واجب ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ دیگر سائر دلیلوں - والظاهر من اطلاق المؤلف ان الاجرة تجب باستيفاء المنفعة - (تكملة برہ) ۳ : یہ ابرار نہیں۔

۱۴ یہ حیلہ محض ٹٹلنے والا معاملہ نہیں بلکہ اگر زکوٰۃ دہندہ کی نیت برآۃ ذمہ مديون ہو تو اس

میں زیادہ ثواب ملنے کی امید ہے۔

قال في الاشباه وهو افضل من غيره (الى) لانه يصير
وسيلة الى ابراء ذمته المديونية - فقط والله اعلم -

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

اجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲ / ۸ / ۸۷ / ۱۳

عنی طالب علم کو زکوٰۃ دینے

کے بارے میں راجح قول

ایک مدرسہ ایک انجمن کے تحت چل رہا ہے
اس میں کچھ ایسے طالب علم بھی ہیں جو غنی
ہیں ان کو عشر و زکوٰۃ سے وظیفہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے جیسا کہ شامی نے لکھا ہے
يجوز اخذ الزكوة لطالب علم ولو كان غنيا -

توفقیہاء کرام کے عام قاعدہ لا يجوز الزكوة للغني کا کیا جواب ہے ؟
طالب علم شرعی جس کو غنا حاصل ہو لیکن وہ اپنے آپ کو اکتساب معاش
سے فارغ کر چکا ہو اور افادہ و استفادہ علم میں مشغول ہو تو اسے زکوٰۃ
لینا جائز ہے - شامی ج ۱ ص ۵۹ - میں ہے -

وبهذا التعليل يقوى مانسب الى الواقعات من ان طالب العلم
يجوز له اخذ الزكوة ولو غنيا اذا فرغ نفسه لافادة العلم
واستفادته -

شامی کا یہ قول فقہاء کے عام قاعدہ لا يجوز دفع الزكوة الى الغني کے
مخالف نہیں۔ کیونکہ وہ ایک عام قاعدہ ہے اور یہ ایک استثنائیہ جملہ ہے۔ ہر عموم میں کچھ
کچھ استثنیٰ ہوا کرتے ہیں۔ فقط

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

تنبیہ
حضرات فقہاء کرام نے اگرچہ عنی طالب علم کے لئے اخذ زکوٰۃ کو جائز رکھا ہے لیکن
احتیاط اس میں ہے کہ عنی طالب علموں کے لئے وظیفہ اور کھانا وغیرہ کسی فقیر اور
مستحق کو تملیک کر کے دینا چاہئے۔ کیونکہ علامہ شامی نے دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے

والا وجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخصاً
لجواز سواله من الزكوة وغيرها وان كان متادراً
على الكسب اذ بدونه لا يحل له السؤال - فقط

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

جواب صحیح ہے۔ غنی طالب علم کو بلا تملیک زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے۔

بندہ عبد الرحمن غفرلہ

ہذا ہوا احتیاط و علیہ الاعتماد : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۱۰ محرم ۱۳۶۹ھ



چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دینا افضل ہے
زید کا چھوٹا بھائی نا دار ہے زید سے
زکوٰۃ دے سکتا ہے ؟

الجواب
افضل یہی ہے کہ زید اپنے چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دے۔ والا فضل فی
الزکوة والفطر والنذور الصرف اولاً الى الاخوة
(عالمگیری ج ۱ ص ۹۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۲۱ رجب المرجب ۱۳۷۰ھ



زکوٰۃ حکومت وصول کرے یا لوگ خود ادا کریں
کیا زکوٰۃ کی وصولی حکومت کا فرض
ہے یا اس کو انفرادی طور پر ادا
کیا جاسکتا ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کن وجوہ کی بنا پر انفرادی طور پر
ادا کرنے کا حکم دیا۔ ؟

الجواب
اموال دو قسم پر ہیں۔ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ۔ اول الذکر اموال
کی زکوٰۃ حکومت وصول کر سکتی ہے اور ثانی الذکر اموال کی زکوٰۃ خود مالک
ادا کریں گے۔ کما فی البحر ج ۲ ص ۲۴۹۔

وحاصله ان مال الزکوة نوعان ظاهرة وهو المباشرة

والعمال (الَّذِي يَمْرِبُهُ التَّاجِرُ عَلَى الْعَاشِرِ وَبَاطِنُ وَهُوَ
الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَأَمْوَالُ التَّجَارَةِ فِي مَوَاضِعِهَا أَمَّا الظَّاهِرُ
فَلَا مَالٍ وَفَوَائِدُهُ وَلَا يَتَّخِذُ الْخِزْيَانَةُ

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک
عہد میں سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی حکومت وصول کرتی تھی یا نہیں؟ صاحب بدائع نے شیخ
ابو منصور ماتریدی سے نقل کیا ہے۔

لَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ فِي مَطَايِلِهِ
الْمُسْلِمِينَ بِزَكَاةِ الْوَرَقِ وَأَمْوَالِ التَّجَارَةِ وَلَكِنَّ النَّاسَ
كَانُوا يُعْطَوْنَ ذَلِكَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ يَحْمِلُ ذَلِكَ إِلَى
الْأَثَمَةِ فَيَقْبَلُونَ مِنْهُ ذَلِكَ . (ج ۲ - ص ۲۵ - ۲۶) -

عبارت ہذا سے معلوم ہوا کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ حکومت وصول نہیں کرتی تھی بلکہ اہل اسلام خود
ادا کرتے تھے اور بعض لوگ از خود اپنی زکوٰۃ حکومت کی تحویل میں دے دینے لگے تھے اور حکومت اسے
قبول کر لیتی تھی۔ نیز اس کے وصول کرنے میں حرج اور اضرار بھی ہے کہ لوگوں کی مخفی دولت معلوم کرنے
میں سخت تنگی اور دشواری واقع ہو سکتی ہے۔ اور ممتول افراد کی مالی حیثیت کی شہرت ان کے اموال
کے لئے ایک مستقل خطرہ بھی ہے۔ اسی سلسلہ میں صاحب بدائع نے دوسری رائے نقل کرتے
ہوئے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں۔

وَعَثِمَانُ طَالِبُ زَمَانٍ وَلَمَّا كَثُرَتْ أَمْوَالُ النَّاسِ وَرَأَى أَنَّ
فِي تَتَبُعِهَا حَرْجًا عَلَى الْأُمَّةِ وَفِي تَفْتِيشِهَا ضَرَرًا بَارِبَابِ الْأَمْوَالِ
فَوَضَّحَ الْإِدَاءَ إِلَى أَرْبَابِهَا . (ج ۲ - ص ۳۵) -

ان وجوہ کی بناء پر سونے چاندی کی زکوٰۃ کی ادائیگی خود مالک کے ذمہ طحال دی گئی۔ اور اس
معاملہ کو مالک کی دیانت داری پر چھوڑ دیا گیا۔ کیوں کہ اگر ان اموال کی زکوٰۃ بالضرر حکومت ہی وصول
کرتی تو بھی اسے مالک کی دیانت داری پر لازماً اعتماد کرنا پڑتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ



سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی حقیقی علت زکوٰۃ کا مصرف سادات کو کیوں نہیں ٹھہرایا گیا۔ حالانکہ اسلام میں ذات پات کی تفریق

کا تصور موجود نہیں۔ اور یہ حکم ایک ذات کی برتری ظاہر کرتا ہے۔ دونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟ سادات کو مصرف زکوٰۃ نہ ٹھہرانے کی علت حقیقی حکم خداوندی ہے۔

الحاج

قال عليه السلام يا بني هاشم ان الله حرم عليكم غسالة

الناسب واوساخهم الخ (هداية ج ۱ - ص ۱۸۶)۔

اور اس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ زکوٰۃ مالوں کی میل کچیل ہے۔ قرابت نبوی کے احترام کے پیش نظر انہیں اس کے استعمال سے ممانعت کر دی گئی۔ باقی یہ کہ اس سے سادات کا محترم ہونا سمجھا جاتا ہے۔ سو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ سادات کو رام بالاتفاق محترم ہیں۔ مگر یہ ہندو نہ ذات پات کی تفریق نہیں۔ کیوں کہ اس میں دوسری ذاتوں کو انتہائی حقیر اور ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ برہمن کے ساتھ اچھوت کھانا نہیں کھاسکتے، ان کے مندروں میں نہیں جاسکتے، اچھوت برہمن کے برتن کو ہاتھ لگا دے تو برتن ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ باہمی نکاح نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسلام نے سادات و غیر سادات میں ان سب احکام کو جائز رکھا ہے۔ کہ باہمی رشتہ داریاں بھی جائز ہیں۔ صرف ایک مسئلہ کی بناء پر اس کو ذات پات کی تفریق نہیں کہا جاسکتا۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۸۶/۲/۲۲ھ

صدقات واجبہ سے تیار ہونے والا کھانا مدرس کو ہجرت میں نہیں دے سکتے

مدرسہ میں صدقات واجبہ و غیر واجبہ سے طلباء کا کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ اور مدرسہ میں جو مدرس رکھا گیا ہے اس کو تنخواہ کے ساتھ کھانا بھی مقرر کیا گیا ہے آیا اس کا کھانا مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر صرف صدقات غیر واجبہ سے جو کھانا طلباء کھاتے ہیں۔ مثلاً گھر سے کھانا آتا ہے تو اس صورت میں مدرس کھانا لے سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی: عبد الشکور، مدرس مدرسہ اشاعت العلوم، منڈی چشتیاں، ضلع بہاولنگر۔

الجواب

صدقات واجبہ و غیر واجبہ کے مجموعہ میں سے جو کھانا پکتا ہے۔ اس کا جتنا حصہ ملازم کو تنخواہ میں دیا جائے گا۔ اس کے حصہ تناسب کے برابر زکوٰۃ و صدقہ

واجبہ ادا نہ ہوگا۔ اور اہل مدرسہ کا ذمہ اس کے ساتھ مشغول رہے گا۔ البتہ اگر کھانا قیمتاً لیا جائے اور قیمت پھر تحقیق پر خرچ کر دی جائے اور ان کو دے دی جائے تو کھانا لینے کی گنجائش ہے۔ اور صدقہ غیر واجبہ سے اگر اہل مدرسہ کسی ملازم کو کھانا دے دیں تو جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اجواب صحیح

نائب مفتی خیر الدار اسس ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہ

نوائیٹرار ضی کا مالک نے کوٹہ لے سکتا ہے؟ ایک شخص کے پاس تقریباً ۲ کھڑیاں نو ایکڑ اراضی زرعی، مبلغ ٹوڑھ لاکھ روپے کی ہے۔ اور

اس کی سالانہ آمد مبلغ پانچ ہزار روپے ہے۔ گھر کے سات ۲ کھڑیاں درمی ہیں۔ بقول اس کے اس رقم سے اس کا گزارہ نہیں ہوتا۔ کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔؟ نیز اس کی زمین پر عشر واجب ہوگا؟

امام محمد رحمہ کے نزدیک ایسے شخص کو زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ جب کہ زیورات اور نقدی اس کے پاس نہ ہو۔ اور اگر نہ لے تو بہتر ہے۔ عشر بہر حال اس پر

الجواب

واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۹ / ۱۱ / ۱۴۰۰ ھ

مقروض کو مقدارِ نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں ہمارے ہاں ایک انیس سال کا لڑکا ملازم ہے جو کہ یتیم

ہے۔ یہ لڑکا اسکی بیوہ ماں اور دو بہنیں جن کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ اور ایک بہن جو بیوہ ہے اور چھوٹے بچوں سمیت انہی کے ہاں رہتی ہے۔ ان سب لوگوں نے دہلی گیٹ میں گیلانیوں کی خالی زمین پر جھونپڑی کچی پکی سی ڈال رکھی ہے۔ اب گیلانیوں نے ان کو نوٹس دیا ہے کہ ہم نے اس جگہ پر سکول بنانا ہے۔ لہذا تم لوگ جگہ فارغ کرو۔ ظاہر ہے کہ عنقریب یہ لوگ در بدر ہو جائیں گے۔ از روئے

شرعیات فتوے صادر فرمائیں کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے پچیس ہزار روپے کا مکان ان کو خرید کر کے دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب صورت مسئلہ میں یہ لڑکا اپنے لئے اور اپنی والدہ کے لئے اس مکان کا سودا کرے تو مقروض ہو جانے کے بعد لڑکے اور والدہ کو اتنی رقم دینا درست ہے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱، ۱۳، ۴، ۲۰۳ھ

وکیل نے زکوٰۃ کو مصرف میں استعمال نہیں کیا تو کیسے بری ہوگا ؟

بہتم نے زکوٰۃ کو بغیر شرعی حید کے مختلف مدت میں استعمال کیا تو کیا زکوٰۃ دہندگان کے زکوٰۃ ادا ہوگئی ؟ زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی صورت میں کیا صورت اختیار کی جائے ؟

الجواب زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اصل تو یہ ہے کہ صورت حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اگر اس میں مشکلات ہوں تو اتنی رقم معطین کی طرف سے باقاعدہ تمییک کر کے مدرسہ میں خرچ کر دی جائے۔ ایک قبول کے مطابق گنجائش ہے امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

لکن قد یقال تجزی عن الأمر مطلقاً ببقاء الاذن بالدفع

(شامیہ ج ۲ ص ۱۳۷)

رجل جمع مالا من الناس لينفقہ فی بناء المسجد فانفق تلك الدراهم فی حاجته ثم ردّ بدلها فی نفقة المسجد لا یسعه ان یفعل ذلك فان فعل فان عرف صاحب المال ردّ علیہ او سألہ تجدید الاذن فیہ ان لم یعرف هذا امال استأذن الحاكم ثم ردّ علیہ الا سئل فی الاستحسان ان ینفق مثل ذلك من ماله علی المسجد

فیجوز۔ (ہندیہ ج ۲ ص ۲۵۲) - فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱، ۱۵، ۱، ۱۳۹۶ھ

مہمان کو بہ نیت زکوٰۃ کھانا دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں

زید کے ہاں مہمان آیا۔ اس نے تین دن ضیافت کے بعد زکوٰۃ کی نیت سے کھانا دینا شروع کیا اور اس کے ملک کرتا رہا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں ؟

فلو اطعم یتیماناً یا الزکوٰۃ لا یجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم لانه بالدفع الیہ بنیۃ الزکوٰۃ یملکہ فیصیر کلاً من ملکہ بخلاف ما اذا اطعمہ معہ۔

(شامی ۱ ج ۲ ص ۱۰۷)

جزئیہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیوں کہ یہ اباحت ہے تملیک نہیں۔ اور اگر کھانا اس کو بہ نیت تملیک دے دیا ہے خواہ وہ کھائے، خواہ بیچے۔ تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ الحاصل بصورت تملیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور بصورت اباحت ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۳۹۵/۲/۲ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق غفرلہ

غیر مسلم عامل زکوٰۃ کو زکوٰۃ نہ دی جائے
مصارف زکوٰۃ میں الغائبین علیہا کے متعلق کیا حکم ہے ؟ یہ عاملین کیف ما اتفق مستحق

زکوٰۃ ہیں یا بشرط اسلام ؟ احمد شعیب : امیر مجلس الخطباء : ڈی۔ آئی۔ خان۔

اصل یہی ہے کہ عامل و محصل زکوٰۃ مسلمان ہوں۔ کافر مصرف زکوٰۃ نہیں۔

قال فی الدر ولا تدفع الی ذمی۔ ۱ھ (شامی ۱ ج ۲ ص ۱۰۷)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۰/۴/۹ھ

زکوٰۃ بنام قرض دینے کا حکم
زید نے عمرو سے دس روپے قرض مانگا۔ عمرو نے دس روپے دے دیئے۔ جب زید وہ روپے واپس دینے لگا تو عمرو

نے کہا کہ میں نے تو بہ نیتِ زکوٰۃ دینے تھے اور واقع میں اس نے دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی تھی۔ زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟

الجواب زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ ومن اعطی مسکیناً دراهم و سماہا ہبۃ او قرضاً ونوعی الزکوٰۃ فانہا تجزیہ و هو الاصح۔

(عالمگیری: ج ۲، ص ۸۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المذاہب س ملتان ۸/۲۴/۱۳۸۸ھ



عباسیوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں عباسیوں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

حاجی کرم داد، لوئر بازار سری۔

الجواب بنو عباس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ خواہ رشتہ دار ہوں۔ ان کی دیگر ذرائع سے امداد کی جاوے۔ ولا یدفع الی بنی ہاشم و ہمال علی و

العباس والجعفر وال عقیل وال حارث بن عبد المطلب۔

(عالمگیری: ج ۱، ص ۹۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۲۹ - ۱۰ - ۹۶ ۱۳ ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں غیر مسلم اگر بالکل غریب ہو تو آیا اس کو صدقہ و خیرات یا زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

حافظ حبیب احمد، مکتبہ امدادیہ، ٹی، بی روڈ، ملتان

الجواب صدقات واجبہ (زکوٰۃ و عشر وغیرہ) کے علاوہ دیگر صدقات غیر مسلم کو دیئے جاسکتے ہیں۔ ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی و یدفع الیہ

ما سوی ذلک من الصدقة۔ ھ۔ (ہدایہ - ج ۱، ص ۱۸۷)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ ۴/۱/۱۴۰۰ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



اپنی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے کیا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا درست ہے ؟

الجواب

جائز نہیں ہے۔ لا یصوف الی من بلینہما ولاد۔ اھ۔

در مختار علی الشامیہ : ج ۲، ص ۸۶۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/۹/۱۳۹۶ھ

وکیل نے زکوٰۃ کا پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کر لیا پھر اپنے پاس مستحق کو دیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

زید نے عدا یا کسی مغالطہ کی بناء پر زکوٰۃ کو شرعی حیلہ کے بغیر مدرسہ کی ضروریات یا اپنے ضروریات میں صرف کر لیا۔ پھر اتنی رقم مدرسہ میں داخل کر دی تو کیا زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی؟ جب کہ پیسے مدرسہ میں داخل کر دیئے گئے۔

الجواب

صحیح صورت حال مالکان کو بتلا کر پھر ان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اور اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ بشرطیکہ تلیک کے بعد مدرسہ میں استعمال کی گئی ہو۔

”لکن قد یقال تجزئ عن الأمر مطبقاً لبقاء الاذن بالدفع اھ“

(شامی ج ۲، ص ۱۲۱)۔ رجل جمع مالا من الناس لينفقه في بناء

المسجد فانفق تلك الدراهم في حاجته شرد بدلها في

نفقة المسجد لا يسه انت يفعل ذلك فان فعل فان عرف

صاحب ذلك الحال رد عليه او سأل تجديد الاذن فيه

وان لم يعرف صاحب المال استأذن الحاكم وان

تعذر عليه ذلك رجوت له في الاستحسان ان ينفق مثل ذلك

من ماله على المسجد فيجوز اھ (ہندیہ ج ۲، ص ۲۵۲)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۵/۱۱/۱۳۹۶ھ۔

تعمیر مکان کے لئے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ زید کے پاس تقریباً پانچ ہزار روپے جمع ہیں جو مکان وغیرہ کی تعمیر اور گائے خریدنے کے لئے

جمع کر رکھے ہیں۔ اور زید کے چار چھوٹے بچے، بیوی اور والدہ ہے۔ کیا اس رقم پر حلالان حول کے بعد زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ نیز زید کے بیوی، بچے جو غریب ہیں اگر انہیں اپنے کوئی رشتہ دار زکوٰۃ دیں تو ان کے لئے لینا درست ہوگا جبکہ زکوٰۃ دہندہ کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے۔

الجواب

جب تک نقدی کی شکل میں پیسے موجود ہیں زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لہذا سال کے بعد ادائیگی ضروری ہے۔ اور انشاء اللہ یہ زکوٰۃ ادا کرنا مال میں اضافے کا

سبب بنے گا۔ البتہ آپ کی بیوی اور والدہ وغیرہ زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔ کوئی دوسرا شخص انہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ آپ کے نابالغ بچے آپ کی وجہ سے زکوٰۃ کا مصرف نہیں بن سکتے۔

ولا يجوز دفعها الى ولد الفتي الصغير - ۱۵ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۷)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲/۱۱/۱۴۲۸ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مال خبیث میں زکوٰۃ واجب نہیں ایک شخص بینک میں ملازم ہے اپنی تنخواہ سے کچھ پس انداز کرتا رہا اور یہ رقم نصاب کو پہنچ گئی

اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ مولوی محمد عبداللہ، حاصلی پور قدیم۔

مذکورہ مال نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ یہ سارا مال

الجواب

واجب التصدق ہے۔ فی القیۃ لو کان الخبیث نصاباً لا

یلزمہ الزکوٰۃ لان הכל واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ - ۱۵ - (شامیہ : ج ۲ : ۳۷۳) - فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹/۲/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے ایک آدمی کے پاس ٹریکٹر ہے جو کہ ذریعہ معاش ہے۔ یعنی لوگوں کی زمینوں میں ہل وغیرہ چلا کر

اس کی آمدن حاصل کی جاتی ہے۔ آیا ٹریکٹر کی قیمت خرید پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟
الجواب ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ اس سے جمع شدہ مالیت لصاب کو پہنچ جائے تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ آئے گی۔

” قوله وكذا آلات المحترفين (ای سواء كانت محالاً تستهلك عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد اهـ - شامیۃ : ج ۲ - ص ۱۷۱)۔“

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶/۴/۲۰۰۱ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ میں دینے کے لئے رکھے ہوئے پینسوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں

ایک آدمی کے پاس زکوٰۃ کے اپنے پیسے رکھے ہوئے تھے۔ کسی دوسرے آدمی کو ضرورت ہو تو کیا وہ دستی طور پر اسے دے سکتا ہے۔ یعنی جب وہ واپس کرے گا تو وہ مستحق کو پہنچا دیئے جائیں گے۔ ؟
 حسین علی نقشبندی مدرسہ موسویہ اہل حقان۔

الجواب فقیر کی ملکیت میں پہنچنے سے پہلے یہ اسی کا مال ہے حسب منشاء اس کو صرف کر سکتا ہے۔ ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقیر۔ اهـ۔ (درمختار علی الشامیۃ ج ۲ ص ۱۵)۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۲/۲۰۰۹ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

حکومت جو زکوٰۃ کا پیسہ مدارس کو دیتی ہے وہ لے سکتے ہیں یا نہیں۔

موجودہ حکومت عشر و زکوٰۃ بالجبر وصول کرتی ہے اور عوام کے اندر تقسیم کرتی ہے۔ اور اسے زکوٰۃ کو مدارس عربیہ بھی لے رہے ہیں۔ اور اس میں چند امور قابل غور ہیں۔

کیا زکوٰۃ و عشر فی الحقیقت صحیح ہے ؟ جب کہ یہ سود فائدے سے جدا کیا جاتا ہے۔ اور مالکان

رقم سے اجازت بھی نہیں لی جاتی۔ کیا یہ زکوٰۃ و عشرہ کی رقم پبلک اور مدارس کے لئے حلال ہے یا حرام؟ اور بعض مدارس ملے طیب اور حلال سمجھتے ہیں اور لے لیتے ہیں۔ اور بعض مدارس اس سے اجتناب کرتے ہیں۔

الجواب حکومت کے طریق کار سے قطع نظر جن مدارس یا اصحاب کو یہ رقم جس نام سے دی جاتی ہے وہ اس کے مصرف ہوں تو ان کے لئے لینے کی گنجائش ہے۔
فقط واللہ اعلم : احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔

وکیل نے زکوٰۃ کے پیسے اپنی مستحق بیوی کو دیدیتے تو موکل کی زکوٰۃ ادا ہوگئی!

زید نے خالد کو دس روپے دیئے اور کہا کہ یہ زکوٰۃ کے روپے ہیں کسی مستحق کو دے دو۔ خالد نے سوچا کہ میری بیوی غریب ہے۔ صاحب نصاب نہیں ہے، اس نے وہ دس روپے اپنی بیوی کو دے دینے، آیا زکوٰۃ ادا ہوتی یا نہیں۔ اور خالد گناہگار ہوا یا نہیں؟

۱۲۔ زید کسی مدرسے میں مدرس ہے۔ مکان مدرسہ والوں نے دیا ہے۔ اس مکان میں جو اہل مدرسہ نے دیا ہے زید اس میں رہائش کرتا ہے۔ زید کو کسی نے زکوٰۃ کا روپیہ دیا۔ کہ مدرسہ میں دے دو یا کسی مستحق کو دے دو۔ زید دل میں سوچتا ہے کہ مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کی بجائے اگر اس رقم سے دروازہ خرید کر مکان کو لگا دیا جائے تو مکان چونکہ مدرسہ کا ہے، دروازہ بھی مدرسے کا ہو جائے گا اور مجھے جو تکلیف ہے کہ مکان کا دروازہ نہیں ہے وہ تکلیف بھی رفع ہو جائے گی۔ اگر زید اس زکوٰۃ والی رقم سے دروازہ خرید کر مدرسے کے مکان کو لگا دے تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب ۱۔ زکوٰۃ ادا ہوگئی، خالد گناہگار نہیں ہوگا۔ واللہ وکیل ان یدفع لولده الفقیر وزوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعتها

حيث شئت۔ (شامح ج ۲، ص ۱۵)۔ ۲۔ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ تمییک نہیں پائی گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۸/۳/۱۴۰۹ھ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اپنے مدیون کو زکوٰۃ دے کر پھر قرض میں واپس لینے کا حکم

زید نے بکھرے تقریباً تین چار سال قبل مبلغ تیرہ ہزار روپیہ قرض حسنہ لیا تھا اور جب بکرنے والی سی کا مطالبہ کیا تو وہ کہتا ہے کہ میں جلدی دے دوں گا۔ لیکن اسی دوران میں زید نے ایک پلاٹ اپنی بیوی کے نام خرید کیا۔ کچھ اپنا پیسہ اور کچھ دوستوں سے لے کر، جب مکان بنانے کا مرحلہ آیا تو زید نے کارپوریشن سے پلاٹ گروی رکھ کر سود پر قرض لیا۔ جو تقریباً ساٹھ ہزار کچھ قریب ہے۔ بکرنے جب زید سے اپنے تیرہ ہزار روپے کا مطالبہ کیا تو زید نے اپنی مجبوریاں ظاہر کرنی شروع کر دیں کہ میری اتنی ماہوار تنخواہ ہے۔ میرے گھر کا خرچہ مشکل سے پورا ہوتا ہے۔ بچے سکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور تقریباً دس گیارہ بچے ہیں۔ کیا بکرا اپنی زکوٰۃ میں سے یہ پیسے کاٹ سکتا ہے جب کہ بکرموجودہ قرضہ سے کہیں زیادہ خدا کے فضل سے زکوٰۃ دیتا ہے۔

زید کے مصرف زکوٰۃ ہونے کی صورت میں بکرا اپنی زکوٰۃ زید کو دے سکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک روپے والے نوٹ کی صورت میں زید کو زکوٰۃ دی جائے۔ پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کرلی جائے۔

وحيلة الجواز ان يعطى مديونه الفقير زكوته ثم ياخذها
عن دينه اهـ - (درمختار على الشامية ۱ ج ۲ ص ۷۷) - فقط والله اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

خیال المدارس عثمان ۸/۸/۱۴۰۲ھ

اجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا

برسر روزگار کو زکوٰۃ دینے کا حکم
زید کے پاس کسی قسم کی مالیت کا نصاب نہیں، لیکن برسر روزگار ہے۔ کیا زید کو زکوٰۃ کا پیسہ دیا جاسکتا ہے؟

قاری غلام نبی ممتاز آباد : ملتان

زید کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بیک وقت نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ نہ دی جائے۔

هو فقير وهو من له اقل شيء اى دون نصاب او قدر

نصاب غیر نام مستغرق في الحاجة - ۱ھ (درمختار علی الشامی ج ۲ ص ۵۵)

فقط واللہ اعلم

اسحق محمد النور عفا اللہ عنہ ۱۳۹۹/۱۲/۲۰ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

قومی اتحاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم
آج کل موجودہ تحریک جو کہ قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے چل رہی ہے اس تحریک کے بارے میں علماء نے جہاد کا فتویٰ

دیا ہے کیا اس میں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ۹۔

حاجی محمد حنیف، صدر انجمن تاجران شہر بہاولنگر۔

الجواب
زکوٰۃ و صدقات کا مصرف عام فقرار و مساکین میں جن کی تفصیل قرآن و حدیث اور فقہ میں مذکور ہے۔ قومی اتحاد بہر چند کہ علمبردار جہاد ہے مگر یہ کوئی وجہ استحقاق

زکوٰۃ نہیں ہے۔ زکوٰۃ تب ہی ادا ہوگی جب اس کے مصرف کو دی جائے۔ جب کوئی سیاسی یا دینی جماعت زکوٰۃ و صدقات کی اپیل کرے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس زکوٰۃ کو مصرف تک پہنچا دیں گے۔ ظاہر ہے کہ جلسہ و جلوس کا انتظام اور کارکنان کو تنخواہ مال زکوٰۃ سے نہیں دی جاسکتی۔ البتہ جماعت میں جو فقراء شامل ہوں وہ مستحق زکوٰۃ ہیں۔ ویسے ہی جو زخمی ہوں اور مصرف زکوٰۃ ہوں، ان کی ادویات وغیرہ خرید کہ زکوٰۃ کے مال سے دی جاسکتی ہیں۔

الحاصل اگر کسی جماعت کے مال زکوٰۃ کو اس کے صحیح مصرف تک پہنچانے کا انتظام ہو، اور کارکنان پر اعتماد ہو کہ وہ اس میں سُستی نہیں کریں گے تو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے مگر اس کا اہتمام کم ہوتا ہے۔ « اتوا الزکوٰۃ » کا مطلب صرف جیب سے پیسہ نکال دینا نہیں ہے بلکہ صحیح مصرف تک پہنچا دینا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

اسحق محمد النور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

خیالمدارس سلتان ۱۳۹۹/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں
۱۔ قریشی - ۲۔ ہاشمی خاندان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ۹ ۲۔ اگر لاعلمی سے زکوٰۃ دے

دی گئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب

۱۔ باستثناء بنو لہب، بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے

ولا الى بنی ہاشم الا من ابطل النص قرابۃ و

ہم بنو لہب فتحل لمن اسلم منهم کما تحل لبنی المطلب

ثم ظاہر المذہب المنع ۱ھ۔

شامی میں ہے۔

عبد المطلب اعقب اثنی عشر تصرف الزکاة الى اولاد

کل اذا كانوا مسلمین فقراء الا اولاد عباس و حارث و اولاد

ابی طالب من علی و جعفر و عقیل قہستانی ۱ھ (ج ۲ ص ۹)۔

۲۔ زکوٰۃ ادا ہو گئی مگر علم ہونے کے بعد نہ دے۔

عملا علی روایۃ ابی عصمۃ تسہیلا علی المزکی ۱ھ (امداد المفتیین ص ۱۳)

باستثناء مذکورین قریش کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ

۲۸ / ۳ / ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



ائمہ مساجد کو زکوٰۃ و عشر و صدقۃ الفطر اور حرم

قربانی وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔ عام ماحول عرف

اور خود تجربہ کے پیش نظر چست و اموز پیش خدمت ہیں تاکہ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے تسلی بخش جواب
سے مستفید فرمائیں۔

۱۔ اول یہ کہ روز اول تقرر امام کے وقت ایجاب و قبول صریح بھی حقیقی اجرت کا نام اجرت

نہیں ذکر کیا جاتا۔

۲۔ اگر یہ لوگ زکوٰۃ نہ دیں یا ان میں بعض نہ دیں تو اگرچہ امام کا گزارہ ہوتا ہے مگر امام ان سے

مطالبہ کرتا ہے اور ناراض ہوتا ہے بلکہ جواب دے کر امانت چھوڑ دیتا ہے۔

۳۔ امام اگر اپنے فرائض میں کمی کرے یا نہ کرے جو بہت سارے فرائض ہیں، تو لوگ بھی زکوٰۃ وغیرہ

کچھ نہیں دیتے، بلکہ جواب دے دیتے ہیں

۴۔ بستی کے لوگ اگر کسی اور فقیر یا کسی عالم وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں تو پوچھا کرتے ہیں یا اگر امام کو پتہ

چلتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عوام و خواص کی نظر میں امام فقیر نہیں اس لئے مصرف زکوٰۃ نہیں مگر لوگ اجرت کے طور پر تنخواہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اس صورت میں امام اجرت کے طور پر زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب اور تفصیلی حکم سے مستفید فرمائیں۔

عبد الحفیظ : شریک دورہ حدیث، مدرسہ بکالعلوم
نزد سرایب کسٹم مستونگ روڈ، کوئٹہ، بلوچستان

الجواب

زکوٰۃ کی رقم بطور اجرت امام صاحب کو نہیں دے سکتے۔ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیوں کہ زکوٰۃ کی تعریف یہ ہے۔

تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجہ للہ تعالیٰ : (عالمگیری ص ۸۷)
مال زکوٰۃ بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ دینے والے کی کوئی منفعت اس مال سے متعلق نہ ہو۔ مستاجر ملازم سے اس مال کے عوض منفعت حاصل کر چکا ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

”لو نوى الزکوة بما یدفع المعلم الى الخلیفة ولم یستأجره ان کان الخلیفه بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان ایضا اجزاً والا فلا۔ (رج ۱۷۹)
اس جزیئہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ استیجار کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ نیز حرم قربانی کی قیمت کا حکم زکوٰۃ کی مثل ہے۔ اس قیمت کو ذابح یا قصائی کو بطور اجرت نہیں دے سکتے۔

ہندیہ میں ہے۔ ولا ان یعطى احبوا الجزار والذابح منها۔ (رج ۲ ص ۸۲)۔
الحاصل اگر لوگ امام مسجد کو زکوٰۃ کی رقم بطور تنخواہ کے دیتے ہوں تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ایسے لوگ دوبارہ اپنی زکوٰۃ ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ ۱/۳/۸۰ھ

اجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اندازہ میں غلطی کی وجہ سے مقدار واجب سے زیادہ زکوٰۃ

دے دی تو زائد کو آئندہ سال کے حساب میں شمار کر سکتے ہیں

اگر کوئی شخص اندازے سے زکوٰۃ کاٹے اور بعد میں حساب کرنے پر معلوم ہو کہ سات آٹھ روپے زائد نکال دیئے۔ تو کیا اس زائد مقدار کو اگلے سال کی زکوٰۃ میں شمار کیا جاسکتا ہے ؟

زکوٰۃ سے زائد رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کر سکتے ہیں۔ شامی میں بحوالہ دلو الہاجیہ منقول ہے۔ ولو كان عنده اربعة مائة درهم فادى زکوٰۃ خمس مائة ظاناً انها كذلك كان له ان يحسب الزيادة للسنة الثانية لانه امكن ان يجعل الزيادة تعجيلاً - (ج ۲ ص ۷۸)۔

الجواب

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مقبوض معترف ہو تو زکوٰۃ واجب ہے ایک شخص نے قرضہ لیا اس کا اقرار کرتا رہا۔ آخر چودہ سال گزر گئے۔ مالک پر کتنے سالوں

کی زکوٰۃ لازم ہے ؟

اگر یہ رقم بقدر نصاب ہے تو گزشتہ چودہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔ دفع مقربہ تجب مطلقاً سواء كان ملياً او معسراً۔ (ہندیہ ج ۱ ص ۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ : ۲۲ / ۴ / ۱۳۹۵ھ

ٹپوں میں زکوٰۃ کے وجوہ شبہ کا جواب آپ نے فرمایا ہے کہ نوٹ مال نہیں بلکہ ایک قسم کا چیک اور حوالہ ہے جب

ٹپوں میں زکوٰۃ کے وجوہ شبہ کا جواب

نوٹ مال نہیں تو پھر نوٹوں پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں ؟

ہاں آپ نے لکھا ہے کہ کاغذ کے بدلے حکومت نقد روپیہ ادا کر لے کے لئے تیار ہے ۔ تو پھر یہاں سے معلوم ہوا کہ اصل مال کا جب وہ مالک بنے گا تو پھر اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی ، وگرنہ ہرگز نہیں ۔ کیوں کہ اس کے پاس تو ایک قسم کا چیک ہے اصل مال نہیں ۔ جب اصل مال نہیں تو زکوٰۃ بھی لازم نہیں ۔ ؟

تیسری بات یہ ہے کہ جیسے آپ نے لکھا ہے کہ ” اگر خدا نخواستہ وہ نوٹ فقیر کے ہاتھ سے گم کر گم ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی “

معارض نے اس پر یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ ایک شخص غلہ خرید کر لیتا ہے ۔ وہ نوٹوں کی ایک رقم ادا کرتا ہے مگر گیرندہ جب وصول کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس سے وہ گم ہو جاتے ہیں تو جو شخص رقم ادا کر رہا ہے وہ ابھی قرض دار ہوا ۔ کیوں کہ اصل چیز ادا نہیں کی ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ دہندہ غلہ یا کپڑا وغیرہ بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں ؟

پہلے آپ یہ بتائیں کہ اگر کسی کا کسی پر قرض ہو تو جو قرض میں مال دیا ہوا ہے الحجۃ اس کی مالک پر زکوٰۃ ہے یا نہیں ؟ جب اس میں زکوٰۃ ہے تو نوٹ کا معاملہ تو قرض سے بھی زیادہ اہم ہے ۔ کیونکہ قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بہت سے مقدمات طے کرنے پڑتے ہیں ۔ بلکہ قرض پر قبضہ اختیاری بھی نہیں ، وہ دوسرے کے اختیار میں ہوتا ہے ۔ بخلاف نوٹ کے کہ جب چاہے جس وقت چاہے بینک سے بازار سے ، جہاں سے چاہے نوٹ دے کر مال پر قبضہ کر سکتا ہے ۔

باقی آپ کا جو غلے والا شبہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مشتری بائع کو اصل مال نہیں دیتا بلکہ ایک چیک دیتا ہے اور حکومت کا حوالہ دیتا ہے کہ میرے حکومت کے ذمہ اتنے روپے ہیں تم وصول کر لینا ۔ اور حکومت نے پہلے ہی سے حوالہ قبول کیا ہوا ہے ۔ کیونکہ نوٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اتنے روپے عند المطالبہ سرکاری خزانہ سے دے دیئے جائیں گے ۔ اور جب بائع وہ نوٹ لے لیتا ہے تو یہ بھی گویا اس کو قبول کر لیتا ہے ۔ تو جب حوالہ تام ہو جائے پھر محال کو محیل پر رجوع کا حق نہیں ہوتا ۔

ہاں اس وقت رجوع کا حق ہوتا ہے جب محال علیہ سستی کرے ۔ اور یہاں تو محال علیہ یعنی

حکومت کی طرف سے کوئی سستی نہیں اور بعد حوالہ کے نام ہونے کے محسن دین سے بری ہو جاتا ہے

اذا تمت الحوالة برئ المحيل من الدين بالقبول۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۳۳۳)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ بائع اگر نوٹ گم کر دے تو اس کو دوبارہ مشتری پر رجوع کا حق نہیں۔ اور نہ ہی مشتری اس کا مقروض تصور ہوگا۔ اور زکوٰۃ میں غلہ و کپڑا وغیرہ ادا کرنا جائز ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ	اجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

تنخواہ وصول ہونے سے پہلے نصاب میں شمار نہیں ہوگی

ایک شخص کچھ رقم کا مقروض ہے۔ اس سے کم اس کے پاس نقد موجود ہے۔ لیکن مستاجر پر اس کی تنخواہ واجب ہے۔ کیا اس تنخواہ کو جو مہینہ ختم ہونے سے اس کا حق ہو چکی ہے مستاجر پر قرض شمار کر کے صاحب نصاب ہونے یا نہ ہونے میں یا مقدار زکوٰۃ کا حساب لگانے میں اس کو شمار کیا جائے گا یا نہیں؟

اور کیا جتنے دن مہینے کے گزر گئے ہوں اتنے دن کی تنخواہ کا بھی حساب لگانا چاہیے؟

آفتاب احمد خاں دارنیر المدارس ملتان

تنخواہ بدل منافع ہے اور عبد للتجارت کی اجرت کو دین ضعیف یا متوسط سے قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ایک روایت دین قوی کی بھی ہے۔ (کما فی

الشامیۃ، ج ۲، ص ۵۷۵)۔

لیکن منافع حرکہ مال قرار دینا دشوار ہے لہذا منافع حرکا معاوضہ دین ضعیف میں داخل ہوگا۔ اور دین ضعیف کا حکم بعد قبضہ جب کہ دوسرا مال بھی موجود ہو وہی ہے جو مال مستفاد فی اثناء الحول کا ہے۔ کما فی الشامیۃ، ج ۲، ص ۵۷۵۔

وهذا كله اذا لم يكن له مال غير الدين فان كان له غير

ما قبض فهو كالفايدة فيضم اليه

پس صورت مسئلہ میں اختتام سال پر تنخواہ کو وصول شدہ تصور کرتے ہوئے نصاب کی تکمیل کا اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ تاوقتیکہ وصول نہ ہو جائے۔ البتہ بعد الوصول دوسرے مال کو ملا کر فوراً نصاب شمار ہو گا۔ سبب کہ دوسرا مال موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۳۸۲/۹/۱۲ھ

پاکستانی دو سو روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں علمائے حیرال نے سونا چاندی نہ ہونے کی صورت میں دو صد پاکستانی روپے پر زکوٰۃ

واجب کر رکھی ہے۔ برسوں سے اس پر عمل جاری ہے۔ جب ان سے سند مانگی گئی تو انہوں نے بیج ذیل عبارت بطور سند پیش کی۔

وقال الوا لوالجی ان الزکوۃ تجب فی الفطارفة اذا كانت
مأنتین لانہا الیوم من دراہم الناس وان لم تکن من
دراہم الناس فی الزمن الاول وانما یعتبر فی کل زمان
عادة اهل ذلک الزمان اھ (بحر الرائق ج ۲ - ص ۲۲۷)

نوٹ ! غطارفہ اس سکہ کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو۔

دو صد پاکستانی روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بلکہ جب اتنی مقدار کو پہنچ جائے جن سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے تب زکوٰۃ واجب ہو گئے۔

کیوں کہ ان میں چاندی معدوم ہے تو یہ مثل فلوس ہونے۔ اور فلوس جب سکہ رائج ہو تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جب ان کی قیمت ادنیٰ نصاب کو پہنچے گی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ شامی میں ہے۔

فی الشرین بلالیۃ الفلوس ان كانت اثمانا رائجۃ او سلعا

للتجارة تجب الزکوۃ فی قیمتہا والا فلا۔ (ص ۳۲ مصری)۔

اور یہ حکم یعنی معمول تفاوت کے ساتھ دراہم منقوشہ کا ہے جن پر کھوٹ غالب ہو۔ جیسے تو بھتر میں ہے۔

ان غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة فيتظر ان كانت
رائجة انوى التجارة اعتبرت قيمتها فان بلغت نصابا وجبت
فيها الزكاة والا فلا - ۱۰ (ج ۲ - ص ۲۲۵) -

الحاصل پاکستانی روپیہ معدوم الفضہ ہو یا مغلوب الفضہ ہو، دونوں صورتوں میں اس کا
حکم معلوم ہو گیا اور دلوالبجی کا جو قول بحوالہ بکر سوال میں مذکور ہے۔ اولاً تو وہ مقید ہے
اس قید کے ساتھ کہ ان کی مالیت عہد نبوی کے دو صد اصغر الیٰ راہم سے کم نہ ہو۔ فتح القدر میں اس
قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے -

الا انی اقول ینبغی ان یقید بما اذا كانت لهم دراهم لا تنقص
عن اقل ما کان وزناً فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی ما
تكون العشرة وزن خمسة لانها اقل ما قدر النصاب بمائتين
حتى لا تجب فی المائتين من الدراهم المسعودية الحائنة
بمكة وان كانت دراهم قوم - (بحر، ج ۲ ص ۲۲۵) -
ثانیاً یہ کہ قول دلوالبجی مرجوح ہے - بحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۵ - پر ہے -

فاما الفطارفة فقيل يجب في كل مائتين منها خمسة منها اعدا
لانها من اعز الاشمان والنقود عندهم قال السلف ينظر
ان كانت رائجة او سلعا للتجارة تجب الزكاة في قيمتها
كالفلوس وان لم تكن للتجارة فلا زكاة فيها لان ما
فيها من الفضة مستهلك لغلبة النحاس عليها فكانت
كالستوقة وفي البدائع قول السلف اصح - ۱۰

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غطارفہ میں بھی چاندی ہوتی ہے۔ گو مغلوب ہو۔ تو
یہ لکھنا درست نہیں کہ غطارفہ اس سکہ کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو۔

فقط والشر اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی غیر المدار اس مقال ۱، ۲۲، ۸، ۱۳۹۸ھ



دینی اداروں کے مخلص جان نثار کارکن جب ضعیف و پیری کے سبب

خدمات سرانجام دینے کے قابل نہ رہیں تو ادارہ زکوٰۃ سے

ان کی مُسْتَقِلَّ اِمْدَاد کر سکتا ہے

علمائے کرام نے مغلیہ دور کے بعد انگریزی دور میں تقسیم ملک کے بعد پاک و ہند میں ہر قسم کے مصائب و مشکلات کے باوجود تبلیغی اور تدریسی سلسلہ جاری رکھا اور دین کے بقا کے لئے جانی و مالی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اول تو معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر معاوضہ مل بھی گیا تو بہت قلیل مقدار میں لیکن تبلیغ اسلام اور دینی تعلیم اور تربیت میں خلل پیدا نہ ہونے دیا اور یہ دینی خدمات محض حسبِ بشر انجام دیں۔ معاوضہ کے بارے میں نہ کبھی اضافہ کا اظہار کیا، اور نہ کمی کا گلہ کیا۔

بہر حال زندگی بھر رضائے الہی کے لئے کام کرتے رہے۔ ایسے مخلص اور ایثار پیشہ لوگ سلف میں تو بہت پائے جاتے ہیں لیکن اس دورِ فحط الرجال میں تو ایسے بزرگوں کا وجود شاذ و نادر ہے۔ تاہم کچھ بزرگ آج بھی موجود ہیں جو دینی درس گاہوں اور تبلیغی اداروں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور قلیل مشاہرے کی وجہ سے پس انداز نہیں کر سکتے۔ اور جب دینی خدمات کے قابلے نہیں رہتے اور ضعیف و پیری وغیرہ کے سبب کوئی کام بھی نہیں کر سکتے جو اس وقت تو ست لایوت کا ذریعہ بن سکے۔ تو کیا ایسے حالات میں ان علمائے کرام کو جنہوں نے اپنی تمام زندگی دینے کے درس گاہوں یا تبلیغی اداروں میں کام کیا ہو، اور کام کی نوعیت بھی اکابر کی طرح خلوص و ایثار پر مبنی ہو، اور کام بھی جانفشانی کے ساتھ ہو، اور کوئی اولاد یا قریبی رشتہ دار بھی نہ ہو۔ اور کوئی پس انداز رقم یا جائیداد بھی نہ ہو، جو ان کی ضروریات زندگی کی کفیل ہو سکے۔ اور ان کی حالت بھی دورانِ کام یہ رہی ہو کہ جو مل گیا اسے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھا۔

آیا ایسے کارکنوں کو ادارہ جس میں انہوں نے زندگی بھر کام کیا ہے۔ از روئے شریعت کسی قسم کی مالی امداد دے سکتا ہے؟ اس کی مقدار کیا ہو اور طریقِ ادائیگی کیا ہو؟

مستفتی : (حضرت مولانا) محمد علی جالندھری (رحمۃ اللہ تعالیٰ)
ناظم مرکز یہ مجلس تحفظ ختم نبوت : تعلق ردو ، ملتان

الجواب

۱۔ صورتِ مسئلہ میں ادارہ ایسے مخلص کارکنوں کی کئی صورتوں سے امداد کر سکتا ہے۔
تخفیفِ کار اور تقلیلِ مشاہرہ۔ یعنی سابقہ کام کی نوعیت تبدیل کر کے شخصِ مذکور کو ایسا کام دیا جائے جو آسانی کر سکتا ہو۔ اور مناسب قلیل مشاہرہ ملے کر لیا جائے جو بقدر کفایت ہو۔

۲۔ اگر یہ مبلغ اس قابل بھی نہ ہو، تو بشرط فقر زکوٰۃ سے اس کی اعانت کی جاسکتی ہے۔ جب کہ تلیک کر کے تعمیرات و مشاہرت پر رقم صرف ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے اولیٰ یہ ہے کہ بدون حلیہ زکوٰۃ اپنے مصرف میں صرف ہو جائے۔

۳۔ ایسے مخلص کارکنان کی کفالت و سرپرستی کی مناسب صورت اور قابل تحمل شرح تجویز کر کے اپنے ضوابط و آئین میں اس امر کا اضافہ کر لیں۔ چندہ دہندگان اور عوام الناس میں جب مشہور معلوم ہو جائے گا تو اس مد پر خرچ بھی جائز ہو جائے گا۔ جیسے کہ دوسری مدت میں خرچ کیا جاتا ہے

نقطہ دائرہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ۱۱/۲۵/۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۱/۲۶/۱۳۹۰ھ

صرف بے آباد زمین ملکیت میں ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے
سائل مشتاق احمد مانگوں سے معذرت ہے کسی قسم کی نقدی اور مال میرے پاس نہیں ہے تھوڑی سی بے آباد زمین

ہے جس سے کسی قسم کی آمدنی نہیں ہوتی کیا بندہ زکوٰۃ لے سکتا ہے ؟

سائل کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ سئل محمد عمن له ارض بزرعها او حانوت يستغلها او دار

غلطها ثلاثة الاف ولا تكفي لنفقتہ ونفقة عياله سنة يحل له اخذ الزکوۃ (شامی ج ۲)

الجواب

نقطہ واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ————— الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مزدوری سے جمع شدہ غلہ کو تجارتی غلہ میں شامل نہیں کیا جائے گا

ایک شخص کے پاس ماہ جنوری ۱۹۶۳ء میں نصابِ زکوٰۃ کی نقدی جمع ہو گئی۔ مالک نے اس نقدی کا غلہ گندم برائے تجارت لے کر رکھ دیا۔ پھر قبل از حوالانِ محل اپنی مزدوری کا جمع شدہ غلہ بیٹل من ہو گیا۔ اب ماہ جنوری ۱۹۶۴ء میں زکوٰۃ دینی ہے کیا استفادہ غلہ سے بھی زکوٰۃ دینی پڑے گی؟ استفادہ مذکورہ (مزدوری کے غلہ) میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگرچہ اسے فردخت کرنے کی بھی نیت ہو۔

” وفي اول الاشياء ولو قارنت النية ماليس بدل مال بحال لا تصح على الصحيح - (درمختار - ج ۲ - ص ۱۸۱ شامی) - پہلے غلہ میں زکوٰۃ واجب۔“

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۳۸۴/۴/۲۵ھ

نوٹ ! ذیل کا جواب اس صورت میں ہے۔ جب کہ مزدوری میں بعینہ غلہ حاصل کیا گیا ہو اور اگر مزدوری یا تنخواہ کی رقم سے بغرض تجارت غلہ استفادہ فرمایا گیا تو اس صورت میں غلہ استفادہ پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خوب سمجھ لیا جائے۔ فقط

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رہائش کیلئے خریدے ہوئے پلاٹوں کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس اپنے رہائشی مکان کے علاوہ دیگر پلاٹ وغیرہ بھی ہیں۔ جنہیں خریدتے وقت اس کی نیت یہ تھی کہ وہ یہ پلاٹ اپنے بھائیوں یا بچوں میں تقسیم کرے گا۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس کو ان پلاٹوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟ بیٹو! تو صبرو۔

مسئلہ پلاٹوں کی مالیت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ اگر اس کی کچھ آمدنی ہو۔

مثلاً کرایہ وغیرہ آتا ہے۔ تو آمدنی میں صاحبِ نصاب پر سال پورا ہونے پر

زکوٰۃ واجب ہوگی۔ درمختار میں ہے۔ ”ولا فی شایب البدن واثاث المنزل ودور

السكنى ونحوها -

اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں -

قوله ونحوها اعى كشياب البدن الغير المحتاج اليها وكالحواشيت

والعقارات اه (شامية ج ۲ ص ۲۸) - وكذا في فتاوى دارالعلوم - ج ۶ - ص ۱۴۲ -

الحجاب صحیح
احقر محمد نور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

نصاب سے کم سونے کو چاندی کیسے ملا یا جائے
ایک شخص نصاب چاندی

۵۲ ۱/۴ تولہ کا مالک ہے

اور پانچ تولہ سونا علاوہ چاندی کے ہے۔ کیا اس سونے کو چاندی کے ساتھ ملا یا جائے گا؟ اور زکوٰۃ ہوگی یا اتنی مقدار سونے پر زکوٰۃ نہیں ہے؟ احمدیہ، دین پور، منقل بہاؤنگر

اس سونے کو چاندی سے قیمت کے لحاظ سے ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی۔ یعنی سونے

کی قیمت لگا کر اس چاندی میں ملا لیا جائے گا۔

الجواب

وقیمة العروض للتجارة تضمن الى الثمنين لاد הכל للتجارة

وضعا وجعل ويضم الذهب الى الفضة وعكسه بجامع الثمنية

قيمة - (درمختار علی الشامیة - ج ۲ - ص ۴۵) - فقط واللہ اعلم

الحجاب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

کون کون سی اشیاء حوائج صلیہ میں شمار ہوں گی

۱۔ ضروریات زندگی سے زائد سامان جو بقدر نصاب ہو، اس پر صدقہ فطر و قربانی کے وجوب کے فقہاء کرام قائل ہیں اس کی تفسیر کیا ہے۔

۲۔ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کی شرط پر غالباً اجماع ہے۔ لیکن مولانا عثمانی رحمہ اللہ ”دنی الرقاب“

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یا خرید کر آزاد کئے جائیں یا فدیہ دیا جائے۔ یہ بظاہر اجماع اور کم از کم فقہ حنفی کے خلاف ہے۔ اس کی توجیہ سے مطلع فرمائیں۔

۱۔ ضروری سامان بظاہر وہی ہے جو عام طور پر زیر استعمال رہتا ہے اور اس کے نہ ہونے سے تکلیف ہوتی ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے۔

الجواب

وہی مسکنہ واثاثہ وشیابہ وفسلہ وسلاحہ وعبیدہ للخدمة
وفالشامیہ لا بأس ان یعطى من الزکوۃ من له مسکن وما یتأثرت
به فی منزله وخادم وفسل ۱ھ - (ج ۲ - ص ۸۸)۔
ابن ملک نے حاجت اصلیه کی تفسیر یہ کی ہے۔

عماید فہم المہلک عن الانسان تحقیقا کالنفقۃ ودورالسکنی
والآلات الحرب والشیاب المحتاج الیہا لدفع الحر والبرد او تقدیرا
کالدین - ۱ھ

بہشتی زیور میں ضروری سامان کی تشریح میں لکھا ہے۔

”اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے“ (ج ۲ ص ۳۶) نیز ج ۳ ص ۳۳ پر ہے: ”رہنے کا گھر پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر اور گھر کی گڑہستی جو اکثر کام میں رہتی ہے یہ سب ضروری سامان میں داخل ہیں“ ۱ھ

تشریحات بالا سے ظاہر ہے کہ ضروری سامان کی تعریف میں زیر استعمال ہونا اور اس کے نہ ہونے سے تکلیف ہونا، داخل ہے۔ اس ضرورت و استعمال سے مراد اضطرار نہیں، بلکہ نفس حاجت ہے۔ اور مباح الاستعمال ہونا بھی لازم ہے۔ ہاں اس میں تقدیر نہیں کفایت کا اعتبار ہے
قال فی المراقی والمعتبر فیہ الکفایۃ لا التقدیر - ۱ھ

جو اشخاص و حالات کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک کیلئے سائیکل کافی ہے دوسرے کے لئے موٹر کار ضروری ہے۔ لیکن وجوب اُصْحَیۃ کا مدار قدرتِ ممکنہ پر ہے۔ اس لئے اس میں زیادہ توسیع نشانے شارع اور تصریحات فقہاء کے خلاف ہوگی۔ عبارات فقہاء رحمہم اللہ کا لحاظ ضروری ہے۔ کپڑوں کے تین جوڑے ضروری ہیں۔ زائد کو غیر ضروری قرار دیا ہے۔ کسان کے لئے ایک جوڑا بیلوں کا ضروری ہے۔ زائد غیر ضروری ہے۔ اسی طرح اس کے لئے بھینس کو

غیر ضروری زائد قرار دیا ہے ۔

دئیس قریب کے لئے ایک گھوڑا حاجت ہے ۔ زائد نہیں ۔

یہ جزئیات عالمگیری میں موجود ہیں ۔ عبارات بالا اور ان جزئیات میں کہیں اس امر کا نشانہ نہیں کہ جس سامان کا فقدان باعث عار ہو ۔ وہ بھی سوانح اہلیہ میں داخل ہے ۔ اس لئے موجودہ معاشرہ میں دہن کے تمام جہیز مرد ج کو سامان ضرورت قرار دینا مشکل ہے ۔ ہاں جہیز میں اس جیسی دہن کیلئے جو چیزیں زیر استعمال رہیں گی وہ ضروری ہیں ۔ اور اس سے زائد کا حساب کیا جائے گا ۔ جو بغیر غریبہ زینت و نمائش اور تفاخر و فری جاتی ہیں ۔

علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ۔

وَسُئِلَتْ عَنِ الْمَرْأَةِ هَلْ تُصِيرُ غَنِيَةً بِالْجِهَازِ الَّذِي تَزُفُ بِهِ إِلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَالَّذِي يَظْهَرُ مِمَّا مَرَّانَ مَا كَانَ مِنْ أَثَاثِ الْمَنْزِلِ وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَالْوَاقِ الْإِسْتِحْمَالِ مِمَّا لَا يَبْدُ لَوْ مَثَالُهَا فَهُوَ مِنَ الْحَاجَةِ الْأَصْلِيَّةِ وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الْحِلْيِ وَالْوَاقِ وَالْأَمْتَعَةِ الَّتِي يَقْصِدُ بِهَا الزَّيْنَةَ إِذَا بَلَغَ نَمَابًا تُصِيرُ بِهِ غَنِيَةً - (۱۸۹ ص ۳۹۹)

۲۔ « دنی الرقاب » کی تفسیر میں دو قول ہیں ۔

ط ۱۔ اس سے مراد مکاتب ہیں ۔ زکوٰۃ مکاتب کو دی جائے تاکہ وہ بدل کتابت ادا کر سکیں ۔ اس میں تملیک مستحق ہو جاتی ہے ۔ جمہور اسی کے قائل ہیں ۔ اور بعض احادیث سے اس کی تائید مہنتی ہے ۔

ط ۲۔ عام مراد ہے ۔ مکاتب ہو یا دوسرا غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔ امام مالک رحمہ اللہ و احمد رحمہ اللہ و اسحاق رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں ۔

و اما الرقاب فروى عن الحسن البصري ومقاتل ابن حبان وعمر بن عبد العزيز وسعيد بن جبير والنخعي والزهرى وابن زيد انهم المكاتبون و روى عن ابى موسى الاشعري نحوه وهو قول الشافعى والليث رضى الله عنهما وقال ابن عباس والحسن لا بأس ان تعتق الرقبة من الزكاة وهو مذهب اسحق ومالك واحمد اى ان

الرقاب اعم من ان يعطى المكاتب او يشتري رقبة فيعتقها

استقلالاً (ابن كثير، ج ۲، ص ۳۶۵)۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانی رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ ابن کثیر سے لیا ہے اور اسی کے مطابق تحریر فرمایا ہے۔ راجع و مرجوح کی بحث سے الگ ہو کر حضرت عام تفسیر فرما رہے ہیں۔ باقی یہ درست ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اعتاق کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ولا الى ثمن ما اى قن يعتق لعدم التملك اى يعتقه الذمى اشترا

بذکوۃ ماله۔ (درمختار و شامی، ج ۲، ص ۸۶)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۵/۲۲ / ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

سال کے شروع و آخر میں صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ فرض ہے اگر درمیان میں مال بالکل ختم نہ ہوا ہو

ایک شخص کو ہر مہینہ کے شروع میں زکوٰۃ کے نصاب سے زائد رقم ملتی ہے لیکن اخیر مہینہ میں نصاب سے کم رہ جاتی ہے بالکل ختم نہیں ہوتی۔ اسی طرح سال گزر جاتا ہے۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب

جب یہ شخص شروع مہینہ میں صاحبِ نصاب ہو گیا تو اس وقت سے اس کو

حساب لگانا چاہئے۔ اگر اس کے پاس آخر سال تک ایسے ہی رقم آتی جاتی

رہی لیکن بالکل ختم نہیں ہوتی تو آخر سال میں نصاب کے برابر رقم موجود ہوتی تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔ درمیان میں نصاب کی کمی و بیشی سے فرق نہیں پڑے گا بشرطیکہ کسی وقت مال بالکل ختم نہ ہوا

ہو۔ لکن هذا الشرط يعتبر في أول الحول وآخره لا في خلاله

بدائع (ج ۲، ص ۵۸)۔ وفيه ولا يعتبر في هذا النصاب حصة زائدة على

كونه قضة الى قوله اذا بلغت مائتي درهم وسواء كان يمسكها

للتجارة او للمنفعة او للتجمل اولوينو شيئا ابدائع ص ۵۸

فقط واللہ اعلم

سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ دیتے وقت سونے چاندی کی موجود

قیمت کا اہمیت بار ہوگا یا یوم وجوب کی قیمت کا ؟

ایک شخص کے ذمہ قربانی و زکوٰۃ واجب ہوتی مگر کئی سال گزرنے کے بعد ادا کرنے کا ارادہ کیا اب وہ قربانی کی قیمت اور زکوٰۃ والے سونے کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے تو قیمت یوم الوجوب کی معتبر ہوگی یا یوم الادار کی ؟ نیز اگر سونا ہی زکوٰۃ میں دیوے تو مثلاً چالیس تولہ سونا میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ ایک تولہ ہوگی۔ دوسرے سال اثنائیس^{۳۹} تولہ کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔ یا چالیس تولوں کا چالیسواں حصہ ؟ صورت یہی ہے کہ کئی سالوں کی زکوٰۃ اکٹھی ادا کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح قربانی میں مثلاً دس سال کی قربانی اس کے ذمہ ہے۔ تو ایک مکمل گائے کی قیمت اور دوسری گائے کی قیمت کا تین سب (سب) کافی ہوگا یا نہیں ؟

محمد سرور مدرس جامعہ شرفیہ، نیلا گنبد لاہور

صاحبین کے نزدیک یوم الادار کی قیمت لگائی جائے اور امام اعظم کے نزدیک یوم الوجوب کی۔ صاحبین کا قول انفع للفقراء ہے اور امام اعظم کا قول انفع لصاحب المال ہے۔ کیوں کہ آج کل قیمت بڑھی ہوئی ہے۔ اور یوم الوجوب زمانہ ماضی میں قیمت کم تھی۔ مستفتی احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو احوط قول صاحبین کا ہوگا۔ اثنائی میں چالیس تولہ کی زکوٰۃ میں ایک تولہ نکال کر دوسرے سال اثنائیس^{۳۹} تولہ کی۔ وعلیٰ ہذا الی آخرہ نکالنی ہوگی۔

دلیل المسئلة الاولى وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الاداء

وفى السوائى يوم الاداء اجماعا وهو الاصح - (درمختار ج ۲ ص ۲۷۳) -

ودلیل المسئلة الثانية المفهوم من عبارة البیہودین الزکوٰۃ

مانع حال بقاء النصاب لانه یتقص به النصاب - (ج ۲ - ص ۲۲) -

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۱/۲/۱۳۷۶ھ

حوائج اصلیہ خریدنے کے لئے جمع کردہ روپے میں زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس رہائشی مکان نہیں، سواری کے لئے سائیکل نہیں ہے، بھاد کے لئے اسلحہ نہیں ہے، کاریگر ہے مگر کاری گری کے آلات نہیں ہیں، اس نے کچھ پیسہ جمع کیا تاکہ یہ حوائج اصلیہ خرید سکے۔ ان پیسوں پر اگر یہ نصاب سے زائد ہوں تو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟
الجواب مذکورہ بالا صورت میں جب کہ یہ پیسے حوائج اصلیہ کے لئے تیار کئے گئے ہوں سال گزرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ "طحاوی علی مراقی الفلاح" فقہ حنفی کی مشہور کتاب کے صفحہ ۴۳۰ - میں ہے۔

فارغ عن الدين وعن حاجته الاصلية كثيابه المحتاج اليها لدفع الحر والبرد و كالتفقة ودور السكنى والأت الحرب والحرفة اه الى قوله فاذا كان عنده دراهم اعد لها هذه الاشياء وحال عليها الحال لا تجب فيها الزكوة =
 رد المحتار ج ۲ ثانی میں ہے۔

وفارغ عن حاجته الاصلية وفسره بذلك اع فسر المشغول بالحاجة الاصلية والاولى فسرهما وذلك حيث قال دهي ما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا كالتفقة ودور السكنى والأت الحرب والثياب المحتاج اليها لدفع الحر والبرد او تقديرا كالدين فان المديون محتاج الى قضائه بما في يده من النصاب دفعا عن نفسه الجس الذي هو كالهلاك فاذا كان له دراهم مستحقة ليصرفها الى تلك الحوائج صارت

كالعدم كما ان الماء المستحق يصرفه الى العطش

كان كالعدم و جاز عنده التيمم -

علامہ شامیؒ کی عبارت کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور اس رقم کو معدوم سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ حوائجِ اصلیہ میں مستغرق ہے۔

بھراائق، ج ۱۲، ص ۲۰۶۔ میں ہے۔

و شرط فراغه عن الحاجة الاصلية لان المال المشغول

بها كالعدم و فسر هانف شرح المجمع لا يجب الملك بما

يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا او تقديرا فالثاني

كالدين والاول كالنفقة ودور السكنى الخ

اس عبارت کا بھی وہی مقصد ہے جو علامہ شامیؒ کی عبارت میں گزرا ہے۔ غرضیکہ فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے یہی صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے جس کا مال حوائجِ اصلیہ ضروریہ میں مشغول ہو۔ اگرچہ اس پر سال گزر جائے۔

البتہ ایسے شخص کے لئے جس کا مال حوائجِ اصلیہ مذکورہ بالا میں مستغرق ہو زکوٰۃ کا لینا جائز نہیں جیسا کہ طحاوی، ص ۴۳۳۔ باب المصروف میں ہے۔

وهو الفقير من يملك مالا يبلغ نصابا او يملكه وهو مستغرق

في حاجته الاصلية فمن تحقق فيه هذا او هذا فهو فقير

فقط هذا ما عندى والله اعلم بالصواب -

محمد شيریں خطیب مسجد شہناں

راولپنڈی

ہذا ہواحق

ابوالوفاق محمد اسحاق خطیب، ہیٹ آباد

مجوزہ استفتاء کا جواب متذکرہ بالا بالکل صاف اور صحیح مسائل شرعیہ پر مبنی ہے۔

اور بالکل صحیح اور درست ہے۔ فاضل مجیب نے جن کتب فقہیہ کا حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح فقہ

حنفیہ کی دیگر کتب معتبرہ مستدولہ تبیین الحقائق۔ زلعی فتح القدیر وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

لہذا میرے نزدیک فاضل مجیب مذکورہ بالا فتوے دینے میں مصیب و صائب ہے۔

مولوی محمد شعیب ڈسٹرکٹ خطیب مردان و نگران ہفت روزہ قیادت مردان

الجواب صحیح والمحبیب مصیب : محمد یوسف کان اللہ لہ مفتی دارالعلوم اکوڑہ خٹک پشاور
جو مال حاجتِ اصلیہ میں مستغرق ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ۔

عبد الشکور غفرلہ مفتی جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک

ہذا ہواحق وماذا بعد الحق الا الضلال عبد الواحد خطیب صدر راولپنڈی ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایسا روپیہ جو نصاب کو پہنچتا ہو یا نصاب سے زائد ہو اگر کسی شخص نے اس نیت سے جمع کر رکھا ہو کہ وہ اس روپیہ کو حوائجِ اصلیہ میں صرف کرے گا لیکن ابھی تک حوائجِ اصلیہ میں صرف کرنے نہیں پایا تھا کہ حوالانِ حول ہو گیا تو اس روپیہ کے اندر وجوبِ زکوٰۃ میں اختلاف ہے ۔ راجح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جیسا کہ علامہ شامیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے ۔ صاحبِ بحر الرائق و بدائع اور صاحب ہدایہ وغیرہ جمہور کا مسلک یہی ہے لہذا جواب محررہ بالا سے ہمیں اختلاف ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس مائتان ۱۴ / ۱۲ / ۱۳۷۶ھ



مال مضاربت میں زکوٰۃ کے مسائل

نہ میں نے عمرو کو کچھ رقم بطور مضاربت دی ۔ اب اس کے متعلق چند سوالات کا جواب مطلوب ہے ۔

۱۔ کیا زکوٰۃ صرف رب المال پر عائد ہوگی یا مال تجارت پر قبل از تقسیم منافع عائد ہوگی ۔

اور حصہ رسی اس میں سے عمرو بھی ادا کرے گا ۔ ؟

۲۔ اگر تجارت میں بالفرض سارا پیسہ نہ لگایا جائے اور رب المال نے ساری رقم کارکن کے سپرد کر دی ہو تو جو رقم تجارت میں لگی ہوتی نہیں ہے اور کارکن کے قبضہ میں ہے کیا اس کی

زکوٰۃ مشترک ہوگی یا صرف رب المال پر یا صرف کارکن پر ؟

اگر مضاربت میں نفع نہیں ہوا صرف راس المال ہی ہے تو اس کی زکوٰۃ صرف

الجواب

رب المال پر واجب ہے ۔ مضارب پر نہیں ۔ اور اگر نفع ہو چکا ہے تو راس المال

کی زکوٰۃ صرف رب المال پر واجب ہوگی ۔ اور منافع کی زکوٰۃ علی قدر انحصار دونوں پر ہوگی ۔ لیکن

رب المال کا حول رأس المال کے وقت سے شروع ہوگا۔ درمیان سال میں جو نفع ہوتا رہا وہ
لأس المال کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا۔ اور مضارب کا حول اس وقت سے شروع ہوگا جبکہ
نفع مقدار نصاب کو پہنچا۔ وہاں سے اس کا حول شروع ہوگا۔ کما هو المفهوم من
قواعد الفقهاء -

۲ : صرف رب المال پر۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۹ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

مختلف اموال ملک میں ہوں تو سب کی قیمت لگا کر مجموعہ سے الگ کرے

میں جو تول کا کاروبار کرتا ہوں۔ باہر اور ملتان سے مال خرید کر پرچون میں فروخت کرتا ہوں۔
دوکان میں اچھا اور پرانا سبھی قسم کا مال رکھتا ہوں۔ زکوٰۃ نکالنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ ؟
استفتیٰ محمد عبدالکافیٹ مالک پاک سٹور ملتان چھاؤنی

دوکان میں جتنا مال موجود ہے اس کی قیمت لگا کر رقم مشخص کر لی جائے اسے
میں مزید نقدی اور زیورات وغیرہ (اگر ہوں) کی قیمت، نیز جو آپ نے قرضہ جات
لیئے ہیں ان سب کو جمع کر لیا جائے۔ پھر اس مجموعی رقم سے چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکال دیے
اگر کوئی قرضہ آپ کے ذمہ ہو تو یہ قرضہ مندرجہ بالا رقم مجموعی سے وضع کر کے پھر زکوٰۃ کا حساب
لگایا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

پروڈینٹ فنڈ میں زکوٰۃ نہیں ہے
بندہ ایک ریلوے ملازم ہے اور بندہ کو زکوٰۃ کے
بارے میں مندرجہ ذیل فتویٰ درکار ہے۔

۱۔ ہر ریلوے ملازم کے مستقل ہو جانے کے بعد پروڈینٹ فنڈ ہر ماہ تنخواہ سے لازماً کاٹ لیا
جاتا ہے اور اس فنڈ کو ملازم اپنی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے سے پہلے واپس نہیں لے سکتا۔ کیا
ایسی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی ؟ البتہ ہر سال جتنی رقم کٹ جاتی ہے اس کا سیسزانیہ بتلا
دیا جاتا ہے۔

۲۔ آج کل بھیمہ کمپنیاں زندگی وغیرہ کا بھیمہ کرتی ہیں اور مامانہ یا سہ ماہی قسط وصول کرتی ہیں۔ کیا بھیمہ کرنا جائز ہے ؟

۳۔ کیا بھیمہ شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پر رقم بھیمہ کی مدت ختم ہونے سے قبل نہیں مل سکتی۔

۴۔ حکومت ہریانہ سے ملازم کو ریٹائرڈ ہونے کے بعد مذکورہ بالا پراویڈنٹ فنڈ کے علاوہ پونس (حقے ملازمت) اور دونوں کا زائد سود بھی دیتی ہے۔ کیا یہ سود لینا جائز ہے ؟ اگر لیا جائے تو کیا مصرف ہے ؟

پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ نہیں۔

الجواب

۲۔ بھیمہ زندگی کرنا جائز نہیں ہے دو وجہ سے۔ (الف) یہ سود ہے۔ (ب) یہ قمار

وجہ اس ہے۔ اور یہ دونوں حرام ہیں۔

۳۔ اس رقم پر زکوٰۃ ہے۔ ۴۔ پراویڈنٹ پونس کا ملنا اور وصول کرنا جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ

عشر ادا کرنے کے بعد غلہ بیچا تو اس کی قسم پر زکوٰۃ کا حکم

فصل کا عشر نکال دیا گیا باقی جنس فروخت کر دی گئی تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

عبد الباری خان احمد پور شرقیہ

اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ اس پر سال گزر جائے۔ یا کسی دوسری رقم پر سال گزر جائے جو اس شخص کے پاس پہلے سے موجود نہ ہو۔ حق البدائع او کان

الجواب

لہ طعام فادی عشرہ الخ ثم باعها يضم الى اصل النصاب ۱ھ (ج ۲ ص ۱۷)

فقط واللہ اعلم : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

سونا چاندی جس شکل میں بھی ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے

کیا سونے کی کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ جس میں زکوٰۃ نہ آئے اور استعمال میں آنے والے سونے کا کیا حکم ہے۔ آیا اس پر زکوٰۃ آتی ہے یا نہیں ؟ اور کتنی مقدار سونے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ؟

الجواب

احناف کے نزدیک استعمال کے زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کہ نصاب کو پہنچ جائیں۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے۔ اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔ لیکن یہ نصاب اس صورت میں ہے جب کہ صرف سونا یا صرف چاندی ہو۔ دونوں سے موجود ہونے کی صورت میں یا ان کے ساتھ کچھ نقدی ہو تو پھر مجموعہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔

در مختار میں ہے۔ و معموله ولو تبرأ او حلیا مطلقا مباح الاستعمال
اولا ولو للتجمل والنقۃ لانہما خلقا لثمانا فینزکیہما کیف کان
(شامی، ج ۲، ص ۲۸۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

اسحق محمد النور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۶/۶/۵ھ



رانج الوقت سکھ ۵۲ ۱/۴ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے

زید کے پاس پانچ نوٹ ہزار ہزار کے موجود ہیں جن پر حوالان حول بھی ہو چکا ہے۔ زید کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ کیوں کہ نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت ہے جب کہ اس سے ۵۲ ۱/۴ تولہ چاندی خریدی جاسکے لہذا جب اتنی مقدار کے نہیں تو زکوٰۃ بھی نہیں۔

لیکن عمر و کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ ہوگی۔ کیوں کہ سونا چاندی کی تعیین اس زمانے کے ساتھ خاص تھی جب کہ درہم و دنانیر تھے۔ اس زمانے میں وہ نہیں، اس لئے نوٹوں پر زکوٰۃ ہوگی۔ ارشاد فرمائیں کہ کس کی بات صحیح ہے۔

الجواب

رانج الوقت سکھ جب ادنیٰ مقدار نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور خود زید کے کہنے کے مطابق بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے۔ کیونکہ پانچ ہزار روپیہ ۵۲ ۱/۴ تولہ چاندی کی مالیت سے کہیں زیادہ ہے۔ اور نوٹوں کا اپنا کوئی نصاب نہیں۔ بلکہ ان کی مالیت کا اعتبار ہے۔ چاندی، سونے کی مالیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور نوٹوں کی مالیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

الفلوس بان كانت اثمانا لزوجۃ او سلعا للتجارة تجب الزکوۃ
فی قیمتہما والا فلا۔ (شامی ج ۲ ص ۲۸۱) فقط واللہ اعلم۔

ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ نہیں

ایک دوکاندار نے برائے تجارت شامیانے، قنائیں، دسترخوان، کرسیاں، میز اور دنگیں، ٹپ، ڈش

پلیٹیں، ڈونگے، جگ اور گلاس، چمچے چھوٹے اور بڑے، دریاں، یعنی ٹینٹ ہاتوں کا سالم سامان برائے شادی بیاہ، کرایہ کے لئے دوکان کھولی ہے۔ تو کیا اسکی آمدنی پر زکوٰۃ ہے یا کہ سالم سامان کی قیمت کہہ کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ کیوں کہ سامان کرایہ پر چلنے سے پرانا ہوگا۔ اور اگر سالم قیمت پر زکوٰۃ ہے تو مالک سامان بظاہر نقصان میں ہوگا۔

الجواب

ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ اس سے ملنے والی آمدنی پر زکوٰۃ کا وجہ ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔ ولواشتری قدورا من صفریسکھا

ولواجرها لا تجب فیہا الزکوۃ کمالا تجب فی بیوت الغلۃ۔ (ج ۱ ص ۹۲)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۴/۹/۲۸ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

اقل نصاب ورنہ دوصد درہم از نقرہ است

چہ سے فرمایند علمائے کرام و مفتیان عظام دریں مسئلہ ہمہ۔ درہم شرعی کہ دوصد درہم ازاں نصاب وجوب زکوٰۃ و دہ ہزار درہم دیت قبل خطا است آیا معیار خاص وارد کہ کمی و بیشی را در اں راہ نیست یا اینکه باعتبار ہر زمان و ہر مکان با تفاوت قیمت نقرہ متفاوت میگردد۔

در امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۶۔ کتاب الزکوٰۃ می آرد کہ دوصد درہم ۵۲ تولہ نقرہ میشود پس اگر قیمت آن باعث ہر زمان و مکان است۔ پس فی الحال دریں ولایت مایک تولہ نقرہ باشتہ روپیہ نوٹ برابر است۔ پس بایں حساب ۵۲ تولہ نقرہ کہ نصاب زکوٰۃ است برابر ۱۵۶ روپیہ نوٹ سے شود و دہ ہزار درہم کہ دیت قبل خطا است ۲۶۰۰ تولہ نقرہ و آن برابر ۷۸۰۰ روپیہ

نوٹ بے شود و اگر قیمت را اعتبار نیست و تولہ نقرہ باروپیہ برابر حساب بے شود پس دو صد درہم نصاب زکوٰۃ کہ ۵۲ تولہ نقرہ است ۵۲ روپیہ نوٹ بے شود و دہ ہزار درہم کہ دیت قبل خطاء است بآن حساب مذکور ۲۶۰۰ تولہ نقرہ بے شود پس دیت ہم ۲۶۰۰ نوٹ بے شود۔ درالجوبہ النیرۃ کتاب الدیات ص ۱۹۳ می آرد۔

قال ابو یوسف و محمد و من البقر مائتا بقرة و من الغنم

الفاساة الخ

پس اگر در بقر و غنم قیمت ہر زمان و ہر مکان اعتبار کردہ شود فعلاً قیمت یک گاؤ دریں ولایت تقریباً ۵۰ روپیہ است کہ مجموع قیمت دو صد گاؤ صد ہزار روپیہ بے شود و ہم چنین قیمت یک گوسفند ۵۰ روپیہ کہ مجموع قیمت دو ہزار گوسفند صد ہزار روپیہ بے شود۔ خلاصہ اینکہ در بارہ تحقیق قیمت درہم شرعی و مقدار نصاب زکوٰۃ و مقدار دیت خطاء از نوٹ مروج وقت ہر چہ تحقیق علمائے کرام و مفتیان عظام است تحریر فرمایند کہ موضوع نیلے ہم و مشکل است چرا کہ درہم شرعی فعلاً موجود نیست و در تمام معاملات تقویم اشیاء مروج شدہ است۔ (مولانا) عبد العزیز خطیب جامع مسجد زاهدان - ایران

الحال باید دانست کہ درہم عبارت از مخصوص قطعہ نقرہ معلومۃ الوزن است و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم این دو صد قطعات نقرہ را نصاب زکوٰۃ مقرر فرمود و وزن این قطعہ در عہد رسالت معروف بود۔ و حضرات فقہاء این وزن را ضبط کردہ اند۔ علماء محققین تحقیق کردہ فرمودہ اند کہ بہ حساب اوزان رائج الوقت $\frac{۵۲}{۱۰}$ تولہ نقرہ بے باشد پس گویا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نصاب زکوٰۃ از نقرہ $\frac{۵۲}{۱۰}$ تولہ را تعیین فرمودہ اند۔ پس این مقدار نقرہ برائے نصاب زکوٰۃ معیار بے است کہ کمی و بیشی را دران بیج راہ نیست

نیز معلوم گشت کہ نصاب نقرہ $\frac{۵۲}{۱۰}$ تولہ نقرہ است نہ کہ ۵۲ نوٹ و روپیہ نعم در نوٹ زکوٰۃ واجب است۔ لیکن در وجوب زکوٰۃ قیمتش اعتبار کردہ شود۔ یعنی چون در ملک کسی جمع آیند کہ از قیمتش $\frac{۵۲}{۱۰}$ تولہ نقرہ خریدن او را کرد بعد حوالان حول زکوٰۃ در آنها واجب شود ورنہ واجب نہ شود و ہم چنین در دیت باید فہمید کہ معتبر در آن وزن دہ ہزار درہم نقرہ است کہ مساوی ۲۶۰۰ تولہ باشد این مقدار از نقرہ یا قیمتش از نوٹ در دیت ادا کردن واجب

است نہ دیہ ہزار درہم روپیہ نوٹ و لیس - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

۱۸ - ۱۱ - ۸۶ ۱۳ ھ

سفرار کو زکوٰۃ کے پیسے قبل از تملیک تنخواہ دینا درست نہیں

اور سفیر کو عامل پر قیاس کرنا صحیح نہیں

ایک سفیر جو ادارے کا تنخواہ دار ہے۔ ادارہ اس کو چندہ وغیرہ وصول کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ وہ مختلف جگہوں سے زکوٰۃ و عشر وغیرہ کے پیسے ادارہ کے لئے جمع کرتا ہے۔ تو کیا یہ تملیک سے پہلے اس رقم سے تنخواہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ میں نے (فتاویٰ دارالعلوم ج ۱ ص ۷۹) میں پڑھا ہے کہ زکوٰۃ سے کسی سفیر کو تنخواہ دینا جائز نہیں اور وہ عاملین علیہا میں داخل نہیں۔ قبل از تملیک مال زکوٰۃ سے سفیر کو تنخواہ دینا درست نہیں۔ جیسا کہ "فتاویٰ دارالعلوم" میں تحریر ہے۔ اور سفرار کو عاملین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ عاملین صدقات فقراء کے وکیل ہوتے ہیں اور سفرار اصحاب اموال کے وکیل ہوتے ہیں۔ نیز بعد از حیلہ تملیک اسے مال زکوٰۃ کہنا ہی درست نہیں۔

الجواب

لأنه يتبدل الحكم بتبدل الملك - فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۱۱ / ۸۶ ۱۳ ھ

از باب مدارس، مطبخ اور وظائف وغیرہ میں صدقات

واجبہ احتیاطاً بدون تملیک استعمال نہ کریں !

ایک بچے کے والدین زکوٰۃ دینے کے قابل ہیں۔ اور وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ اور ان کا بچہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ یعنی اپنے شہر سے کہیں دوسرے شہر میں گیا ہوا ہے۔ تو وہ طالب علم

مدرسہ سے کھانا اور کپڑا، وظیفہ بھی لیتا ہے۔ کیا یہ چیزیں اس کے لئے لینا جائز ہیں؟
الجواب جس طرح غنی صدقات واجبہ کا مصرف نہیں ایسے ہی غنی کی نابالغ اولاد بھی صدقات واجبہ کا مصرف نہیں۔ لہذا اگر یہ اشیاء ثلاثہ (کھانا، کپڑا، وظیفہ) صدقات واجبہ سے دی جاتی ہیں اور وہ بچہ نابالغ ہے تو یعنی درست نہیں۔ اگر وہ بچہ بالغ ہے اور صاحب نصاب نہیں تو لے سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اشیاء مذکورہ مدرسہ میں تملیک کے بعد استعمال کی جائیں۔ تاکہ کبھی مستفید ہو سکیں۔ فقط واللہ اعلم۔

اجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد النور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۱/۱/۹ھ

نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

تملیک کی بہتر صورت
 ایک مدرسہ میں عطیات وغیرہ سے کام نہیں چلتا۔ تورا راہ ہوا کہ صدقات واجبہ بھی لئے جائیں۔ اور ان سے تنخواہیں پوری کی جائیں۔ زید کہتا ہے کہ تملیک وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلا تملیک تنخواہ دینا جائز ہے بھر کہتا ہے کہ تملیک کے ساتھ بھی جائز نہیں۔ عمر کہتا ہے کہ شرعی تملیک تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ تملیک کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی صاحب جو سستی زکوٰۃ ہوں اس سے مدرسہ کے لئے چندہ لیا جاتا ہے۔ اس کے پاس نہ ہو تو وہ قرض لے کر دیتا ہے۔ پھر اس کو زکوٰۃ کے پیسے دے دیئے جائیں۔ یا وہی زکوٰۃ کے پیسے دیں اور وہ اپنی خوشی سے مدرسہ کو دے دے، کیا حکم ہے؟
 محمد صدیق، انوار العلوم جھنگ صدر

عمر کا قول صحیح ہے۔ اور تملیک کی پہلی صورت اختیار کی جائے۔

» وحيلة التكفين بما التصدت على الفقير

ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في

بناء المسجد - (در مختار) -

اور فتاویٰ دارالعلوم جدید، جلد ۶ ص ۱۰۴ میں اسی حیلہ سے زکوٰۃ وغیرہ کو تنخواہوں میں صرف کرنا جائز لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۲/۱۲/۲۲ھ

کیا پس میں بھی عشر واجب ہے

فتاویٰ عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا پس میں عشر نہیں ہے۔ نیز یہ بھی بتائیے کہ کن فصلوں

پر عشر ہے اور کن پر نہیں ؟

۲۔ جو زمین ٹھیکے (مستأجری) پر دی گئی ہو، اس کا عشر مالک پر ہے یا اس کو کاشت کر نیالے پڑے یا نہ ہوگا جب کہ زمین نہری ہو۔ اور کاشت کار کو ٹھیکہ ادا کرنے کے بعد بھی کافی منافع حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ کیا پس روئی وغیرہ میں بالاتفاق زکوٰۃ و عشر واجب ہے۔ البتہ امام صاحب الجواز اور صاحبین کا مقدار نصاب میں اختلاف ہے۔

قال ابو يوسف في ما لا يوسق كالزعفران والقطن يجب فيه العشر اذا بلغت قيمته خمسة اوسق من ادنى ما يوسق الخ وقال محمد و يجب العشر اذا بلغ الخارج خمسة امدار من اعلى ما يقدر به نوعه - (هدايه - ج ۱ - ص ۱۸۴)۔

اس عبارت سے صراحت معلوم ہو گیا کہ روئی وغیرہ میں عشر واجب ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جس کو زمین اگائے۔

” لقوله عليه السلام ما اخرجت الارض ففيه العشر (هدايه ج ۱ ص ۱۸۳)۔ فتاویٰ عالمگیری میں شجر قطن کی نفی ہے ثمر قطن یعنی کیا پس کی نفی نہیں ہے۔ (ج ۱ ص ۹۵)۔ ۲۔ الباب ص ۵۵۔ پر ہے کہ۔

العشر على الموجب كالخارج الموزون وقال اعلى المستأجر قال في الحاوع وبقوله ما نأخذ اقول لكن الفتوى على قول الامام وبه افتى الخير الرملى والشيخ الاسماعيل الحائلي وحامدا فتوى العماد وعليه العمل لانه ظاهر الرواية -

اس سے معلوم ہوا کہ مالک پر واجب ہوگا کیونکہ مکمل ٹھیکہ وصول کر لیتا ہے نہری زمین میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ادا کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ○ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عشر کل پیداوار سے دیا جائے ایک آدمی نے گندم اڑھائی ایکڑ بھیجی اور اس کی گندم کل چالیس من ہوئی۔ اور اس نے پھر حساب لگایا۔

مزدوری سات من اسی وقت نکل گئی۔ کھاد، بجائی اور ٹریکٹر کا خرچ، سولہ من گندم وہاں خرچ ہوئی۔ نقد پیسے اور آب پاشی بھی آئے گی۔ پھر اس گندم کا عشر کیسے نکالا جائے۔

مذکورہ زمین کی کل پیداوار سے نصف عشر $\frac{1}{2}$ بطور عشر دیا جائے۔

و یجب نصفه فی مسقی غرب ودالیه بلا رفع مؤن ای

کلف الزرع : (در مختار علی الشامیۃ - ج ۲ - ص ۶۹) - فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نابالغ کی جائیداد میں بھی عشر واجب ہوگا نابالغ کی جائیداد میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟

نابالغ کی مملوکہ زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا۔ فی الشامیۃ و یجب مع

الدین و فی ارض صغیر ۱ھ - (ج ۲ ص ۶۷) - فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۳ - ۲ - ۸۹۳ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

لذنی میں عشر نہیں ہمارے علاقہ میں خود رو پورا ہوتا ہے جس کو لذنی کہتے ہیں۔ اس سے کپڑے دھونے کی کھار بناتے ہیں اور کافی آمدنی ہوتی ہے۔ تو کیا

اس کھار پر عشر ہے یا نہیں ؟

چونکہ عام طور پر اسے کاشت نہیں کیا جاتا، اور اس کے ذریعہ سے زمین کی آمدن مقصود نہیں ہوتی۔ لہذا اس میں عشر نہیں۔

الا فیما یقصد بہ استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی

وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطرات وخطمی واشنان ۱ھ

البتہ اگر کسی کی زمین میں مستقل پردے ہوں اور وہ ان کی حفاظت کرتا ہو، گوڑی وغیرہ کرتا ہو پک جانے پر کھار تیار کر کے بیچتا ہو تو اس پر عشر اٹانا چاہئے۔

وفی الدر المختار حتی لو اشغل أرضه بها۔ (رای بالمذکورات)

يجب العشر اه (درمختار علی الشامیہ - ج ۲ - ص ۶۸)۔ فقط

واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۰۰/۴/۲۱

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

باغ کا پھل خریدنے کی صورت میں عشر بائع پر ہوگا یا مشتری پر

زید اپنے باغ کا میوہ ایسے وقت میں فروخت کرتا ہے کہ جب ظاہر ہو چکا ہوتا ہے مگر ابھی تک پختہ نہیں ہوا۔ اور فروخت کے وقت کوئی شرط نہیں لگاتا کہ بائع کے درختوں پر مشتری کا میوہ پختہ ہونے تک چھوڑا جائے گا بلکہ عقد مطلق ہوتا ہے۔ البتہ بائع خود مشتری کا میوہ پکنے تک اپنی رضا سے چھوڑ دیتا ہے۔ تو اس صورت میں میوہ کا عشر بائع پر ہے یا مشتری پر؟ اگر مشتری پر ہے جیسا کہ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

« ولو باع الزرع قبل ادراكه فعشره على المشتري والأفعلى البائع »
تو بائع کو اس رقم کی زکوٰۃ کب ادا کرنی پڑے گی۔ اور اگر بائع کے پاس اس مبلغ سے پہلے بھی کچھ رقم تھی تو کیا اس میوہ والی رقم کو ساتھ ملا کر مال استفاد کے طور پر زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

عبد الواحد، ملتان

صورت مسئلہ میں عشر مشتری پر ہے جیسا کہ جزیئہ مسطورہ سے معلوم ہوا۔ اور

الجواب

اور بدائع الصنائع سے بھی۔ البتہ مشتری کو چاہئے کہ وہ خریدتے وقت یہ خیال کرے کہ عشر کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور اتنی مفت وارثن کم مقرر کرے مشتری سے وصولی حقیقت بائع سے ہی وصولی ہے۔ کیونکہ مشتری سے جب حکومت جبراً عشر وصول کر لے گی تو لازماً خریدتے وقت وہ یہ گنجائش رکھ کر خریدے گا کہ مجھے عشر بھی ادا کرنا ہے اور ثمن کم لگا دے گا۔

۲۔ بائع اس رقم کو سابقہ مفتی کے ساتھ ملا کر مال مستفاد کے طور پر زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اس کے لئے الگ سال پورا کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جب عشر بائع پر ہو تو ادائے عشر کے بعد جو ثمن ملے گا یہ بھی مال مستفاد کی طرح اصل نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا۔

”ولو كان له عبد للخدمة فادى صدقة فطره او كان له طعام فادى

عشره..... ثم باعها يضم ثمنها الى اصل النصاب“

(بدائع ج ۲ ص ۶۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۲۹/۱۱/۱۳۹۸ھ



بھوسہ میں عشر ہے یا نہیں

بھوسہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

اس میں تفصیل ہے۔ اگر زمین میں گندم کی کاشت بھوسہ حاصل کرنے کے لئے ہی کی گئی ہے تو پھر اس میں عشر ہوگا۔ اور اگر کاشت گندم حاصل کرنے کے لئے کی تھی لیکن ساتھ ہی بھوسہ بھی برآمد ہوا تو گندم میں عشر ہوگا بھوسہ میں نہیں۔

الجواب

لما في الشامية والبحر (قوله وتبين) بالباء الموحدة قال في الفتح غير انه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه لانه صار هو المقصود. وعلى هذا كل ما لا يقصد به استغلال الارض لا يجب فيه العشر مثل السعف والتبن. فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح

بندہ محمد عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ محمود عفا اللہ عنہ مفتی قائم العلوم ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۵/۴/۱۳۹۹ھ



۱۔ پیداوار غلہ پر عشر کتنی مفتی پر واجب ہے؟

عشر نہیں نصاب نہیں ہے

پیداوار کی کوئی حد وزن پیمانہ بھی مقرر ہے یا جتنا غلہ

پیدا ہو سب پر عشر واجب ہے ؟

۲۔ تمام پیداوار پر عشر واجب ہے یا مزارع وغیرہ کے اخراجات اور دیگر اخراجات نکال کر دیا جائے ؟ حافظ محمد یوسف تونسہ ڈی جی خان ۔

۱۔ پچیس من غلہ پر عشر واجب ہے ۔

الجواب

۲۔ عشر زمیں دار پر ہے ۔ پچیس من غلہ جب نکلے پہلے عشر نکالا جائے باقی اخراجات بعد میں نکلے جائیں گے ۔ فقط واللہ اعلم

قاضی ڈیرہ غازیخان

الجواب :- ۱۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشر میں نصاب نہیں ہے ۔ جملہ پیداوار

پر عشر واجب ہے ۔ لقولہ علیہ السلام ما اخرجت الارض

ففیہ العشر ۔ (ہدایہ ج ۱ - ص ۱۸۳)

۲۔ مزارعت کی صورت میں زمیں دار پر عشر اس کے حصہ میں آنے والی پیداوار پر آئے گا اس حصہ سے دیگر اخراجات وضع کرنے سے پہلے عشر ادا کرے ۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۱ / ۲ / ۱۴۰۰ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جن زمینوں کا آب نہ دیا جاتا ہو ان میں $\frac{1}{4}$ واجب ہوگا

عرصہ تقریباً ۵۷ سال گزر چکا ہے کہ لائل پور کی زمین گورنمنٹ برطانیہ نے کچھ سستی اور کچھ گراں قیمت پر لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دی تھی ۔ کیا اس زمین میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟ جبکہ حکومت آبیانہ اور مالیہ دونوں قسم کے مطالبات وصول کرتی ہے ۔

مولوی عبد الغنی نائب مہتمم مدرسہ ربانیہ ضلع لائل پور

آبیانہ اور مطالبہ مال کی ادائیگی کی وجہ سے ان زمینوں کے عشری ہونے میں

الجواب

کوئی فرق نہیں آتا ۔ البتہ ان زمینوں میں جب کہ مشقت اور محنت زیادہ ہوتی ہے

دسویں حصہ کی بجائے بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا ۔ لان العلة في العدول عن العشر

الح نصفه في مسقى غروب و حالیه هی زیادة الكلفة كما

علمت و هی موجوده في شراء الماء ۱۱ (شامیه ج ۲ ص ۶۶)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۲۸/۱۲/۱۳۸۶ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

ماکب زمین یا مزارع مقروض ہے تو وہ زمین
کی پیداوار سے قرض ادا کرے یا عشر؟

قرض وجوب عشر سے مانع نہیں

قرض وجوب عشر سے مانع نہیں۔ اس کے باوجود ہر ایک اپنے حصہ پیداوار کا عشر

ادا کرے۔ ولا یمنع الدین وجوب عشر و خراج و کفارة ۱۱

الجواب

(در مختار علی الشامیہ - ج ۲ ص ۷۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۴/۱۲/۱۴۰۰ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

چترال میں گرمیوں کے موسم میں

قدرتی پانی سے سیراب کھیتوں میں ۱۱ واجب ہے

برف کا پانی ندیوں اور وادیوں

میں بہتا ہے۔ لوگ ان سے نہریں نکالتے ہیں اور اپنی اراضی کو پانی دیتے ہیں۔ یہ نہریں ایک فرلانگ

لمبی، کہیں میل کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں۔ پھر سردیوں میں یہ نہریں خراب ہو جاتی ہیں تو لوگ بعضے

جگہ تقریباً بیس دن تک ان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں پھر اس نہر میں پانی جاری کرنے کے بعد

تقریباً ۱۱ ماہ تک دو آدمی نہر کی دیکھ بھال کرتے ہیں تاکہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ اب اس پانی سے

جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں ان میں عشر ہوگا یا نصف عشر۔ درمختار وغیرہ سے بظاہر معلوم

ہوتا ہے کہ عشر ضروری ہے۔ جب کہ حکومت آبیانہ وغیرہ بھی نہیں لیتی۔

مولوی فضل مولیٰ - چترال

آپ کی اراضی میں عشر ہی واجب ہوگا۔ چند دن نہر کی کھدائی میں لگ جائیں اور

پھر دو ماہ تک اس سے سیرابی ہوتی رہے تو اسے تونٹ کبیرہ قرار نہیں دیا جاتا

الجواب

خصوصاً جب کہ آپ کے ہاں سابقہ تعامل بھی عشری کا ہے۔

وتجب فی مسقی سماء ای مطر و سیح کنھر ۱ھ

معلوم ہوا کہ نمر سے سیراب شدہ فصل پر عشر ہوگا۔ اور اس کی عمومی صورت یہی ہوتی ہے کہ نالی

کاٹ کر لائی جاتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۱/۱/۱۳۹۵ھ

مقل (ضلع میانوالی) کی زمیںیں عشری ہیں

زید نے آج سے تقریباً بارہ سال قبل حکومت اسلامیہ پاکستان سے ضلع میانوالی میں سے چار مربع زمین بسلسلہ آباد کاری اجرت (قیمت) کی تھی مگر قیمت ابھی تک ادا نہیں کی گئی۔ بلکہ ہر سال بارہ روپے ایکڑ کے بدلہ میں حکومت کو ادا کرتے ہیں۔

۱۔ تو کیا یہ زمین عشری ہے یا خراجی ؟

۲۔ اگر خراجی ہے تو عشر ادا کیا جائے یا نہیں ؟

۳۔ اگر خراجی ہے تو مالہ بارہ روپے فی ایکڑ کی صورت میں جو حکومت لے رہی ہے اس کی کب صورت ہوگی۔ یہ خراج ہے یا عشر مستقل دینا پڑے گا ؟

۴۔ اب تک اس زمین کو عشری سمجھ کر جو عشر ادا کیا گیا اس کی بنیاد پر علاقہ کے غریبوں میں یہ مشہور

ہو گیا ہے کہ یہ لوگ عشر دینے والے ہیں۔ اب عشر چھوڑنے کی صورت میں اس کا کیا ہوگا ؟

اگر اراضی عشریہ اور خراجیہ کی شرائط بھی بیان فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

۲۔ اسی طرح فیصل آباد اور بخش خاں تحصیل چشتیاں میں کچھ زمین آباد و اجداد کے ورثہ میں ملی

ہے۔ اس کا کیا حکم ہے ؟ وہ عشریہ ہے یا خراجیہ ؟

۳۔ اراضی خراجیہ کی صورت میں اگر حکومت خراج نہ لے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

۱۔ غور کرنے سے یہی معلوم ہوا کہ یہ زمین عشری ہے۔ جب کہ بارانی ہو یا ٹیوب ویل

یا حکومت پاکستان کی نکالی ہوئی نروں سے سیراب کیا جاتا ہو۔ کیوں کہ یہ سب

عشری پانی ہیں۔ اور مالک بھی مسلمان ہیں۔ اور ”الیق بحال المسلم“ عشری ہی ہے۔ بے آباد زمینوں

الجواب

کے بارے میں ضابطہ یہ لکھا ہے کہ - اگر انہیں حکومت کی اجازت سے آباد کیا جائے تو امام ابو یوسف ؓ کے نزدیک اسے قریبی زمینوں کا حکم دیا جائے گا - اگر عشری کے قریب ہے تو عشری - اور اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی - جب کہ آباد کرنے والا مسلمان ہے -

اور امام محمد ؓ کے نزدیک پانی کا اہمیت بار ہے - اگر عشری پانی سے اس زمین کو سیراب کیا جاتا ہے تو عشری ہے ورنہ خراجی - جیسا کہ ہدایہ و درمختار وغیرہ میں مصرح ہے -

اور ایک مقام پر مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں -

” اس طرح جن زمینوں کو حکومت پاکستان نے پانی پہنچانے کے ذرائع مہیا کر کے آباد کیں اور مسلمانوں کو بلا قیمت یا بہ قیمت تقسیم کیا جیسا کہ پنجاب میں تھل کا علاقہ ، اور سندھ میں کوٹری کا علاقہ ، ان سب زمینوں پر چونکہ ابتداءً ملکیت مسلمانوں کی ہوئی ، اس لئے یہ بھی عشری قرار پائیں گی - بشرطیکہ ان کی آبپاشی سندھ و پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو - (جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۵۸) -

پس یہ زمین عشری ہے تو خراج سے متعلقہ سوالات کی حاجت نہیں -

۲ :- جو زمین ابتداءً ہی سے مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آ رہی ہو اس میں احتیاطاً عشر کو واجب قرار دیا جاتا ہے - پس ان میں سے بھی عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا -

۳ :- اگر لگان مسلمان حکومت وصول کرتی ہے تو اس کی ادائیگی میں خراج ادا کرنے کی نیت کی جاسکتی ہے - اور اگر حکومت لگان وصول نہیں کرتی یا بہت کم وصول کرتی ہے تو اپنے طور پر خراج کو مصارف خراج میں خرچ کرنا ضروری ہے - (کذا فی جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۹۰) -

اور مصارف خراج میں سے علماء ، طلباء ، مفتیوں ، قاضیوں کو دینا بھی جائز ہے -

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ، ۱۴/۵/۱۴۰۱ھ

پاکستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی

پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی - اگر عشری ہیں تو زمیندار اور مزارع دونوں پر اپنے اپنے

حصص میں عشر واجب ہے یا فقط زمیندار پر ، اور اگر دونوں پر واجب ہے تو زمیندار معاملہ سرکاری نکال کر ، اور مزارع آبیانہ نکال کر باقی دے گا - یا معاملہ آبیانہ نہیں نکالنا پڑے گا ؟

اگر نکال کر باقی دینا ہے تو اگر کچھ نہ بچے تو دیوے یا نہ دیوے۔ اگر پانچ دسق سے کم ہے تب بھی عشر نکالے یا نہیں۔ اگر صاحبین کے قول پر پانچ دسق کے کم سے نہ نکالے تو مجرم ہے یا نہیں۔ اگر امام اعظم کے قول پر ہر چیز سے نکالنا ہے تو سبزیاں مثل کریلے وغیرہ سے کیسے نکالے، چھوٹی بڑی قلیل کثیر سب کا حساب سخت مشکل ہے۔

اور جو زمینیں نہ سرکاری یا عوام کی نہر سے آب پاشی ہوتی ہیں ان کا دسواں حصہ نکالنا ہے یا بیسواں سیلابی اور بارشی زمین کا کتنا حصہ نکالنا ہے؟

الجواب پاکستانی زمینیں عشری ہیں کیوں کہ اسلامی بادشاہوں کے زمانہ سے مسلمانوں پر تقسیم ہوتی چلی آئی ہیں یا یہاں کے باشندے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور ایسی ہر دو قسم کی زمینیں عشری ہیں۔ البتہ کافر سے خریدی ہوئی زمین عشری نہ ہوگی۔ (بہشتی زیور)

عشر صاحب پیداوار پر ہے۔ زمیندار اور مزارع ہر ایک اپنے حصہ کا عشر نکالے۔ (بہشتی زیور)

جس زمین کا آبیا نہ سرکاری ادا کیا جاتا ہے اس کی پیداوار پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم ہے۔ لہذا کل پیداوار کا بیسواں حصہ دینا ہوگا۔ کیوں کہ ادائیگی و آبیا نہ کی وجہ سے عشر میں تخفیف ہو کر بیسواں حصہ لازم ہو چکا ہے۔

عبادات میں مطلقاً امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر فتوے ہے۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پیداوار قلیل ہو یا کثیر دسواں یا بیسواں حصہ ضرور نکالے، سبزیوں کا عشر بھی نکالے جس وقت پیداوار دستیاب ہو کل وزن کر کے دسواں یا بیسواں حصہ تول کر فقراء میں تقسیم کر دے۔ بیس سیر سبزی میں سے ایک یا دو سیر نکالنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ (بہشتی زیور)

نہری یا چاہی پانی میں چونکہ مرنٹ زیادہ ہے اس لئے اس میں بیسواں حصہ عشر ہے۔ اور بارشی پانی میں مرنٹ کم ہے اس لئے اس میں عشر (دسواں حصہ) لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء نعیر القدر اس ملتان

الجواب صحیح

غیر محمد عفا اللہ عنہ۔ ۱۴ صفر ۱۳۷۲ھ

خراجی زمین کی تعریف زمین کی مدقمیں ہیں۔ عشری اور خراجی۔

عشری کی وضاحت یہ ہے کہ جو زمین یا علاقہ کفار سے لڑ کر حاصل کیا جائے۔ اور حاصل شدہ زمین کو مسلمان بادشاہ مسلمانوں میں غنیمت کے طور پر تقسیم کر دے وہ عشری ہے۔ مزید تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل جو بھی زمینیں کلیم اور الاٹمنٹ کی صورت میں تقسیم ہوتی ہیں سب کی سب عشری ہیں۔ اس میں بارانی اور چاہی کی صورت میں ۱۰ اور ۱۰ کا عشر ہونا چاہیے۔ یا ایسی عشری زمین باپ دادا سے ورثاً چلی آتی ہے اور اس کو کوئی دوسرا مسلمان خرید لے تو بھی اس میں عشر ہوگا۔ اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ کہ کفار کی زمین جو کہ مال غنیمت یا فدیہ میں ملی ہو جب تک وہ مسلمانوں کی وراثت میں رہے گی بے شک بیسیوں دفعہ فروخت ہو (مسلمانوں میں) عشری ہی رہے گی۔ تاوقتیکہ اس کو کوئی غیر مسلم خرید نہ لے۔ بندہ نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق یہ مفہوم عرض کر دیا ہے۔ اگر اس میں غلطی ہو تو، اصلاح فرمائی جائے۔

اور خراجی زمین کے بارے میں تفصیلاً وضاحت کی جائے کہ خراجی زمین کون سی ہے۔

عزیز برادر ز غلہ منڈی چشتیاں۔

الجواب عشری زمین کے بارے میں جو آپ نے سمجھا ہے صحیح ہے۔ اور خراجی زمین کے تعریف اور تشخیص اس طرح ہے کہ جو اراضی کفار سے لڑ کر حاصل کی جائیں اور وہ مسلمانوں میں تقسیم نہ کی جائیں۔ یا کوئی علاقہ صلحاً فتح ہو جائے، وہ زمینیں خراجی ہیں۔ البتہ مکہ مکرمہ اگرچہ لڑ کر فتح ہوا ہے لیکن مکہ کی زمینیں عشری ہیں خراجی نہیں۔ اس لئے کہ مکہ مکرمہ جزیرہ عرب سے ہے۔ درمختار میں ہے۔ ج ۲۔ ص ۲۶۲۔ شامیہ۔

وما فتح عنوة ولو يقسم بين جيش الا مئة سواء اقرا هله

عليه او نقل اليه كفار اخر او فتح صلحا خراجية۔

اسی طرح جو زمین کافر سے خریدی جائے وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور جو زمینیں مسلمانوں نے الغرہ گورنمنٹ سے خریدی ہیں اگر وہ پہلے سے عشری نہیں تھیں تو وہ زمینیں بوجہ استیلا، سرکار کی ملک ہو گئی تھیں۔ اس لئے وہ اب بھی عشری نہیں ہوں گی۔ فقط واللہ اعلم

اجواب صحیح: نیر محمد عفا اللہ عنہ ○ بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۶/۸/۱۳۸۵ھ

اجرت کم ہو تو عشر کاشت کا یہ ہے مسئلہ عشر کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں جواب تحریر فرمادیں۔ اجناس مثلاً گندم، نخود، چاول

وغیرہ میں عشر ہے یا نہیں؟ نیز یہ ٹھیکہ کی زمین کی پیداوار ہے تو اس کی کل آمدنی پر عشر ہوگا یا ٹھیکہ منہا کرنے کے بعد عشر ادا کیا جائے گا؟

فی الدر المختار والعشر علی الموحر ککخراج موظف

الجواب

وقالا علی المستأجر کاستعیر مسلم وفي الحاوی

وبقولهما نأخذ في الشامیة قلت لیکن افقی بقولہ

الامام جماعة من المتأخرین (الی ان لیکن فی زماننا

عامۃ الاوقاف من القرع والمزارع لیرضی المستأجر

بتحمل غرامات ومؤنها یتأجرها بدون اجر المثل - ۱ھ

(ج ۲ - ص ۴۵) -

روایت بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر زمیندار پوری اجرت لے اور کاشتکار کے پاس بہت

کم بچے تو عشر زمیندار کے ذمہ ہے اور اگر زمیندار اجرت کم لے اور کاشتکار کے پاس زیادہ

بچے تو عشر کاشتکار کے ذمہ ہے لیکن ہمارے دیار میں جب کہ اجرت کم لی جاتی ہے۔ اس لئے

کاشتکار پر وجوب عشر کا فتوے دیا جائے گا۔ کافی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵

۱ بیانہ، ٹیکس، لگان وغیرہ آمدنی سے منہا نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ایسی زمین کی پیداوار میں

نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ فقط والشد اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی

الجواب صحیح

خیر المدارس ملتان ۱۱/۱۲/۱۳۸۶ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

بارانی اور نہری زمینوں کی پیداوار میں مقدار عشر کے فرق کی وجہ

زید کے پاس ایک ایکڑ زمین ہے اور اس سے گندم کی فصل حاصل کرنے کے لئے دو قسم کے خرچ

کرنے پڑتے ہیں۔ کچھ خرچ اس کے بچنے سے فصل بچنے تک، اور کچھ خرچ فصل بچنے پر کٹوانے اور دانے

نکھوانے کے لئے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح اسے انیس من گندم حاصل ہوتی ہے جس میں سے کٹوائی نکھوائی ادا کر کے پندرہ من گندم بچتی ہے، آیا عشر کتنی گندم کا دینا ہوگا۔ ۹

۲ : دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جتنی گندم کاٹی جاتی ہے اس کا سولہواں حصہ فصل کی کٹائی میں دیدیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہتھکڑی سے دلنے نکھولتے جاتے ہیں اس میں کتنا عشر دینا ہوگا۔

۳ : زید کے پاس چار گائیں، دو بیل ہیں وہ مزارعت پر کام کرتا ہے۔ اور صاحب نصاب بھی نہیں غریب آدمی ہے، کیا زید کو عشر دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے جانوروں کے قیمت تقریباً دس ہزار کے قریب ہے۔

کل پیداوار یعنی انیس من سے نصف عشر یعنی ۹½ ادا کرنا ہوگا۔ کیوں کہ ایسی زمینوں کی پیداوار کے عشر میں انہی اخراجات کو مد نظر رکھ کر تخفیف کی گئی ہے اور بجائے عشر کے نصف عشر واجب کیا گیا ہے۔ بارانی زمین میں اخراجات کم ہوتے ہیں اس لئے اس میں عشر واجب کیا گیا ہے۔ اگر یہ اخراجات وضع کرنے کے بعد باقی بچ رہنے والی پیداوار میں عشر واجب ہو تو بارانی اور نہری کے عشر میں تفریق کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔

يجب العشر في الاول ونصفه في الثاني بلا رفع اجرة العمال ونفقة
البقر وحري الانهار واجرة الحافظ ونحو ذلك - "درر" قال
في الفتح يعني لا يقال بعدم وجوب العشر في قدر الخارج
الذى بمقابلة المؤنة بل يجب العشر في الكل لانه
عليه السلام حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو
رفعت المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر دائما في
الباقى لانه لم ينزل الى نصفه الا للمؤنة والباقي بعد رفع
المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب دائما العشر لكن الواجب
قد تفاوت شرعا فلمنا انه لو يعتبر شرعا عدم عشر
بعض الخارج وهو القدر المساوئ للمؤنة اصلا - ۱۷

(شائع ج ۲ ص ۶۹)

ب : کٹائی کی اجرت میں دی جانے والی گندم کا عشر بھی ادا کرنا ہوگا نیز اس کی کٹائی ہوتی گندم کو

اجرت میں مقرر کرنا درست نہیں۔ کما ہو المعروف۔

۲۔ زید کی گزراوقات اگر ان گالیوں پر موقوف نہیں تو ان کی وجہ سے غنی سمجھا جائے گا، زکوٰۃ وعشر کا مستحق نہیں۔ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳ میں ہے۔

والمزارع بثورین والة الفدان ليس بغني وببقرة واحدة غني۔

فقط والله اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس مائتان ۱۰

دکان پر رکھے ہوئے اموال بھی اموال باطنہ ہیں

مال تجارت پر زکوٰۃ تو لازم ہے مگر اسکی وصولی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اموال باطنہ میں سے ہے اس لئے یہ حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ بھیسٹر، بکری جو جنگل میں چرتی ہے یہ تو اموال باطنہ میں سے نہیں مگر جو مال تجارت کھلے بازاروں میں پوری روشنی میں فروخت کے لئے پیش ہو رہا ہے کیسے اموال باطنہ میں سے ہوا، اسکی قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں نیز یہ کہ کیا اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی قانوناً مجاز ہے یا نہیں؟

الاجواب
اندرون شہر جو مال پائے جاتے ہیں انہیں اموال باطنہ کہا جاتا ہے جیسے سونا چاندی اموال تجارت ہیں جب تک کہ وہ شہر کے اندر ہوں اور بیرون شہر پائے جانے والے اموال مال ظاہر ہیں۔ عربی زبان میں ”ظاہر البلد“ بیرون شہر کو کہتے ہیں اسی سے یہ اصطلاح ماخوذ ہے۔

(۲)۔ اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی مجاز نہیں مگر خاص حالات میں مالکان کو زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے۔ فقط، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۹ شعبان ۱۴۱۰ھ

صدر پاکستان نے ہنگامی حالات شروع ہونے پر قومی دفاعی فنڈ

دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ دینے کا حکم :

کا آغاز کیا ہے کیا اس فنڈ میں زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ جبکہ زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے تو اس صورت میں یہ شرط کیسے پوری ہوگی؟

زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے لہذا تملیک کے بغیر زکوٰۃ کا روپیہ دفاعی فنڈ میں جمع کر کے خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی البتہ اگر زکوٰۃ کا روپیہ کسی مسکین کو دے دیا جائے پھر وہ مسکین اپنی خوشی سے اس روپیہ کو دفاعی فنڈ میں جمع کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جبکہ وہ روپیہ نوٹوں کی شکل میں نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صواب

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۳/۶/۱۳۸۵ھ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کا حکم

کیا صاحبِ نصاب پر سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا کچھ دن کی تاخیر بھی ہو سکتی ہے؟

سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے بلا عذر معقول تاخیر نہ کی جائے ورنہ گناہ ہوگا۔

فيا ثم بتاخيرها بلا عذر (درمختار) قوله؛ فيا ثم بتاخيرها (الخ)
ظاہرہ الا ثم بالتاخير ولو قل ليوم او ليومين لا نهم فسروا
الفور باول اوقات الامكان وقد يقال المراد ان لا يؤخر
الى العام القابل لما في البدائع عن المنتقى اذا لم يؤد ومضى
حولان فقد اساء واثم اه (شاميه) فمتى لم تجب على الفور
لم يحصل المتقصور من الا يجاب على وجه التمام وتامه في
الفتح (درمختار) (قوله وتامه في الفتح الخ) حيث قال بعد
ما تم فتكون الزکوٰۃ فريضه وفوريتهما واجبة فيلزم بتاخيرها
من غير ضرورة الا ثم كما صرح به الكرخي والحاكم الشهيد في

مسجد و مدرسہ کا جو پیسہ جمع ہوا اس پر زکوٰۃ نہیں

مسجد و مدرسہ کا پیسہ جو جمع رہتا ہے اور اس پر سال بھی گزر جاتا ہے کیا اس کی زکوٰۃ متولی کو ادا کرنا ضروری ہے یا اس مال پر زکوٰۃ نہیں ہے ؟

الجواب ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ سبب ای سبب افتراضها ملک نصاب اہد در مختار (قوله ملک نصاب) فلا زکوٰۃ فی سوائے الوقف والخیل المسبلة لعدم الملك اھ (شامی ص ۱۲) - فقط واللہ اعلم ، محمد النور غفرلہ ،

حکومت زکوٰۃ کو انہی مصارف میں صرف کرنے کی پابند ہے جن کا قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے

کیا مسلمان حکومت اپنی مرضی اور منشاء سے زکوٰۃ د عشر خرچ کر سکتی ہے ؟ اس سلسلے میں اسلامی احکامات کیا ہیں ؟

الجواب زکوٰۃ د عشر کے مصارف قرآن حکیم میں واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں انہی مصارف میں استعمال کرنا ضروری ہے کسی بھی حکومت کو ان مصارف کے سوا دوسری جگہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت علیہ السلام سے صدقہ مانگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات کے معاملہ کو اللہ نے صرف اپنے اختیار میں رکھا ہے اور خود مصارف متعین فرمائیے ہیں اگر تم ان مصارف میں سے کسی قسم میں آتے ہو تو میں تمہیں دے سکتا ہوں ورنہ نہیں۔

عن زیاد بن الحارث الصدائى قال اتيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعته فذكر حدیثا طویلاً فاتاه رجل فقال اعطینى من الصدقة

فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله لم ير من يجزم بني ولا غيره فـ الصدقات حتى حكم فيها هو فجزأها ثمانية

اجزاء فان كنت من تلك الاجزاء اعطيتك اهو (رواه ابوداؤد

عالمگیری میں بیت المال میں جمع ہونے والے مال کی اقسام اور ان کے مصارف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ و عشر کو صرف ان اُن مصارف میں خرچ کیا جائے جن کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے۔

ما يوضع في بيت المال اربعة انواع الاول زكوة السوائم والعشور وما اخذه العاشر من تجار المسلمين الذين يسمرون عليه ومحلله ما ذكرنا من المصارف الخ (ص ۱۹۱)

قال الشر نبل الى انه يجب عليه (ای علی الامام) ان يجعل لكل نوع منها (ای من الصدقات بیتاً یخصه ولا یخلط بعصنه ببعضه) (شامی ص ۶۳)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱۱ / ۱۴۰۹

کتابت کے بلاکوں پر زکوٰۃ نہیں : ایک شخص نے قرآن مجید کی طباعت کے لئے عکسی بلاک بنوائے۔ ایک

بار طباعت کے بعد ان کو اس لئے محفوظ کر لیا کہ آئندہ ان کے ذریعہ طباعت کرتے رہیں گے۔ اب وہ صرف قرآن پاک کی تجارت کرتا ہے اور بلاک کو اپنے کام کے لئے بطور آلات رکھا ہوا ہے۔ ان کو تجارت سے کوئی تعلق نہیں کیا ان بلاکوں کی زکوٰۃ بھی شرعاً اس کے ذمہ ہے یا نہیں ؟

(حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ مقیم خیر المدارس ملتان)

اگر شخص مذکور نے ان بلاکوں کو بغرض تجارت نہیں رکھا تو ان پر زکوٰۃ نہیں لگے گی۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲ / ۱۱ / ۷۹ ھ

صاحبِ لُصَابِ لوگوں سے زکوٰۃ لیتا رہا تو اب تلافی کی صورت

زید مستحق زکوٰۃ ہے اس کے اکثر احباب کو علم ہے اسے حج کے لئے کسی تیرہ سو روپیہ دیا۔ زید نے یہ سمجھا کہ یہ روپیہ تو حج کے لئے دیا گیا ہے حج پر خرچ کر دیں گا۔ نیز زید اپنے آپ کو مصرف زکوٰۃ ہی سمجھتا رہا چنانچہ صدقاتِ واجبہ بھی وصول کرتا رہا۔ اور ایک مدرسہ عربیہ کے مہتمم صاحب بھی زید سے مدرسہ کی رقم تملیک کر لے رہے تھے باوجودیکہ مہتمم صاحب کو ۱۳۰۰ روپے حج والے کا علم تھا زید کو بدستور غریب و مسکین سمجھتے رہے۔ اب زید کو مسئلہ بتایا گیا کہ تیرہ سو روپیہ حج کے لئے تم کو جو دیا گیا ہے وہ تمہاری ملک ہے۔ اگرچہ دینے والے نے حج کے لئے دیا ہے مگر اس نے تمہارے حج کے لئے دیا ہے۔ حج بدل کے لئے نہیں دیا ہے تو وہ روپیہ تمہارا ہو گیا۔ اس وجہ سے اب تم مصرف زکوٰۃ نہیں تھے اب زید پریشان ہوا کہ لوگوں کی زکوٰۃ میں وصول کر کے اپنے مصرف میں لا چکا ہوں۔ اور زیادہ فکر مدرسہ کی رقم کا ہے اب کیا کیا جائے۔

الحل صورتِ مسئلہ میں غلطی کی شکل یہ ہے کہ ان مدت سے جن میں زکوٰۃ کا مصرف کرنا جائز نہیں تھا۔ مثلاً تعمیر و مشاہراتِ اس میں سے مقدار زکوٰۃ نکال کر صحیح مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرے مثلاً مستحق طالب علموں کو نقد و وظائف وغیرہ دیئے جائیں اور جو رقم اس صاحب نے جو درحقیقت مالکِ لُصَابِ تھے اپنی ذات پر خرچ کر لی وہ مالکان کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو گئی کیونکہ لوگوں نے اسے حسب سابق مصرف سمجھتے ہوئے تملیک کی تھی ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

فی الدر المختار دفع بتحریر من یظنہ مصرفاً جب ان انہ عبداً
او مکاتبہ او حربی ولو مستأمناً اعداها لما مروا ان بان غناہ او
کونہ ذمياً او انہ ابوی او ابنہ او امرأۃ او ہاشمی لا یعید لانہ
انما یبای فی وسعہ حتی لو دفع بلا تحریر لم تجز ان اخطاء۔
اور اگر ان رقوم بالا میں سے کچھ بقایا موجود ہو تو وہ مالکان کی طرف واپس کر دے

یا صدقہ کر دے۔ فقط بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدار کس۔

الجواب صحیح، خیر محمد مہتمم مدرسہ خیرالمدار کس ۲۰ / ۵ / ۱۳۸۳ھ

پیشہ ور گدا گروں کو زکوٰۃ دینا : جو شخص زکوٰۃ کا مال عام فقیروں کو دے جو تمام سال گداگری کا پیشہ کرتے ہیں۔ انکی کیفیت کسی کو معلوم نہیں کیا زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں؟

جس شخص کے بارے میں غنی ہونے کا ظن ہو اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے قبل ازیں اگر ان لوگوں کی فقیرانہ حالت کے پیش نظر انہیں سکین سمجھتے ہوئے زکوٰۃ دے دی گئی تھی تو وہ زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ کذا فی الشامیہ (ص ۹۲)

الجواب صحیح، عبدالستار غفرلہ نائب مفتی خیرالمدار کس

۳ / ۱۰ / ۱۳۸۳ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

عہ و عبارتہ دفع بتحریر لمن یظنہ مصرفاً فبان انہ عبد لا ومکاتبہ او حربی ولومستامناً اعادہا لما مر وان بان غناہ او کونہ ذمیا او انہ ابوا او ابنہ او امرأتہ او ہاشمی لا یعید لانیہ اثب بما ف وسعہ حتی لو دفع بلا تحریر لم یجن ان اخطاءہ فقیر محمد انور، مرتب خیر الفوائد

حق کو بطورِ تملیک زکوٰۃ دی گئی اس سے جبراً واپس نہیں لے سکتے

اگر تملیک کر نیوالے کو ساری صورت سمجھا دی جائے لیکن زکوٰۃ وغیرہ ہاتھ میں لینے کے بعد اگر وہ واپس دینے سے منکر ہو جائے اور ہو بھی صاحب ضرورت تو پھر اس کا کیا حکم ہے؟

تو یہ رقم اس صاحب ضرورت غریب کی ملک ہوگی زبردستی اس سے

واپس نہیں لی جاسکتی۔ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۱/۱۳۹۴ھ

مہتمم زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہوتا ہے : عوام الناس اپنے مال کی زکوٰۃ کسی مسکین کی تملیک نہیں کرتے

بلکہ ایک مہتمم مدرسہ کو دے دیتے ہیں اور وہ مہتمم ضروریات مدرسہ پر خرچ کرتا رہتا ہے مثلاً سالن، تیل، روٹی وغیرہ تو کیا یہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہ؟

الجواب مہتمم مدرسہ لوگوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اسے چاہیے کہ زکوٰۃ کا پیسہ بصورت نقدی یا روٹی وغیرہ طلباء مستحقین کی تملیک کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ تنخواہ میں خرچ کر دیا یا اس کو تعمیر مدرسہ پر یا کسی اور مقام میں خرچ کیا جس میں تملیک نہیں ہوئی تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور اگر ایسے مصارف تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو فقیر کی تملیک کرا کے پھر مدرسہ میں داخل کیا جائے پھر اس کو حسب منشاء خرچ کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح ، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۲/۱/۱۳۹۰ھ

بلا نیت زکوٰۃ صدقہ کرتے رہے تو وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا

بعض لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے مگر ویسے صدقات دیتے رہتے ہیں کبھی کسی گداگر کو کچھ دے دیا کبھی کسی غریب مسکین کو دے دیا کبھی کسی نیک کام میں چندہ دے دیا، مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کرتے تو کیا ایسے لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب جو کچھ یہ لوگ گداگروں کو دیتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ و عشر کی نیت نہیں ہوتی تو یہ سب صدقات نعلیہ سے شمار ہوں گے یہ زکوٰۃ اور عشر سے

محسوب ہوں گے۔ البتہ اگر زکوٰۃ و عشر والا مال علیحدہ کیا ہوا ہو اور اس مال سے فقراء اور مساکین کو تھوڑا تھوڑا دیتا ہے تو پھر یہ زکوٰۃ و عشر سے محسوب ہوگا۔

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق غفرلہ، ۲۹ / ۲ / ۱۳۷۸ھ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ، ۲۹ / ۲ / ۱۳۷۸ھ

سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں: ۱۔ زکوٰۃ کے لئے نصاب موجودہ وقت میں قیمت کے

لحاظ سے چاندی کو رکھا جائے یا سونے کو۔ ۲۔ کاروبار کیلئے مستعمل اشیاء وغیرہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں ۳۔ دفاعی فنڈ میں جو ہم تنخواہ کھاتے ہیں یہ اس میں شمار کی جائے یا نہیں ۴۔ اگر اپنے بھائی سے کچھ رقم لینی ہو تو وہ بھی اس میں شمار ہو جائے گی یا نہیں؟ ۵۔ کاروبار میں جو رقم دوسروں کے پاس ادھار ہوتی ہے وہ وقتاً فوقتاً ملتی رہتی ہے تو اس کو اس میں داخل کیا جائے یا نہیں ۶۔ اپنی سوتیلی والدہ جبکہ بیوہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں جبکہ خرچہ کا خود کفیل ہو۔

۱۔ چاندی کی قیمت لگا کر نصاب ہونا معلوم کیا جائے اور اگر سونا ہی پاس ہو نہ سامان تجارت ہو نہ چاندی نہ قرضہ تو ایسی صورت میں صرف سونے کے وزن ہی کا اعتبار ہوگا۔ ۲۔ برتنوں اور آلات کی قیمت زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی۔

۳۔ زیر ضمانت زکوٰۃ کی رقم میں شمار کریں پراویڈنٹ فنڈ نہیں۔ ۴۔ کی جائے۔ سال پورا ہونے پر آپ جب زکوٰۃ کا حساب کریں تو ادھار والی رقم کو بھی اپنے پاس موجودہ نقد رقم میں شمار کر لیا کریں۔ اور اس کی بھی زکوٰۃ نکال دیا کریں۔ ۵۔ اگر یہ مسکین ہو صاحب نصاب نہ ہو تو اس کو خرچہ اور معالجہ کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۹ / ۷ / ۱۳۸۵ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

جس کے پاس گھر کا سال کا خرچ موجود ہو اسے زکوٰۃ دینا

اگر کسی کے پاس اپنی ضروریات کے لئے رہنے کا اپنا گھر اور روزانہ استعمال کے برتن اور چارپائیاں اور بستر اور سامان خوراک مثلاً گندم نمک مرچ مصالحہ تقریباً ایک سال کے لئے ہیں اور کپڑے سینے کی مشین ہے جس کی آمدن سے اپنے اہل و عیال کا گزارہ کرتا ہے ایسے شخص کو مال زکوٰۃ، قربانی، نذر، صدقہ فطر، فدیہ کفارہ اور عشر دینا جائز ہے اگر کسی نے جائز سمجھ کر دے دیا تو دوسری دفعہ زکوٰۃ وغیرہ کا دینا واجب ہے یا نہیں۔ نیز اس شخص سے جس کو غلطی کی وجہ سے دے چکا ہے واپس لینے کا کیا حکم ہے؟

و فی رد المحتار ص ۸۸ و فیہا سئل محمد عن من له
ارض فی زرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاثہ

آلاف ولا تكفی لنفقتہ و نفقتہ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ وان كانت
قیمتہا تبلغ الوفاء و علیہ الفتویٰ۔ وعندہما لا یحل و فی الدر المختار ص ۹۳
دفع بتحریر لمن یظنہ مصرفاً فبان انہ عبداً او مکاتبہ او حربی
ولو مستأثماً اعادہا لما مروا بان غناہ او کونہ ذمیاً او ابنہ او امرأۃ
او ہاشمی لا یعید۔

شخص مذکور فی سوال کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ بنا بر روایت در مختار سئل محمد اور
جس شخص کو دی جا چکی ہے۔ اگر اپنی طرف سے تحقیق کر کے فقیر یا مستحق سمجھ کر دی گئی
تو اعادہ واجب نہیں ورنہ اعادہ ضروری ہے۔ بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۳ / ۶ / ۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے زکوٰۃ کے پیسوں سے رجسٹر خریدنا

زید نے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو محض رقوم زکوٰۃ و فطرانہ لوگوں سے وصول کرنے

کی اپیل کرتا ہے پھر بمشورۃ اہل محلہ مستحق لوگوں پر تقسیم کی جاتی ہے اور قیدیوں میں بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ قابل دریافت امر ہے کہ اس ادارہ کو رسید بک و اشتہار و رجسٹرات و قلم دوات اس فنڈ سے رکھنا اور بنانا درست ہے یا نہ۔ اور کیا اس فنڈ سے قیدیوں کے پڑھنے کے لئے دینی اور مذہبی کتابیں خرید کر کے لائبریری جیل خانہ میں داخل کرنا کیسا ہے ؟

زکوٰۃ و فطرانہ وغیرہ کے مال سے ادارہ مذکورہ کے حساب و کتاب کے لئے رجسٹر اور قلم دوات وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی کتابیں خرید کر کسی لائبریری میں داخل کرنا جائز ہے اس طرح زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ لہذا زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی تب ہوگی جب کسی مسکین کو اس کا مالک قابض بنا دیا جائے۔ بندہ اصغر علی غفرلہ ۱۳/ ۹/ ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح، محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۳/ ۹/ ۱۳۷۸ھ

جب آپ نے ایک نیک مقصد کے لئے ادارہ قائم کیا ہے تو رجسٹر وغیرہ کے لئے اپنی لوگوں سے جو زکوٰۃ دیتے ہیں دیگر چندہ لیں کیونکہ اس طرح ان کی زکوٰۃ صحیح مصرف پر صرف ہوگی اور ان کو تحقیق مصرف وغیرہ کی مشقت سے کفایت حاصل ہو جائے گی۔ نیز زکوٰۃ کا روپیہ نقد بنا کر فقراء کی تملیک کیا جائے اور جو رقم کسی سے زکوٰۃ کی وصول کی جائے وہ فوری طور پر فقراء پر تقسیم کر دی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ کی رقم ہفتوں یا دنوں تک آپ کے پاس پڑی رہے۔ کوشش یہ ہو کہ رات آنے سے پہلے روز کی روز ٹھکانے لگ جائے۔ اس قسم کی اور بھی ضروری احتیاطات اور مسائل ہیں جو کہ آپ اہل علم سے دریافت کر سکتے ہیں۔

الجواب صحیح، مفتی خیر المدارس طان

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳/ ۹/ ۱۳۷۸ھ

عیالدار مستحق کو نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں

زید نے خالد کو مبلغ ۱۵۰ روپے زکوٰۃ کے دیتے کیا خالد کو بکرہ بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے کیونکہ خالد صاحب نصاب بن گیا۔؟

جواب: خالد اگر عیالدار ہے تو اسے مزید زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے تا وقتیکہ اس کے کنبے کے ہر فرد کے پاس تقریباً ۱۰۰ روپے کی مالیت کی مقدار نہ ہو جائے۔
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۳۰/۸/۱۳۸۳ھ
علہ وکراہ اعطاء فقیر نصاباً او اکثر الا اذا کان المدفوع الیہ مدیوناً وکان صاحب عیال بحيث لو فُرّقَ علیہم لا یخص کلّ واحد
(در مختار علی الشامیہ ص ۴۳)

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
مرتب خیر الفوائدی مقیم خیر المدارس ملتان

کتنی عمر کے بچے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

اگر کسی نابالغ اور یتیم بچے کو زکوٰۃ دینی ہو تو شرعاً اس کے لئے کوئی عمر کی شرط ہے یا نہیں؟

جواب: نابالغ مستحق کم از کم اتنی عمر کا ہو کہ وہ قبضہ کو سمجھتا ہو یعنی اسے یہ سمجھ ہو کہ یہ چیز مجھے مالکانہ طور پر دی جا رہی ہے۔ اسے پھینک کر بھاگ نہ جلتے کم از کم چھ سات سال کی عمر کے بچے میں اتنی سمجھ ہوتی ہے۔

ولو کان الصبی مراہقاً او یقل القبض بان کان لایس محبہ ولا یخدع عنہ یعوز اھ (فتح القدیر ص ۲۱۱)۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ میں آئے ہوئے کپڑے کو مہتمم نے کم قیمت پر

بیچ دیا تو کتنی زکوٰۃ ادا ہوئی ؟

ایک شخص نے پچاس روپے کے کپڑے لیکر بعد زکوٰۃ مدرسہ میں داخل کئے مہتمم نے تیس روپے کے فروخت کر کے رقم مدرسہ میں داخل کر لی تو زکوٰۃ تیس روپے کی ادا ہوئی یا پچاس کی ؟

باوجود تلاش کرنے کے صریح جزئیہ تو کوئی نہیں ملا البتہ دو فتوے فتاویٰ امدادیہ میں مل گئے ہیں اگرچہ وہ بھی باحوالہ نہیں تاہم ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئلہ میں تیس روپے کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔ اگر ان کپڑوں کی قیمت پچاس روپے ہو تو مہتمم بیس روپے کا ضامن ہوگا۔ زکوٰۃ دینے والے سے دوبارہ اجازت حاصل کر کے مہتمم صاحب اپنی طرف سے بیس روپیہ مدرسہ میں داخل کرے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۸۵/۴/۲۴ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

زکوٰۃ کی رقم ملکی قرضہ میں ادا کرنا : گورنمنٹ پاکستان نے غیر ملکی

کا بہت قرض دینا ہے جس

کی وجہ سے مہنگائی ہے اور ملک مالی لحاظ سے کمزور ہو رہا ہے۔ اور دن بدن قرض میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سود کی ادائیگی کے قابل بھی ملک نہیں ہے۔ کیا ان حالات میں حکومت جو زکوٰۃ و عشر جمع کرتی ہے، وہ اس قرض کی ادائیگی میں استعمال ہو سکتا ہے اور کیا قربانی کی کھالیں حکومت جمع کر کے اس قرض کی ادائیگی کر سکتی ہے اس کے بارے میں شرعی فتویٰ کیا ہے ؟

زکوٰۃ و عشر غر بار کا حق ہے۔ لہذا و لعب اور نمائش پر خرچ ہونے والا

مذکورہ قرضہ زکوٰۃ و عشر سے ادا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں انما الصدقات للفقراء والآلۃ
 زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں تمہیک فقیر ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو مسجد، پل، سڑکیں
 حج، جہاد وغیرہ البواب خیر میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے
 ہند یہ میں ہے ولا یجوز ان ینبئ بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایا
 واصلاح الطرقات وکری الا نهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیہ (ص ۱۸۸)
 الجواب صحیح ،
 فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۴/۱۰/۱۳۰۹

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کافر کو زکوٰۃ کمیٹی کا چتیرہ بنایا جائے

ہمارے چک نمبر ۲۲۱/۸ میں موجود زکوٰۃ و عشر کمیٹیوں کی سلیکشن کی صورت میں ایک شخص
 نور محمد ولد عزیز بخش کو زکوٰۃ کمیٹی کا ممبر بنادیا گیا جو کہ مرزائی ہے۔ بظاہر وہ اپنی ذات
 کو مسلمان کہلاتا ہے لیکن حقائق سے معلوم ہوا کہ وہ مرزائی ہے۔ کیا یہ شخص زکوٰۃ کمیٹی کا
 ممبر بن سکتا ہے؟

مرزائی ممبر مسلمانوں کے مال میں تصرف کا شرعاً مجاز نہیں ہے خصوصاً
 جبکہ نظام زکوٰۃ کے اصول میں ہے کہ شیعہ اور مرزائی عشر و زکوٰۃ کمیٹی
 کا ممبر و عہدیدار نہیں بن سکتا۔ نیز قرآن کریم میں واضح اعلان ہے کہ کافر مسلمان پر کسی قسم
 کی فوقیت کا اہل نہیں۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً الآلۃ
 ہدایہ میں ہے۔ لا تقبل شہادتہ (ای الکافر علی المسلم) (ص ۱۶۳)

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴/۱۰/۱۳۰۹ ہجری

سال گزرنے سے پہلے حکومت جبراً زکوٰۃ نہیں کاٹ سکتی۔

میری بیوی راشدہ بیگم نے ————— مرکزی قومی بپت نیشنل سہولت گنٹ
مٹان میں مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۸۵ء کو مبلغ ایک لاکھ روپیہ جمع کرادیا تھا اس مئی کے مہینہ
میں صرف ۲۰ دن بعد اڑھائی ہزار روپے زکوٰۃ فنڈ میں کاٹ لئے گئے کیا یہ زکوٰۃ کی کموتی
صحیح ہے۔ ؟

مالکِ نصاب کے مال نامی پر جب ایک سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ
واجب ہے۔ اس سے پہلے زکوٰۃ کاٹنا خلاف ضابطہ شرعیہ ہے
فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۳ شعبان ۱۴۱۰ھ

جس سے تملیک کرائی جائے اس کو بھی ثواب ملے گا ؟

بعض مدارس میں تملیک کا معمول ہے تو جس سے تملیک کرائی جائے جب وہ رقم
مدرسہ کو دیدے تو اسے بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں ؟

اسے بھی ثواب ملے گا بشرطیکہ تملیک صحیح طریقہ پر ہو۔
وحيلة التكفين بها التصديق على فقير ثم هو يكفون

فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد اهـ (در مختار)
(قوله فيكون الثواب لهما) اي ثواب الزكاة للمزكي و ثواب
التكفين للفقير وقد يقال ان ثواب التكفين يثبت للمزكي
ايضاً لان الدال على الخير كفاعله وان اختلف الثواب كماً
وكيفاً ط قلت واخرج السيوطي في الجامع الصغير لومرت
الصدقة على يدي مائة كان لهم من الاجر مثل اجر المبتدئ

من غیر ان ینقص من اجرک شیء (۱۳) (شامیہ ص ۱۳)
فقط واللہ اعلم ، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

انجمن سپاہ صحابہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم : زکوٰۃ کی رقم انجمن سپاہ صحابہ

کو دینا جائز ہے یا نہیں ؟
جگہ انجمن اس کو ایک دینی پروگرام پر خرچ کرنا چاہتی ہے مثلاً عظمت صحابہ کے لئے ۔
(سائل مولانا عبداللہ صاحب - بہاولپور)

الجواب زکوٰۃ ہر دینی کام پر خرچ نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جس کو دی جائے وہ فقرا و مساکین میں سے ہو۔ نیز کسی کام یا عمل کے معاوضہ میں نہ دی جائے۔ اگر انجمن سپاہ صحابہ کے کارکن جن کو زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں وہ اس مسئلہ سے بخوبی واقف ہوں اور ان پر اعتماد ہو کہ وہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں ادائیگی زکوٰۃ کی شرائط کا اہتمام کریں گے تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ ورنہ دیگر عطیات سے ان کا تعاون کر دیں۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور ۱۲/۸/۱۴۱۰ھ

مختلف شہروں کے سفیروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم

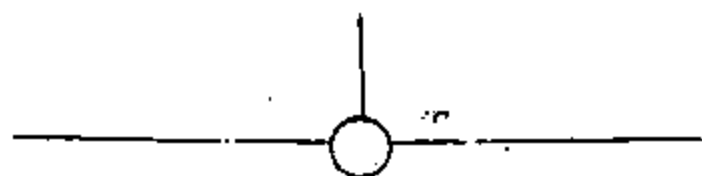
رمضان المبارک میں مختلف شہروں سے مدارس کے سفیر حضرات زکوٰۃ لینے کے لئے آ جاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے شہر والوں کا حق زیادہ ہے شرعاً ان سفیروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں ؟

الجواب یہ درست ہے کہ اپنے شہر والوں کا حق مقدم ہے اور ان کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا مکہ وہ تنزیہی ہے مگر چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً اگر اپنے رشتہ دار ضرورت مند ہوں اور دوسرے شہر رہتے ہوں تو بلا کر اہت ان کی طرف بھیجنا درست ہے۔ ایسے ہی علوم دینیہ کے طلباء کے لئے بھی دوسرے شہروں میں زکوٰۃ

بھیجا درست ہے۔ وکرہ نقلہا إلا الی قرابة بل فی الظہیریۃ لا تقبل
صدقۃ الرجل وقرابتہ محاورہ حتی یبدأ بہم فیسد حاجتہم
او احوج او اصلح او اوع او النفع للمسلمین او من دار الحرب الی
دار الاسلام او الی طالب علم و فی المعراج التصدق علی العالم الفقیر
افضل اھ (در مختار)

وفی الشامیۃ (قوله وکرہ نقلہا) ای من بلد الی بلد آخر
لان فیہ رعایۃ حقوق الجوار فكان اولیٰ زیلعی والمتبادر منه ان الکراہۃ
تنزیہیۃ تأمل فلو نقلہا جائز لان المصرف مطلق الفقراء در راہ^{۷۵}
وفیہا (قوله افضل) ای من الجاہل الفقیر قہستانی اھ (صحیح ۷۵)

الجواب صحیح
بتدہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
فقط واللہ اعلم ،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ



ماہتمم مدرسہ کے بیٹے بھی اتنا ہی مال لے سکتے ہیں جتنا کہ عام طالب علم

زید کا اپنا مدرسہ ہو اس میں مسافر طلباء اور زید کے اپنے بچے بھی پڑھتے ہیں
جس طرح عام طالب علموں کی ضروریات کا مدرسہ کفیل ہوتا ہے کیا زید کے لڑکوں کو بھی
وہی مراعات و ضروریات مدرسہ سے دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ حالانکہ زید مسکین و
غریب بھی نہیں۔

ضرورت نہ ہونے کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ نہ لے، اور اگر لینا
چاہیں تو جتنا ایک عام مقامی طالب علم کو مدرسہ کی طرف سے دیا جاتا ہے اتنا لینے میں

گنجائش ہے۔ مہتمم مال مدرسہ کا امین ہے، مالک نہیں۔ محض اہتمام کی بناء پر اس کے بیٹے مال مدرسہ لینے کے مجاز نہیں۔ اور اجازت صرف ان بچوں کے لئے ہے جو باقاعدہ مدرسہ کے طالب علم ہوں۔ نیز غنی کے نابالغ بچوں کو صدقات واجبہ دینے جائز نہیں دیتے

وقت اس مسئلہ کو بھی ملحوظ رکھا جاوے۔ نیز اگر مقامی طلبہ کو امداد نہیں دی جاتی تو مہتمم کے لڑکوں کو بھی نہ دی جائے۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، نائب مفتی خیر المدارس ۲۸/۱۱/۱۳۹۸ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس۔ ملتان

کمپنیوں کے حصہ دار زکوٰۃ کیسے ادا کریں ؟

ایسی صنعتی کمپنیاں جس کے مختلف حصہ دار ہوں وہ اصل اور نفع کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں ؟ اگر اصل رقم کا کوئی حصہ تعمیر یا مشینری پر خرچ نہیں ہوا تو زکوٰۃ اصل اور نفع دونوں پر ہوگی۔ درمختار میں ہے۔

و ثمنیۃ المال کالدرہم والدنا شیر لتعینہما للتجارة باصل الخلقة
فتلزم الزکاة کیفما امسکھا ولوللنفقة اھ (شامی ص ۱۱۲)۔
اگر رقم کا کچھ حصہ مشینری پر خرچ ہو چکا ہے تو باقی مال اور نفع پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ آلات اور مشینری پر زکوٰۃ نہیں آتی ولو اشتراى قدورا ویوجبرھا
لا تجب فیھا الزکوٰۃ کما لا تجب فی بیوت الخلة (کذا فی قاضی خان و

عالمگیری ص ۹۲) فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۸/۱۱/۱۳۹۸ھ

کمپنی کے شیئرز کی زکوٰۃ اس وقت کی قیمت کے اعتبار ادا کیجائے

کمپنی یا بینک سے (SHARES) شیئرز خریدے جب خریدے تھے تو اس کی قیمت چار ہزار روپے تھی اور اب ہم اس کو فروخت کریں تو اس کی قیمت آٹھ ہزار روپے ہے تو ان کی زکوٰۃ موجودہ قیمت کی ادا کریں یا بوقت خرید کی زکوٰۃ ادا کریں ؟

بازار میں ان کو جو اس کی قیمت ہوگی زکوٰۃ اسی حساب سے ادا کی جائے گی۔
درمختار میں ہے۔ وثقیمت القيمة يوم الوجوب وقالا
يوم الاداء اجماعاً وهو الاصح (ص ۳۲۲)۔ فقط واللہ اعلم ،
الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دے دی تو اس کی

طرف سے ادا نہیں ہوگی

ایک عورت پر زیور کی زکوٰۃ واجب تھی مگر نقد رقم موجود نہ تھی۔ اس کی بیٹی نے اپنی ذاتی رقم سے والدہ سے اجازت لئے بغیر والدہ کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دی کیا وہ زکوٰۃ ادا ہوگئی ؟

صورت مسئلہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ لوادی زکوٰۃ غنیہ
بغیر امرہ فبلخہ فاجاز لم یجزاہ (شامی ص ۱۳۲)
الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ
۹۹ / ۱ / ۶

متوفیہ نے اپنی زندگی میں زکوٰۃ نہ دی ہو تو ترکہ سے لکھنے کا حکم

بندہ مرگئی اور کچھ زیورات چھوڑ گئی۔ اپنی زندگی میں اس نے ان زیورات وغیرہ

کی زکوٰۃ پوری پابندی سے زدی اب وفات کے بعد کیا ورثہ مال میں سے اسکی زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ اور ان پر زکوٰۃ نکالنا واجب ہے یا نہ۔ اور زکوٰۃ اس کے مال سے نکال کر ترک تقسیم کریں یا کیسے کریں اگر ایک واپرث اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس وارث کی ادائیگی زکوٰۃ سے ہندہ سے فرض اتر جائے گا یا نہ؟

الجواب اگر ورثہ تمام بالغ ہوں تو اپنی خوشی سے متوفاء کی طرف سے زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ ان پر واجب نہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی زکوٰۃ دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے حق تعالیٰ سے اس کو ثواب ملنے کی پوری امید ہے اور اس متوفاء سے بوجھ کم ہونے کی توقع ہے۔ اگر سب وارث راضی ہوں تو ترکہ کی تقسیم سے پہلے زکوٰۃ ادا کریں ورنہ بعد از تقسیم ہر شخص اپنے حصہ سے اگر چاہے نکال کر ثواب حاصل کرے۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ

الجواب صحیح ، بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ ، الجواب صحیح ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ ، مہتمم خیر المدارس بس ملتان ۶۱۳۴۶/۴/۱۴

مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا : ایک غریب مستحق زکوٰۃ کو مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ

کی رقم دینا درست ہے۔ ؟

الجواب درست ہے۔ مگر بیک وقت اتنی زدی جائے کہ وہ غنی ہو جائے

و یکرہ ان یدفع الی واحدٍ ہائتی درہم فصاعداً و ان

دفع جازاھ (ہدایۃ ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۳۹۸/۸/۲۲

بلیک کے ذریعہ حاصل کردہ مال پر زکوٰۃ کا حکم :

جو نقدی بذریعہ بلیک حاصل کی جائے اس کے قربانی و فطرانہ دینا جائز ہے یا

نہیں — ؟

یہ مال اگرچہ ناجائز طریقے سے حاصل ہوا ہے لیکن باوجود اس کے وہ اس کا مالک بن گیا ہے اس وجہ سے اس کو قربانی اور فطرانہ

اور اس کی زکوٰۃ یہ تمام امور ادا کرنے ضروری ہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق عفر اللہ

معین مفتی خیر المدارس۔ ملتان

نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان ۱۲ / ۱۱ / ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح ، محمد عبد اللہ عفر اللہ مفتی خیر المدارس۔ ملتان

بھانجا ماموں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ ماموں اپنے بھانجے سے

ماموں از حد غریب ہے نہ نقدی ہے اور نہ سونا چاندی؟ کسی دینی جماعت کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

اگر ماموں میں کوئی شرعی مانع نہ ہو تو عام لوگوں کی بہ نسبت ان کو دینا زیادہ

ثواب کا سبب ہے۔ ایسے ہی اگر وہ زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرنے میں

مصارف کا پورا پورا خیال رکھتے ہوں تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفر اللہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۹ / ۷ / ۱۴۰۶ھ

حکومت کو مالِ ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا

زمین کی پیداوار پر گورنمنٹ ٹیکس (مالیہ) ادا کرنے کے ساتھ شرعی حق

دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۸۶ میں مرقوم ہے اگر زمین عشری ہے

تو سرکاری محصول دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ فیما بینہ وہین اللہ

فقراء کو دسواں یا بیسواں حصہ دینا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۰ / رجب ۱۳۴۰ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کا پیسہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنا : زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کرنا جائز ہے یا نہیں یا بیمہ

ہو سکتا ہے ؟

منی آرڈر سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے اور اسی طرح بیمہ سے بھی روپیہ زکوٰۃ بھیجا جاسکتا ہے۔ (کذا فی الفتاویٰ امدادیہ ص ۱۴۹) لیکن واضح رہے کہ اگر ڈاک خانہ سے مرسل الیہ زکوٰۃ کا روپیہ بصورتِ نوٹ کے حاصل ہو تو اس کو نقد بنا کر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ یعنی مرسل الیہ کو لکھ دیا جائے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے۔ اس رقم کے اگر نوٹ ڈاک خانہ سے حاصل ہوں تو نقد بنا کر لو۔ اور نقد رقم کو اپنے صرف میں لاؤ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲ / ۱۰ / ۱۳۴۰ھ

الجواب صحیح

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

مقروض بھی اپنی زمین کی پیداوار کا عشر دے

میری تنخواہ مبلغ ۸۰ روپے ماہوار ہے۔ کنبہ زیادہ ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے گذر ہوتا ہے اور پس انداز کچھ بھی نہیں ہوتا کہ اس شرعی طور پر زکوٰۃ دی جا سکے۔ اس وقت مجھ پر ۵۰۰ روپے قرض ہے۔ اور زمین سے دس من گندم ملی ہے کیا اس گندم پر شرعاً عشر واجب ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب عشر کا وجوب زمین سے حاصل شدہ چیز پر ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ عشر دینے والا غنی ہو۔ پس آپ پر ضروری ہے کہ آپ ایک من عشر ادا کریں۔ زمین اگر بارانی ہے تو دسواں حصہ دینا ہوگا اور اگر چاہی یا نہری ہو جس کا پانی معاوضہ سے خریدا گیا ہو تو بیسواں حصہ یعنی بیس سیر عشر ہوگا۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۳۷۶ / ۱۱ / ۲۲

الجواب صحیح ، بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ ۱۳۷۶ / ۱۱ / ۲۲

الجواب صحیح عبد اللہ غفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس ملتان

بہن کو زکوٰۃ دینے کا حکم : بھائی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب بہن مستحق ہو تو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے بلکہ دُہرا ثواب ملے گا۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس۔
۱۳۰۷ / ۹ / ۵

جانوروں کی زکوٰۃ کے لئے ان کا سامان ہونا ضروری ہے

ایک شخص کے پاس انٹی بھینسیں ہیں۔ جو کہ تجارت کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کا دودھ فروخت کرتا ہے۔ جس کی آمدنی ہر ماہ تقریباً سو لاکھ روپیہ ہے۔ کیا بھینسوں پر زکوٰۃ ہوگی یا آمدنی پر جبکہ وہ باہر چرنے نہیں جاتیں۔ بلکہ گھر پر ہی خرید کر چارہ ڈالا جاتا ہے۔ ؟

الجواب بر تقدیر صحت واقع صورت مسئلہ میں بھینسوں پر زکوٰۃ واجب نہیں

کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ کے لئے سائمہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ ان سے جو آمدنی ہوتی ہے
اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم ،
الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار غفرلہ ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

داخلہ حج میں دیتے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ : میرا سال زکوٰۃ ماہِ رمضان
کے آخری عشرے میں پورا
ہوتا ہے مگر میں نے یکمِ رجب کو داخلہ حج بھر دیا ہے۔ سال پورا ہونے پر اس رقم پر
زکوٰۃ آئے گی یا نہیں ؟

الجواب : جب سال یکمِ رمضان کو پورا ہوتا ہے اس وقت تک روپیہ استعمال میں نہیں
آیا تو وجوبِ زکوٰۃ کل رقم پر ہوگا۔ لہذا داخلہ حج میں دیا ہوا روپیہ
وجوبِ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

کما یفہم من الدر علی هامش الرد ص ۱۱ بخلاف دین نذر و کفارة
وجہ لعدم المطالب الخ۔ فقط واللہ اعلم ، محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح ، خیر المدارس۔ ملتان ۹۲/۷/۶ جو

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، خیر المدارس۔ ملتان ۹۲/۷/۶ جو

زکوٰۃ کے پیسے سے ادویات خرید کر دینا

زکوٰۃ کے روپیے سے ادویات خرید کر لوگوں کو تقسیم کر سکتے ہیں یا کسی مدرسہ میں جو
گورنمنٹ سے گرانٹ حاصل کر رہا ہو اس میں ادویات خرید کر دے سکتے ہیں ؟
زکوٰۃ کے روپے سے ادویات خرید کر کے فقراء و مساکین کو جو مستحق
ہوں اور شرعی مصرف ہوں تملیک کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح سکول
کے مستحق طلبہ کو ادویات تملیک کرنا جائز ہے۔ چاہے سکول کو گورنمنٹ گرانٹ

بھی ملتی ہو یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ سے خرید شدہ ادویات مستحق اور نادار طلبہ کو ہی
تملیک کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم، محمد عبداللہ غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس، ملتان ۱۲/۵/۱۳۷۸ھ

زکوٰۃ کے پیسے علیحدہ رکھے تھے کہ چوری ہو گئے

زکوٰۃ کے دو سو روپیے زائد حساب کر کے نکالے اور ان زکوٰۃ کے روپیوں کو
علیحدہ رکھ دیا۔ مدارس وغیرہ میں بھجوتے رہے۔ کچھ روپے ابھی تقسیم نہیں کئے تھے کہ
کسی نے وہ ڈبہ گھر کی الماری سے چُرا لیا۔ اس کمرے سے ہی ہمارے پہلے بھی کچھ
پیسے کسی نے چُرا لئے تھے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ والے روپیوں کی زکوٰۃ ادا
ہو گئی یا دوبارہ دینے پڑیں گے؟

جتنی مقدار فقراء کو نہیں دی گئی اتنی مقدار ادا نہیں ہوگی۔ دوبارہ
دینی لازم ہوگی۔ (اور مختار ص ۱۳۱) (ولا یخرج عن العہدۃ بالغرل)
فلو ضاعت لا تسقط عنہ الزکوٰۃ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب
الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ عنہ

خیر محمد غفر اللہ عنہ، بہتم جہا ہذا ۳/۱۲/۱۳۷۱ھ

ایک ہی شخص کو اتنے پیسے دینا کہ وہ غنی ہو جائے

کوئی آدمی زکوٰۃ کے پیسے سے ایک غریب آدمی کو حج بیت اللہ شریف کرا سکتا
ہے یا نہیں؟

ناک بننے کے بعد فقیر کو اختیار ہے کہ اس پیسے کو جہاں چاہے
صرف کرے لیکن کسی مستحق کو غنی کرنا بیک وقت بھاب سے زائد

دینا مکروہ ہے۔ ویکرہ ان یدفع الی واحد ما شتی درہم فصاعداً
وان دفع جان (ہدایہ باب الزکوٰۃ)۔ فقط واللہ اعلم ،
فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۹/۱۲/۱۳۹۷ھ

جس قرض کے ملنے کی اُمید ہو اسکی زکوٰۃ کا حکم

جو مال کسی کو قرض پر دیا ہے یا رقم قرضہ پر دی ہوئی ہے لیکن ملنے کی اُمید نہیں
ہے تو اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہ۔ پھر یہی قرضہ اگر کئی سالوں کے بعد بالفرض
مل جائے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہ ؟

الجواب اگر مقروض منکر تھا اور قرض دینے کے گواہ بھی موجود نہیں تھے تو
اس صورت میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ درمختار میں
ودین کان جحدۃ المدیون سنین ولا بینۃ لہ علیہ (ص ۲۹) لیکن
اگر مقروض مقرر تھے مگر حصول پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے نا اُمیدی نہ ہے تو اس
صورت میں بھی گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ (شامیہ باب المصرف) ملنے کی اُمید اور مقروض
کے اقرار یا اس پر گواہ ہوں تو کُل صورتوں میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔
درمختار میں ہے۔ ولو کان المدین علی مقرب ملٹی او معسر او مفلس او جاحل
علیہ بینۃ او علم بہ قاض فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضی۔

(شامیہ ص ۲۷)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۵ / ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح :

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

واجب التصدق رقم اپنی بالغ اولاد کو دے سکتا ہے

ایک آدمی کے پاس سود کی رقم ہے وہ خود تو اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا اسکی ایک لڑکی ہے جس کی شادی کی تھی تو اس کے خاوند نے طلاق دے دی کیا وہ والد سود کی رقم اپنی اس لڑکی کو دے سکتا ہے یا کہ نہیں ؟

اگر لڑکی مستحق زکوٰۃ ہے تو یہ رقم اس کو دے سکتا ہے مگر زکوٰۃ وغیرہ نہیں دے سکتا ہے۔ وف کراہیۃ الہندیۃ انت

تصدق به علی ابیه یکفیه ولا یشرط التصدق علی الاجنبی

فقط واللہ اعلم ، محمد النور غفرلہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ



ایک شخص صاحب مال ہے اور شیعہ کو عشر دینا جائز نہیں : عشر دینا چاہتا ہے اس کا ایک

رشتہ دار قریبی شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے کیا اس پر عشر لگتا ہے یا نہیں ؟ جائز نہیں۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۳۷۶ / ۱۱ / ۲۴

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ غفر اللہ مفتی خیر المدارس ملتان



افیون کی تجارت سے حاصل ہونے والے مال پر زکوٰۃ کا حکم :

ایک شخص افیون بیٹا ہے اس میں منافع اتنا ہوا کہ اس کے پاس دو تین ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ وہ چاہتا ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ ادا کروں اور نماز بھی پڑھوں اور حج بھی ادا کروں اور یہی کام آئندہ بھی کرتا رہوں جس طرح شریعت کا حکم

ہو تحسیر فرمادیں :-

الجواب ایفون کی تجارت کرنا جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ اگر کوئی اور کاروبار مل جائے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کماٹے ہوئے روپے کی زکوٰۃ بھی دیوے اور اس سے حج بھی کرے۔ فقط واللہ اعلم،
الجواب صحیح،
بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ
۲۲ / ۱۲ / ۱۳۷۴ھ

زکوٰۃ میں جانوروں کی ایک جنس کو دوسری کے ساتھ ملا یا نہیں جائیگا

ایک آدمی کے پاس ۳۵ بکریاں اور دس گائے اور تین اونٹ پانچ بھینسیں ہیں۔ نقدی بھی ہے۔ اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ اور گھوڑوں کی زکوٰۃ ہے یا نہ؟ اگر ہے تو نصاب کیا ہے؟

الجواب مولیشی مختلف اقسام کے جمع ہو جائیں اور نصاب کسی کا پورا نہ ہوتا ہو تو کسی قسم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ جمع نہ کیا جائے گا۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ بنا بر قول مفتی ابہ ف
الدر المختار ولا شئ فی خیل سائتہ عندهما وعلیہ الفتویٰ وفی الرد
قال الطحاوی وھذا احب القولین الینا ورجعہ القاضی البوزید فی
الاسطوار وفی الینا بیع وعلیہ الفتویٰ۔ وفی الجواہر والفتاویٰ
علی قولہما الخ ج ۲۶ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ خادم الافکار

الجواب صحیح، خیر المدارس، ملتان، ۱۸ شعبان ۱۳۷۴ھ

خیر محمد ہتم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۲۲ شعبان ۱۳۷۴ھ

۵۔ صاحبِ نصاب وکیل اپنی بیٹی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

زید صاحبِ نصاب نے اپنی دختر کی شادی عمر صاحبِ نصاب سے کی۔ کچھ عرصہ بعد عمر نے لڑکی کو ناستزہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی اور کچھ مہر و نفقہ نہ دیا۔ لڑکی اپنے باپ کے گھر عدت گزار رہی ہے۔ اور اس کا خرچ اب اس کا باپ برداشت کرتا ہے۔ اور وہ اب بھی صاحبِ نصاب ہے۔ بکر نے زید کو کچھ رقم مَد زکوٰۃ کی دی اور یہ کہا کہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کر دو۔ کیا زید اس رقم کو اپنی مطلقہ دختر پر خرچ کر سکتا ہے؟

زید اگر بکر کے مال کی زکوٰۃ کو اپنی بیٹی کبیرہ پر مصرف کر دے تو جائز ہوگا یعنی باپ کے علاوہ دوسرے شخص کی زکوٰۃ مصرف کی جا سکتی ہے۔ وَكَذَا إِلَى ابْنَتِ الْكَبِيرَةِ إِذَا كَانَ أَبُو هَا غَنِيًّا لِأَنَّ قَدْرَ النِّفْقَةِ لَا يُغْنِيهَا اهـ (عالمگیری ص ۱۸۹)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عفا اللہ عنہ ،
الجواب صحیح ، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۸/۹/۱۳۷۰ ھ

مالِ عشر دوسرے شہر لیجا کہ فروخت کرے تو بھی مجموعہ قیمت سے عشر دے

کسی آدمی نے ٹماٹر وغیرہ کاشت کئے ہیں۔ وہ شخص ان کو اسی جگہ بیچنا چاہتا ہے، مگر نرخ کی کمی کی وجہ سے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہے۔ اب اس شخص کو کیا کرنا چاہیے بصورتِ دیگر اگر اس زمیندار نے ٹماٹر دوسرے شہر کو ارسال کیے وہاں پر ۱۰ روپے کا مثلاً بک گیا جب تمام خرچہ وغیرہ نکال دیا گیا تو صافی صرف شتر یا شئی روپے رہ گئے۔ اب عشر خام بکری سے ادا کرے یا صافی بکری سے۔

در مختار میں ہے ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی
مقارنۃ ففی اقرب الامصار الیہ۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

فلو بعث عبد التجارة في بلد آخر ليقوم في البلد الذي فيه العبد صبح ۲
 اس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئلہ میں سو روپیہ خام بری
 کا واجب ہے۔ خرچہ نکالنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم،
 الجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

راج الوقت نوٹ عروض تجارت کے حکم میں ہیں

میرے اور میری گھر والی دونوں کے پاس پانچ پانچ تولے سونا ہے۔ زوجہ
 کے پاس گھر کا کچھ سامان بھی ہے۔ جو کہ والدین نے ان کو تمیک کر دیا ہے۔ جو
 تقریباً تین صد روپیہ کا ہے۔ لیکن میرے پاس سوائے پانچ تولے سونے کے اور کچھ
 بھی نہیں ہے آیا اس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ، قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے۔ اور
 اسی طرح میری بیوی پر بھی ان مذکورہ بالا میں سے کچھ واجب ہے یا نہیں نیز بندہ ۸۰ روپے
 کا ملازم ہے۔ لیکن ۸۰ روپے سارے کے سارے خرچ ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ
 تین سو روپیہ قرضہ بھی دینا ہے۔ جواب تک ادا نہیں کیا۔ بالفرض اگر قرضہ نہ بھی دینا ہو
 تو پھر بھی صدقۃ الفطر وغیرہ واجب ہوں گے یا نہیں؟

راج الوقت نوٹ اور روپے عروض تجارت کے حکم میں ہیں۔ اور ان
 میں زکوٰۃ واجب ہے۔ الفلوس ان کانت اثماً راجحاً أو سلباً

للتجارة تجب الزکوٰۃ فی قيمتها والا فلا (شامی ص ۲۲) جب آپ نے تنخواہ
 وصول کی تو اس کا صنم مع الذہب کرنے کی وجہ سے تصاب فضہ کی مالیت سے یہ مجموعہ
 زائد ہو گیا تو سال شروع ہو گیا۔ آئندہ سال اگر اس تاریخ میں ایک روپیہ یا اٹھنی چوٹی
 یا آٹھ بھی موجود ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ایام قربانی میں بھی اگر ایک روپیہ یا
 اٹھنی یا چوٹی وغیرہ موجود ہوئی تو قربانی واجب ہوگی۔ ورنہ نہیں یہی حکم صدقۃ فطر کا

ہے۔ بیوی کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے کہ جس دن کوئی روپیہ اسکی ملکیت میں آیا اسی روز سے اس کا سال شروع ہو جائے گا الخ۔ البتہ اس کے ملکیتی برتن اگر استعمال میں نہ آتے ہوں ویسے پڑے بہتے ہوں تو اس صورت میں صدقۃ الفطر قربانی وغیرہ واجب ہوگی۔ خواہ مزید کوئی روپیہ اسکی ملک میں آئے یا نہ آئے۔ اور اگر استعمال ہو سکیں تو یہ برتن یعنی انکی مالیت نصاب میں محسوب نہیں ہوگی فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
الجواب صحیح، نائب مفتی خیرالمدار کس۔ ملتان

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۱ / ۱ / ۱۳۹۳ ھ

زکوٰۃ کی رقم خود استعمال کر لی اور مالکان کو بتانا بھی مشکل ہو تو

اگر کوئی زکوٰۃ کی رقم اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر بیٹھے اور پھر اپنی طرف سے اتنی رقم مدرسہ میں خرچ کر دے تو کیا زکوٰۃ دھندہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ؟
اصل یہ ہے کہ صورت حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق صورت مسئلہ میں ہی گنجائش ہے امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لکن قد يقال تجزى عن الامر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع ام (شامیہ ص ۱۱)
لیکن یہ رقم ویسے ہی مدرسہ میں خرچ کرنا کافی نہیں ہوگا، بلکہ معظمین کی طرف تنبیہ کرنی ہوگی۔ رجل جمع ما لا من الناس لينفق في بناء المسجد فانفق تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه ان يفعل ذلك فان فعل فان عرف صاحب المال رد عليه او سأل له تجديد الاذن فيه وان لم يعرف صاحب المال استأذن الحاكم وان تعذر عليه ذلك رجوت له في الاستحسان ان ينفق مثل ذلك من ماله على المسجد فيجوز ام كذا في الذخيرة (ہندیہ ص ۲۵۲)۔ فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

۱۵ / ۱ / ۱۳۹۶ ھ

اُدھار کی زکوٰۃ کیسے دے ؟ زید کپڑے کا کاروبار کرتا ہے ۔ اور زید چاہتا ہے کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کروں ۔ زید کا

مال تین قسم کا ہے ۔ اولاً جو کپڑا دوکان میں موجود ہے ثانیاً جو نقد رقم زید کے پاس ہے ثالثاً وہ رقم جو مختلف اشخاص کے پاس بطور اُدھار ہے ۔ اب ان تینوں قسموں پر زکوٰۃ ہے یا نہ یا پہلی دو قسم پر زکوٰۃ ہے ۔

جو اُدھار تجارت کے سلسلہ میں ہو یعنی لوگ دوکان سے مال لے گئے ہوں یا نقد روپیہ کسی کو دیا ہو اُس کی زکوٰۃ جیسے جیسے وصول ہوتا جائے ادا کی جائے ۔ باقی ڈوک ابھی دے دیں ۔

فتجب عند قبض اربعین درهما من الدين القوی كقرض و

بدل مال التجارة فكلما قبض اربعین درهما يلزمه درهم

(درمختار علی الشامیہ) ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۴ / ۱۴۰۹ھ

بیٹے کی بیوی کو زکوٰۃ دینے کا حکم : عثمان نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ میں زکوٰۃ اپنی بیوی کو دینا

چاہتا ہوں یہ جائز ہے یا نہیں ؟ مولوی صاحب نے بتلایا کہ من حیث الزکوٰۃ دینا جائز ہے پھر عثمان نے دوسرے مولوی صاحب سے معلوم کیا تو دوسرے مولوی صاحب نے عدم جواز کا فتویٰ دیا کیونکہ ان کا نفع و نقصان مشترک ہے اس لئے دینا جائز نہیں واضح رہے کہ عثمان کی بیوی عاقلہ بالغہ اپنے شوہر کے سمیت عثمان کے گھر سکونت پذیر ہے ۔ عثمان اور اس کا بیٹا کھیتی کرتے ہیں ۔ اور عثمان مذکور تمام مرد و زن وغیرہ کبیر کا خرچہ خود کرتا ہے ہر چیز کا مشترک کمائی سے ایسے حالات میں عثمان اپنی زکوٰۃ اپنی بیوی کو شرعاً دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب صحیح ، کتب فقہ میں زوجہ ابن یعنی بیوی کو زکوٰۃ دینے کا جواز مصرح ہے اور

کسی طرح بھی اصول شرع کے تحت بہو کو مصرفِ زکوٰۃ سے خارج کرنے کی صورت نہیں نکلتی، لہذا بہو کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اگر وہ مسکینہ ہو۔ باقی فقہاء نے باپ کی زکوٰۃ بیٹے کو یا علی العکس یا زوجہ کی زوج کو و علی العکس کے عدم جواز کے لئے بطور دلیل عقلی یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھانے میں چونکہ آزاد ہوتے ہیں تو یہ زکوٰۃ گویا دوبارہ زکوٰۃ دینے والے کی ضرورت میں استعمال ہو رہی ہے۔ وغیر ذلک اس قسم کے دلائل عقلیہ جنہیں فقہاء پیش کرتے ہیں مسئلہ کا مدار نہیں ہوتے اس طرح کہ اگر یہ دلیل اجنبی میں پائی جائے اور کوئی شخص کسی غریب قریب کے ساتھ اس قسم کا دوستانہ برتاؤ اور حسن تعلق رکھے کہ وہ ایک دوسرے کے مال کو آزادی سے استعمال کریں تو وہاں حکم عدم جواز کا دیا جائے یا کوئی لٹ کا اپنے باپ سے علیحدہ ہے اور بیٹے کا مال کامل الانقطاع ہے۔ کسی قسم کا نفع ایک دوسرے کے مال سے نہیں اٹھاتے تو وہاں جوازِ زکوٰۃ کا حکم دیا جائے اس طرح کا عمل صحیح نہیں۔ دلائل عقلیہ کو فقہاء صرف تقریبِ ذہن کے لئے پیش کرتے ہیں دراصل مصارفِ زکوٰۃ حدیث شریف میں منصوص ہیں باپ کی زکوٰۃ بیٹے پر منع ہے۔

حدیث شریف میں اب یہ منع مطلق ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو اور بہو کے لئے جواز ہے لہذا یہ بھی مطلقاً ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو۔ البتہ اگر کوئی نیت فاسد رکھتا ہو اور بہو کو دینا حیلہ بنا رہا ہو فی الواقعہ مقصود یہ ہو کہ اس طرح زکوٰۃ سے دوبارہ فائدہ اٹھاؤں گا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ انما الاعمال بالنیات الخ اگر نیت فاسد ہے تو عمل فاسد ہوگا لیکن فقہی حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے باطنی نیات سے نہیں لہذا فقہی حکم صرف جواز کا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم،

محمود عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

مفتی قاسم العلوم۔ ملتان

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۱۸ / ۲ / ۱۳۸۱ھ

مفتی خیر المدارس ملتان

سادات کو زکوٰۃ دینا کسی زمانہ میں جائز نہیں

سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے موجودہ زمانہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے۔؟ احادیث صحیحہ اور معتبر فقہاء اس کے حق میں ہیں یا خلاف۔ درست صورت حال اور مفتی بہ قول درکار ہے۔

کسی زمانہ میں بھی سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور سادات کو ہر زمانہ میں زکوٰۃ لینا حرام ہے خواہ خمس ہو یا نہ۔ **الجواب** وطلق الحكم في بني هاشم ولم يقتيد بزمان ولا بشخص للاشارة الى رد رواية ابى عصمة من الامام انه يجوز الدفع الى بني هاشم في زمانه لان عوضها وهو خمس الخمس لم يصل اليهم لاهمال الناس امر الغنائم وايضا لها الى مستحقها واذ لم يصل اليهم العوض عادوا الى المعومن وللاشارة الى رد الرواية بان الهاشمي يجوز له ان يدفع زكوة الى الهاشمي مثله لان ظاهر الرواية المنع مطلقا $\frac{2}{3}$ نیز جس ایک روایت کے پیش نظر جواز بتلایا جا رہا ہے۔ وہ دلیل کے مقتضی کے خلاف ہے۔ فقہاء معتبرین کا مفتی بہ قول بھی عدم جواز کا ہے۔ فقط واللہ اعلم، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ، الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اہل علیؑ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں : ایک شخص اپنے آپ کو علوی بتاتا ہے کیا اسے زکوٰۃ دے

سکتے ہیں۔؟

اگر واقعہً وہ اہل علیؑ سے ہے تو اس کو صدقات واجبہ براہ راست نہیں دے سکتے۔ (قولہ ولا الی بنی ہاشم) درمختار) اعلم ان عبد مناف وهو الاب الرابع للنبي صلى الله عليه وسلم اعقب اربعة

وہم ہاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس ثم ہاشم اعقب اربعة انقطع نسل
الكل الا عبد المطلب فانه اعقب اثنا عشر تصرف الزکوة الى اولاد کل اذا
كانوا مسلمين فقراء الا اولاد عباس وحارث واولاد ابی طالب من
على وجعفر وعقیل اھ شامیة ص ۴۲ - فقط واللہ اعلم ،

محمد انور ۳۰ / ۹ / ۱۴۰۴ ھ

برادری کے مالداروں سے لیکر انہی کے فقرار پر تقسیم کر نیکی شرائط

ہماری ایک برادری جو کہ پانچ چھ خاندانوں پر مشتمل ہے۔ جس میں مالی اعتبار سے ہر
طرح کے افراد شامل ہیں یعنی امیر و غریب۔ برادری کی ایک قومی کمیٹی تمام برادری کے
اتفاق و اتحاد سے بنی ہوئی ہے جس کا مقصد اب یہ ہے کہ برادری کے امیر لوگوں سے
زکوٰۃ وصول کریں اور اپنے پاس جمع کر کے اپنی برادری کے یتیموں، بیواؤں، مسکینوں
اور ایسے افراد جن کا گزارہ نہیں ہوتا ہے ان پر تقسیم کریں۔ اگر یہ جائز ہے تو قومی کمیٹی کس
طرح سے ان افراد میں زکوٰۃ کو تقسیم کرے۔؟

کمیٹی اس طرح زکوٰۃ جمع کر سکتی ہے اور انکو دے سکتی ہے جن کے پاس تقریباً
ایک سو پندرہ روپے کی مالیت کا سامان مع نقدی زیورات موجود نہ ہو۔
جو سامان کہ زائد از حاجت ہو۔ ہر یتیم، بیوہ مستحق زکوٰۃ نہیں۔ مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری
ہے :- کسی وسیع النظر عالم دین سے مسائل پوچھ کر زکوٰۃ ادا کرنا۔ ورنہ خطرہ ہے کہ بہت سے
لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہی نہ ہو :- شرعاً مسکین و غریب کس کو کہتے ہیں اسکی صحیح تحقیق معلوم
کرنا :- رقم جمع ہوتے ہی جلد از جلد مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کرنا۔ جمع کرنے میں
بہت ضروری ہے کہ ہر سال کے سال یہ فنڈ ختم ہو جایا کرے ہکا۔ اگر دشواری نہ ہو تو فقرار
کی فہرست تیار کر کے ایک طرف لیتا جاوے اور دیتا جاوے کہ جمع کی نوبت ہی آوے :- مساکین
میں اپنی ہی برادری کی تخصیص کرنا اچھا نہیں دوسرے مساکین کو بھی دیتے رہیں :- کسی

غیر مقرر و من مستحق کو ایک ہی مرتبہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت سے کم دیں۔ تقریباً
سورہ پیکہ زیادہ نہ دیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۵
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۸۲ھ

کیا اس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟ کیا اس چُنغائی میں مزدوری
کیا اس ہی سے دینا کیا ہے اور اگر یوں ہی کیا جاوے تو جو مقدار مزدوری میں چلی جاوے گی اس کا عشر بھی واجب
ہوگا۔ نیز اسکی آمدنی سے خرچہ نکال کر عشر واجب ہوگا یا خرچہ نکالنے سے پہلے۔ نیز
کیا اس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟

اگر یہ کہا جائے کہ جو کیا اس چُنو گے، اس سے اجرت دی جائے
گی تو درست نہیں اور اگر یوں کہا جاوے کہ دس سیر کیا اس چُننے پر
ایک سیر دی جائے گی تو درست ہے پھر چاہے اسی دے دی جائے۔

لو استأجر رجلاً یحییٰ هذا القطن بعشرة أمناء من القطن
ولم یقل من هذا القطن جاز (عالمگیری ص ۵۲۲)

جو مقدار مزدوری میں دی جاوے عشر اس میں بھی واجب ہے کیونکہ وہ بھی
منجملہ پیداوار ہے کیا اس کی لکڑی میں عشر نہیں ہے عشر خرچہ وغیرہ نکالنے سے
پہلے ادا کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔ فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح، مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۹۸/۱/۲ھ

غنی نابالغ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے : ایک یتیم لڑکا جو لُصَاب کا مالک
نہیں تھا کچھ عرصہ لُصَاب سے زائد اس کے پاس
اب اس کو زکوٰۃ عشر قربانی کے چمڑے کی رقم صدقۃ الفطر وغیرہ دے سکتے ہیں یا

نہیں اور وہ خود انصاف کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں ؟

الجواب مذکورہ بچے کو زکوٰۃ دینے کی اجازت نہیں نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں درمختار میں ہے۔ و شرط افتراہنہا عقل و بلوغ و اسلام و حریت (ص ۲۴) قربانی کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہے اصح عدم وجوب ہے درمختار میں ہے۔ ویضی عن ولده الصغیر من مالہ وقیل لا صححہ فکان کافی قال ولیس للاب ان یفعلہ من مال طفله ورجحہ ابن الشحنة قلت وهو المعتمد (شامی ص ۲۵)۔ بچے کی زمین میں عشر واجب ہے۔ ہندیہ میں ہے۔ یحب العشر فی ارض الصبی والمجنون (ص ۹۵) الجواب صحیح ، فقط والشراعلم ، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۴۰۸ / ۸ / ۳

عبدالستار عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ و عشر میں مال کی قیمت کا تعین قریبی شہر بستی کے لحاظ سے کیا جائے

ہمارے علاقہ میں خرلوزے ہوتے ہیں اور جب خرلوزے پک جاتے ہیں تو خرلوزہ کو کاٹ کر کوئٹہ کراچی وغیرہ میں فروخت کے لئے لے جاتے ہیں۔ مذکورہ جگہوں میں لے جانے سے بہت خرچہ ہوتا ہے۔ یعنی لاری کرایہ مانڈی و محصول دلالی وغیرہ اور زمیندار عشر روپیوں سے نکالتا ہے اب عشر خرچ کے ساتھ ادا کریں یا کہ بغیر خرچ کے مذکورہ جگہوں میں خرلوزے کی کل قیمت پانچ ہزار ہے اور مختلف خرچہ پانچ سو روپیہ ہے تو اب عشر پانچ ہزار کے حساب سے ادا ہو یا کہ ساڑھے چار ہزار کے حساب سے ۲۔ اور بعض زمیندار ایسے کرتے ہیں جب خرلوزہ کاٹ لیتے ہیں تو اس وقت کریٹ بھر کر کے عشر کیلئے چند کریٹ متعین کر لیتے ہیں مثلاً کل چالیس کریٹ خرلوزے سے بھر گئے تو اس زمیندار نے چار کریٹ عشر کے لئے متعین کر لئے اور کسی مسکین کے قبضہ میں نہیں دیئے اور اپنے کریٹوں کے ساتھ کوئٹہ لے گئے

تاکہ وہاں بیچ کر مشترکہ رقم کو اپنے شہر کے مساکین پر تقسیم کریں ایسی صورت میں خرچہ دینا مالک کے ذمہ ہوگا۔ یا کہ عشر کے کرپٹوں کی قیمت سے وصول کیا جائے۔ ؟

الجواب: ۱۔ خرچہ کا کھیت کاٹ لیا تو اس پر عشر کی ادائیگی لازم ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **وَاتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ** (آیۃ

لہذا عشر کو جدا کر کے فقرا کو دیدے اور عشر میں شریعت نے مالک کو یہ بھی حق دیا ہے کہ اصل جنس کے بجائے اس کی قیمت ادا کرے۔ **وَجَازَ دَفْعُ الْقِيمَةِ فِي زَكَاةٍ وَعَشْرٍ وَخَرَاجٍ**۔ **وَلَتَعْتَبِرَ الْقِيَمَةُ يَوْمَ الْوُجُوبِ وَقَالَ يَوْمَ لَا دَاءَ فِي السَّوَامِ يَوْمَ الدَّاءِ أَجْمَاعاً وَهُوَ الْأَصَحُّ وَيَقُومُ فِي الْمَلِكِ الْمَالُ فِيهِ وَلَوْ فِ مَفَازَةٍ فَنُفِ اقْرَبُ إِلَّا مَصَارِيهَ** (نہامی ص ۲۲۰)

اس لئے مالک اگر چاہے تو اپنی بستی یا قریبی شہر کے بھاؤ کے مطابق عشر کی قیمت لگا کر یہ قیمت بطور عشر ادا کر دے اور مال جہاں چاہے لیجا کر فروخت کرے چاہے جس بھاؤ پر فروخت کرے کرایہ و خرچہ اس پر ہوگا۔ عشر کے ساتھ تعلق نہ ہوگا عشر جو متعین کر لیا ہے وہ دیدے ۲۔ جب عشر کے کرپٹ متعین کئے تو اپنی بستی و شہر کی قیمت کے اعتبار سے وہ روپے اپنے ذمہ لگالے پھر بعد میں دیدے۔

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱ / ۱۴۰۹ھ

ضرورت کی کتب نصاب میں شمار نہیں ہوں گی

علماء حضرات کے پاس جو مختلف درسی یا غیر درسی کتابیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں جبکہ انہوں نے اپنی ضرورت کے لئے رکھی ہوئی ہوں تو خواہ ان کی ضرورت اکثر و بیشتر ہوتی ہو یا مہینوں تک کبھی کبھی ضرورت پیش آتی ہو جب ان کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو ان کی وجہ سے اس نصاب کے مالک پر صدقہ فطر اور قربانی کا وجوب ہوتا ہے۔

یا نہیں اور ایسے شخص کے لئے صدقات لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز طب و فلسفہ کی کتابیں بھی جبکہ اپنی ضرورت کے لئے ہوں نصاب کو پہنچ جائیں تو ان کا حکم بھی مذہبی کتابوں جیسا ہے یا ان سے مختلف؟

الجواب کتب درسیہ وغیرہ درسیہ اگر تفسیر و حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام، نحو و صرف کی ہیں تو پھر اگرچہ انکی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تب بھی مالک کے لئے (جبکہ وہ عالم ہو) اخذ زکوٰۃ جائز ہے بشرطیکہ اس کے پاس ان کتب کے علاوہ دیگر کوئی نصاب موجود نہ ہو لہذا ایسے شخص پر صدقہ فطر و قربانی واجب نہیں۔ کما فی الدر صبیحہ و کذا الکتب۔ ان تکن لا ہلہا اولم تنو للتجارة غیر ان الاہل لہ اخذ الزکوٰۃ وان ساوت نصاباً البتہ اگر ان میں سے بعض کتب دُر و نسخوں سے زائد ہوں اور زائد نسخوں کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو پھر یہ شخص مصرف زکوٰۃ نہیں ہوگا۔ اور اس پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہوگا۔ کما فی الدر او تزید علی نسختین۔ اسی طرح کتب طب اگر طبیب کے لئے ہیں اور اس کو انکی ضرورت پڑتی ہے تو وہ کتب اس کے لئے اخذ زکوٰۃ سے مانع اور صدقہ فطر وغیرہ کے لئے موجب نہیں ہوں گی۔ کما فی الشامیۃ وان کتب الطب للطیب یحتاج الی مطالعتها و مراجعتها لا تمنع لا تنہا من الحوائج الاصلیۃ کالات المحترفین یعنی یہ بھی فقیر کا حکم رکھتا ہے منطق و فلسفہ و دیگر کتب مثلاً کتب شعر، تاریخ، عروض کی قیمت اگر نصاب تک پہنچ جائے تو پھر وہ شخص غنی سمجھا جائے گا۔ قربانی و صدقہ فطر اس پر واجب ہوگا۔ کما فی الشامیۃ والذی یقتضیہ النظر ایضاً ان ارید بالادب النظرافۃ کما فی القاموس و ذالک کتب الشعر و العروض و التاریخ و نحوہ تمنع الاخذ۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ نائب مفتی

الجواب صحیح،

خیر المدارس۔ ملتان

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۴ / ۲ / ۱۳۸۴ھ

مفتی خیر المدارس کس ملتان

مروجہ کمیٹیوں میں زکوٰۃ کا حکم : ایک شخص نے بذریعہ قرعہ اندازی ہندو
آدمیوں سے پندرہ ہزار روپے

کی رقم لی جس میں ایک ہزار اس کے پاس ہے اور چودہ ہزار باقی ساتھیوں کا۔ بطور قرض جو
اس نے واپس کرنا ہے اب بتائیں اسکی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہوگی ؟

الجواب : بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئلہ میں زید پر جو رقم قرض ہے اسکی
زکوٰۃ اس کے ذمے واجب نہیں ہے ہر حصہ دار اپنی رقم کی زکوٰۃ
خود ادا کرے کیونکہ جس قرض کے ملنے کی قوی اُمید ہے اس کو بھی دوسرے مال کے ساتھ
ملا کر زکوٰۃ ادا کرنا شرعاً مامور بہ ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۲۶ / ۴ / ۱۴۰۶ ھ

مالِ ضماں میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

بکر نے تجارت کا مال افغانستان میں خریدا اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ
افغانستان میں خطرناک جنگ جاری ہے ہر جگہ پھڑپھڑے جانے کا اور جان سے مار دینے کا خطرہ
ہے اب بکر کو معلوم نہیں کہ اس کا مال اب موجود ہے یا ہلاک ہو گیا ؟ کیا اس صورت
میں بکر کا یہ مال ، مالِ ضماں ہے یا نہیں ؟ افغانستان میں امن و امان ہو جانے کی صورت
میں بکر کو جب مال مل جائے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں ؟

الجواب : یہ مال ضماں ہے۔ مل جائے تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب
نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۶ / ۴ / ۱۴۰۰ ھ

مجنون پر زکوٰۃ واجب نہیں : اگر نابالغ ، مجنون کا حصہ الگ ہو تو کیا ان کے کفیل شخص کو ان کے زیر تحویل

قابل زکوٰۃ مال سے انکی زکوٰۃ لگانا واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب نابالغ اور مجنون بچے کے مال میں زکوٰۃ نہیں جبکہ سال بھر مجنون رہتا ہے۔ فلیس الزکوٰۃ علی صبی و مجنون اذا وجد منه الجنون ف السنة کلها هكذا في الجوهرية۔ ہاں اگر کچھ وقت کے لئے اسے بالکل افاقہ ہو جاتا ہے تو مالک نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فلو افاق ف جزء من السنة بعد ملک النصاب ف اولها و آخرها قل او کثر یلزم الزکوٰۃ ۱ھ (ہندیہ ص ۸۸)

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۸ / ۱۴۰۰ ھ

کالجزوں کے طلبہ بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں ؟ : گورنمنٹ جو فنڈ زکوٰۃ میں سے کالجز

اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو بطور وظیفہ دیتی ہے طلبہ کو اس اعتبار سے لینا کہ تبدل ملک سے تبدل عین لازم آتا ہے کی رو سے یہ خزانہ گورنمنٹ کا جزو ہو گیا اور حکومت اسے اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرے یا صرف زکوٰۃ کے مستحقین ہی اسے حاصل کر سکتے ہیں شریعت کی رو سے فتویٰ صادر کیا جائے ۔

الجواب اگر حکومت زکوٰۃ فنڈ سے وہ وظائف دیتی ہے تو اسے وہی طلبہ لیں جو مستحق زکوٰۃ ہوں اور حکومت انہیں بطور ملک نہیں لیتی بلکہ زکوٰۃ دھندگان کے وکیل یا نائب کی حیثیت سے لیتی ہے لہذا تبدل ملک نہ ہوا۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہ ، ۳۰ / ۶ / ۱۴۰۶ ھ

زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ لکھنا

زید نے این، آئی، ٹی میں اپنی رقم جمع کرائی ہوئی ہے۔ سنا ہے کہ ان کا طریق کار صحیح ہے، علماء دیوبند نے اسکی اجازت دی ہے یہ حکمہ زکوٰۃ کاٹ کر حکومت کے خزانہ میں جمع کر دیتا ہے۔ زید چاہتا ہے کہ اپنی زکوٰۃ اپنے رشتہ داروں میں دے، اگر زید خود کو شیعہ لکھ دے تو کٹوتی سے بچ جائے گا تو کیا کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ کہنا درست ہے؟

الجواب موجودہ دور کے شیعہ جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں کافر ہیں۔ اسی لئے ان کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ کافر پر زکوٰۃ نہیں ہوتی اسلئے زید اپنے آپ کو

ہرگز شیعہ نہ لکھے اگر لکھ چکا ہو تو توبہ و استغفار کرے۔ ایمان و نکاح کی تجدید کرے فقط واللہ اعلم،

محمد انورؒ ۱۹/۶/۱۴۰۹ھ

زید نے ایک لڑکا عمر و چھوڑا اور اتنا مال بھی کہ جس سے عمر و

صاحب نصاب بن جائے اور بکر نے نابالغ بچہ وارث چھوڑا اور اتنا مال نہیں کہ جس سے اس کا بیٹا خالد صاحب نصاب بن سکے تو کیا دونوں لڑکے زکوٰۃ کے مصرف ہوں گے؟ ۲۔ یتیم کا قبضہ کافی ہے یا اس کے کسی وارث کو قبضہ کرنا چاہیے اور پھر اس وارث کے لئے صاحب نصاب ہونا تو شرط نہیں؟

عبدالحلیم جامعہ رحیمیہ۔ جھنگ

الجواب عمر و (یتیم غنی) مصرف زکوٰۃ نہیں لہذا اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں خالد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے درمختار میں طفل الغنیۃ فیجوز لا یتفاء المانع کہ مال زکوٰۃ یتیم کو دینا جائز ہے البتہ اگر یتیم چھوٹا ہے کہ خود قبضہ نہیں کر سکتا تو

اس کے اولیاء یتیم کے لئے قبضہ کر سکتے ہیں اور اولیاء کا فقیر ہونا بھی شرط نہیں
کما یفہم من اطلاق در المختار وان ذهب له اجنبی یتیم بقبض ولیہ

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ
عبداللہ غفرلہ معین مفتی خیر المدارس سمان

مفتی خیر المدارس سمان ۱۳ / ۱۱ / ۷۵ ہجری

خود روگھاس کی دیکھ بھال کی جاتی ہو تو عشر بھی واجب ہوگا

جانوروں کے چارہ کے لئے جو گھاس اُگائی جاتی ہے جیسے برسین جوار، مٹر وغیرہ
اس پر عشر ہے یا نہیں؟ اور فقہ میں جس حشیش کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ کون
سا گھاس ہے۔؟

جس گھاس سے آمدنی مقصود ہو جیسے جوار برسین وغیرہ اس پر
عشر واجب ہے خود روگھاس پر عشر واجب نہیں۔ لیکن اگر کوئی
شخص خود روگھاس کی دیکھ بھال شروع کر دے اور بیج کر کافی کرے تو اس پر بھی
عشر واجب ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔ فلا عشر فی الحطب والحشیش الا ولو کان
یقطعہ ویبیعہ یجب فیہ العشر۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱۰ / ۱۴۰۷ ہجری

زمین میں سے جو درخت فروخت کئے
جاتے ہیں ان پر عشر واجب

ہے یا نہیں؟
الجواب صحیح درختوں میں عشر واجب نہیں ہے ولا عشر فیما ہوتا ببع

للارض كالنخل والاشجار (ہندیہ ص ۹۵) فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

افیون اور تمباکو کی پیدوار میں عشر کا حکم : جو لوگ افیون و تمباکو کی زراعت کرتے ہیں

ان پر حاصل شدہ افیون و تمباکو میں عشر دینا واجب کیا ہے ؟

الجواب : وجوب عشر وعدم وجوب عشر کا مدار اس پر ہے کہ جو چیز زمین کی کاشت سے مقصود ہوتی ہے اس چیز میں عشر واجب ہوتا ہے۔ اور جو چیز اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ گندم میں عشر واجب ہے اور بھوسہ میں عشر نہیں کیونکہ زمین کی کاشت گندم ہی کے لئے کی جاتی ہے۔ بھوسہ اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہوتا ہے لیکن اگر کسی نے گھاس ہی کے لئے زمین کی کاشت کی ہے تو پھر اس میں عشر واجب ہوگا۔ پس اس اصول کے تحت تمباکو اور افیون میں بھی عشر واجب ہے کیونکہ ان ہی کے لئے زمین کی کاشت ہوتی ہے۔ وکل ذالک فی الشامیۃ ص ۵۵۔ اِنَّ الارض المعدۃ لا یخلو عن احدی الخلیفتین وایضاً فیہ بعد سطوہ اِنَّ المَدَانَ علی القصد حتی لو قصد بہ ذلک وجب العشر کما صرح بہ بعدہ : فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۳/۹/۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح

۱۳/۹/۱۳۷۸ھ

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

استقاطِ زکوٰۃ کے لئے حید کرنے کا حکم

مسماۃ خالہ کے پاس ۱۲ تولہ سونے کے زیور ہیں۔ میری ڈوبٹیاں ہیں ایک کی عمر چار سال اور دوسری کی سات سال ہے۔ میری ذاتی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ زیور کی زکوٰۃ ادا کر سکوں۔ میری بیوی زیور فروخت کرنے کو اس لئے تیار نہیں ہے کہ یہ زیور بیٹیوں

پس منظر

حضرت مفتی عبدالستار صاحب برکات

حکومت کی طرف سے ۱۳۹۹ھ میں زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا مسودہ مختلف حضرات علماء کی خدمت میں بغرض تبصرہ بھیجا گیا۔ اس میں ایک بنیادی بحث اموال ظاہرہ اور باطنہ بھی تھی۔ اس مسودے میں بینک اکاؤنٹس اور دیگر ایسے مالی اثاثوں کو جو حکومت کے پاس جمع ہوں۔ مال ظاہر قرار دیا گیا تھا۔ غالباً سب پہلے اس پر مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں غور و خوض کیا۔ اور اپنے فیصلے میں لکھا :

”کہ ہم مذاہب اربعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی یہ تعریف (جو حکومتی مسودے میں کی گئی ہے ناقل) ائمہ اربعہ کی متفق علیہ تعریف خلاف ہے الخ۔ اور مجلس نے آگے چل کر حکومتی مسودے میں اموال ظاہرہ کی اس تعریف کو اصلی تعریف کا ”منسوخ اور تحریف“ قرار دیا۔ (بیانات جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ) لیکن بعد میں مجلس بالا کا دوسرا اجلاس ہوا جس میں اموال ظاہرہ اور باطنہ کے بارے میں مجلس نے اپنے پہلے فیصلے کو بدل دیا اور سرکاری مسودے کی تائید کر دی کہ بینک اکاؤنٹس اموال ظاہرہ میں شامل ہیں۔ اور پھر دارالعلوم کراچی کی طرف سے اس دوسرے فیصلے کو مختلف مدارس میں بھیجا گیا۔ کئی حضرات نے اسکی تائید فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب جامعہ اتر فیہ لاہور حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی دارالعلوم حقانیہ ضلع سرگودھا محقق دُوراء شیخ الحدیث مولانا سرفراز صاحب گوجرانوالہ اور راقم الحروف نے ”مجلس“ کے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ بینک اکاؤنٹس اموال ظاہرہ نہیں۔ کیونکہ حضرات فقہاء کی تصریح کے مطابق اموال ظاہرہ ہیں اکیٹیاں۔ بانٹا، سوائم اور وہ مال تجارت جسے مالک شہر سے باہر لے جائے اور اسے لیکر سفر کرے اور بینک اکاؤنٹس ان چار میں شامل نہیں۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ شہر میں ہوتے ہوئے کوئی مال باطن، مال ظاہر میں شامل نہیں ہو سکتا جب شہر سے باہر لے جائیں گے تب وہ مال ظاہر بنے گا اور بینکی لے کر شہر کائے مجلس کے اسمار گرامی یہ ہیں۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی۔ حضرت مفتی دلی حسن۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق۔ حضرت مولانا محمد جمیل خاں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اہل حیا نوری۔ دامت برکاتہم اجمعین۔

اموال شہر میں ہی موجود ہوتے ہیں۔

مجلس تحقیق نے اپنے ایک اجلاس میں پھر ہماری معروضات پر غور کیا اور اس سلسلہ میں حضرات کی تصریحات کی بجائے بعض آثار صحابہؓ سے استدلال کرتے ہوئے اپنی سابقہ اجتہادی رائے پیش کردہ فقہی جزئیات و تصریحات کا جواب دینے کی بھی کوشش کی گئی اور اپنے اس تفصیلی جواب کو ”البلاغ“ بابت ماہ رمضان و شوال ۱۴۲۸ھ میں شائع کر دیا گیا۔

”البلاغ“ میں یہ جواب پڑھ کر حیرت و تعجب ہوا۔ اور ذمہ دار حضرات کو مطلع کیا گیا کہ اس جواب میں شرعی اور فقہی اعتبار سے بہت سے امور قابل اصلاح ہیں جس پر مخدوم و مکرم حضرت مولانا محمد رفیع صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم کراچی نے بندہ کو جواب الجواب لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ بندہ نے مفصل جواب تحریر کر کے حضرات اکابر کی تصدیقات کے بعد اسے کراچی بھیج دیا۔ مگر اس کا کوئی مثبت ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔ علم چونکہ امانت ہے۔ اور بہت سے حضرات نے بار بار اس آخری جواب کو شائع کرنے کا اصرار و تقاضا بھی فرمایا۔ اس لئے مجبوراً اسے اشاعت کے لئے دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرماویں۔ آمین !

اموال ظاہرہ اور باطنہ کے مسئلے کے بارے میں بہت سے حضرات نے ہمارے اس آخری جواب کی تصدیق فرمائی ہے جن میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

- ۱۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب دامت برکاتہم جامعہ اشرفیہ لاہور۔
- ۲۔ محققِ دوراں حضرت مولانا سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم گوجرانوالہ۔
- ۳۔ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مفتی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔
- ۴۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد۔
- ۵۔ حضرت مولانا خالد محمود صاحب۔ لاہور۔
- ۶۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔ کراچی۔
- ۷۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مفتی قاسم العلوم۔ ملتان۔
- ۸۔ حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب استاذ الحدیث دارالعلوم فیصل آباد۔
- ۹۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔
- ۱۰۔ محمد انور مرتب خیر الفوائد۔

اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تحقیق

اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی فقہی اصطلاح اردو اور پنجابی کے لفظ ظاہر سے مأخوذ نہیں بلکہ عربی کے لفظ ظاہر البلد اور بطن البلد سے لی گئی ہے۔ ظاہر البلد بیرون شہر کو کہا جاتا ہے اور بطن بلد اندرون شہر کو کہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ فقہی اصطلاح وجود میں آئی کہ جو اموالِ زکوٰۃ بیرون شہر پائے جائیں ظرفیتِ مکانی کے اعتبار سے انہیں اموالِ ظاہرہ اور جو اموالِ زکوٰۃ اندرون شہر پائے جائیں بطن البلد کی نسبت سے انہیں اموالِ باطنہ قرار دیا گیا ہے۔ گو پوشیدہ ہونے یا نہ ہونے کا معنی بھی فی الجملہ ان میں پایا جاتا ہے لغت اور فقہاء کرام کی تصریحات سے مجموعی طور پر یہ حقیقت اس قدر واضح ہے کہ اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔

اہل لغت نے ظہر کا معنی برز رکھا ہے چنانچہ قاموس میں ہے ظہر برز بعد خضاء اور بروز اصل کے لحاظ سے خروج الی البراز کو کہتے ہیں اور براز درختوں سے خالی وسیع میدان کو کہتے ہیں (منجد اردو)

اور قضاء حاجت کے لئے جنگل میں جانا تبرز اور میدان جنگ میں صفوں سے نکل کر مقابلہ کے لئے باہر آنا مبارزت کہلاتا ہے ان سب استعمالات میں بیرون شہر کے معنی ملحوظ ہیں اور ظہر جنگلی راستہ کو کہتے ہیں قریش الظواہر آہنا کہ بظاہر مکہ فرود آمدند (صحاح)

ابن اعرابی فرماتے ہیں قریش الظواہر الذین نزلوا بظہر ورجال مکة و قریش البطاح الذین ہم نزلوا بطاح مکة بطن مکة و البطحاء الرمل۔ ترجمہ: قریشِ ظواہر وہ قریش ہیں جو مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کی بلندیوں پر فروکش ہوئے اور قریشِ بطاح وہ ہیں جو اندرون مکہ ریتلی زمین پر اترے وذلک ان بنی ہاشم وبنی اُمیہ و سادۃ قریش نزل بطن مکة ومن کان دونہم فہم نزل بظواہر جبالہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: ”فاظہر بمن معک من المسلمین الی کذا ای اخرج بہم الی ظاہرہا و ابرزہم۔“

(لسان العرب ص ۵۲۳)

ترجمہ: اپنے لشکروں کو فلاں شہر کے میدان میں لے آؤ۔

البدایة والنہایة میں ہے وإقام علی بظاہر البصرة ثلاثا ولما دخل
البصرة فضع اھ (ص ۲۲۲ ج ۱)

حضرت سعید بن جبیرؓ کی قبر کے متعلق لکھا ہے ودفن سعید بظاہر واسط
العراق وقبرہ بہا یزار۔ حضرت سعید کو شہر واسط کے باہر دفن کیا گیا اردو عربی
منجد میں ہے ظاہر البلد بیرون شہر (منجد اردو)

ظاہر البلد خارجہ (منجد عربی)

ایک حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ یخرج من آخر الليل الى
البقيع ای البقيع الخرقہ و هو موضع بظاہر المدينة فيه قبور اهلها۔
(مرقات ج ۲ ص ۱۱۱ امدادیہ رمان)

ان حوالہ جات سے یہ امر ظاہر ہے کہ ظاہر بلد بیرون شہر اور بطن بلد اندرون شہر کو کہتے
ہیں اور ظہور اور بروز میں وسیع میدان اور جنگل کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس جب تک کوئی مال
ظاہر بلد (بیرون شہر) میں نہیں ہوگا اسے اصطلاحی طور پر مال ظاہر قرار دینا اس حقیقت لغویہ
سے بے خبری ہے اور یہ حقیقت لغویہ حضرات فقہاء کے بیان کردہ "اموال ظاہرہ" پر مبنی و عن
منطبق ہے۔ چنانچہ حضرات فقہاء نے جو اموال زکوٰۃ بیرون شہر پائے جاتے ہیں

انہیں اموال ظاہرہ اور جو اندرون شہر پائے جاتے ہیں۔ انہیں اموال
باطنہ قرار دیا ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: والاموال الظاہرة وھی السوائم وما

فیہ العشر والخراج (ای الزروع والبساتین) وما یمربہ التاجر علی العاشر

عبارت سے بظاہر تحدید معلوم ہوتی ہے۔ اور تحدید تعریف سے ابلغ ہے۔

امام ابوبکرؓ کا سانی فرماتے ہیں: ان اموال الزکوٰۃ نوعان ظاہر و هو

المواشی وما یمربہ التاجر علی العاشر و باطن و هو الذهب والفضة

واموال التجارة ف مواضعها اھ۔

"ف مواضعها" یہ "وما یمربہ العاشر" کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے

جس کا حاصل یہ ہے ہونا اور چاندی اور اموال تجارت وکانوں یا گھروں میں رکھے ہوئے

ہیں تو اموال باطنہ میں سے ہیں۔ اور انہیں لیسکہ عاشر کے پاس سے گزریں تو یہ اموال ظاہرہ

میں تبدیل ہو جائیں گے جنگل اور بیرون شہر میں ہونے کی وجہ سے سائمہ اور کھیتوں کو چھپایا

نہیں جاسکتا اور گھریلو اور دکانوں میں پڑے ہوئے اموال کو چھپایا جاسکتا ہے چنانچہ بازار بند ہوتے ہی یہ سب اموال پوشیدہ اور نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں، علامہ مارور دی نے الاحکام السلطانیہ میں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی یوں تعریف کی ہے : والا موال المنکاة نوعان ظاہرة و باطنية فالظاهرة ما لا يمكن اخفاءه كالزراع والشمار والمواشي والباطنة ما يمكن اخفاءه من الذهب والفضة و اموال التجارة ص ۳۳۱

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اصل اموال ظاہرہ تین ہیں ۔

(۱) جنگل میں چرنے والے جانور (۲) بھیتیاں (۳) باغات اور اموال ظاہرہ کی چوتھی قسم وہ ہے جو دراصل اموال باطنہ ہیں یعنی چاندی سونا، مال تجارت اور کرنسی نوٹ جو شہر میں اپنے اپنے مقامات پر رکھے ہوئے ہیں لیکن جب ان اموال کو لیکر کوئی شخص سفر کرے گا (اور اس طرح سے یہ اموال ظاہرہ میں آجائیں گے) تو اب یہ اموال اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے ۔

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کی متفقہ تصریحات ملاحظہ ہوں۔ ملک العلماء امام ابو بکر کاسانی اپنی مایہ ناز تصنیف ”بدائع الصنائع“ میں لکھتے ہیں ۔

و كذا المال الباطن اذا مربيه التاجر على العاشر كان له

ان يأخذ (العشر منه) في الجملة لانه كسافره و اخرجہ

من العمر ان صار ظاهراً (ص ۲۵ ج ۲)

علامہ زین العلماء ابن نجیم فرماتے ہیں : لا شك ان السوائم تحتاج الى

الحماية بخلاف الاموال الباطنة اذا لم يخرجها المالك من المصر لفقد

هذا المعنى (ص ۲۴ ج ۲)

اموال باطنہ کو سفر میں لے گیا تو اموال ظاہرہ میں شامل ہو گئے اور اگر شہر سے نہیں نکالے تو بدستور یہ اموال باطنہ رہیں گے ۔

علامہ حصکفی در مختار میں لکھتے ہیں کہ عاشر اموال باطنہ سے بھی زکوٰۃ وصول کرے گا جب کہ

مالک انہیں شہر سے باہر نکال لائے کیونکہ اب یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو گئے ہیں ۔

والا موال الباطنة بعد اخراجها من البلد لا نهيا بالخراج التحقت بالاموال

الظاہرۃ فكان الاخذ فيها للامام (باب العاشر)

اسی مسئلہ کی تعلیل میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔ لافہا بعد الاخراج المتحت

بالاموال الظاہرۃ الخ

علامہ موصوف نے قاضی خاں کی شرح جامع صغیر سے نقل کیا ہے۔

”وانما تثبت ولاية المطالبة للامام بعد الاخراج الى المفاضة (شامی ص ۵۳)

”اخرجه من العمران“ ”اخرجه من البلد“ ”سافر به“ ”ما يمر به“ علی العاشر

”اخرجه الى المفاضة“۔ یہ الفاظ اپنے مفہوم میں واضح ہیں کسی تاویل کی ان میں گنجائش

نہیں ان عبارات سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ مال باطن شہر میں ہوتے ہوئے مال باطن

ہی رہتا ہے ہاں اموال باطنہ کو نیکر جب سفر کیا جائے گا تب یہ اموال ظاہر میں شامل ہو جائیں

گئے کیونکہ اب یہ ظاہر البلد میں آگئے ہیں اور اس شمول والتحاق کی علت ان اموال کو

لیکر سفر کرنا ہے پورے ذخیرہ کتب میں ایک جزئیہ بھی اس کے خلاف موجود نہیں۔ جزئیات

و تصریحات بالا کی موجودگی میں ہم نہیں سمجھتے کہ کسی اہل علم کو مذکورہ بالا علت التفاق میں کوئی

شبہ ہو سکتا ہے۔

الجباية بالحماية

واضح رہے کہ سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کے لئے صرف مال ظاہر ہونا کافی نہیں بلکہ اس

کے ساتھ ساتھ اس مال کا حکومت کے زیر حفاظت کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ اموال ظاہرہ

بیرون شہر اور جنگلات میں ہوتے ہیں۔

جنگلات اور دور دراز کے راستوں پر چوروں سے تحفظ مہیا کرنا صرف حکومت ہی کا

کام ہے ایسا تحفظ صرف حکومت مہیا کر سکتی ہے اس لئے ان اموال میں وصولی زکوٰۃ کا

حق حکومت کو دیا گیا گو یا کہ یہ وصولی کا حق اس حفاظت خاصہ کا معاوضہ ہے تاکہ حکومت

زکوٰۃ کا ایک حصہ اپنے اس حفاظتی انتظامات کے سلسلہ میں خرچ کر سکے اور اموال باطنہ

شہر میں ہونے کی وجہ سے اس تحفظ خاص کے محتاج نہیں اس لئے عام حالات میں اموال

باطنہ کی وصولی زکوٰۃ میں دست اندازی کا حق حکومت کو حاصل نہیں۔ یہ وجہ فرق اور

”الجباية بالحماية“ کے ضابطے کی تصریح بھی حضرات ائمہ کے کلام میں بطریقِ توازن منقول ہے بعض عبارات بطورِ نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) : اموالِ ظاہرہ سے وصولیِ زکوٰۃ کے سلسلے میں ہدایات دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے

فرمایا : ان شکنت لا تخمهم فلا تجبهم ، اھ (عناہ)

(۲) : لان الجباية بالحماية اھ (درنخار) بحر الرائق ص ۲۲۹ ج ۲ شامی ص ۲۳ ج ۲

ہدایہ ص ۱۵ ، فتح القدير (۱) بالمعنى ص ۱۱۱ بحر الرائق ص ۲۴ ج ۲۔

(۴) : مبسوط سرخسی مثلاً میں ہے ثبوت حق الاخذ باعتبار الحاجة الى الحماية

(۸) : ثبت حق الاخذ بالحماية (شامی ص ۵۶ ج ۲)

(۹) : وشرط ولاية الاخذ وجود الحماية من الامام (بدائع)

(۱۰) : انما تثبت حق الاخذ للعاشر لاحتاجه الى الحماية اھ (عناہ)

علامہ شامی اس ضابطہ (الجباية بالحماية) کی تشریح میں لکھتے ہیں ۱۰۱۰ : جباية الامام

هذا لما خوذ بسبب حمايتهم ص ۵۲ ج ۲ :

حُضُورِ مالک

سرکاری سطح پر وصولیِ زکوٰۃ کے لئے ایک مزید شرط یہ بھی ہے کہ مالک کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی جائے مالک کی غیر حاضری میں زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی چنانچہ عاشر مال مضار مال ودیعت اور مال بھضاعت کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا کیونکہ ان اموال کا مالک حاضر نہیں ہوتا۔ کذا فی البدائع ، سابقہ بحث کی روشنی میں جب ہم بینک اکاؤنٹس کی حیثیت اور ان سے وصولیِ زکوٰۃ کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو امور ذیل واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

(۱) : کہ اصولی طور پر بینک اکاؤنٹس اموالِ باطنہ ہیں کیونکہ یہ اندرونِ شہر (بطن بلد) میں موجود ہیں۔

(۲) : چونکہ انہیں لیکر سفر نہیں کیا گیا لہذا (علت التماق کے منتفی ہونے کی وجہ سے) انہیں

اموالِ ظاہرہ میں شامل کرنا ممکن نہیں۔

(۳) : اور پھر یہ اموال حکومت کی اس خاص حفاظت کے تحت بھی داخل نہیں ہوئے جو تجارتی

اموال کو دورانِ سفر جنگلات وغیرہ میں حاصل ہوتی ہے۔ بینک لوگوں سے قرض لیکر اپنے

مال کی حفاظت کر رہا ہے زید و بکر کے مال کی نہیں۔

(۴) برزکوة کی سرکاری کٹوتی کے وقت مالک پاس موجود نہیں ہوتا۔ پس مندرجہ بالا حقائق اور شرائط کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ بینک اکاؤنٹس سے حکومت کو مال ظاہر ہونے کی بناء پر زکوة وصول کرنے کے اختیارات حاصل نہیں۔ اور بدون توکیل بینک کی طرف سے کاٹی گئی زکوة شرعاً ادا نہ ہوگی۔

بخشی مقامات کی تفتیش

اول الذکر تصریحات فقہاء رحمہم اللہ کی روشنی میں یہ امر بلاشبہ ثابت ہے کہ کسی مال باطن کے مال ظاہر بننے کے لئے علت ”اخراج من المصّر“ ہے لیکن بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ کسی مال کے اموال ظاہرہ میں شمار ہونے کے لئے دو بنیادی امور ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ ایسے بخشی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے اُن کا حساب کرنے کے لئے بخشی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیر حفاظت آجائیں۔ اگر اس معیار پر موجود بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں بہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ مالکان نے اپنے اموال کو اپنی عز سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے، دوسرے یہ کہ حکومت کے زیر حفاظت ہی نہیں بلکہ زیر ضمانت آچکے ہیں (السلامۃ رمضان ۱۴۲۸ھ)۔

لیکن ان حضرات کا یہ خیال صحیح نہیں اس میں متعدد خامیاں موجود ہیں۔

(۱) بر اس میں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی حقیقت لغویہ سے ذہول ہوا ہے۔ اموال ظاہرہ کی فقہی اصطلاح کو اردو کے لفظ ظاہر سے مأخوذ سمجھ لیا گیا جیسا کہ ”خود حکومت پر ظاہر کر دیا“ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ بنیادی غلط فہمی ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

(۲) بر اسی غلط فہمی کی بنیاد پر مال ظاہر و باطن کی حقیقت اور تعریف میں تبدیلی کر دی گئی جس کا حاصل گویا یہ ہے کہ مال باطن وہ ہے جس کا حساب کرنے کے لئے بخشی مقامات کی تفتیش کرنی

پڑے اور مال ظاہر وہ ہوگا جس کا حساب کرنے کے لئے بخشی مقامات کی تفتیش کی حاجت نہ ہو (وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوة کی وصولی کے لئے بخشی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہ ہو) (السلامۃ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ) گویا کہ مدار حکم محتاج تفتیش ہونے نہ ہونے پر ہے حالانکہ ظہور مال کا مدار ظاہر و باطن میں موجود ہونے پر ہے۔ محتاج تفتیش ہونا

یا نہ ہونا نہیں۔ ٹرک کے اندر کسی بوری میں ہونا رکھا ہے اس کے ہر طرف گندم ہے۔ یہ ہونا محتاج تفتیش ہے مگر اس کے باوجود یہ سائے ٹرک کا مال اموال ظاہرہ میں شامل ہے۔

(۳)۔ دو اور دو چار کی طرح یہ امر واضح ہے کہ حضرات فقہاء کسی مال کے مال ظاہرہ میں تبدیل ہونے کے سلسلہ میں خروج یا اخراج کی جب بات کرتے ہیں تو یقیناً اس سے ان کی مراد مال کو شہر سے باہر لیجنا ہوتا ہے۔ گھر یا دکان سے باہر لے آنا نہیں ہوتا جیسا کہ

تصریحات فقہاء، اخرجہ من العمران، اخرجہ من البلد، ساخریہ،

اخرجہ الی المفاضة، ما یربہ علی العاشر سے قطعی طور پر یہ امر ثابت ہے

ابلاغ کا یہ تسامح ہے کہ من العمران اور من البلد وغیرہ کو کاٹ کر پھینک دیا

گیا ہے اور صرف اخراج کو لے لیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ مالکان نے ان اموال کو اپنی حرز

سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا۔ (الابلاغ ص ۱۸۱ رمضان سنہ ۱۲۸۷) حرز سے نکلنے

کی بات حضرات فقہاء نے قطعاً نہیں کی نہ اسے ظہور مال کی علت قرار دیا ہے یہ سب بے دلیل ہے

فقہاء نے صرف شہر سے نکلنے کی بات کی ہے کہ اس سے مال ظاہر بنے گا صرف گھر سے

نکلنے کو اگر کسی نے ظہور مال کی علت قرار دیا ہو تو اسکی نشاندہی کی جائے۔ ورنہ تصریحات

فقہاء کرام کے مقابلہ میں محض اپنا خیال پیش کرنا بے سود ہے۔

(۴)۔ جیسے "اخراج من المصر" میں قطع و برید واقع ہوا ہے۔ اسی طرح اموال کے حکومت

کے زیر حفاظت آنے کے سلسلہ میں بھی بے جا تصرف کیا گیا ہے (الف) فقہاء کی مراد

یہ تھی کہ یہ اموال باطنہ بحالت سفر حکومت کے اس خصوصی تحفظ میں داخل ہو جائیں جو

تحفظ صرف حکومت ہتیا کر سکتی ہے یعنی امن طریق دیگر عبارات کے علاوہ امام قاضی خاں

کی ایک تصریح ملاحظہ ہو : انما تثبت ولاية المطالبة للامام بعد الاجراج

الـ المفاضة (شامیہ طبع مصر ص ۵۲)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ لا شک ان السوائم تحتاج الی الحماية بخلاف

الاموال الباطنة اذا لم يخرجها المالك فمن المصر لنفقد هذا المعنى۔

(بحر ص ۲۲۸)۔ ان عبارات سے صراحت ہے یہ بات واضح کہ دی گئی ہے کہ زیر بحث

حمایت سے مراد حکومت کی طرف سے وہ حفاظت ہے جو جنگلات میں ہوتی ہے۔

اندر وں شہر والی حفاظت مراد نہیں، اس لئے تصریح کر دی گئی کہ اموال باطنہ کو جب تک مالک نے شہر سے باہر نہ نکالا ہو۔ اس نوعیت کی حفاظت سے انہیں حکومت کے زیر تحفظ قرار نہیں دیا جاسکتا، مگر السبلاغ میں حضرات فقہاء کرام کی ان متفقہ تصریحات سے اعراض کیا گیا اور شہر کے اندر ہی موجود اموال کو حکومت کے اس تحفظ کے ماتحت ہونے کا دعویٰ کیا گیا، حضرات فقہاء کرام کے خواب و خیال میں بھی یہ معنی نہیں ہوگا۔ السبلاغ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ”کہ وہ اموال فی الجملۃ حکومت کی حفاظت میں آگئے ہیں“ واضح رہے کہ یہ فی الجملۃ حفاظت کی شرط لغو ہے، کیونکہ فی الجملۃ تحفظ تو حکومت کی طرف سے تمام اموال کو حاصل ہوتا ہے تو اس شرط کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟

”زیر حفاظت“ زیر ضمانت

(۵)۔ بینکی اموال کے متعلق السبلاغ نے لکھا، کہ یہ اموال حکومت کے زیر حفاظت ہی نہیں بلکہ زیر ضمانت آچکے ہیں۔ بحث بالا میں زیر حفاظت آنے کی تحقیق کی جا چکی ہے کہ اندرون شہر موجود اموال زیر بحث حفاظت کے تحت داخل نہیں ہوتے پس بینکی اموال کو زیر حفاظت کہنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

(ب)۔ حکومت کو وصولی زکوٰۃ کے جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ زیر حفاظت آنے پر ہی موقوف ہیں۔ اس کے لئے زیر ضمانت آنا کافی نہیں، کیونکہ زیر ضمانت آنے سے مالکان کے اموال کی حفاظت کا معنی مفقود ہو جاتا ہے کیونکہ مالک نے سبب اپنا مال بطور قرض بینک کو دیا تو اب یہ مال مقرض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں رہا اگر گم یا چوری ہو جائے تو یہ نقصان مقرض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں، تو ایسی صورت میں مقرض اپنے مال کی حفاظت کر رہا ہے نہ کہ سابقہ مالک کے مال کی۔ لہذا مقرض اس حفاظت کے سبب سابقہ مالک سے کسی اجرت کی وصولی کا استحقاق نہیں رکھتا، حالانکہ اموال ظاہرہ میں حکومت کو وصولی زکوٰۃ کے اختیارات اسی حفاظت کے سبب حاصل ہوتے ہیں، علامہ شامیؒ ضابطہ الجباۃ بالحماۃ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ جباۃ الامام

هَذَا الْمَاخُودُ بِسَبَبِ حِمَايَتِهِ (ثامیہ ص ۵۲) — الغرض حکومت کے استحقاق وصولی زکوٰۃ کے لئے مال ظاہر کا زیر حفاظت آنا ضروری ہے۔ زیر ضمانت آنا موثر نہیں بلکہ لغو ہے۔ مستعیر یا مقروض کا اصل مالک سے معاوضہ استعمال طلب کرنا احمقانہ تصور ہے کہ میں اس مال کو استعمال کرتا رہوں اس لئے مجھے اس کا معاوضہ ادا کرو اسی طرح کسی مال کے حکومت کے ضمان میں داخل ہو جانے سے جسے وہ استعمال کر رہی ہے (وصولی زکوٰۃ کا استحقاق حکومت کو حاصل نہ ہو گا۔

الحاصل کسی مال باطن کے اموال ظاہرہ میں شامل ہونے کا مدار اس کے بطن بلد (اندرون شہر) سے ظاہر بلد میں آجانے پر ہے۔ (جیسا کہ تفصیلاً لکھا جا چکا) بلا تفتیش معلوم ہونے یا نہ ہونے پر نہیں۔ مال ظاہر اور باطن کی ایسی تعریف نہ صرف یہ کہ بلا دلیل ہے بلکہ خلاف دلیل ہونے کے علاوہ مشاہدات اور بداہت کے بھی خلاف ہے۔ بازار کھل جانے کے بعد ہر دوکاندار اپنے مال کی نمائش و اظہار کی حتیٰ الوسع کوشش کرتا ہے تاکہ گاہکوں کو اپنے مال کی طرف کھینچ سکے۔ حتیٰ کہ دوکان کے باہر بھی مال لگا دیا جاتا ہے لائٹ وغیرہ سے زیادہ روشنی کیجاتی ہے۔ فرٹ پاتھوں اور ریڑھیوں پر رکھ کر مال فروخت کیا جاتا ہے۔ منڈیوں اور کارخانوں میں کرڑوں کے اموال کھلے بندوں پر پڑے رہتے ہیں ایسے سب اموال کا علم بلا تفتیش حاصل ہوتا ہے مگر یہ سب اموال بالا جماع اموال باطنہ ہیں اموال ظاہرہ نہیں۔ حالانکہ البلاغ کی تعریف کے مطابق یہ سب اموال ظاہرہ ہونے چاہئیں۔

(۲)۔ تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ تاجر نے اگر عاشر کو بتلادیا کہ میرے گھر میں اتنا مال رکھا ہوا ہے جس پر زکوٰۃ واجب تو بھی عاشر اس مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ ایسے جزئیات سے ظاہر ہے کہ گھر میں رکھا ہوا مال اقرار کے ذریعہ بلا تفتیش معلوم ہو گیا مگر اس کے باوجود مال ظاہر نہیں بنا حکومت اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتی حالانکہ البلاغ کے مطابق بذریعہ اقرار یہ مال ظاہر بن چکا ہے۔ فی الجملہ حفاظت تو حاصل ہی ہے۔ جزئیات بالا میں بلا تفتیش معلوم ہو جانے کے باوجود یہ اموال مال ظاہرہ میں شامل نہیں ہو سکے۔ اور آئندہ صورت اس کے برعکس ہے کہ خروج من المصر یا گیا مگر عاشر کو اس کا علم نہ ہو سکا تو بھی یہ مال ظاہر بن گیا۔ معلوم ہوا کہ مال ظاہر بننے کا مدار بلا تفتیش

معلوم ہونے پر نہیں، (حوالہ آگے آرہا ہے) دونوں قسم کی جزئیات سے ظاہر ہے کہ البلاغ سے مستفاد اموال ظاہرہ کی تعریف جامعیت اور مانعیت دونوں سے غاری ہونے کے علاوہ اجماع فقہاء کے بھی خلاف ہے۔

اگر کہا جائے کہ مال کا اس حیثیت سے ہونا کافی ہے کہ بلا تفتیش اس کا علم ہو سکے بالفعل معلوم ہو جانا مال ظاہر بننے کے لئے ضروری نہیں لہذا آخری جزئیہ البلاغ کے خلاف نہیں۔ — جواب یہ ہے کہ اگر ایسا معلوم ہو سکتا کافی ہے تو بالفعل ایسا علم حاصل ہو جانا تو مال ظاہر بننے کے لئے بطریق اولیٰ کافی ہوگا۔ پس بازار میں منظر عام پر کھلے بندوں لکھے ہوئے اموال بلا شبہ اموال ظاہرہ ہوں گے حالانکہ باتفاق فقہاء یہ اموال باطنہ ہیں معلوم ہوا کہ ایسا علم بالفعل ہو یا بالقوة دونوں صورتوں میں یہ مدار نہیں ہے وگرنہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا علم بالقوة تو مؤثر بنے اور بالفعل مؤثر نہ ہو۔

ایک صاحب نے شبہ پیش کیا کہ مرور علی العاشر سے اگر مال باطن مال ظاہر میں شامل ہو جاتا ہے تو عاشر اگر شہر میں کسی مال کے پاس آجائے تو یہ مال ظاہر کیوں نہیں بنتا؟ جواب یہ ہے کہ وجود عاشر فی نفسہ کوئی ایسا آلہ نہیں ہے کہ اس کے سامنے آتے ہی مال باطن مال ظاہر میں تبدیل ہو جاتا ہو بلکہ اس تبدیلی کی علت "اخراج عن المصر" ہے اس لئے مرور علی العاشر سے تبدیلی ظاہر ہوگی۔ نہ کہ عاشر کے "دخول مصر" سے نیز یہ شبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ کسی مال کا بلا تفتیش معلوم ہو جانا ظہور مال کے لئے کافی ہے اور اس خیال کی مفصل تردید پہلے کیجا چکی ہے۔

اور یہ شبہ بھی بے بنیاد ہے کہ ظہور مال کی اصل علت علم عاشر ہے عموماً "اخراج عن المصر" سے چونکہ یہ حکم متحقق ہو جاتا ہے اس لئے فقہاء نے "اخراج" کا ذکر کیا ہے علم عاشر کی تصریح نہیں کی اس شبہ کی تردید بھی آئندہ جزئیہ سے ظاہر ہے جس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی تاجر مال لیکر سفر کرے اور عاشر کو اس کا علم نہ ہو تو بھی یہ مال ظاہر بن جاتا ہے۔ اگر اصل علت علم عاشر ہوتا تو ایسی صورت میں یہ مال تجارت مال ظاہر نہیں بننا چاہیے تھا۔

۱۱ ومن من علی العاشر بمائة درهم واخبره ان له مائة اخرى في

منزلہ قدر حال علیہ الحول لم یسزک التی معہ لقلتها وما فی بیتہ

لو اخبر بها العاشر فلا ياخذ منها (بحر الرائق)

(۲)۔ ولا يؤخذ من مال ف بینه مطلقاً (در مختار)

جزئیات بالا سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ گھروں میں رکھے ہوئے مال کا بلا تفتیش بذریعہ اقرار معلوم ہونا اسے مال ظاہر میں تبدیل نہیں کرتا۔ اس امر سے السبلاغ کے خیال کی چونکہ واضح طور پر نفی ہوتی ہے اس لئے ان جزئیات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلہ میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ جزئی واقعہ ہے حالانکہ یہ جزوی واقعہ نہیں بلکہ اسلامی قانون کی ایک دفعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جزوی واقعہ اور فقہی جزئیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے اگر ایسی فقہی تصریحات کو جزوی واقعات قرار دیکر مسترد کر دیا جائے تو اسلامی قانون کے پچاس فی صد حصہ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

ثانیاً السبلاغ نے اسے استثنائی واقعہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں کیونکہ استثنائی واقعہ وہ ہوتا ہے جو عمومی ضابطہ کے خلاف ہو اور یہ فقہی جزئیہ وصولی زکوٰۃ کے غیر ضابطہ الجبایۃ بالحماۃ کے تحت من و عن داخل ہے۔ چنانچہ جزئیہ بالا میں اسکی تصریح موجود ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کو مال ظاہر میں اس لئے شمار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ تحت الحماۃ داخل نہیں ہوا۔ اس تصریح کے باوجود اسے استثنائی واقعہ قرار دینا محض دعویٰ بلا دلیل اور قابل تعجب ہے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی تفصیل میں لکھتے ہیں۔

لان حق الاخذ انما یثبت باعتبار المال الممور بہ علیہ لحاجۃ

الی الحماۃ وهذا غیر موجود ف بینه ومامت بہ علیہ لم یبلغ اھ

(مبسوط سرخسی ص ۱۹۹)۔ السبلاغ نے اسلامی قانون کی اس دفعہ کا تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق عاشر کو نہیں لیکن امام کو یہ حق حاصل ہے پہلے دونوں جوابوں کی طرح السبلاغ کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے۔ حضرات فقہاء کی کوئی تصریح ان جوابات کی تائید میں پیش نہیں کی گئی اور ظاہر ہے کہ محض خیال کسی قانون کا جواب نہیں بن سکتا۔

مزید گزارش ہے کہ یہ جواب بھی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے بنیادی ضابطہ و اصول الجبایۃ بالحماۃ سے ذہول بلکہ اسکی مخالفت پر مبنی ہے کیونکہ جب یہ مال امام کے زیر حفاظت ہی نہیں آتا تو امام کا استحقاق وصول اس مال کے ساتھ متعلق ہی نہیں ہوا۔ پس نہ امام اس سے خود زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے اور نہ ہی اسکی نیابت میں عاشر وصول کر سکتا ہے اور فی نفسہ یہ امر مستبعد ہے کہ ایک مال ظاہر میں امام کو وصول زکوٰۃ کا حق ہو اور عاشر کو یہ حق حاصل ہو علاوہ ازیں یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے تصریح کی ہے کہ امام کو بھی مطالبہ زکوٰۃ کا استحقاق صرف کسی مال کو شہر سے باہر لیجانے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ گھر میں رکھے ہوئے مال کے ساتھ امام کا یہ حق متعلق نہیں ہوتا۔ علامہ شامی نے قاضی خاں سے نقل کیا ہے۔

وف شرح الجامع الصغير لقاضی خاں وانما تثبت ولاية المطالبة

للإمام بعد الإخراج إلى المفازة (ص ۵۲)

انما لفظ حصر اور "لفظ امام" البلاغ کے دعویٰ کی تردید میں صریح ہیں۔

(ب) فتح القدیر میں ہے۔ وبمجرد خروجه انتقلت الولاية عنه إلى الإمام پوری عبارت پہلے گزر چکی ہے اس عبارت میں مالک سے امام کی طرف ولایت اخذ زکوٰۃ کے منتقل ہونے کو خروج مصر پر متعلق کیا گیا ہے۔

(ج) اصول الجبایۃ بالحماۃ کی تشریح میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔

جبایۃ الامام هذا الماخوذ بسبب حمايته - (ص ۵۲ ج ۲)

اس میں بھی تصریح ہے کہ امام کا استحقاق وصولی اموال کو بیرون شہر تحفظ ہتیا کرنے پر مبنی ہے۔ گھر میں رکھا ہوا مال جب اس تحفظ کے تحت داخل نہیں ہوتا۔ تو امام کو اسکی زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات بھی حاصل نہیں ہوتے۔ اور اسکی نیابت میں پھر عاشر بھی ایسے مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ الغرض یہ تفریق بالکل بے بنیاد ہے کہ ایسے مال میں امام کو استحقاق وصولی حاصل ہے اور عاشر کو حاصل نہیں۔ ان جزئیات سے ظاہر ہے کہ علم امام یا علم عاشر مال کو ظاہر بنانے کی علت نہیں جبکہ وہ مال گھر میں رکھا ہو۔ لیکن البلاغ کے مطابق یہ مال، مال ظاہر بن گیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ حسب تصریحات فقہاء عاشر کو اس سے وصولی زکوٰۃ

کا حق ہے نہ امام کو؟ کسی خلاف ضابطہ بات ہے۔

اور اگر اس کے برعکس صورت پیش آئی کہ خروج
حکومت کے علم میں نہ آنا : من المصر یا گیا لیکن حکومت کو اس مال کا

علم نہیں ہو سکا تو یہ مال ظاہر بن گیا ہے۔ اگر بعد میں حکومت کو علم ہو گیا تو وہ اسکی زکوٰۃ وصول
کر سکتی ہے عالمگیری میں ہے : ولو مر حرجی بعاشرو لم يعلم به العاشر حتى

خرج ودخل دار الحرب ثم خرج لم يعشرا لما مضى كذا في التبيين ولو لم يعلم
او الذی علی العاشر ولم يعلم بهما ثم علم في الحول الثاني ياخذ منهما
كذا في محيط السرخسی والسراج ! نوہاج۔ (ہندیہ ص ۹۲)

معلوم ہوا کہ مال ظاہر بننے کی علت اخراج من المصر ہے۔ علم امام یا علم عاشر کا ہونا یا
نہ ہونا فیضان یا اثبات اسکی علت نہیں۔ جیسا کہ جزئیات بالا اس بارے میں صریح ہیں۔

اول الذکر جزئیہ (ومن مر علی عاشر بمائة درهم الخ) کے جواب میں ابلاغ نے

اکت بات بھی کہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاجر کے بتلانے سے گھر میں رکھا ہوا مال، مال ظاہر

تو بن گیا لیکن عاشر کو لگا بندھا اصول بتا دیا گیا ہے کہ جو کوئی شخص تمہارے پاس مال لیکر گزرے

صرف اس سے زکوٰۃ وصول کر سکتے ہو۔ گھروں یا دوکانوں پر جو مال ہے اس سے تعرض

نہ کر دو۔ (البلاغ ص ۲۲ رمضان ۱۴۲۸ھ)۔ اس لگے بندھے اصول کا ابلاغ نے

کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور شرعی ضابطے کے لحاظ سے بھی یہ "اصول" علی الاطلاق درست

نہیں کیونکہ اگر کوئی مال ظاہر مثلاً سامنے گھر میں موجود ہو اور عاشر کو اس کا علم ہو جائے تو

عاشر اسکی بھی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے جیسا کہ جزئیہ ذیل سے ظاہر ہے۔ ولو مر بمواشی

سائمة دون النصاب وفي بيته ما يكمله نصابا اخذ منه الواجب لان الكل

داخل تحت الحماية كذا في السراج الوهاب (عالمگیری ج ۹۲)۔ معلوم ہوا کہ وصول

عاشر کے لئے ضابطہ شہ ہے کہ مال ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے۔ خواہ یہ مال عاشر کے پاس سے

لیکر کوئی شخص گزرے یا اس شخص کے گھر میں یہ مال ظاہر موجود ہو۔ عاشر دونوں قسم کے مال

ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے گا۔ پس ابلاغ کا بیان کردہ "اصول" درست نہیں۔ شبہ نہ

کیا جائے کہ مال باطن کے مال ظاہر بننے کی علت جب "اخراج من المصر" ہے (جیسا کہ تفصیل سے

اس پر بحث گزر چکی ہے) تو یہ سائمہ گھر میں اور شہر میں ہوتے ہوئے مال ظاہر میں کیسے شمار ہو گئے۔ جواب یہ ہے کہ یہ علت مال باطن کے مال ظاہر بننے کے لئے ہے۔ اور سائمہ تو پہلے ہی سے مال ظاہر ہیں۔ کیونکہ انہیں چرانے کے لئے یقیناً شہر سے باہر لایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان کا گزارا ہی جنگل میں چرنے پر ہے۔ پس سائمہ کے بارے میں خروج من المصرا اور تحت الحماۃ داخل ہونا دونوں امر پائے گئے۔ اس لئے سائمہ مال ظاہر ہی ہیں باطن نہیں ہاں سونا چاندی مال تجارت اندرون شہر ہوتے ہوئے مال باطن ہیں۔ ان کے مال ظاہر بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ انہیں لے کر سفر کیا جائے۔ اسی بنیاد پر یہ فرق کیا گیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے در اہم کو شامل کر کے عامل کے پاس نصاب مکمل نہیں کیا گیا۔ اور سائمہ کو لے کر گزریو آئے گا نصاب گھر میں موجود سائمہ سے پورا کیا جائے گا اور مجموعے سے زکوٰۃ وصول کی جائیگی۔ مزید یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اگر کسی تاجر نے اپنے مال کی زکوٰۃ شہر میں ادا کر دی، اور پھر اس مال کو لے کر سفر کیا۔ تو عاشر اس مال کی زکوٰۃ دوبارہ وصول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ مالک خود ادا کرنے کا مجاز ہے پس یہ ادائیگی زکوٰۃ معتبر تسلیم کی جائے گی اور اگر تاجر نے اموال تجارت کی زکوٰۃ انہیں شہر سے باہر لانے اور سفر کرنے کے بعد ادا کی ہے تو یہ ادائیگی شرعاً معتبر نہیں۔ عاشر دوبارہ ان اموال کی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے۔ درمختار ثانیہ، ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ وغیرہ تمام کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ مال ظاہر بننے کا مدار اخراج من المصرا پر ہے۔ علم عاشر پر نہیں۔ کیونکہ اگر مال ظاہر ہونے کا مدار علم عاشر پر ہوتا۔ تو بوقت مرور علی العاشر یہ دونوں اموال معلوم ہیں اور اس سے قبل دونوں غیر معلوم تھے۔ پس یا تو دونوں صورتوں میں سابقہ ادائیگی معتبر ہونی چاہیے تھی یا دونوں صورتوں میں غیر معتبر۔ ایک میں معتبر اور دوسرے میں غیر معتبر، یہ تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ مال ظاہر بننے کا مدار مال کے شہر سے باہر لانے پر رکھا جائے۔ کیونکہ شہر میں ہوتے ہوئے یہ مال باطن تھا تو مالک کی ادائیگی درست ہے اور شہر سے باہر لایا تو مال ظاہر بن گیا اب مالک کی ادائیگی زکوٰۃ غیر معتبر قرار پائی۔

الحاصل بطن بلد (اندرون شہر) میں موجود نقدی اموال تجارت اموال باطنہ ہیں۔ اور انہیں لے کر سفر کیا جائے تو یہ اموال ظاہرہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور زروع و شمار

اور ساتھ یہ اموال چونکہ بیرونِ شہر (ظاہر السبلد میں) پائے جاتے ہیں اس لئے یہ اموال اصولی طور پر اموالِ ظاہرہ ہیں۔ سابقہ مفصل ابجاث کی روشنی میں یہ حقیقت باطل واضح ہے کہ بینکی اموال، اموالِ باطنہ ہیں۔ انہیں بینک میں ہوتے ہوئے قطعاً مالِ ظاہر قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی حضراتِ فقہاء کی ذکر کردہ متفقہ تصریحات کو کسی اجتہاد سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اس امر میں تو کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ دلائل شرعیہ کے علاوہ ملکی و بین الاقوامی بینکنگ نظام کے ضوابط کے تحت بینکی اموال کو مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک شخص کے اموال کو دوسرے پر ظاہر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بعض ممالک میں تو حکومت بھی کسی کھاتہ دار کا بینک بلینس معلوم کرنے کی مجاز نہیں۔ اور اصولی طور پر بینکی اموال کو زیادہ سے زیادہ محفوظ پٹیوں اور تالوں میں بند کر کے رکھا جاتا ہے ایسے مخفی مقفل کمروں آہنی الماریوں مضبوط تجزیوں میں بند اموال کو مالِ ظاہر قرار دینا مشاہدہ، بڑا ہت اور شریعت کے یکسر خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ کراچی نے اپنے ایک اجلاس منعقدہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں ”زکوٰۃ و عشر آرڈیننس“ میں ذکر کردہ اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تعریف کو ائمہ اربعہ کی متفق علیہ تعریف کے خلاف بلکہ اسکو مسخ قرار دیا تھا۔ کیونکہ اس آرڈیننس میں بینکی اموال کو اموالِ باطنہ میں شمار کیا گیا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”بیانات“ کراچی بابت ۱۰ ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ)

البلاغ کے دلائل کا جواب

اب ہم ”البلاغ“ کے پیش کردہ دلائل پر مختصر گزارشات پیش کریں گے۔ اموالِ ظاہرہ کی اپنی بیان کردہ تعریف کے سلسلہ میں البلاغ میں نہایت اہم دو عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) فلما ولی عثمان و ظہر تغیر الناس کمرۃ ان یفتش السعۃ علی الناس

”مستور اموالہم ففوض الدفع الی الملائک بیاۃ“ عنده (فتح القدیر) ۳۸

(۲) لم یبلغنا اندہ بحث سعۃ علی زکاۃ الا موال کما بعثہم علی صدقات

المواشی و الثمار فی ذلک لان سائر الا موال غیر ظاہرۃ للامام و انما

تکون محبوبۃ فی الدور و الحوانیت و المواضع الخریز“ ولم یکن

جائزاً للسعاة دخول احرانهم..... ولما ظهرت هذه الاموال

عند التصرف بها فالبالدان اشبهت المواسی فنصب فیہا

عمال یاخذون منها ما وجب من الزکوة۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۱۵۵ ج ۲)

استدلال: ان تصریحات سے واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامان تجارت اس وقت تک اموال باطنہ کہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیر حفاظت ہوں۔۔۔۔۔ لیکن جب یہی اموال مالکان خود نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیر حفاظت آجائیں تو وہ اموال ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں۔ (البلاغ ص ۱۴۰ ج ۱۲)

جواب: اموال ظاہرہ اور باطنہ کی تعریف کے بارے میں عبارات بالا سے استدلال کرنا کئی وجہ سے مخدوش ہے اولاً اس لئے کہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن ہمام اور امام جصاصؒ رازی کا مقصود ان عبارات سے اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف کرنا نہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خاص اعلان کی صرف حکمت اور مصلحت بتلانا پیش نظر ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا حق مالکان کے سپرد کرنے میں انہیں مضرت تفتیش سے بچانا مطلوب تھا۔ (باقی اموال ظاہرہ و باطنہ کی تفصیل اور ان کے علل یہ اپنے مقام پر مفروض عن البحث ہیں)۔ البلاغ کے استدلال میں بنیادی کمزوری یہ ہے کہ بیان حکمت کو بیان علت سمجھ لیا گیا اور پھر اس سے اولاً اموال باطنہ کی تعریف اخذ کی گئی اور پھر اس کے تقابل سے اموال ظاہرہ کی تعریف کر دی گئی۔ حالانکہ بیان حکمت و مصلحت سے کسی حکم کی تعریف کرنا درست نہیں۔

علت اور حکمت میں فرق: (۱) بدعت پر حکم نفاذ و اثبات دائر ہوتا ہے اور کسی حکم کی حکمت فی الجملہ ملحوظ ہوتی ہے

لیکن مدار حکم نہیں ہوتی۔

(۲) بدعت میں عموم ہوتا ہے اور سب افراد میں پائی جاتی ہے۔ اس سے حکم کا تخلف جائز نہیں ہوتا مثلاً شریعت نے بوجہ مشقت مسافر کے لئے قصر و انظار کی اجازت دی ہے کیونکہ سفر میں عموماً مشقت ہوتی ہے لیکن یہ مشقت محض حکمت تخفیف ہے مدار حکم اور علت نہیں۔ علت رخصت سفر ہے پس اگر کسی سفر میں مشقت نہ ہو تو قصر کی شرعی

سہولت بدستور برقرار رہے گی کیونکہ علت پائی گئی ہے گو حکمت منتفی ہے۔

اگر حکمت کو مدارِ حکم قرار دیا جائے تو بعض اسفارِ شرعیہ میں بھی قصر کی رخصت حاصل نہ ہوگی اگر مشقت پر حکم دائر کیا جائے تو شاید یہ دعویٰ کرنا بھی مستبعد نہیں ہوگا کہ گھر پر ہوتے ہوئے اگر کوئی مشقت کا کام کیا گیا تو بھی قصر کی اجازت ہونی چاہیے کیونکہ علت رخصت پائی گئی حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ کچھ ایسی ہی صورت البلاغ کے زیر بحث استدلال میں پائی جا رہی ہے کیونکہ حضرات فقہاء کے ہاں یہ امر مسلم ہے کہ سونا چاندی مال تجارت کے اموال ظاہرہ کے حکم میں آنے کی علت اخراج من المصر ہے لیکن البلاغ نے مضرت تفتیش کو (جو فی الواقع حکمت تھی) علت اور مدارِ حکم سمجھتے ہوئے یہ طے کر لیا کہ شہر میں ہوتے ہوئے بھی اموال باطنہ کو اموال ظاہرہ قرار دیا جاسکتا ہے یہ ایسے ہی سمجھتے جیسے بغیر سفر گھر پر ہوتے ہوئے بوجہ مشقت قصر نماز کی اجازت دیدی جاتے۔

محتاج تفتیش اموال باطنہ کو سرکاری وصولی

احتیاج تفتیش حکمت علت نہیں : زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھنے کی حکمت ہے

علت نہیں۔ اگر سے علت قرار دیا جائے تو بازار کھل جانے کے بعد ہر دوکاندار اموال کو ایسے منظر عام پر لانے کی کوشش کرتا ہے جو گاہکوں کے لئے جاذبِ نظر ہو۔ ان تمام اموال کا بلابالغہ روزانہ ہزاروں لوگ مشاہدہ کرتے ہیں اور بلاشبہ یہ اموال محتاج تفتیش نہیں اگر محتاج تفتیش ہونے کو مال باطن بننے کی علت قرار دیا جائے تو یہ سب اموال اموال باطن ہونے سے یقیناً خارج ہو جائیں گے حالانکہ حضرات فقہاء کرام نے شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموال کو بالاتفاق مال باطن قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ محتاج تفتیش ہونا علت نہیں ورنہ معلول اس سے متخلف نہ ہوتا بلکہ حکمت ہے جس سے حکم کا تخلف جائز ہے جیسے سفر میں عدم مشقت کے باوجود رخصت قصر برقرار رہی۔ یا گھر پر ہوتے ہوئے مشقت کے کام کے باوجود رخصت قصر کی سہولت حاصل نہ ہو سکی۔ یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ رہے بعض بڑی دوکانوں میں گاہکوں کے لئے نشستیں کرسیاں وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔

پس ہر دوکان میں جانے کو مضرت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ صبح سے لیکر بازار بند ہونے تک اموال تجارت بقصد اظہار و نمائش کھلے بندوں رکھے رہتے ہیں۔ ہاں بازار بند ہوتے

ہی یہ سب اموال دوکانوں میں چھپا دیئے جاتے ہیں۔ اب یہ اموال مستور ہو گئے دن میں بالکل ظاہر تھے رات کو بالکل پوشیدہ اور غائب ہو گئے اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اموال باطنہ کا مستور اور چھپائے ہوئے ہونا یہ بعض حالات (یعنی رات) کے اعتبار سے ہے ہر وقت کے لحاظ سے انہیں پوشیدہ نہیں کہا جاسکتا اموال باطنہ کا گھروں اور دوکانوں میں مستور و مخفی ہونا بعض اموال باطنہ (یعنی سونا، چاندی) کے اعتبار سے ہے کیونکہ انکو گھروں میں مضبوط تالوں وغیرہ میں بند کر کے رکھا جاتا ہے۔ تمام اموال باطنہ کے اعتبار سے نہیں۔ علامہ ابن ہمامؒ اور امام جصاص نے اپنی عبارات میں اموال باطنہ کے لئے ”مستور“ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان الفاظ سے انکی مراد قطعاً یہی ہے اور ہر مال باطن کا ہر حالت میں مستور رہنے کا دعویٰ ان حضرات کی کلام میں ہرگز نہیں اور نہ ان حضرات کی کلام کا یہ مفہوم ہے کہ نقد اور سامان تجارت اس وقت تک اموال باطنہ کہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر ہیں اور جب انہیں نجی مقامات سے نکال لیا جائے تو مال ظاہر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ”اس وقت تک“ ”جب تک“ یہ دونوں قیدیں ان حضرات کی کلام میں موجود نہیں پس مستور و پوشیدہ ہر حال محتاج تفتیش ہونے کو مال باطن کی حقیقت میں داخل سمجھتے ہوئے اس سے مال باطن اور مال ظاہر کی تعریف اخذ کرنا محض تساہل ہے حالانکہ علامہ جصاص رازی کی کلام میں واضح اشارہ موجود ہے کہ تقابل مکشوف اور مستور ہونے میں نہیں۔ اور نہ ہی پوشیدہ نجی مقامات میں رکھے ہونے یا ان سے اموال کو باہر لانے میں ہے بلکہ تقابل اس میں ہے کہ یہ اموال مکانات اور دوکانوں میں اپنی جگہوں میں رکھے ہوئے ہیں یا ان اموال کو شہر سے باہر سفر پر لے جایا گیا ہے۔ پہلی صورت میں یہ اموال باطنہ ہیں دوسری صورت میں یہ اموال ظاہر میں شامل ہو جائیں گے۔ چنانچہ عبارت بغور پڑھیے،

امام جصاص رازی لکھتے ہیں :

وَأَمَّا تَكُونُ مَخْبُوءَةً فِي الدُّوَرِ وَالْحَوَانِيتِ وَالْمَوَاضِعِ الْحَرِيزَةِ.....
وَلَمَّا ظَهَرَتْ هَذِهِ الْأَمْوَالُ عِنْدَ التَّصَرُّفِ بِهَا فِي الْبِلَادِ
اسْتَبْرَأَتِ الْمِرَاشِي فَنَصَبَ عَلَيْهَا عِمَالٌ يَأْخُذُونَ مِنْهَا مَا وَجِبَ مِنَ
الزُّكُوةِ وَلِذَاكَ كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْحَزِينِ إِلَى عَمَّالِهِ اسْتَ

ياخذوا مما يمد به المسلم من التجارات من كل عشرين دينارا

نصف دينار (احکام القرآن ص ۱۵۵ ج ۲)

عبارت بالا میں تصریح ہے کہ جب اپنی پوشیدہ اموال کو لے کر (دوسرے) شہروں میں جائے گا تو یہ اموال (حکومت کے زیر حفاظت کنے میں) جنگل میں چرنیوالے مولشیوں کے مشابہ ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں حکومت بذریعہ عاشران اموال کی زکوٰۃ وصول کرے گی۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے حکم سے ثابت ہو رہا ہے۔ حاصل یہ کہ اس صورت میں یہ اموال باطنہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔ اور یہ وہی بات ہے جو دیگر حضرات فقہاء کی کلام میں پوری وضاحت سے موجود ہے۔ شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموال تجارت نقدی، اموال باطنہ ہیں اور جب انہیں لے کر سفر کیا جائے تو یہ اموال مولشیوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور اموال ظاہرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ابن ہمامؒ سے بھی ایسی ہی تصریح پہلے ہم نقل کر چکے ہیں۔ شہر میں ہوتے ہوئے اموال باطنہ کی ادائیگی زکوٰۃ کا حق مالکان کو حاصل ہے اور ان اموال کے شہر سے نکلتے ہی یہ حق امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(باب العاشر ص ۱۴۲ ج ۲)

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی مال ظاہر باطن بننے کا مدار مستور و مشکوٰۃ ہونے پر نہیں بلکہ اندرون شہر ہونے یا بیرون شہر لے جانے پر ہے اور مستور ہونے کا لفظ بطور بیان مصلحت فرماتا ہے میں بطور بیان علت نہیں۔

الغرض جب اموال باطنہ کا ہر حال میں مستور ہونا ضروری نہ ہوا کہ بلا تفتیش ان کا علم حاصل نہ ہو سکتا ہو تو اس کے مفہوم مخالف سے مال ظاہر کی تعریف مستنبط کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ ورنہ سب بنار الفاسد علی الفاسد ٹھہرے گی۔ گویا البلاغ کے اس استدلال میں تین تسامح واقع ہوئے ہیں۔ (۱) حکمت کو علت سمجھ لینا (۲) حکمت و مصلحت کو علت سمجھتے ہوئے اس سے مال باطن کی تعریف اخذ کرنا (۳) پھر اس تعریف سے تعادل کے طور پر مال ظاہر کی تعریف ترتیب دینا۔

(فائدہ) اموال باطنہ اپنے بعض افراد کے اعتبار سے مستور ہوتے ہیں جن سے وصولی زکوٰۃ کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی حاجت پڑ سکتی تھی جس سے مالکان کو ضرر

پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ دفع مضرت کے لئے شریعت نے بعض افراد کی سہولت پوری نوع کے لئے عام فرمادی اور مالکان کو عام اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے تمام اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کر دیا کریں۔ کیونکہ احکام شرعیہ میں عموماً نوع ہی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ سفر کے بعض افراد میں مشقت تھی لیکن سفر شرعی کے تمام افراد میں رخصت قصر وغیرہ کی سہولت کو عام کر دیا گیا۔

”البلاغ“ کے پیش کردہ آثار پر ایک نظر

ہماری مودعات کے جوابات میں پھر البلاغ ماہ رمضان ۱۴۱۵ھ میں مجلس تحقیقات مسائل حاضرہ کا فیصلہ شائع ہوا جس میں مجلس نے اموال ظاہر و باطنہ کے بارہ میں اپنے سابقہ موقف کو بحال رکھا اسی فیصلہ کے بارہ میں مزید گزارشات پیش کی جا رہی ہیں۔

پہلی گزارش یہ ہے کہ خیر المدارس کے جواب میں حضرات فقہاء کی متعدد تصریحات پیش کی گئی تھیں کہ سونا، چاندی، نقدی شہر میں ہوتے ہوئے اموال باطنہ ہیں۔ جب انہیں شہر سے نکالا جائے گا اور انہیں لے کر سفر کیا جائے گا تب یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہوں گے۔ اور کسی مال باطن کے مال ظاہر میں شامل ہونے کی علت ”اخراج من المصر“ ملک العلماء اہم کا سائی فرماتے ہیں: لأنه لما سافر به واخرجه من العمران صار ظاهراً (ربائع) در مختار و شامیہ میں ہے: لانها بعد الاجراج من البلد التحقت بالا موال الظاهرة خیر المدارس کے جواب کی تردید کے لئے ایسے فقہی جزیات پیش کئے جانے چاہیے تھے جس سے ہماری پیش کردہ تصریحات فقہاء کرام کی صراحت نفی ہوتی لیکن البلاغ کے پورے اس فیصلہ میں ایسا ایک جزیہ بھی مذکور نہیں اور ظاہر ہے کہ تصریحات فقہاء کرام کے مقابلہ میں کوئی خیال و اجتہاد قابل قبول نہیں۔ حضرات فقہائے تہذیب کی ہے: البحث في المنقول غير مقبول (شامی) علامہ قاسم بن قطلوبغا نے اپنے شیخ محقق ابن ہمام کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے:

لا عبرة بأبحاث شيخنا الحق خالف المنقول (یعنی منقول فی المذهب) اسلامی قانون میں

کسی ایسے جزیہ کی دستیابی سے مایوس ہونے کے بعد البلاغ ۱۴۱۵ھ میں موضوع بحث میں توسیع فرمادی۔ واضح رہے

کہ اصل زیر بحث یہ امر تھا کہ مال باطن مال ظاہر کب بنتا ہے ؟ اور اس کی علت کیا ہے ؟ اور یہ بات کہ گھڑوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر کبھی وصول کی گئی ہے یا نہیں یہ بحث ثانوی درجہ میں ہے۔ ہماری ساری بحث اموال ظاہرہ اور باطنہ کی تحقیق و تفصیل و تشریح کے بارہ میں تھی۔ مگر ابلاغ سلسلہ ہجو میں بنیادی تبدیلی کر دی گئی کہ اصل موضوع کی بجائے دوسری بات سرکاری وصولی کو ہی موضوع بحث بنالیا گیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

غور و تحقیق کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کے لئے خروج من المصرو علت قرار دینا درست بلکہ اصل علت وہی ہے کہ وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے نئی مقامات کی تفتیش کی حاجت نہ ہو (السلامی ص ۱۸) اور پھر اپنے اس جدید دعویٰ کے لئے خلافت راشدہ کے بعض آثار سے استدلال کیا کہ خلفائے راشدین نے گھڑوں میں رکھے ہوئے اموال کی بھی زکوٰۃ وصول کی۔ واضح ہے کہ نجم خروج من المصرو مال ظاہر بننے کی علت قرار دیا تھا اور اسے سرکاری سطح پر وصولی کی علت قرار نہیں دیا تھا۔ پس اگر کسی دور میں باطنی کے اندر گھڑوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصولی کی گئی ہو تو یہ وصولی زکوٰۃ نہ تو علت بن سکتی ہے اور نہ ہی زیر بحث مسئلہ میں مفید ہے بلکہ اہل فہم پر حقیقی ہے کہ سرکاری وصولی اور مال ظاہر ہونے میں تلازم ہے نہ مساوات۔ خلافت راشدہ کے دور میں گھڑوں میں رکھے ہوئے اموال کی سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی گئی۔ جب کہ یہ اموال ظاہرہ نہیں اور اس کے برعکس مال ظاہر ہوا اور حکومت کو بوجہ عدم حفاظت کے اس سے وصولی زکوٰۃ کے اختیارات نہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے جیسے کہ جزئیہ ذیل سے ظاہر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مال ظاہرہ اور سرکاری وصولی میں اتحاد و مساوات نہیں بلکہ مغایرت ہے۔

پس اصل موضوع مال ظاہر و باطن کی بحث میں سرکاری وصولی کی بحث چھیڑ دینا۔ اصل موضوع سے گریز و انحراف ہے اور اس سلسلہ میں پیش کردہ آثار اصل موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

اصل موضوع یہ تھا کہ کوئی مال باطن مال ظاہر کے حکم میں کب داخل ہو جاتا ہے۔ ان آثار

میں اس کا کوئی نشان و اثر تک موجود نہیں ہاں سرکاری وصولی زکوٰۃ کا ذکر ہے جس سے ہمیں انکار نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ کسی مال سے سرکاری وصولی یہ اس کے

مال ظاہر ہونے کی دلیل ہے اڈل تو اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت ہے اور ثانیاً یہ کہ — اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حفاظت راشدہ میں بھی اموال ظاہرہ کی ہی زکوٰۃ وصول کی گئی ہے۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ سرکاری طور پر کبھی وصول نہیں کی گئی اور نہ ہی کبھی وصول کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ جب کسی مال کی زکوٰۃ وصول کی جائے گی تو وہ مال ظاہر بن جائے گا حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے کیونکہ سرکاری طور پر اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ خلافت راشدہ کے دور میں مسلمہ امر ہے۔

لکھتے ہیں کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ حکومت وصول کرے گی۔

اور ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ جس مال کی حکومت زکوٰۃ وصول کرے گی وہ مال ظاہر بن جاتا ہے گویا کہ اسلامی قانون میں مال ظاہر کا کوئی تشخص اور پہچان موجود نہیں۔ مال ظاہر بننے کا مدار سرکاری وصولی زکوٰۃ پر ہے۔ گذارش یہ ہے کہ کس فقیہ نے مال ظاہر کے متعلق یہ تحقیق ذکر کی ہے؟ ایک نام بھی اس سلسلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ حضرات فقہاء نے اموال ظاہر کا مستقل تشخص اور ان کی تعداد تک بتلائی ہے جیسا کہ تفصیلاً ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

الغرض خلافت راشدہ میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن اس سے یہ اموال ظاہرہ میں بھی تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں البلاغ کے پیش کردہ آثار کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما لوگوں میں جب سالانہ وظائف تقسیم فرماتے تو آپ وصول کنندہ سے دریافت کرتے کہ تیرے پاس کوئی اور ایسا مال ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہو چکی ہو۔ اگر وہ شخص اثبات میں جواب دیتا تو اس مال کی زکوٰۃ وظیفہ کی رقم میں سے کاٹ کر باقی وظیفہ اس کے حوالے کر دیتے۔

(ب) — حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما وظیفہ کی زکوٰۃ بھی وصول کرتے تھے۔

(ج) — حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے واپس کرتے وقت ایک ایسے مال کی بھی زکوٰۃ وصول کی جو سابق حکمرانوں نے ظلماً مالک سے لے لیا تھا۔ البلاغ نے ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

”اس طریقہ کار سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ کسی مال کے اموال ظاہرہ میں شامل ہونے اور اس سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اس کا شہر سے باہر لے جانا ضروری نہیں۔“ گذارش یہ ہے کہ ان آثار میں سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کا تذکرہ تو موجود ہے لیکن ان اموال کے اموال ظاہرہ بن جانے کا کوئی ذکر ان میں نہیں پایا جاتا۔ ہم نے بار بار غور کیا لیکن ”بات بالکل واضح ہونے کی بجائے ان سے آثار میں کوئی اشارہ تک ایسا نہیں مل سکا جو ان اموال کے مال ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہو اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی فقہی صریح جزیئہ پیش کیا گیا۔

حالانکہ اصل اس سلسلہ میں فقہی جزیئہ ہی مطلوب تھا۔ گھر میں رکھا ہوا مال بذریعہ اقرار مال ظاہر بن کر تبدیل نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور مال باطن ہی رہتا ہے اسی لئے عاشر اس سے زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے نہ امام۔ جیسا کہ اس کی مفصل تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ اور صرف سرکاری وصولی کو مال ظاہر کی دلیل سمجھ لینا تساہل ہے۔ (اس کی تردید پہلے کی جا چکی ہے) خصوصاً جبکہ یہ مسلم ہے کہ خلفائے راشدینؓ نے اموال باطنہ کی بھی زکوٰۃ وصول کی

ہے۔ اور البلاغ کے مطابق حکومت کو ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اب بھی باقی ہے۔ — جب یہ ہے تو سرکاری وصولی زکوٰۃ کو کسی مال کے مال ظاہر ہونے کی دلیل کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ سرکاری وصولی البلاغ کے مطابق مال باطن سے بھی ہو سکتی ہے اور مال ظاہر سے بھی — چنانچہ البلاغ میں ہے۔

”لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کا حق اخذ بالکلیہ ساقط ہو گیا۔ اور اب وہ زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔“

(یعنی ایسا نہیں) (البلاغ ص ۲۱)

وصول کرانے میں نہ معلوم البلاغ کو کیا دلچسپی ہے۔؟ سیدھی بات فرمادیتے کہ مضرت تفتیش نہ ہونے کی صورت میں ماہی کے اندر اموال باطن کی زکوٰۃ وصول کی گئی۔ بینکی اموال بھی اسی نوعیت کے ہیں بقول البلاغ ”حب اموال باطن کو وصول زکوٰۃ سے بجز مضرت تفتیش کوئی مانع نہیں۔“

تو بینکی اموال کو ”مال باطن بنا کر“ بھی زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔ انہیں خواہ مخواہ اموال ظاہر بنانے کا تکلف کیوں فرمایا ہے؟ اور البلاغ کے پیش کردہ مواد کا حاصل بھی یہی ہے کہ ان اموال سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن یہ اموال ظاہر بھی تھے؟ — یہ امر ان کے پیش کردہ مواد سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ اصل موضوع سرکاری وصولی نہیں بلکہ اموال ظاہر اور باطن کی تحقیق ہے۔

وظائف و عطایا پر وجوب زکوٰۃ کا حکم

البلاغ میں وظائف سے وصولی زکوٰۃ کو بار بار اپنے استدلال کی بنیادی دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ استدلال کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ اموال وظائف سے سرکاری سطح پر جو نہ زکوٰۃ وصول کی گئی ہے لہذا یہ مال ظاہر ہیں۔ پس بینکی اموال بھی چونکہ اسی نوعیت کے ہوتے ہیں لہذا ان سے بھی مال ظاہر ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔

اس استدلال میں ایک بنیادی کمزوری تو یہی ہے کہ سرکاری وصولی کو مال ظاہر ہونے کی دلیل بنالیا گیا ہے دوسری کمزوری یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق وظائف میں زکوٰۃ واجب ہے۔ نہ اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے نہ ان حضرات نے وظائف کی زکوٰۃ وصول اور ائمہ متبوعین امام عظیم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ وظائف سے وصولی زکوٰۃ کو خلاف اجماع

قرار دیا گیا ہے (کما سیاتی) پس ایسے خلافِ اجماع امر کو بنیاد بناتے ہوئے جس مسئلے کو اس پر متفرع کیا جائے گا وہ بھی خلافِ اجماع ہوگا۔ پس بیکی اموال سے وصولی زکوٰۃ کا سبب خلافِ اجماع ہوگا۔

حضرت ابو بکر صدیق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کا یہ طرزِ عمل گزر چکا ہے کہ یہ حضرات وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (موطا امام مالک) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ ہمارے وظائف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس طرح جاری ہوتے تھے کہ ان کی زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی تا آنکہ ہم خود ان کی زکوٰۃ لگالتے تھے۔ (کتاب الاموال ص ۱۶۳)

شارح موطا علامہ باجی اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں :

وَأَمَّا الْبُؤْكَرُ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَلَمْ يَكُونُوا يَأْخُذُونَ مِنْهَا
(اى من الاعطية) الزكاة لانهم يتحقق ملكه من اعطيها

الابعد الاعطاء والقبض (اوجز)

مذہب علی رضی اللہ عنہ کی تحقیق
خلفائے ثلاثہ کے اس طرزِ عمل کو ابلاغ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا کہ وہ

تنخواہوں اور وظائف کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (البلاغ ص ۱۸) مگر ابلاغ میں اس کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے اور نہ ہی ہماری تحریری مراجعت کے جواب میں کسی ایسے حوالے کی نشاندہی کی گئی ہے صحیح ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں فرماتے تھے۔ اولاً اس لئے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

أَوَّلُ مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَعْطِيَةِ الزَّكَاةَ مَعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ (موطا امام مالک)
معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام خلفاء راشدین عطیہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

ثامناً — اس لئے کہ یہ عطاء و وظیفہ مال مستفاد ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مال مستفاد میں حلال حول سے قبل وجوب زکوٰۃ کے قائل نہیں۔

عن علي رضي الله تعالى عنه قال من استفاد ما لا فليس فيه الزكاة

حتى ينحول عليه الحول — (مصنف عبدالرزاق ص ۱۱۱ و مصنف ابن ابی شیبہ)

ثالثاً — اس لئے کہ معنی ابن قدام میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا مذہب (کان عبد اللہ یعطینا دینیکہ) نقل کرنے کے بعد خلفاء راشدین کا مذہب اس کے خلاف نقل کیا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: — وجہور العلماء علی خلاف هذا القول منهم ابو بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین (ص ۶۶)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔
 رابعاً — اس لئے کہ وظیفہ سے وصولی زکوٰۃ خلاف اصول شریعہ اور جمہور ائمہ و علماء کے خلاف ہے۔ تو جب تک اس کا کوئی ناقابل تردید ثبوت نہ مل جائے اس کی نسبت غلطی راشد کی طرف کرنا درست نہ ہوگا۔
 خامساً: — اس لئے کہ وصولی زکوٰۃ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہ نسبت تخفیف و سہیل پر مبنی تھا نہ کہ تشدید و تضییق پر، جیسا کہ واقعہ ذیل سے ظاہر ہے۔

ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ تو خزانہ سے وظیفہ بھی وصول کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے اس کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور فرمایا: لا یجمع علیک ان لا نعصیک وناخذ منک فامرہ ان یقسمہا (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹ ج ۴ طبع لبنان) — ان وجوہ اور ابن قتادہ کی تصریح سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب متحقق ہوا کہ آپ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

(الحاصل) حوالہ جات بالا سے یہ ثابت ہو گیا کہ خلفاء راشدین نے وظائف و عطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور جمہور صحابہ تابعین، ائمہ اربعہ اور علماء و فقہاء اُمت کا یہی مذہب ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ شاذ اور ناقابل التفات ہے۔ حضرات ائمہ اہل فتویٰ نے کبھی اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ امام ابن عبدالبر وظیفہ کی وصولی زکوٰۃ کے متعلق لکھتے ہیں —

هذا شذوذ لم یخرج علیہ احد من العلماء ولا قال به احد من ائمة

الفتویٰ — ام —

علامہ باجی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرز عمل (وظیفہ کی وصولی زکوٰۃ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ثم العقد الاجماع علی خلافہ قالہ الزرقانی — (کنزانی الاوجز ص ۱۴۱ ج ۳)

اس تفصیل و تحقیق سے قارئین کرام نے محسوس کر لیا ہو گا کہ البلاغ کا دعویٰ ثابت نہیں بلکہ ولفیضی و صونی
زکوٰۃ خلفائے راشدین کے متفقہ طرز عمل اور اجماع اُمت کے خلاف ہے۔ پس اس کے خلاف
کسی کا شاذ قول ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

قابل تعجب

تشریحات بالا کی موجودگی میں نہ معلوم البلاغ والے ایک خلاف اجماع شاذ روایت کو اپنا مستدل بنا کر
کیسے مطمئن ہو بیٹھے۔ یہ امر نا قابل فہم ہے کہ ہزار سالہ قدیم فقہاء کے اجماعی موقف کے خلاف شاذ اور خلاف اجماع
اثراہل جائے کو ہی کافی سمجھ لیا جائے۔ آخر عصر حاضر کے متجددین اور اہل حق میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔؟
کچھ معلوم نہیں کہ ہر ضعیف بلکہ غلط خیال کے لئے بھی کوئی نہ کوئی شاذ قول مل ہی جاتا ہے۔ حلت ربوا
جواز متعہ وغیرہ تک جیسے مسائل میں کیا نیا اقوال نہیں ملتے۔ اہل انصاف کے نزدیک اس مسئلہ میں خلفاء راشدین
کا اجماع اور ائمہ اربعہ کا اتفاق کافی ہے کہ وظائف سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ پس اسے زیر بحث
مسئلے میں مستدل نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

اثراہل مسعود کی توجیہ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے طرز عمل کے متعدد جوابات ہو سکتے ہیں۔۔
پہلا جواب یہ ہے کہ اس اثر کے ثبوت میں ہی کلام ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں مرکزی راوی ہبیرہ بن مریم
ہے جس کی توثیق میں اختلاف ہے۔ امام احمد نے اسے "لا باس بہ" کہا ہے۔ امام نسائی "قرئتے ہیں
لیس بالقوی" وقال ابن الخراسانی "ضعیف" وقال ابو حاتم شبیہ بالجمہول (میزان
ص ۲۵۱) اور اس کی تائید امام زہری کے قول سے بھی ہوئی۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل وظائف و عطایا سے
زکوٰۃ کی وصولی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی (موطا، امام مالکؒ)

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے یا کم از کم یہ
ہے کہ یہ طرز عمل ابن مسعودؓ سے معروف نہیں تھا۔ ورنہ امام زہریؒ پر یہ امر محفی نہ رہتا۔ امام زہریؒ کے کلام سے
بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا طرز عمل اس سلسلہ میں حضرات خلفاء راشدین کے خلاف نہ تھا۔ اس
کی تائید امام ابو عبیدہؒ کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ ابن مسعودؓ کا زیر بحث اثر نفل کرنے کے بعد امام موصوف لکھتے
ہیں میرے نزدیک عبداللہ ابن مسعودؓ کی اس روایت کی یہی توجیہ ہے۔ جو حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہما

کی روایات کی ہے۔ یعنی یہ دونوں بزرگ اس مال کی زکوٰۃ لیتے تھے (جو دوسرے مال پر) ماضی میں واجب الادا تھے نہ کہ وہ جو مستقبل میں ان پر واجب ہونے والی تھی۔ یعنی وظیفہ کی زکوٰۃ (ترجمہ کتاب الاموال ص ۱۶۳) علاوہ ازیں جب ہم حضرت ابن مسعودؓ کی ایک دوسری حدیث دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت بالکل کھل جاتی ہے کہ زیر بحث حدیث ابن مسعودؓ ثابت ہی نہیں یا متوکل ہے وہ حدیث یہ ہے کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی شخص مال حاصل کرے تو اس پر پورا سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہوگی۔

(ترجمہ کتاب الاموال ص ۱۶۳ ج ۲)

اس حدیث سے ان کا مذہب ظاہر ہے کہ مال مستفاد میں فی الحال زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ وظائف مال مستفاد ہی ہیں۔

ابلاغ میں بھی وظیفہ کا مال مستفاد ہونا تسلیم کیا گیا ہے تو ابن مسعودؓ وظیفہ کی زکوٰۃ جبراً کیسے وصول کر سکتے

تھے۔ جبکہ یہ مال مستفاد ہے: — **تطبیق**

دونوں روایات کو جمع کرنے کے لئے یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ آپ وظیفہ سے جبری کٹوتی نہیں کرتے تھے کیونکہ زکوٰۃ کافی الحال وجوب ہی نہیں ہوا۔ ہاں صاحب وظیفہ کی رضا مندی سے پیشگی زکوٰۃ وصول کر لیتے ہوں تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ مالک اپنی رضا و رغبت سے پیشگی زکوٰۃ کر سکتا ہے اور اس مبارک دور میں لوگ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کو غنیمت جانتے تھے۔ چنانچہ بعض سلف کا یہ مذہب لکھا ہے کہ دوران سال اگر کسی کو کوئی مال مل جائے اور اسے حوالان حول سے پہلے خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو مستحب ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ فوری طور پر ادا کر دی جائے۔ پھر اسے خرچ کیا جائے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۳) اور یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ خصوصی طرز عمل ان کے ذاتی اجتہاد پر مبنی تھا جو خلفاء راشدینؓ کے متفقہ طریق کار کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے اور ائمہ نے اسے قبول نہیں کیا۔ —

بہر حال زیر بحث اثر ابن مسعودؓ ثابت نہیں یا متوکل ہے۔ پس ظاہر پر رکھتے ہوئے یہ اثر قابل حجاج نہیں۔ حضرات ائمہ نے اسے شاذ اور خلاف اجماع قرار دیا ہے۔ یہی توجیہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے فعل کی بھی کی جاسکتی ہے —

مال مستفاد کی توجیہ

تمام اقوام کے عرف عام سے ثابت ہے کہ وظائف تنخواہ، ہسینہ وغیرہ پورے ہونے کے بعد ہی ادا کی جاتی ہے۔ پس ظاہر یہی ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی عطایا سال پورا ہونے کے بعد ہی تقسیم کئے جاتے تھے

پس ختم مال مستفاد کی توجیہ بھی اثر ابن مسعود میں جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ معمولی طور پر ختم ان اموال کا کیا جاتا ہے جو دوران سال حاصل ہوئے ہوں نہ ان اموال کا جو سال پورا ہونے کے بعد ملک میں آئے ہوں۔ علاوہ ازیں اثر ابن مسعود کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وظائف کی زکوٰۃ مستقل حیثیت سے وصول کرتے تھے۔ دوسرے اموال کے تابع کر کے نہیں۔ کیونکہ وہ دریافت نہیں فرماتے تھے کہ تمہارے پاس اور مال بھی ہے یا نہیں۔ اور مستقل حیثیت میں فوری طور پر مال مستفاد کی زکوٰۃ کا وجوب اُمت میں سے کسی اہم کاہذ سبب نہیں ہے۔ اگر کوئی قول پایا بھی جائے تو وہ شاذ و مرجوح ناقابل احتجاج اور ساقط الاعتبار ہو گا۔

والمرجوح فی مقابلة المراج بمسئلة المعدم (عقد) —

وظائف سے وصولی زکوٰۃ

اموال وظائف کی زکوٰۃ کے بارے میں حضرات خلفائے راشدین کا طرز عمل آپ پڑھ آئے ہیں کہ یہ سب حضرات وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں فرماتے تھے لیکن السبائح میں ہے:

تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا سلسلہ خلفائے راشدین کے بعد تک جاری رہا۔ (ص ۱۲) کتنا زبردست دعویٰ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی خلیفہ راشد نے زکوٰۃ وصول ہی نہیں کی تو یہ سلسلہ ان حضرات سے شروع ہی نہیں ہوا۔ بعد تک جاری کیسے رہا۔ ؟ اور اگر وظائف سے وصولی زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ وظائف میں سے گھر میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ وصول کی جاتی رہی — تو اس سے "وظیفہ" کا مال ظاہر ہونا کیسے ثابت ہو گیا ؟ حالانکہ سرکاری سطح پر خود وظیفہ کی زکوٰۃ وصول ہی نہیں کی گئی — ؟ یا السبائح کا خیال یہ ہے کہ جس مال میں سے دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کر لی جائے وہ بھی مال ظاہر بن جاتا ہے۔ فیا سبحان اللہ۔

بہر حال السبائح کے اس دعویٰ میں غامضتاہل پایا جاتا ہے اور وظائف کا مال ظاہر کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔

قطعی دلیل

اسماری گذارش یہ ہے کہ وظائف اور تنخواہیں قانون اسلامی کی رو سے اموال ظاہرہ میں شمار نہیں ہیں۔ دیگر دلائل کے علاوہ اس کی ایک قطعی دلیل یہ ہے کہ: —

(الف) — عہد خلافت راشدہ سے لے کر آج تک حکومتوں کی طرف سے تنخواہ یا وظیفہ دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ (ب) سرکاری خزانہ سے اس اند میں صرف ہونے والے اموال بلا تفتیش حکومت کے علم میں ہوتے ہیں۔ (ج) اور قطعی بات ہے کہ بارہ صدیوں سے مذکورہ بالا دونوں امور (الف اور ب) حضرات

فقہاء کرام (ماہرین قانون اسلام) کے علم میں ہیں۔ لیکن ان قطعی حقائق کے باوجود قانون اسلام کا پورا ذخیرہ ان اموال کے مال ظاہر ہونے کی تصریح سے خالی ہے۔ قانون اسلام کی کسی کتاب میں وظائف یا تنخواہوں کا اموال ظاہرہ کی فہرست میں اندراج موجود نہیں ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں کا یہ بجٹ بارہ صدیوں تک حکومت کے قابل وصولی زکوٰۃ اثاثوں میں کیوں درج نہیں ہو سکا۔ انتہائی سادگی کی وجہ سے حضرات فقہاء کو اس بجٹ کا علم نہیں ہو سکا۔ یا سہواً یہ فروگزاشت ہوتی چلی آئی ہے اور کوئی اس پر متنبہ نہیں ہو سکا۔ یہ سب تو تہمت محض باطل ہیں حقیقت یہ ہے کہ وظائف کے اموال، اموال ظاہرہ میں شامل نہیں۔ بلکہ قبل القبض تو سرے سے یہ ملک ہی نہیں مال ظاہر کیا ہوتے ؟ —

قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ نے خاص سرکاری مال گزاری پر مایہ ناز تصنیف فرمائی۔ ابو عبیدہؒ نے اسی موضوع پر کتاب الاموال لکھی اور جزوی طور پر تمام فقہاء کی کتابوں میں کتاب الزکاۃ موجود ہے۔ دوسری صدی ہجری (جو قاضی ابو یوسفؒ کا زمانہ ہے) اس وقت سے لے کر سلطان عالمگیرؒ تک کسی کتاب میں تنخواہوں کے بجٹ کو اموال ظاہرہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے برعکس اس بجٹ کے مال باطن ہونے کی ضمنی تصریح قانون اسلامی کے مسئلہ ماخذ میں موجود ہے۔ راجع الوقت نقدی یا بخشی نوٹ سونا پانڈی اموال باطن میں سے ہیں۔ جب تک وہ پشہر کے اندر ہوں —

تجربہ

دلائل کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے وظیفہ پر صاحب وظیفہ کی ملک نہیں آتی۔
 ہدایہ، فتح القدر، بحر الرائق، در مختار، شامیہ وغیرہ تقریباً سب کتب میں وظیفہ کے بارے میں لکھا ہے —
 انه نوع صلیۃ و لیس بدین و لھذا من حق عطاء فلا یملک قبل القبض
 ویسقط بالموت (ہدایہ ص ۵۸۲)

البلاغ میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے کہ (تنخواہ) صاحب تنخواہ کی ملکیت میں قبضہ کرنے کے بعد آتی ہے۔ اھ
 (ص ۱۲) رمضان المبارک ۱۲۸۶ھم قابل غور امر یہ ہے کہ جب قبضے سے قبل، وظیفہ زید کا ملک ہی نہیں۔ تو اسے زید کے اموال ظاہرہ میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے۔ اگر شبہ ہو کہ وظیفہ گیرندہ کے ملک میں آنے کے بعد یہ مال ظاہرہ بن گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ اب یہ مال حکومت کی تحویل سے نکل کر نجی ملکیت و حفاظت میں داخل ہو گیا ہے۔ حالانکہ البلاغ کے مطابق کسی مال کے مال ظاہرہ میں شامل ہونے کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ مال حکومت کے زیر حفاظت آجائے۔ دو بنیادی امور ضروری تھے۔ ان میں سے ایک یہاں مفقود ہے

وظیفہ کے "متعین الوصول" ہونے کی وجہ سے اس کے ملک ہونے کا دعویٰ کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔
 کیونکہ حضرات فقہاء کرام نے اس کی حیثیت کا علم رکھتے ہوئے اسے غیر ملک دیا ہے۔ بہر حال کسی غیر ملک

مال کو زید کا... مال ظاہر قرار دیدینا عجیب ہے۔

تیسری قسم کا مال،

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں ایک واقعہ پیش آیا کہ آپ نے سابق حکومت کے غصب مال کو مالکان کی درخواست پر انہیں واپس کر دیا اور اس میں سے ایک سال کی زکوٰۃ بھی وصول کر لی۔
السلامت میں اس واقعہ کو بھی بینک اکاؤنٹس کے مال ظاہر ہونے کی دلیل بنایا گیا ہے حالانکہ اس میں سرکاری وصولی کا ذکر ہے۔ مال ظاہر ہونے کا کوئی اشارہ تک اس میں موجود نہیں۔ پس یہ اثر موضوع سے غیر متعلق ہے۔ پھر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصولی جبری نہ تھی بلکہ مالکان کی رضامندی کے ساتھ تھی۔ کیونکہ خیر القرون میں مسلم معاشرہ کے اندر شعائر اسلام اور فرائض کی پابندی کامل طوع و رغبت کے ساتھ کی جاتی تھی۔ خیر غالب اور شرمغلوب تھا۔ جن مالکان کو اڑھائی لاکھ روپے کی خطر رقم مایوسی کے بعد واپس مل رہی ہو۔ انہیں مقدار زکوٰۃ کی معمولی رستم ادا کرنے میں کیا ناگواری ہو سکتی ہے۔ جبکہ عدم ادائیگی کی صورت میں وہ خود بھی زکوٰۃ ادا کرتے۔
مُری ہوئی اتنی بڑی رستم کی وصولی کے لئے لوگ تو اس کا چوتھائی تہائی حصہ بیک نصف تک بطور رشوت دینے کے لئے بخوشی تیار ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ اڑھائی لاکھ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی ناخوشی محسوس کریں۔ جو عذاب سے خلاصی اور خداوند قدوس کی رضامندی کا باعث ہے۔ اور رشوت موجب عذاب۔

اہم مالک سے دریافت کیا گیا کہ جانوروں کی زکوٰۃ از خود غبار کو دیدی جائے۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ اہم عادل کو دی جائے جبکہ وہ عمر بن عبدالعزیز جیسا ہو (مدونہ) گویا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مالیات میں دیانت و امانت ضرب المثل تھی۔ ان حقائق پر غور کرنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ زیر بحث واقعہ میں مالکان کا زکوٰۃ ادا کرنا کسی جبر و اکراہ کے تحت نہ تھا بلکہ طوع و رغبت سے تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں ایک عامل نے لکھا کہ فلاں شخص نے ہمارے محصل کو زکوٰۃ نہیں دی۔ تو آپ نے جواب لکھا (دعوم) اسے رہنے دو یعنی جبر نہ کرو۔ (موظا) معلوم ہوا کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز عمومی جبر کے قائل نہ تھے۔ جبکہ معلوم ہو کہ مالک خود ادا کرے گا۔ تو سونے پانندی کی زکوٰۃ بلا رضامندی جبراً کیسے کاٹ لیتے تھے لہذا البلاغ میں ذکر کردہ اس واقعہ سے زیر بحث مسئلہ پر استدلال صحیح نہیں۔ دوسرے یہ ایک جُردی واقعہ ہے اور بقول البلاغ جُردی واقعات کو کئی احکام کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ واقعہ

ع۔ یہ مال غصب نہیں ہزار درہم تھے (مصنف عبدالرزاق) جن کی مالیت تقریباً کم از کم اڑھائی لاکھ تھی۔

حضرات فقہاء اور محدثین نے مالِ ضار کی زکوٰۃ کے سلسلے میں ذکر کیا ہے لیکن اس واقعہ سے کسی مال کے مالِ ظاہر میں شمار ہونے پر استدلال کرنے کی اولیت البلاغ ہی کو حاصل ہے۔ بارہ صدیوں میں کسی فقیہ یا محدث نے اس سے یہ استنباط نہیں کیا۔ اپنے دور میں عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو مالی اصلاحات کیں۔ غیر اسلامی ٹیکس منسوخ کئے۔ سابقہ حکمرانوں کے غصب کردہ اموال واپس کئے۔ انتہاریہ کہ اپنی اہلیہ کا ہمسر شہر ہونے کی وجہ سے بیٹ المال میں واپس کر دیا۔ ان اصلاحات کی وجہ سے معاشرے کے قلوب پر ان کی ہر دلعزیزی اور عظمت کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔ اس کے اثرات اب تک باقی ہیں۔ ایسا حکمران اگر جان بھی طلب کرے تو عوام دریغ نہیں کرتے چہ جائیکہ فریضہ زکوٰۃ کی سرکاری وصولی پر کوئی ناخوشی محسوس کرے۔ امام ابو عبید اور دوسرے حضرات کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مجموعی طرز عمل یہی تھا کہ وہ صرف انہی لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے جو بخوشی زکوٰۃ انہیں دینا چاہیں۔ اور اپنے عمال کو بھی یہی ہدایات جاری کی تھیں۔ چنانچہ امام موصوفؒ فرماتے ہیں : —

”جو صدقہ زکوٰۃ تمہارے پاس لے آئے اس سے تم وہ قبول کر لو اور جو تمہارے پاس نہ لائے اللہ اس سے حساب کرنے والا ہے۔“ (مکتاب الاسوال ص ۲۹۵ ج ۲) —

ابھی ابھی موطاء امام مالک کے حوالہ سے بھی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایسا ہی واقعہ گزر چکا ہے۔ بہر حال خبری کٹوتی زکوٰۃ کے بارے میں واقعہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے استدلال درست نہیں۔ —

البلاغ نے مزید لکھا ہے کہ علامہ ابن ہمامؒ اور شمس اللامہ سرخسیؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک سال کی وصولی زکوٰۃ کا واقعہ لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مال (ضمار) سے ایک سال کی جو زکوٰۃ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وصول فرمائی وہ حنفیہ کے نزدیک بھی معمول بہ ہے۔ ورنہ وہ اس کی توجیہ یا تردید فرماتے (البلاغ ص ۱۶۱) (جواب) حنفیہ کے مذہب کے بارے یہ بے خبری قابل تعجب ہے۔ حالانکہ حنفیہ کی تقریباً تمام شروح و متون میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ مالِ ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہدایہ میں ہے —

ومن له على آخر دين فجدده سنين ثم قامت له بينة لم يزك له ما مضى ...

وهي مسئلة مال الضمار فيه خلافت زعفر والشافعي اه —

مالِ ضمار کی زکوٰۃ کے متعلق اوجہ میں ہے : —

وعند الشافعي يجب فيه اذا وجد في الاحوال كلها وقال مالك عليه زكوة

حول واحد لقول عمر بن عبد العزيز وعنده ابى حنيفة لا تجب في الضمار (۹۲۵ ج ۵)

امام طحاویؒ کی عبارت سے استدلال درست نہیں،

السبلاغ ص ۱۱۱ بابت رمضان المبارک مسئلہ ہجری میں امام طحاویؒ کی ایک عبارت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ: مصدق بھیج کر امام کو اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کے مکمل اختیارات ہیں۔ حالانکہ سیاق و سباق و دیگر قرائن کی روشنی میں یہ استدلال قطعاً درست نہیں۔

امام طحاویؒ اس پورے باب میں جو احادیث لائے ہیں ان سے ہلکی اشتباہ کے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ”حق وصولی عام نہیں۔ بلکہ یہ حق اُس سونے، چاندی اور اموال تجارت کے بارے میں ہے جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گزرے۔ اس باب میں امام طحاویؒ کی ذکر کردہ روایات یہ ہیں جو سب عاشر کے بارے میں ہیں۔

مثلاً ۱: ليس على المسلمين عشور انما لعشور على اهل الذمة ۲ لا يدخل

الجنة صاحب مكس يعني عاشر ۳ ا فاعشر المسلمين فقال رسول الله صلى

الله عليه وسلم - انما يعشر اليهود والنصارى ۴ ان عمر بن عبد العزيز كتب الى

اثيوب بن شجبل ان خذ من المسلمين من كل اربعين دينار ديناراً

ومن اهل الكتاب من كل عشرين دينار ديناراً اذا كانوا يريدون زهائش لا

تأخذ منهم شيئاً حتى مرأس الحول فاني سمعت ذلك ممن سمع النبي

صلى الله عليه وسلم يقول ذلك ۵ اشرع عمر رضي الله عنه قال انس بن سيرين

لا نرى من مالك اكتب لي ستمع عمر قال فكتب خذ من المسلمين من كل

اربعين دراهم درهماً ومن اهل الذمة من كل عشرين دراهم درهماً ومن

لا ذمة له من كل عشرة دراهم درهماً ۶ وغير ذلك من الروايات۔

یہی روایات کتاب الاموال لابی عبید میں باب العاشر کے تحت مسند درج ہیں۔ بلکہ فقہاء محدثین میں سے جس نے بھی عاشر کے مسائل بیان کئے ہیں انہی روایات سے استدلال کیا ہے۔ آخر الذکر دو آثار یعنی اثر عمر بن عبد العزیز اور اثر عمر رضی اللہ عنہما کو تو مسائل عاشر میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (بدائع ص ۲۲۲) (احکام القرآن ص ۵۵۵) (موطاء امام مالکؒ، باب زکوٰۃ العروص)۔ موطاء امام محمدؒ (شرح نقایہ) کتاب الآثار الحمد، (شرح مختصر الخفی) (مبسوط سرخسی) (البحر الرائق)۔ نیز اول الذکر احادیث سے بظاہر عاشر مقرر کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ امام طحاویؒ نے ان احادیث

کا صحیح محل بیان کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کے لئے آخری دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کا قدر مشترک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دور دراز راستوں پر عاشر مقرر کئے اور انہیں لکھا کہ جو مسلمان ذمی یا عربی تاجر تمہارے پاس سے گزرے اس سے زکوٰۃ ویکس وصول کرو، باب العاشر میں دیگر فقہاء محدثین نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا ہے۔ مثلاً لایہ خل الجنتہ صاحب مکس کی توجیہ کرتے ہیں اور حدیث عمرؓ سے تقریر عاشر کے جواز پر استدلال کرتے ہیں جس کا جی چاہے کتابیں کھول کر دیکھ لیں۔ اہم طحاویؒ دلیل نقلی پیش کرنے کے بعد حسب عادت اپنے دعویٰ کو قیاس و نظر سے مبرہن فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائمہ اور شمار کی وصولی زکوٰۃ میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح ایسے سونے اور چاندی اور اموال تجارت کی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے جو بیرون شہر ہونے میں سائمہ کے مشابہ ہوں۔

جس دعویٰ کے لئے آثار عمر بن رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا ہے قیاس و نظر سے بھی اسی دعویٰ کی تائید کی جائے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ احادیث الباب سے تو مائتر علی العاشر کی وصولی زکوٰۃ کا جواز ثابت کریں اور "نظر" سے گھروں اور دکانوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ کا مسئلہ چھیڑ دیں اسی طرح وجہ بطریق النظر کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ جو مسئلہ احادیث سے ثابت کر چکے ہیں اس کی دلیل نظری بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ مسئلہ مائتر علی العاشر سے وصولی زکوٰۃ کا مسئلہ ہے نہ کہ تمام اموال تجارت کا۔

اہم طحاویؒ کی طرح دیگر حضرات فقہاء کرام نے بھی سفر پر لے جائے گئے اموال تجارت کو سائمہ پر قیاس کرتے ہوئے انہیں مال ظاہر قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ وجہ شبہ اور علت جامعہ ان دونوں کا شہر سے باہر پایا جانا ہے۔ چنانچہ اہم ابو یوسف کا سانیؒ فرماتے ہیں۔

وَكَذَا السَّالِ الْبَاحِلُنْ اِذَا مَرَّ بِهٖ التَّاجِرُ عَلٰی الْعَاثِرِ كَانَ لَهُ اِنْ يَأْخُذْ فِي الْجُمْلَةِ

لَا نَهًا لِمَا سَا فَرَبَهُ اَخْرَجَهُ مِنَ الْعِمْرَانِ صَادِرَ ظَاهِرًا وَالتَّحَقُّقُ بِالسَّوَامِ (ص ۳۵)

اہم سرخسیؒ فرماتے ہیں:۔

ثم المسلم عين اخرج مال التجارة الى المفازة فقد احتاج الى حماية الامام

فينبت له حق اخذ الزكاة منه كما في السوام۔

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں مولیشیوں پر جس مال تجارت کو قیاس کیا گیا ہے وہ ایسا مال تجارت ہے جسے تاجر نے عاشر کے پاس گزرے۔ ہر مال تجارت نہیں اور وجہ قیاس اور علت التماق شہر سے باہر آکر اس مال کا اہم کے زیر حمایت آ جانا ہے اور اموال ظاہرہ کی وصولی زکوٰۃ کا حق اہم کو حاصل ہے۔ اہم طحاویؒ بھی یہی مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ الغرض دلالت سیاق و سباق و دیگر قرآن کی بناء پر پورے

و ثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ امام طحاویؒ کی اس عبارت سے مراد "مامر علی العاشر" ہے۔ شہری اموال تجارت اور سونا چاندی نہیں۔

احادیث الباب کی اس قطعی دلالت کے علاوہ زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھنے میں ایک مخطویر یہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات کی مخالفت لازم آئے گی۔ کیونکہ شہری اموال کی وصولی زکوٰۃ کے لئے محض مقرر کرنے کا کوئی امام قائل نہیں۔ حتیٰ کہ عہد رسالت و خلافت شیخین میں بھی اس غرض کے لئے معصین کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا۔ امام ابو بکر جصاص رازی امام الہدیٰ کے حوالے سے پہلے یہ بات ہم نقل کر چکے ہیں۔ امام طحاویؒ ان حقائق سے بے خبر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور خلاف اجماع بات کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر امام عظیم امام ابو یوسفؒ اور امام محمد کا مذہب بھی قرار دے رہے ہیں۔ فیا سبحان اللہ۔ ان ائمہ ثلاثہ کا مذہب روز روشن کی طرح واضح ہے۔ جسے تمام فقہاء نے نقل کیا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ اندرون شہر حکومت وصول نہیں کر سکتی۔ اگر بالفرض امام طحاویؒ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو وہ اسے مذہب ائمہ ثلاثہ قرار نہ دیتے بلکہ اپنی اختلافی رائے کی حیثیت سے پیش کرتے جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پر امام طحاویؒ ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں: "بکہ کسی اور فقیہ نے بھی اس مسئلہ میں امام طحاویؒ کا اپنے ائمہ ثلاثہ سے اختلاف ذکر نہیں کیا! تعجب ہے کہ اگر ان حضرات ائمہ ثلاثہ کا مذہب وہی ہوتا جس کی نشاندہی بقول البلاغ امام طحاویؒ کر رہے ہیں تو کتب فقہ میں بالاتفاق جو نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ وہ کس کا مذہب ہے۔"

تو مؤدبانہ گزارش ہے کہ مندرجہ بالا سب مخطورات زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھ لینے سے لازم آتے ہیں۔ لیکن جب اس اطلاق کو سیاق و سباق و دیگر قرآن کی روشنی میں "مامر علی العاشر" کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔ جیسا کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے۔ تو اس سے مخالفت اجماع لازم آتی ہے نہ اپنے ائمہ ثلاثہ کے مذہب کا حوالہ غلط قرار پاتا ہے۔ نہ ہی کوئی دوسرا مخطور لازم آتا ہے۔ اس صحیح و سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر اپنی رائے اور سمجھ کو امام طحاویؒ کے ذمہ لگانا انصاف سے بعید ہے۔ سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر امام طحاویؒ کی عبارت کو شہری اموال کے بارے میں بھی عام رکھا جاتا ہے تو اس کے لئے امام طحاویؒ کا مستدل کیا ہوگا اور وہ کہاں ہے جبکہ احادیث الباب تو سب کی سب مامر علی العاشر کے بارے میں تقریباً صریح ہیں۔

خود امام طحاویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ باب عاشر اور ان کی یہ ساری بحث ان اموال کے متعلق ہے۔ جو عاشر کے پاس سے لے کر گزریں۔ حدیث: —

لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ عَشْرُ رِثَا الْعَشْرِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى: کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: — ان المسلمین لا یجب علیہم بمرورہم علی العاشر فی اموالہم ما لم یکن واجبا

عليهم لو لم يهرجا عليهم لان عليهم الزكوة على اى حال كانوا عليها واليهود
والنصارى لو لم يهتروا بما مولا لهم على العاشر لم يجب عليهم فيه شئ فالذى
رفع عن المسلمين هو الذى يوجب المروءة بالمال على العاشر ولم يرفع ذلك عن

اليهود والنصارى: —————

امام طحاویٰ حدیث کی شرح کرتے ہوئے ایک ہی عبارت میں چار مرتبہ عاشر کے پاس سے مال لے کر گزرنے
کی تصریح فرما رہے ہیں۔ اتنی واضح تصریحات ————— کی موجودگی میں امام طحاویٰ کی پہلی عبارت کو مطلق سمجھ
لینا باعث حیرانی ہے۔ مروء علی العاشر کی تصریح کے باوجود دعویٰ یہ کیا جا رہا ہے کہ خروج عن المصر کی کوئی قید
ذکر نہیں کی گئی۔ تعجب پر تعجب ہے کہ عبارت طحاویٰ کو اس صریح قید سے مقید کرنے پر توراضی نہیں لیکن ایک خیالی
قید جو اپنی سمجھ میں آئی ہے (یعنی مضرت تفتیش) اس کے ساتھ طحاویٰ کی عبارت کو مقید فرما رہے ہیں۔ حالانکہ
امام طحاویٰ نے اس باب بلکہ پوری کتاب الزکاة میں صراحتاً تو کجا اشارۃً بھی اس خیالی قید کا ذکر نہیں کیا۔ یہ طرز عمل
ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ سیاق و سباق میں مذکورہ صریح قید سے تو قطع نظر کیا جائے اور خارج سے ایک قید
برآمد کر لی جائے جس کا امام طحاویٰ رحمہ اللہ کی پوری کتاب میں کوئی نشان نہیں بلکہ اس قید کا وجود خارجی بھی
اس وقت تک محل بحث بنا ہوا ہے —————



عہد رسالت اور خلافتِ اشدہ میں

زکوٰۃ کی نجی ادائیگی بھی معتبر تھی،

ایک قول کے مطابق زکوٰۃ کی فرضیت مکی ہے۔ کیونکہ سورۃ مزل کی آخری آیت میں ﴿تَوَالِیْ الزَّكَاٰتِ﴾ کا حکم موجود ہے لیکن جہور علماء قائل ہیں کہ زکوٰۃ سسہ میں صدقہ فطر کے بعد فرض ہوئی (کما حققہ الحافظ الفتح) ابتداء اسلام میں لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ لاکر خدمت نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پیش کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ان کے لئے بے ساختہ دُعائیں نکلتی تھیں۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خدمت نبوی میں زکوٰۃ پیش کرنے کو اپنے لئے صلوات الرسول اور قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے ﴿یَتَّخِذُ مَا یَنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ﴾

وصلوات الرسول الا انھا قربۃ لھم الا یہ (توبۃ آیت ۹۹)

ترجمہ :- اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے اور پیغمبر کی دُعائوں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خبردار بے شک وہ ان کے لئے نزدیک کا سبب ہے۔

اسی طرح علانیہ زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک مصلحت یہ تھی کہ کوئی عمل اگر اجتماعی شکل میں معاشرے کے اندر رواج پا جائے تو اس کا ترک کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز باجماعت کے مصالح میں سے ایک بڑی مصلحت یہی تحریر فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ہجرت کر کے آنے والے نادار اور دیگر فقراء صحابہ کا ایک مجمع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام پذیر رہتا تھا۔ یہ لوگ مصارفِ زکوٰۃ تھے یہ اور اسی نوعیت کی دیگر مصالح کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام اپنے صدقاتِ خدمتِ اقدس میں لاکر پیش کرتے تھے اور یہ سارا نظام زکوٰۃ طوع و رغبت پر مبنی تھا کسی پر کوئی جبر نہ تھا۔ صرف صدقاتِ واجبہ ہی نہیں بلکہ نفلی صدقات میں بھی ان حضرات کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ یہ بھی خدمتِ نبوی میں پیش کئے جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جہاں مناسب ہو خرچ فرمائیں۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ اَلَا بِمَا نَزَلَ ہُوَی تو حضرت طلحہؓ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا :

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفُقُوا مِمَّا
تُحِبُّونَ وَإِنَّ أَحَبَّ مَالِي إِلَيَّ بَيْرَحَاءُ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلَّهِ تَعَالَى
أَرْجُو بَرَّهَا وَذَخِرَهَا عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى فَضَعُهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ حَيْثُ
أَرَاكَ اللَّهُ الْحَدِيثُ (مشکوٰۃ ص ۱۴ ج ۱)

ترجمہ: یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفُقُوا مِمَّا
تُحِبُّونَ اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحاء ہے اور وہ اللہ
کے لئے صدقہ ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرے لئے اللہ کے ہاں ذخیرہ بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ
کے منشاء کے مطابق اسے جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

اور غزوہ تبوک سے تَخْلُف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولِ توبہ کی خوشخبری سننے کے
بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کا اعلان خدمتِ نبویؐ میں حاضر
ہو کر کیا: "إِنَّ مِمَّنْ تَوْبَتِي أَنْ أَخْلَعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرُ لَكَ (مسلم ص ۳۶۲ ج ۲)
اور حسبِ ضرورت اپنے طور پر بھی حضراتِ صحابہؓ زکوٰۃ ادا فرماتے تھے، فرضیتِ زکوٰۃ کے
ابتدائی سالوں میں دونوں طرح سے زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی ہوتی رہی یعنی بنی طور پر بھی زکوٰۃ ادا کی
جاتی تھی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھی پیش کر دی جاتی تھی کہم سالوں کے
بعد سورہ حج میں آیت کریمہ نَعْذِرُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمُ الْآيَةُ نافذ ہوئی تو
اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوائم اور پھلوں کی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سرکاری
سطح پر انتظامات کئے گئے۔ محصلین کا تقرر ہوا اور انہیں وصولیِ زکوٰۃ کے لئے بیرونِ شہر جنگلوں
اور کھیتوں میں بھیجا گیا لیکن اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اندرونِ شہر کسی محصل کا بھیجنا
ثابت نہیں۔ امام جصاص رازی فرماتے ہیں:

"وَلَمْ يُلْعَنُوا لَمْ يَلْعَنُوا بَعَثَ سَاعَةَ عَلَى زَكَاةِ الْأَمْوَالِ كَمَا بَعَثَهُمْ عَلَى

صَدَقَاتِ الْمَوَاشِي وَالْأَشْيَاءِ ذَلِكُ أَهْلٌ" (احکام القرآن ص ۱۵۵ ج ۲)

خلافتِ راشدہ میں بھی اسی پر عمل جاری رہا تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مالکان
کو اپنے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ مالِ زکوٰۃ چونکہ محض فقراء و مساکین

وغیرہ کا حق ہے اور سرکاری سطح پر وصولی قرینہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نہ بحیثیت رکن تھی نہ بحیثیت شرط اس لئے حضرات صحابہ کرام نے حضرت عثمانؓ کے اس اعلان کو بلا تردد قبول کیا پچانچہ حضرات ائمہ و فقہاء نے لکھا ہے کہ اعلان عثمان سے امام کا وصولی زکوٰۃ کا عرفی حق (سیا) کچھ تھا ختم ہو گیا۔ اب عام حالات میں سرکاری سطح پر اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا امام کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ اسقاط حق خلیفہ راشد کا فیصلہ ہے جس کی اتباع امت پر لازم ہے۔ امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں :

ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زكاةكم فمن كان عليه دين
فليؤد له ثم ليترك بقية ماله فجعل لهم ادائها الى المساكين
وسقط من اجل ذلك حق الامام في اخذها لانه عقد عقدة
امام من ائمة العدل فهو نافذ على الامة لقوله عليه السلام
وليعقد عليهم اوقلهم - (احكام القرآن ج ۲ ص ۱۵۵)

واضح رہے اس حق سے مراد ایسا عرفی استحقاق ہے جو عہد نبوت سے لیکر خلافت عثمان کے وسط تک کے مسلسل تعامل سے ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اس عرصہ میں معطین اپنی زکوٰۃ و صدقات واجبہ و نافلہ عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے پاس جمع کراتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات اپنے طور پر بھی غریبار و مساکین کو ادا کرتے تھے۔ کما سیأتی ۔

صرف امام جصاص ہی نے نہیں بلکہ تمام فقہاء نے متفقہ طور پر **حق ساقط ہو گیا** یہی تحریر فرمایا ہے کہ خلافت عثمانی کے بعد امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں رہا ہے۔ علامہ ابن نجیم متعدد کتب کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

ليس للسلطان ولاية اخذ زكاة اموال الباطنة فلم يصح
اخذها كذا في الواقعات والتجسس والولوالجية (البحر الرائق ص ۲۲۴)
ترجمہ :- بادشاہ کو اموال باطنہ سے وصولی زکوٰۃ کا اختیار نہیں پس اس کا وصول کرنا صحیح نہیں۔
مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے :

ان السلطان له ولاية الجبر في اموال الظاهرة
لا في اموال الباطنة - (اعلام السنن ص ۹)

ترجمہ: بادشاہ کو جبراً وصولی کا حق اموالِ ظاہرہ میں ہے اموالِ باطنہ میں نہیں۔

بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ عام **زکوٰۃ ادا نہ ہوگی :** حالات میں اگر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ جبری طور پر وصول کر لگے۔ تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ امام ابو بکر کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

ولهذا قلنا انه ليس للامام ان يأخذ الزكاة من صاحب المال
من غير اذنه جبراً ولو اخذ لا تسقط عنه الزكاة -

(بدائع ج ۲ ص ۵۳ و هكذا في البحر ص ۲۲۴ ج ۲)

ترجمہ: امام کو یہ حق نہیں کہ صاحب مال سے جبراً اس کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ ایسے وصول کر لگے تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اگے چل کر ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں امام موصوف لکھتے ہیں :

بخلاف الزكاة فان الامام لا يملك الاخذ جبراً وان اخذ لا تسقط

الزكاة عن صاحب المال - (بدائع ص ۵۶ ج ۲)

ترجمہ: زکوٰۃ کا مسئلہ ایسا نہیں۔ کیونکہ امام جبراً وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور اگر زبردستی وصول کر لگے تو مالدار کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

شہر میں ہوتے ہوئے اموالِ باطنہ

خودار باب مال کی ذمہ داری ہے : کی زکوٰۃ ادا کرنا خودار باب مال

کی ذمہ داری ہے، امام کو ان میں وصولی زکوٰۃ کا حق نہیں.... ہاں جب یہ اموال شہر سے باہر لائے جائیں۔ اس وقت وصولی زکوٰۃ کے اختیار امام کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب یہ "اموالِ ظاہرہ" میں شامل ہو جائیں گے۔

علامہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :

ان ولاية الاداء بنفسه انما كان في الاموال الباطنة

حال كونها

ترجمہ: بذاتِ خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار "اموالِ باطنہ" میں صرف شہر میں موجود ہونے کی حالت میں ہے۔

ف المصرو بمجرد خروجه انتقلت الولاية الى الامام (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۲)
 ترجمہ: اور شہر سے نکلنے کے ساتھ ہی یہ اختیار امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔
 (۲) امام قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح جامع صغیر میں تصریح فرماتے ہیں :
 انما تثبت ولائک المطالبة للامام بعد الاخراج الى المفازة اھ
 (بحوالہ شامی ج ۲ ص ۵۳)

ترجمہ: (اموال باطنہ میں) امام کو مطالبہ زکوٰۃ کے اختیارات تجارتی اموال کو صرف بیرون شہر
 لیجانے ہی کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر نہیں (کیونکہ ایسی صورت
 میں یہ "اموال باطنہ" نہیں رہتے بلکہ اموال ظاہرہ بن جاتے ہیں)
 اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق امام کو نہ ہونے پر صحابہؓ
اجماع صحابہؓ: کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام کے وصول کرنے کو اجماع صحابہؓ
 کے خلاف قرار دیتے ہوئے امام کا سانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

اذا اذاد الامام ان يأخذ بنفسه من غير تهمة الترك من
 اربابها ليس له ذلك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة
 رضی اللہ عنہم۔ (بدائع ص ۲ ج ۲)

ترجمہ: جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مالداروں سے زکوٰۃ خود وصول کرے جبکہ ان پر
 ترک اداء زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس
 میں اجماع صحابہؓ کی مخالفت ہے۔

امام کا سانیؒ کے دعویٰ اجماع کے بارے میں اگر کسی کو بعض صحابہؓ
ازالہ شبہ: کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے کلام سے
 زائل کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

معنی اجماع این نیست کہ ہمہ مجتہدین لایشد فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند
 بلکہ معنی اجماع حکم خلیفہ است بخیر بعد مشاورۃ ذوی الراۓ یا بغیر آں و نفاذ آں حکم
 تا آنکہ شائع شد و در عالم ممکن گشت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی و

سنة الخلفاء الراشدين من بعدى الحديث (ازالة الخفاء ص ۲۶)

ان تصریحات سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ خلافت عثمانی کے بعد سے امام کا وصولیٰ زکوٰۃ کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ عام حالات میں ”اموال باطنہ“ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار اُسے حاصل نہیں رہے۔ مگر اس کے باوجود بھی بعض حضرات کو شبہ ہو گیا ہے کہ امام کا یہ وصولیٰ زکوٰۃ کا حق ساقط نہیں ہوا۔ اور ایسا نہیں کہ وہ اب زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا۔ گویا کہ امام عملاً بھی وصولیٰ زکوٰۃ جب چاہے شروع کر سکتا ہے۔

حضرات ائمہ کرام اور فقہائے عظام، حضرت امام ابو بکر جصاص رازیؒ، امام ابو بکر کاسانیؒ، علامہ محقق ابن ہمامؒ، امام الفقہاء قاضی خاںؒ، علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ اساطین اُمت کی سابقہ عبارات کی روشنی میں اس شبہ کا بے دلیل اور غلط ہونا ظاہر ہے۔ ان حضرات نے تصریح فرمادی ہے کہ امام کا یہ حق ساقط ہو چکا ہے۔ امام کا اب اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے۔ عام حالات میں امام کو یہ اختیارات نہیں ہیں۔ اور وصول کرنے کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ اس وقت بحث صرف اس میں ہے کہ بغیر تہمت ترک

تہمت ترک : عام حالات میں امام کو ”اموال باطنہ“ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات ابھی نقل کی جا چکی ہیں کہ ”اموال باطنہ“ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ بصورت وصول مالکان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ وغیرہ ذاکث۔ اور بعض فقہاء کی عبارات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کا حق بالکلیہ ساقط نہیں ہوا۔ اس کا ثمرہ صرف یہ ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں امام ادا نہ زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا امام کا یہ حق عام حالات میں ساقط ہو چکا ہے۔ اور تہمت ترک کی صورت میں یہ حق عود کرتا ہے۔ پس بالکلیہ ساقط نہ ہونے کا یہی معنی ہے۔ الغرض سقوط حق عام حالات میں ہے اور اس کا عود کر آنا ایک خاص حالت میں ہے۔ پس ان باتوں میں کوئی منافات ہے اور نہ ہی ان عبارتوں کو لیکر حکومت کے لئے عمومی حق ثابت کرنا درست ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر کاسانیؒ نے ایک ہی مقام پر دونوں باتوں کی صراحت کر دی ہے۔ تہمت ترک کی صورت میں مطالبہ زکوٰۃ کا حق بھی امام کے لئے تسلیم کیا ہے اور بدون اس کے وصولیٰ زکوٰۃ کو اجماع صحابہؓ کے خلاف بھی قرار دیدیا ہے۔ بدائع میں ہے :

ان الامام اذا علم من اهل بلدة انهم يتركون اداء الزكوة من
الاموال الباطنة فانه يطالبهم بها لكن اذا اراد الامام ان يأخذ
بنفسه من غير تسمية الترك من اربابها ليس له ذلك لما
فيه من مخالفة اجماع الصحابة وصلى الله عنهم اهل بدائع ۲۷
ترجمہ: کسی شہر والوں کے متعلق جب امام کو معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اموال باطنہ کی
زکوٰۃ کی ادائیگی ترک کر دی ہے تو وہ ان سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن
جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مال والوں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر ترک
اداء زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں کیونکہ یہ اجماع صحابہ کے
غلاف ہے۔

قابل غور : لوگوں کے فریضہ زکوٰۃ ترک کر دینے کی صورت میں امام کو مطالبہ زکوٰۃ کا جو
حق ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ کیا یہ وہی حق ہے جو ساقط
ہو گیا تھا۔ یا یہ دوسری نوعیت کا ایک عمومی حق ہے جو فرائض و شعائر اسلام کی توہین یا انہیں
ترک کر دینے کی صورت میں امام کو حاصل ہوتا ہے۔ (بظاہر ترک زکوٰۃ کی صورت میں یہ حق امام
دوسری نوعیت کا ہے) کیونکہ اگر کوئی شخص بے نماز ہے تو حکومت کو اس کی گرفتاری اور جس
دوام کی سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ الا یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان المبارک
میں بلا عذر غلانیہ کھاتا پیتا ہے تو حکومت کو اسے سخت ترین سزا دینے کے اختیارات ہیں۔ بلکہ
امام محمدؑ نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ اگر امام کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے
اذان کی سنت ترک کر دی ہے تو تائب نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں کے ساتھ
قتال واجب ہے۔۔۔ گویا کہ نماز۔ روزہ۔ اذان کی بحالی اور ان شعائر اسلام کو
قائم کرنے کے لئے جبر و قتال تک کی اجازت ہے۔ بلکہ واجب ہے تو ترک فریضہ زکوٰۃ کی صورت
میں بھی اس فریضہ کو بحال کرنے کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا فرائض کی اقامت
کے سلسلہ میں امام کو حاصل ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص حالات میں امام کے یہ اختیارات
امر بالمعروف کے قبیل سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کی زکوٰۃ امام خود وصول نہیں کر لگا۔
بلکہ بذریعہ قید و بند اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود ادا کرے۔ اسی صورت کے بارے
میں علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں :

و (اشار) الح انه لو امتنع من ادائها فالساعي لا يأخذ منه
كرهاً ولو اخذ لا يقع عن الزكاة لكونها بلا اختيار ولكن
يُجبر به بالحبس ليؤدى بنفسه لان الاكراه لا يسلب الاختيار
بل الطوعية فيتحقق الاداء عن اختيار كذا في المحيط (ج ۲) ^{۲۲۴}

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں
مُطالبہ امام : امام لوگوں سے "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کا بھی مُطالبہ کر سکتا ہے۔ اس
کا مطلب سمجھنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔

واضح رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صورتِ بالا میں امام کو جبری کٹوتی یا لوگوں کے اموال
پر بنام زکوٰۃ زبردستی قبضہ کر لینے کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا
مطلب یہ ہے کہ امام (عذابِ اخروی اور دنیوی سزا) یاد دلا کر اولاً ہمائش کرے گا۔
ابن عبدالبر فرماتے ہیں :

والواجب ان يعظ الامام من منع الزكاة ويؤخذه اهـ
اگر ہمائش کے باوجود یہ شخص (یا لوگ) زکوٰۃ ادا نہ کریں تو تعزیراً اسے سزا دے
اور جیل بھیج دے ، تاوقتیکہ وہ ادائیگی زکوٰۃ نہ کر دے۔ کفایہ میں ہے :
وقف التفريق ان وقف على اهل بلدة لا يؤدون زكاة الاموال
الباطنة طالبهم وكذا من عرف بذلك ضرب وطولب بالاداء
وقف الاشارات اذا امتنع عن اداء الزكاة يحبس حتى يؤدى ^(۱۸۷)

بحر الرائق میں بھی ایسے ہی ہے کہ ایسے متمنع کے مال پر بغرض زکوٰۃ جبراً قبضہ کر لینا درست
نہیں۔ بلکہ اسے قید کر دیا جائے گا۔ تاوقتیکہ وہ خود زکوٰۃ ادا کرے۔ حوالہ ابھی گزر چکا ہے۔
اور یہ مقصود شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ عبادات
طیکس اور زکوٰۃ : میں اصل یہ ہے کہ لوگ با اختیار خود انہیں بجا لائیں مخلوق کو

صراطِ مستقیم پر چلانا مطلوب ہے۔ جمع مال مقصود نہیں "ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں یہ ایک بنیادی
فرق ہے۔ ٹیکس میں مقصود صرف حصولِ مال ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں فعلِ مکلف کا پایا جانا
ضروری ہے۔ وصولِ مال ثانوی درجے میں ہے۔ بعض اُمراء بنو اُمیہ نے نو مسلموں سے

جزیرہ کی وصولی کو بحال رکھا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عامل کو لکھا :
 اما بعد فان الله تعالى قد بعث محمداً صلى الله عليه وسلم
 داعياً ولم يبعثه جابياً فاذا اتاك كتاب هذا فارفع الحزبة
 عن من اسلم من اهل الذمة۔ (اوجز ص ۲۹۷ ج ۳)

اور لوگوں کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا عادی بنانا جبری کٹوتی کے اعلان سے نہیں ہو
 سکتا۔ بلکہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالکان کا فعل پایا جانا ضروری ہے۔ گو اس فعل میں قدرے
 جبر ہو۔ جبر محض اہل سنت کا مذہب نہیں بلکہ وہ جبر و اختیار کے مابین کے قائل ہیں۔
 کسی مالِ مسلم کے متعلق کُلّی یا جزوی ضبطی قُرنی جبری کٹوتی کے احکام باطل انتہائی اقدام تو
 ہو سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ ابتداء اس سے کی جائے۔

متعدد حوالہ جات سے پہلے یہ گزرا کہ ”اموال باطنہ“ میں امام کا حق

بعید توجیہ :

ساقط ہو چکا ہے۔ بعض اجاب نے اس عبارت کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ
 اس سقوط حق سے مراد یہ ہے کہ اس اعلان عثمانی سے قبل اپنے طور پر ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی ادائیگی
 شرعاً معتبر نہ تھی۔ اگر کوئی شخص فقیر کو از خود زکوٰۃ دے دیتا تو اسکی زکوٰۃ ادا نہ ہوتی۔ اعلان
 عثمانی سے مالکان کو اسحق مل گیا کہ مالک کے خود کسی فقیر کو دینے کی صورت میں بھی اب زکوٰۃ ادا
 ہو جایا کرے گی۔ اور بس۔! گو یا کہ امام کا ”حق وصول زکوٰۃ“ اعلان عثمانی سے ساقط ہوا نہ متاثر ہوا۔

توجیہ بالا کے ضمن میں ایک بڑا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ عہد رسالت سے

دعویٰ :

لیکہ خلافت عثمانی تک زکوٰۃ کی نجی ادائیگی معتبر نہ تھی۔ فقیر کو براہ راست خود
 دینے سے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی تھی۔ دلائل سے قطع نظر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم
 ہوتی ہے کہ مال زکوٰۃ جس کی فرضیت کا ایک بنیادی مقصد ہی فقر اور مساکین کی حاجت برآری
 ہے اور شرعاً اسے غریب ہی کا حق تصور کیا جاتا ہے۔ اس مال زکوٰۃ سے اگر کوئی مالدار اپنے بھوکے
 پڑوسی۔ بیوہ اور مسکین۔ بہن۔ یتیم بچے۔ لاچار مریض کی کچھ مدد کر دے تو اسکی یہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔
 تاوقتیکہ یہ سرکاری خزانے میں جمع ہو کر حکومتی کارندوں کے ذریعہ تقسیم نہ ہو۔ شہر میں ہو یا دیہات میں۔

البلاغ اپنے مندرجہ بالا دعویٰ کی تائید میں امام جصاصؒ کی یہ

نامام استدلال :

عبارت پیش کی ہے :

قوله تعالى : خذ من أموالهم صدقة ، يدل على أن اخذ
الصدقات إلى الإمام وإنه متى إذاها من وجبت عليه إلى المساكين
لم يجز إلا أن حق الإمام قائم ف اخذها فلا سبيل إلى اسقاطه
وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يوجه العمال على صدقات
المواشي ويأمرهم بأن يأخذوا على المياه في مواضعها (إلى أن قال)
وكذلك صدقة الثمار۔

اور لم يجز کے لفظ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ
ممكن ہے کہ اس جُزئیہ میں صرف اموال ظاہرہ کا حکم بیان کیا گیا ہو دیگر دلائل کے علاوہ جیسے کہ
”فلا سبیل الی اسقاطہ“ کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کیونکہ امام کے حق وصولی کا
ناقابل اسقاط ہونا یہ اموال ظاہرہ کے صدقہ کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے۔ اموال باطنہ کی وصولی
زکوٰۃ کے متعلق تو امام کا حق ناقابل اسقاط نہیں بلکہ خود امام جصاص اس کے متصل الکی عبارت
میں اس کے ساقط ہو جانے کی تصریح فرماتا ہے ہیں کہ اموال باطنہ کی وصولی میں امام کا حق ساقط
ہو چکا ہے۔ (پورا حوالہ آگے آ رہا ہے) — اگر بالفرض فلا سبیل الی اسقاطہ کو
دونوں قسم کے اموال کے لئے عام رکھا جائے اور اس حق امام کو بہر حال بہ نفس قرآن ناقابل اسقاط
تصور کیا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ اسے جُزوی طور
پر کیسے ساقط کر دیا۔ اور صحابہ کرامؓ نے اس خلاف قرآن اقدام کو کیسے قبول کر لیا؟ حقیقت یہ ہے
کہ یہ ”ناقابل اسقاط حق وصولی صرف اموال ظاہرہ کے بارے میں ہے۔ اموال باطنہ سے متعلق
نہیں۔ پس السبلاغ کا استدلال اس عبارت سے صحیح نہیں۔ چنانچہ سیاق و سباق اور دیگر
قرائن کی روشنی میں یہ امر متعین ہے کہ امام ابو بکر جصاصؓ اس عبارت سے عموم مراد نہیں لے
ہے ہیں بلکہ صرف اموال ظاہرہ کے متعلق لم یجزہ فرماتا ہے ہیں جیسا کہ یوجہ العدال علی
صدقات المواشی وکذا الک صدقة الثمار کے الفاظ اس پر صاف دلالت کرتے ہیں۔
ہیں۔ اور اسکی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام موصوف نے دوسرے دو مقامات پر
مسئلہ بالاین ”اموال ظاہرہ“ کی قید ذکر کی ہے۔ حق امام پر بحث کرتے ہوئے امام موصوف
لکھتے ہیں :

ویدل ایضاً علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانه لا یجزی ان
 یعطی رب الماشیة صدقتها الفقراء فان فعل اخذها الامام ثانیاً
 (احکام القرآن ص ۱۲۲ ج ۲)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

ان من ادى صدقة مواشیة الی الفقراء ان الامام لا
 یحتسب له بها۔ (احکام القرآن ص ۱۲۲ ج ۲)

دیکھتے بالکل وہی الفاظ ہیں کہ وصول صدقات کا حق امام کو ہے۔ لیکن اگر جزیئہ میں رب الماشیہ کی قید ذکر کر کے اس کا اموال ظاہرہ کے متعلق ہونا بھی واضح فرما دیا ہے۔ اہل اصول کے ہاں یہ مسلم ہے کہ ایک ہی حادثہ میں جب مطلق و مقید وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے پس اس ضابطے کی رُو سے زیر بحث ”جزئیہ“ اموال ظاہرہ کے بارے میں تصور کیا جائے گا۔ کہ نجی ادائیگی صحیح نہ ہونے کا حکم امام جصاص کے نزدیک مویشیوں کی زکوٰۃ کے متعلق ہے۔ تمام اموال زکوٰۃ کے بارے میں نہیں۔ اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ زیر بحث عبارت کے متصل بعد آگے اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کی تفصیل مستقل طور پر بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

واما زکاة الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ ثم خطب عثمان فقال هذا شهر
 زکوتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک یقیناً فاجعل لهم
 اداءها الی المساکین وسقط من اجل ذالک حق الامام
 فی اخذها۔

علاوہ ازیں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں امام جصاص نے ایک دوسری طرح سے بھی فرق کیا ہے۔ یہ ہے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کے متعلق صدقات کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اموال باطنہ کی ”زکوٰۃ“ کے لئے لفظ ”زکوٰۃ“ استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق البلاغ کی زیر بحث عبارت اور ہماری نقل کردہ اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ مالک کی خود ادائیگی معتبر نہ ہونے کا حکم اموال ظاہرہ سے متعلق ہے۔ کیونکہ زیر بحث عبارت میں صدقات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ نہ کہ زکوٰۃ کا۔ اور ہمارے اس دعویٰ کی ایک بین

دلیل امام ابو بکر جصاصؓ کی ایک دوسری عبارت ہے جس میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ابتدائے اسلام سے ہی وصولی امام کی شرط نہیں تھی، البتہ یہ شرط اموال ظاہرہ کے صدقہ میں ہے۔ امام موصوفؒ لکھتے ہیں :

انہ (تعالیٰ) قال فی الزکوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ ولم یشرط فیہا اخذ
الامام (الح ان قال) فلما خص الزکاۃ بالاموال لا یتاء دون
اخذ الامام وامر فی الصدقة بان يأخذها الامام وجب ان يكون
اداء الزکوٰۃ موكولا "الح اربابها الا ما یرہم التاجر علی
العاشر۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۵۷)

امام جصاصؓ نے فیصلہ فرما دیا کہ فرضیت زکوٰۃ کے وقت سے ہی اموال باطنہ کی ادائیگی کا اصل اختیار مالکان کو یہ نص قرآنی حاصل تھا البتہ مال ظاہرہ کے صدقہ میں وصولی امام شرط ہے۔ اس عبارت میں لفظ زکوٰۃ اور لفظ صدقہ کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایسی تصریحات کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ارباب السبلاغؒ اپنے ناقص استدلال پر اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر بیٹھے اور سیاق و سباق دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ الحاصلہ امام جصاصؒ رازی کی زیر بحث عبارت سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کے اعلان سے قبل اگر کوئی شخص اپنے مال باطن کی زکوٰۃ خود فقیر کو دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔

امام موصوفؒ نے تصریح کر دی ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں وصولی امام شرط نہ تھی جیسا کہ وآتوا الزکوٰۃ کا صیغہ اس پر دال ہے اس کی مزید تحقیق آگے ملاحظہ فرمائیے :

ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہیں : امام جصاصؒ کی عبارت سے

قطع نظر دیگر دلائل قرآن پاک، احادیث مبارکہ، اجماع صحابہؓ، اقوال ائمہ تفسیر، تصریحات فقہاء و محدثین سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں بھی اگر کوئی مالک اپنی نقدی کی زکوٰۃ براہ راست فقیر کو دے دیتا تو اس کی یہ ادائیگی زکوٰۃ شرعاً معتبر تھی۔ اس سلسلہ میں مختصراً بطور نمونہ چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے :

(۱) وآتوا الزکوٰۃ : زکوٰۃ کے متعلق لفظ "آیتا" وارد ہوا ہے اور عربی لغت

میں "ایثار" کے معنی کسی کو مالک بنادینے کے ہیں۔ امام ابو بکر کا سانی فرماتے ہیں الایتاء هو التملیک اھ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :- ان العواجب ایتاء الزکاة والایتاء هو التملیک اھ۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: الایتاء هو التملیک اھ۔ پس فرمان باری تعالیٰ وَاَتُوا الزَّكَاةَ میں اغنیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ "مال زکوٰۃ" ملک کر دو۔ یعنی کسی کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دو۔ اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ساعی یا امام کے حوالے کرنے کی صورت میں تو کیل ہوتی ہے، نہ کہ تملیک اور براہ راست تملیک زکوٰۃ کا مال فقراء و مساکین کو دینے ہی سے مستحق ہوتی ہے اور اغنیاء اسی کے مامور ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ براہ راست، بلا واسطہ امام، فقیر کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آیت شریفہ کا اولین و حقیقی مفہوم و مطلب براہ راست ادائیگی ہی ہے۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی براہ راست ادائیگی کے صحیح ہونے اور امام کی وصولی کی شرط نہ ہونے سے لئے اسی آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام جصاص نے نقل کیا ہے

انہ قال فی الزکاة (وَاَتُوا الزَّكَاةَ) وَلَمْ يَشْطَرَطْ فِيهَا اخْذَ الْاِمَامِ لَهَا (الْح_ اِنْ قَالَ) فَلَمَّا خَصَّ الزَّكَاةَ بِالْاِمْرِ بِالْاِيتَاءِ دُونَ اخْذِ الْاِمَامِ وَامْرُفِ الصَّدَقَةِ بَانَ يَأْخُذُهَا الْاِمَامُ وَجِبَ اِنْ يَكُونُ اِدَاءُ الزَّكَاةِ مُوَكَّلًا بِالْاِمْرِ بِهَا الْاِمَامُ يَتَرَبَّهُ التَّاجِرُ عَلَى الْعَاشِرِ اھ (ج ۳ ص ۱۵۶)

اس عبارت میں کم از کم "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کی تقسیم کا اصل اختیار خود صاحب مال

۱۵ بدائع ج ۲ ص ۳۹ ۱۶ بدائع ج ۲ ص ۴۵ ۱۷

کے کسی کو یعنی فقراء کو مالک بنا دو۔ لقولہ تعالیٰ : وَتَوَاتَوْهَا الْفُقَرَاءُ فَهُوَ لَكُمْ وَلِقَوْلِهِ تَعَالَى اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ۔ آیت وَاَتُوا الزَّكَاةَ میں مصرف زکوٰۃ مذکور نہ تھا کہ "مال زکوٰۃ" کا کسے مالک بنا دیا جائے۔ تو دوسری آیات و احادیث میں مصرف زکوٰۃ کی تعیین فرمادی گئی۔ تو اس طرح سے صحت زکوٰۃ کے ارکان اربعہ کا تعین ہو گیا۔ یعنی معطی، فعل ایثار، مال زکوٰۃ اور مصرف۔ جن میں اشتراط امام کا کوئی تذکرہ نہیں۔ فقط منہ۔

کو ہونے اور امام کی وصولی شرط نہ ہونے پر آیت کی دلالت بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ نزول آیت سے ہی مالکان کی بذاتِ خود ادائیگی نہ صرف یہ کہ صحیح تصور کی جاتی تھی۔ بلکہ فرمانِ باری تعالیٰ کے مطابق اصل اختیار ہی مالکان کو دیا گیا تھا۔ اور امام کی وصولی شرط کے درجہ میں نہ تھی۔

آیت ہذا کی اس دلالت کے پیش نظر حضرات فقہاء نے زکوٰۃ کی جو تعریف فرمائی ہے اس سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ فقیر کو براہِ راست زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا معنی ہی یہ ہے کہ اللہ پاک کی خوشنودی کے لئے مال کی ایک خاص مقدار کا فقیر کو مالک بنا دیا جائے۔ چنانچہ :

(الف) : كنز الدقائق میں ہے : هي تملك المال من فقير.... لله تعالى اھ

(ب) : بر فتاویٰ ہندیہ میں ہے : فہی تملك المال من الفقير... لله تعالى كذا في التبيين۔

(ج) : مراقی میں ہے : هي تملك مال مخصوص لشخص معلوم هو ان يكون فقيراً اھ

(د) : تنویر میں ہے : هي تملك جزء مال من مسلم فقيراً اھ۔

مال زکوٰۃ کا فقیر کو براہِ راست مالک بنانا یہ زکوٰۃ کا اولین مصداق ہے۔ اور بواسطہ امام یا ساعی زکوٰۃ کی ادائیگی یہ اس کا ثانوی درجہ ہے۔ خود فقیر کو دینے کی اولیت اور اصلیت اور بواسطہ ساعی ادا کر نیکی کی ثانویت اور نیابت مندرجہ بالا عبارات فقہاء سے ظاہر ہے۔ اور اگر مزید صراحت مطلوب ہو تو امام ابو بکر کا سانی تحریر فرماتے ہیں :

(س) : فرکن الزكاة هو اخراج جزء من النصاب الى الله تعالى وتسليم

ذالك اليه بقطع المالك يده عنه بتسليمه من الفقير وتسليمه اليه

او الى يد من هو نائب عنه وهو المصدق اھ (بدائع ج ۲ ص ۳۹)

(ص) : شیخ التفسیر والحديث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں :

زکوٰۃ و صدقات کی حقیقت کسی مسلمان فقیر کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے مالک بنا دینا

ہے۔ (معارف القرآن)

آیت شریفہ اور زکوٰۃ کی ان تعریفات سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ براہِ راست فقیر کو مال

زکوٰۃ کا مالک بنا دینے سے امثال امر خداوندی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ”ایزاہ“

قال تعالى - ان تبدوا الصدقات فنعما هي

دوسری آیت: وان نخفوها وتؤثروها الافتراء فهو خير لكم

ويكفر عنكم من سيئاتكم والله بما تعملون خبير (بقرہ ۲۷۱)

آیت ہذا میں تصریح ہے کہ فقراء و مساکین کو مخفی طور پر صدقہ دینا بہتر ہے معلوم ہوا کہ براہ راست فقیر کو صدقہ دینے سے ادا ہو جاتا تھا۔ اگر ایسا صدقہ زمانہ نزول وحی میں شرعاً معتبر نہ تھا تو ایسے صدقے میں "خیر" اور "بھلائی" کیا ہوگی۔ جبکہ ایسا شخص "مارک فرض ہونے کی وجہ سے الٹا گنہگار ہو رہا ہے۔ آیت میں لفظ "صدقات" کو نفلی صدقہ کے ساتھ خاص کہنے کی کوئی وجہ نہیں یہ لفظ دونوں قسم کے صدقات کو شامل ہے۔ تفسیری اقوال کی تفصیل میں جانے کی بجائے ہم صرف چند حوالوں پر اکتفا کریں گے۔

(الف): آیت ہذا کی تفسیر میں "ترجمان القرآن" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :

حق تعالیٰ شانہ نے نفلی صدقہ میں "خفیہ" کو "علانیہ صدقہ" پر ستر درجہ فضیلت دی ہے۔ اور فرض صدقہ میں علانیہ کو مخفی صدقہ پر پچیس درجہ فضیلت دی ہے۔ اھ۔ معلوم ہوا کہ مخفی صدقہ فرض بھی ادا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے اسی قول کے بارے میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

ومثل هذا لا يقال بالرأى وإنما هو توقيف اهـ (تفسير البحر المحیط ص ۲۲۲)

کہ ایسی بات محض رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔ یہ بات حضرت ابن عباسؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُن کر فرمائی ہے۔

پس اس سے ظاہر ہوا کہ براہ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی تھی۔ اور اس کا ثبوت گویا کہ فرمان نبویؐ سے ہو رہا ہے۔

(ب): تفسیر بحر محیط میں ہے کہ لفظ صدقات میں بظاہر عموم ہے۔ پس نفلی اور فرض سب صدقات کو شامل ہوگا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ الف لام عہد کے لئے ہے۔ اور اس سے مراد صرف "فرض" صدقہ ہی ہے۔ امام حسن بصریؒ۔ قتادہ۔ یزید بن ابی حبیب کا یہی قول ہے۔

(حوالہ بالا)

(ج) اپنے اکابر کی تفاسیر تمام تفاسیر کا خلاصہ اور مغز ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں۔

”بظاہر یہ آیت فرض اور نفل سب صدقات کو شامل ہے۔ (معارف القرآن ص ۶۳۲)

(د) حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ ”بیان القرآن“ میں آیت ہذا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس مقام میں اقوال مختلف ہیں۔ مگر احقر کے ذوق میں حسب شہادت ظاہر قرآن و

حدیث امام حن بصری ”کا قول جو ”کبیر“ میں منقول ہے، راجح معلوم ہوتا ہے۔ وہ

یہ کہ یہ آیت فرض و نفل سب صدقات کو شامل ہے۔ اور سب میں اخفاء ہی افضل

ہے۔ (بیان القرآن) ————— بندہ عرض کرتا ہے کہ بظاہر اسکی وجہ یہ ہے

کہ مخفی صدقہ میں معطلی کی صحت ایمان پر زیادہ دلالت پائی جاتی ہے اور صدقہ کو صدقہ کہنے

کی یہی وجہ ہے کہ یہ معطلی کے دعویٰ ایمان کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ (مسک الختام)

پس حقیقت کے لحاظ سے صدقہ میں اصل اخفاء ہے۔ گو عوارض کی وجہ سے بعض اوقات

اعلان و اظہار افضل ہو۔ شرح و تائید میں ہے۔

”بِخَلْفِ الزَّكَاةِ فَإِنَّ الْأَصْلَ فِيهِ إِلَاءٌ خَفِيَّةٌ“ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

وَأَنْ تَخْفُوهَا وَتُؤْتُوَهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (ص ۲۸ ج ۱)

(لا) امام ابو عبیدہؒ ایک مسئلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

مال داروں پر فرض ہے کہ وہ فقیروں یا امام کو زکوٰۃ ادا کریں۔ اس کے بعد اسکی دلیل کے

طور پر یہی آیت ان تبدل و الصدقات پیش کرتے ہیں (ترجمہ کتاب الاموال

جلد ۲ ص ۳۸۶) جس سے ظاہر ہے کہ امام ابو عبیدہؒ کے نزدیک بھی یہ آیت اس پر ناطق ہے

کہ براہ راست فقراء کو زکوٰۃ دینے سے بھی فریضہ ادا ہو جائے گا۔

ان معروضات کے بعد اس حقیقت میں کوئی خفاء باقی نہیں رہتا کہ مخفی طور پر اور براہ راست

فقراء کو ادا کی جانے والی زکوٰۃ زمانہ نزول قرآن میں بھی صحیح ہوتی تھی اور اس آیت میں اسی کی

اجازت دی گئی ہے۔

قال تعالى : وَأَتَى الْأَمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ

تیسری آیت : وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ الْآيَةُ بقرہ ۸۱

ترجمہ ہذا اور مال دینا ہو اللہ کی محبت میں عاجتہ رشتہ داروں کو اور محتاجوں کو زکوٰۃ کے مسافروں کو
 آیت ہذا سے بھی ظاہر ہے کہ خود صاحب مال اپنا صدقہ "رشتہ دار، یتیم، اور فقیر کو
 دے تو اس کا یہ صدقہ معتبر ہے۔ اور شرعاً اس کی ادائیگی صحیح ہے۔ یہ آیت بھی ایک تفسیر کے
 مطابق زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔ آیت کے اس حصے میں گویا کہ مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے
 اور آگے زکوٰۃ کا صراحۃً ذکر کر کے اس کی تاکید کر دی گئی۔ تفسیر بحر محیط میں ہے :

وقیل ہی الزکاة وبین بذالک مصارفها۔ اور آگے چل کر کہاہے۔
 اقام الصلوۃ واقب الزکاة۔ فان کان اُرید بالآیتاء السابق
 الزکاة کان ذکر هذا توكیداً۔ (ج ۲ ص ۶۲)

اس سے انکار نہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں دوسرے اقوال بھی ہیں ہم صرف یہ بتلانا
 چاہتے ہیں کہ قرآن کریم، "حدیث شریف" صحابہ کرام، ائمہ تفسیر، حضرات محدثین اور فقہاء
 عظام، رحمہم اللہ اجمعین۔ چودہ صدیوں تک بہر حال اس مسئلہ سے بے خبر تھے کہ اموال باطنہ
 کی زکوٰۃ فقیر کو دینے سے ادا نہیں ہوتی تھی۔ ورنہ وہ کسی آیت یا حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا جائز
 نہ رکھتے جس سے صورت مذکورہ میں "ادائیگی" زکوٰۃ معتبر قرار پاتی ہو۔ کیونکہ آیات کا نزول تو حضور
 پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہے۔ اور بقول ان کے تفسیر منظر ہی میں بھی اس آیت
 کی تفسیر کے متعلق ایک احتمال اس کے عام ہونے کا ذکر کیا ہے۔

قال تعالى وفي اموالهم حق معلوم للسائل
پوچھتی آیت : والمحروم الآية (معارف)

امام ابو بکر کا سانی فرماتے ہیں۔ یہ "حق معلوم" زکوٰۃ ہے۔ (بدائع)
 اس آیت میں نیک لوگوں کی مدد فرمائی گئی کہ ان کے مالوں میں سائل اور غیر سائل کا حق
 ہے۔ یعنی یہ لوگ "سائلین" وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔

(۲) حدیث شریف : قرآن کریم کے علاوہ متعدد احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے
 کہ بخئی ادائیگی صحیح ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیور
 پہنے ہوئے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ عرض کیا۔ نہیں۔ تو ارشاد فرمایا :

صوحسبک من النار - (افزجہ الحاکم و صحیحہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائیگی کے لئے حکومت کی وصولی بلکہ امام کو اس ادائیگی کا علم بھی ضروری نہیں۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہؓ سے انور دین ذی بحولہ تھا کیونکہ دریافت فرماتے ؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی ساعی یا عامل کو "ادائیگی زکوٰۃ" کا سوال لعید از عقل ہے جبکہ "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کے لئے نہ کوئی ساعی بھیجے گئے اور نہ ہی صحابہ کرام کسی ساعی کو دیتے تھے۔ بلکہ "صلوات الرسول" کے شوق میں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر میں اپنا صدقہ اپنے خاوند کو دوں تو یہ جائز و کافی ہو جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، بلکہ تجھے دو گنا ثواب ہو گا۔ صدقے کا اور صلہ رحمی کا۔ (بخاری وغیرہ مختصراً)

صحابیہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا۔ اور آپ نے جواب ارشاد فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سرکاری وصولی "صحبت صدقہ" کے لئے عہد نبوی میں بھی شرط نہ تھی۔ اور نہ اب ہے۔ شوافع نے اس حدیث کو زکوٰۃ پر محمول کیا ہے۔ اور احناف نے اسے نفلی صدقہ پر رکھا ہے۔ یہ الگ اختلاف رہا۔ لیکن کسی حنفی نے شوافع کے استدلال کی تردید میں یہ نہیں کہا کہ اس حدیث میں "زکوٰۃ" مراد نہیں لیجا سکتی کیونکہ صحبت زکوٰۃ کے سرکاری وصولی شرط تھی۔ جو اس حدیث میں نہیں پائی جا رہی۔

انہی صحابیہؓ کا ایک دوسرا واقعہ مردی ہے۔ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: "میرے پاس بیس شقال سونا ہے۔ کیا اسکی زکوٰۃ ادا کروں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ — مزید سوال کیا کہ میری پردیش میں میرے یتیم بھتیجے ہیں۔ ان کو یہ زکوٰۃ دے سکتی ہوں۔ ارشاد فرمایا: ہاں دے سکتی ہو۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۲۵)

اس حدیث میں فرض زکوٰۃ کی بھی تصریح ہے کہ یتیم بھتیجوں کو یہ زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ یہ صحابیہؓ ادائیگی زکوٰۃ کے بارے میں مسئلہ دریافت فرما رہی ہیں۔ سرکاری

لائسنس حاصل نہیں کر رہیں۔

جو تھی حدیث: حدیث معن بن یزید: ان ابالا اخرج صدقته
فدفعها اليه ليلاً وهو لا يعرفه فلما اصبحت وقت

عليه فقال ما اياك اردت واختصما الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال

له لك مانوت يا يزيد الحديث۔ (بخاری وغیرہ واللفظ للجصاص)

امام ابو بکر جصاص اس حدیث سے زیر بحث صورت میں فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح

ہونے پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولم يسئلہ اَنَدَيْتَهَا مِنَ الزَّكَاةِ او غيرِها بل قال لك مانوت

فدل على جوازها ان نواها زكوة اهـ (احكام القرآن ج ۲ ص ۱۳۸)

امام ابو بکر جصاص کے اس استدلال سے جہاں عہد رسالت میں بنی ادائیگی زکوٰۃ کا صحیح

معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وہاں پر خود امام جصاص کے مذہب کا بھی علم ہوتا ہے کہ وہ بھی ایسی

بنی ادائیگی کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔ اسی لئے تو مسئلہ ہذا کے استدلال کر رہے ہیں اگر ان کے نزدیک

”عہد رسالت“ میں براہ راست فقراء کو ادائیگی زکوٰۃ صحیح نہ ہوتی، تو حدیث معن سے استدلال

کرنے کی بجائے اُلٹا اس کا کوئی جواب ذکر کرتے، کوئی توجیہ یا تاویل پیش کرتے۔

حضرت یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ”زکوٰۃ“ کو خفیہ طور پر تقسیم

کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ کان یا مرن بقسم الزکوٰۃ فی السر۔ (بحر محیط ص ۲۲۳ ج ۲)

امام زجاج فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خفیہ طور پر زکوٰۃ دینا احسن

افضل ہوتا تھا۔ کان اخفاء الزکوٰۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل و

احسن۔ (بحر محیط ص ۲۲۲ ج ۲)

ان آیات و احادیث و روایات کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ

یہ نہیں کہا جاسکتا: یہ سرکاری وصول شروع ہونے سے پہلے دور سے متعلق ہیں اور

پھر منسوخ ہو گئی تھیں۔ اور بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ”اموال باطنہ“ کے بارے

میں ان کو پھر بحال کر دیا۔ ایسی مضحکہ خیز رائے ان نصوص کے متعلق چودہ سو سال میں کسی نے

ظاہر نہیں کی۔ بلکہ ”اموال باطنہ“ کے بارے میں ان کو مسلسل اور ہمیشہ معمول بہا سمجھا گیا ہے۔

واضح فیصلہ: امام ابو عبیدہ ایسی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ہماری مذکورہ بالا تمام روایات جن کے بموجب زکوٰۃ حکام کو دینا اور اسے اپنے طور پر بانٹ دینا دونوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔ لیکن یہ صورت نقدی کی زکوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس کا مالک مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں بھی زکوٰۃ دے وہ اپنے ذمہ عائد ہونے والے فرض کو ادا کر دے گا۔ (ترجمہ، کتاب الاموال ج ۲ ص ۳۴۷)

ملک العلماء امام ابو بکر کا سانی رحمہ اللہ نے بالکل بات صاف کر دی کہ دورِ اول میں بعض لوگ زکوٰۃ خود ادا کرتے تھے۔ اور بعض لوگ امام کو لا کر دیتے تھے۔ "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کرنے کے لئے نہ کوئی محصل بھیجا گیا اور نہ سرکاری ادائیگی کے لئے کسی شخص سے مطالبہ کیا جاتا تھا۔

وذكر امام الهدي الشيخ ابو منصور المازني السمرقندي
لم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث في مطالبته المسلمين
بزكاة الورق و اموال التجارة ولكن الناس كانوا يعطون ذلك
ومنهم من كان يحمل الحبال ائمة فيقبلون منه ذلك ولا
يسئلون احدا عن مبلغ ماله ولا يطالبونه بذلك (بائع ج ۲ ص ۲۶۳۵)
امام ہدی شیخ ابو منصور مازنی سمرقندی فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں
پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی اور اموال تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنے
کے لئے مسلمانوں کے پاس کسی کو بھیجا ہو بلکہ کچھ لوگ از خود براہ راست فقراء کو
دے دیتے تھے اور کچھ لوگ ائمہ کے پاس لے آتے تو وہ اسے قبول کر لیتے اور کسی
نے اس کی مجموعہ مالیت کے بارے میں پوچھتے نہ اس کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرتے۔

اب تک چند آیات چند احادیث اور ان کے ذیل میں ضمنی طور پر بعض صحابہ کرام کے آثار تابعین
کے اقوال، فقہاء و محدثین و مفسرین کے فرمودات ذکر کئے گئے۔ مندرجہ بالا دلائل سے "اموال
باطنہ" کی زکوٰۃ میں عہد رسالت کا طرز عمل واضح ہے کہ سرکاری وصولی شرط نہ تھی۔ یہی طرز عمل
بعد میں (شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں اور اس کے بعد) بھی جاری رہا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ
کا معاملہ اسی طرح رہا جیسا کہ عہد رسالت میں تھا۔ ادائے زکوٰۃ کے

لئے سرکاری وصولی شرط نہ تھی۔ حکومت کو نہ دینے والوں سے باز پرس نہ ہوتی تھی۔

امام ابو عبیدہ تحریر فرماتے ہیں :

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مہاجرینؓ و انصار کی موجودگی میں مویشیوں کی زکوٰۃ روکنے پر مرتدین سے جنگ کی تھی لیکن سونے چاندی (کی زکوٰۃ) نہ دینے پر ایسا نہیں کیا۔ (ترجمہ کتاب الاموال جلد ۲ ص ۲۴۸)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ : تفسیر مظہری میں ابن ابی شیبہ کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ”جو جس کسی صحیح مصرف میں لگا دو گے، تمہاری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فی ای صنف وضعته اجزاک۔“ (تفسیر مظہری جلد ۴ ص ۲۴۶)

اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم : یہ تہنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی رائے نہیں، بلکہ کسی صحابیؓ سے بھی اس کے خلاف مروی نہیں، اور بہت سے صحابہؓ و تابعین کی رائے اس کے مطابق منقول ہے، بقول امام جصاصؒ اس پر سلف کا اجماع ہو چکا ہے، اس کے خلاف جائز نہیں۔

عن علی و ابن عباس رضی اللہ عنہما قالا اذا اعطى الرجل الصدقة صنفاً واحداً من الاصناف الثمانية اجزاً وروى مثل ذلك عن عمر بن الخطاب وحذیفۃ وعن سعید بن ابراہیم وعمر بن عبد العزیز و ابی العالیۃ و لا یروی عن الصحابة خلافہ فصار اجماعاً من السلف لا یسع احد خلافہ۔ ۱۰

(احکام القرآن ص ۱۲۹ ج ۲)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ و سلف کے اجماع کی روشنی میں فقیر یا مسکین کو براہ راست دی جانے والی زکوٰۃ شرعاً ادا ہو جاتی ہے، عہد رسالتؐ، اور خلافتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں یہی مسئلہ رہا ہے۔

حوالہ جات بالا سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہؓ، اور فقہاء محدثین اور مفسرین سب کے نزدیک براہ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے معطلی کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، فرضیت زکوٰۃ اور زما نہ نزول قرآن سے لے کر اب تک مسئلہ یہی رہا ہے۔

پس جن احباب نے ایک بے دلیل دعویٰ کے تحفظ کے لئے ایسی اور نیکی کو فی الجملہ غیر معتبر قرار دیا تھا۔ ان کا خیال صرف بے بنیاد ہی نہیں بلکہ دلائل صحیحہ کے قطعاً خلاف ہے۔ اور ان کا یہ لکھنا بھی درست نہیں (کہ عہد رسالت اور حضراتِ شیعین رضی اللہ عنہما کے زمانے میں) دونوں قسم (ظاہرہ باطنہ) کے اموال میں ادائے زکوٰۃ کا راستہ یہی تھا کہ وہ حکومت کو دی جائے۔ گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ تفصیلی دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مبارک دور میں "ادا ئے زکوٰۃ" کا صرف "یہی راستہ" نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہوا ایک دوسرا راستہ یہ بھی تھا کہ مالک اپنی زکوٰۃ خود فقیر کو دیدے۔ یہ ساری بحث "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کے بارے میں تھی باقی "اموال ظاہرہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام کو حاصل ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری طور پر بذریعہ محصلین وصولی زکوٰۃ کا انتظام صرف "اموال ظاہرہ" میں فرمایا تھا۔

ہم یہاں تک لکھ چکے تھے تو اس کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عبارت مل گئی جس میں انہوں نے مندرجہ بالا مضمون کی واضح تصریح فرمادی ہے الحمد للہ حضرت مفتی صاحب کی موافقت بھی ہمیں حاصل ہو گئی خاص زکوٰۃ ہی کے موضوع پر لکھے گئے "قرآن میں نظام زکوٰۃ" نامی اپنے رسالے میں، اسی آیت (خذ من اموالہم صدقۃً) کی تفسیر کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام صرف ان اموال میں کیا جو فقہاء کی اصطلاح میں اموال ظاہرہ کہلاتے ہیں (ص ۲۵)۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

باقی "اموال باطنہ" نقد، سونا، چاندی، زیورات وغیرہ..... ایسے اموال کی زکوٰۃ خود اصحاب اموال ہی کے حوالہ کی گئی کہ وہ بطور خود ادا کریں خواہ بیت المال کو دیدیں یا براہ راست فقراء میں تقسیم کر دیں۔ (الی ان قال)..... سواۓ انہوں نے عام معمول یہی رہا کہ وہ اپنے ایسے اموال کی زکوٰۃ بھی بیت المال ہی میں خود جمع کر دیتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ (ص ۲۶ مختصر)۔ اس سے بڑھ کر وضاحت یا صراحت اور کیا ہو سکتی ہے۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ شیعین رضی اللہ تعالیٰ

عہدہ کے زمانے میں بھی براہِ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے اُدارہ ہو جاتی تھی۔ پس ایسی ادائیگی زکوٰۃ کو اس مبارک عہد میں غیر معتبر قرار دینا اور اسی بنیاد پر امام جصاصؒ رازی کے کلام کی توجیہ کرنا دلائل کی روشنی میں قابلِ قبول نہیں۔ بالکل بعید از انصاف ہے۔

پس

امام جصاص رازی نے اعلانِ عثمانی کے بارے میں جو یہ لکھا تھا :
 فجعل لهم اداؤها الحاکمین وسقط من اجله حق
 الامام في اخذها۔ (احکام القرآن)

یہ اپنے ظاہری و حقیقی معنی پر ہے کہ (عام حالات) میں "اموالِ باطنہ" کی وصولی زکوٰۃ کے متعلق حقِ امام ساقط ہو گیا ہے۔ امام کو یہ اختیار نہیں رہا کہ جب چاہے ان اموال کی وصولی زکوٰۃ شروع کر دے۔

علمائے دیوبند کا مسلکِ اُمتِ الِ معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے

خیر الفتاویٰ جلد اول، دوم، سوم
 (ترجمہ: حضرت مولانا مفتی محمد انوار صاحب مدظلہ)

نوٹ: دیگر جلدوں کے ترتیب جاری ہے۔ انشاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آجائیں گی۔

مکتبہ الخیر جَامِعۃ خیر المدارس ملتان ۵۷۸۲ فونہ
 ملنے کا پتہ

دین و قرض میں ادائیگی زکوٰۃ کی بحث

بینک اکاؤنٹس قرض ہیں

جبری کٹوتی زکوٰۃ کے عدم جواز کی ایک وجہ ہم نے یہ ذکر کی تھی کہ بینک میں جمع شدہ لوگوں کے اموال شرعی احکام کے لحاظ سے ”قرض و دین“ ہیں۔ اور کھاتہ داران دائن اور بینک ان کا مقروض و مدیون ہیں۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ تب واجب الاداء ہوتی ہے جبکہ ان کی وصولی ہو جائے۔ وصولی سے قبل وجوب ادا نہیں ہوتا۔ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے جیسا کہ آگے مفصل آئے گا۔ اس حکم شرعی کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس پر وصولی سے قبل، زکوٰۃ فوری واجب الاداء نہیں تو مالکان کی رضامندی کے بغیر ان اموال کی زکوٰۃ کیلئے جبری کٹوتی جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ وجوب اداء اور انفرادی مطالبہ زکوٰۃ معدوم ہونے کی صورت میں مالکان کو ادائیگی زکوٰۃ سے انکاری قرار نہیں دیا جاسکتا اور بدون تحقق انکار و امتناع، حکومت کو جبری وصولی زکوٰۃ کے اختیارات حاصل نہیں۔

ہماری اس مختصر گزارش کے جواب میں ”الابلاغ“ میں طویل بحث کی گئی جس کا خلاصہ چند نکات میں ہم یہاں پر پیش کرتے ہیں۔

(۱)۔ دین قوی، متوسط، اور دین ضعیف کی تقسیم ان کے مرجع الوصول ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے۔

(۲)۔ قدرے پس و پیش سے یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض ہیں۔

(۳)۔ لیکن قرض و دین کا حکم اصلی یہ ہے کہ ان میں قبضے سے پہلے ہی زکوٰۃ واجب الاداء ہے۔

(۴)۔ قبضہ تک وجوب اداء کے مؤخر ہونے کی سہولت امام ابو حنیفہ نے دی ہے (گویا کہ

وہ اس مسئلہ میں متفرد ہیں)۔

(۵)۔ صرف متفرد ہی نہیں بلکہ ان کا یہ مذہب بے بنیاد و بے دلیل بھی ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ

نے جس اثر سے (اس مسئلے کے لئے) استدلال کیا ہے اس سے ان کا مذہب ثابت نہیں ہوتا (مختصراً ملقطاً بالمعنی) (گویا کہ امام ابو حنیفہ اور فقہائے حنفیہ کو اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے)۔

(۶) بے بینک اکاؤنٹس ایک جدید قسم کا قرض ہے لہذا اس پر قدیم حکم قرض لاگو نہیں ہوگا کیونکہ یہ حکم قدیم قسم کے قرضہ جات کے لئے ہے۔

(۷) حضرات فقہاء نے ہر دین قوی کو (خواہ اسکی وصولیابی کتنی ہی یقینی کیوں نہ ہو) "دین ظنون" قرار دیا ہے۔

(۸) بے قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب متفق علیہ ہے۔

البلاغ کی اس بحث کے مندرجہ بالا نکات پر پورا غور و خوض کیا گیا۔ اہل علم سے مذاکرے بھی ہوئے دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بے کو چھوڑ کر باقی سب نکات و دعاوی خلاف تحقیق اور بے بنیاد ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔

اجتہاد

واضح رہے کہ اس پوری بحث میں البلاغ نے کسی مستند و متداول فقہی کتاب استدلال نہیں کیا۔ حالانکہ زیر بحث مسئلہ پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ تقریباً تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔

مسئلہ ہذا سے متعلقہ بارہ تیرہ صدیوں کی محقق علمی کاوشوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بعض اُثار سے استدلال کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس اجتہاد میں اتنے دُور نکل گئے ہیں کہ ابو حنیفہ اور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی استدلالی کمزوریاں بھی آشکارا ہو گئیں۔ صرف زیر بحث قرض کے مسئلے ہی میں نہیں بلکہ اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی ساری بحث میں بھی "البلاغ" کا طرز استدلال تقریباً یہی ہے۔

حضرات فقہاء کرام اور قانون شرعی کے مسلمات کو یوں نظر انداز کرنا جو کم از کم ہم جیسے لکیر کے فقیرانہ قسم کے لوگوں کے لئے سخت حیرانی اور تشویش کا موجب ہے۔ اور بے تشویش تقریباً ایسی ہی ہے

جیسی کہ اپنے اکابر کو بعض جدید قسم کے اجتہادات پر ہوتی تھی اور یہ دیکھ کر مزید دکھ ہوتا ہے کہ یہ طرزِ عمل (جدید اجتہادات) اپنے حضراتِ علماء دلو بند کی طرف سے ظہور میں آرہا ہے۔ جن کے آبادِ اجداد کا طرہ امتیاز تعلق فی الدین سلف کی تحقیقات پر مکمل اعتمادِ جدید اجتہادات کی تردید ہے ہمیں معلوم نہیں کہ اپنے اکابر نے حضراتِ ائمہ و فقہاء کی واضح متفقہ تصریحات کے مقابلہ میں کسی اجتہاد کے لئے جدید علتوں کا استخراج کیا ہو۔ اور سلمات کی بعید از کار تاویلات کر کے انہیں معطل کرنے کی جرأت کی ہو۔ ان اکابر کا یہ موقف دینی استقامت کا نشان تھا کیونکہ اگر ماحول کے تاثر یا کسی دوسری وجہ سے طے شدہ مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھول دیا جائے تو کون سا مسئلہ ایسا ہے کہ جس کے بارے میں زمانہ حال کے مجتہدین کے علم و فضل کی جولانیاں ہمت ہار سکتی ہیں۔ ہر مسئلے میں ایسے "اجتہاد" کی گنجائش موجود ہے۔

تمہیدی تسامح

اب ہم ادارہ "السلام" بابت ماہِ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ کے مندرجہ بالا نکات پر تفصیلی گزارشات پیش کرتے ہیں۔

ابتداءً مضمون میں بطور تمہید کے لکھتے ہیں۔

وجوبِ زکوٰۃ نئے حق میں دین کے اندر اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ دائن کے لئے کس حد تک مرجو الوصول ہے اور دائن کا تصرف اس پر کس حد تک برقرار ہے۔ اسی بنا پر فقہاء کرام نے وجوبِ زکوٰۃ کے معاملے میں دینِ قوی اور دینِ متوسط اور دینِ ضعیف کی تقسیم فرمائی ہے۔ گزارش ہے کہ دین کی تقسیم بالا میں اس کے مرجو الوصول ہونے اور دائن کے اس میں تصرف پر قادر ہونے کو بنیاد قرار دینا صحیح نہیں۔

حضراتِ فقہاء کرام نے دین کی تقسیم ہرگز اس بنیاد پر نہیں کی۔ یہ صریح تسامح ہے۔

بلکہ شرعاً دین کی مندرجہ بالا تقسیم اس امر پر مبنی ہے کہ دینِ قرض اور مالِ تجارت کا بدل ہے یا مال کی بجائے غیر مال تجارت کا بدل ہے۔ جیسے اثاثہ البیت وغیرہ کی بیع یا غیر مال کا بدل ہے جیسے مہر اور بدلِ خلع وغیرہ یہ دیون علی الترتیب۔ دینِ قوی۔ دینِ متوسط۔ دینِ ضعیف کہلاتے ہیں۔

”چنانچہ تمام فقہاء نے اسکی تصریح کی ہے۔ مبسوط میں ہے۔

ثم الديون على ثلاث مراتب عند ابي حنيفة: دين قوی۔ هو ما يكون
بدلاً عن مال كان اصله للتجارة لولبقی فی ملكه ودين متوسط
وهو ان يكون بدلاً عن مال لا زکوة فيه لولبقی فی ملكه كثياب
البذلة والمهنة ودين ضعيف وهو ما يكون بدلاً عما ليس
بمال كالسهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد.

(مبسوط سنحسی ص ۱۹۵) (ومثله فی البدائع ص ۱۲)

مندرجہ بالا فقہی تصریحات سے یہ امر ظاہر ہے کہ دین کی یہ تقسیم اسکی ذاتی حیثیت پر مبنی ہے
مرجوع الوصول ہونے کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ عملی اور عدالتی اعتبار
سے بھی ان دیون میں مرجوع الوصول ہونے نہ ہونے کی بنیاد پر فرق نہیں کیا جاتا۔ مدیون بھی
کبھی ایسا نہیں کرتا کہ دین قوی کی تو فوری ادائیگی کر دیتا ہو اور دین متوسط اور ضعیف کی ادائیگی
میں اس بنیاد پر تاخیر کرتا ہو کہ ان دونوں قسموں میں چونکہ وصولی کی اُمید کم ہی ہوتی ہے اس
لئے تاخیر ادا یا عدم ادائیگی کا حق ہے۔ اور عدالت بھی یہ امتیاز نہیں کرتی کہ دین ضعیف
کے مقدمات کی سماعت نہ کرے اور مدعی کو یہ کہہ دے کہ دین ضعیف میں وصولی کی اُمید کم ہی
ہوتی ہے۔ لہذا مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ الغرض عدالتی لحاظ سے دین قوی کے لئے مدعی
کی امداد کے جو ضوابط ہیں دین متوسط اور ضعیف کے لئے بھی ویسے ہی قوانین ہیں۔
الحاصل علی۔ عملی۔ آئینی، عدالتی کسی لحاظ سے بھی دین قوی۔ متوسط اور ضعیف کی
تقسیم مرجوع الوصول ہونے نہ ہونے پر مبنی نہیں۔ پس ”البلاغ“ کا مندرجہ بالا تمہیدی ضابطہ
دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ بے اصل اور خیال محض ہے۔ لہذا اس ضابطہ پر مبنی
آئندہ تفریعات بھی بے بنیاد ہیں۔

۲۔ بینک اکاؤنٹس قرض ہیں امانت نہیں۔“

مجلس نے یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض سے زیادہ امانت

کے مشابہ ہے۔ حالانکہ جیسے اس کے قرض ہونے میں شبہ نہیں ایسے ہی اس کے امانت نہ ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے کہ امانت کی کچھ مخصوص شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نہ رہے تو پھر وہی مال امانت واجب فی الذمہ ہونے کی وجہ سے قرض ہو جاتا ہے۔ امانت کی چار بنیادی شرائط یہ ہیں۔ نمبر ۱۔ مال بعینہ محفوظ رکھنا طے ہو نمبر ۲۔ مودع اس میں تصرف نہ کر سکے نمبر ۳۔ نمار و نقصان مالک کا ہو نمبر ۴۔ بصورت ضیاع مالک کا مال ہلاک ہو اور دین میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ یعنی نہ مال کا۔ بعینہ محفوظ رکھنا طے ہوتا ہے۔ ورنہ تو پھر دین کا کیا فائدہ۔ اسی طرح مدیون کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام و نقصان مالک کی بجائے مدیون کا ہوتا ہے۔ اور بصورت ضیاع وہ چیز مدیون کی ہلاک ہوگی۔ اب مذکورہ بالا شرائط کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس میں امانت کی کوئی بھی شرط نہیں پائی جاتی جبکہ دین کی تمام شرائط اس میں موجود ہیں۔ الغرض ان تصریحات کی روشنی میں یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ بینک اکاؤنٹس فقہی اعتبار سے صرف اور صرف قرض ہیں۔۔۔ باقی یہ فرمان کہ عام قرضوں میں محرک مستقرض ہوتا ہے اور یہاں محرک مقرض ہوتا ہے اور اس کا اصل منشاء قرض دینے کی بجائے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ گناریش ہے کہ اس سے بھی بینک اکاؤنٹس کی "حیثیت قرض" قطعاً متاثر نہیں ہوتی کیونکہ اول تو یہ بات صحیح نہیں کہ یہاں تحریک صرف ایک طرف سے ہوتی ہے۔ بلکہ دونوں محرک ہوتے ہیں۔ البتہ تحریک کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔ نیز اگر بالفرض صرف کھاتہ دار ہی کو محرک مان لیں تو بھی اعتبار نفس حقیقت اور واقعہ کا ہوگا نہ کہ ابتدائی عوامل اور اسباب کا۔

الحاصل : اس پوری بحث سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آ

عہ اگر مال بعینہ محفوظ رکھنا طے نہیں ہوا یا ہوا مگر امین نے محفوظ نہیں رکھا یا امین نے کل یا بعض مال اس طرح سے خرچ کیا کہ متعین نہ تھا تو ان تمام صورتوں میں مال، مال امانت نہ رہے گا۔ اگرچہ اس امین کو خیانت کا گناہ ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ شرعی اصطلاح میں جو مال اس کے ذمہ ہے کیا اس کو امانت کہا جائے گا؟ یقیناً نہیں۔

جاتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس شرعی احکام کی رُو سے قرض ہیں امانت نہیں۔
اب ہم آئندہ صفحات میں دین کا حکم شرعی و وجوبِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں پیش خدمت کرتے ہیں۔

دین کا حکم شرعی

دین میں زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے؟

قرآن کریم، احادیث و آثار اور اصول شرعیہ کی روشنی میں حضرات ائمہ مجتہدین کا مذہب یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ کی ادائیگی وصولیابی کے بعد واجب ہے، قبضہ سے پہلے نہیں۔
”مسکب احناف“: امام ابو بکر کا سانی رحمہ اللہ ”دین قوی“ کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں: ”ولا خلاف فی وجوب الزکوٰۃ فیہ الا انہ لا یخاطب باداء شئی من زکوٰۃ مامضی مالم یقبض اربعین درهما (بدائع ص ۱۲۱)“

علامہ خسیؒ فرماتے ہیں:

”قال رجل له على رجل الف درهم قرض او عن متاع كان للتجارة
فحال عليه الحول ووجبت الزکوٰۃ علیه لا يلزمه الاداء قبل القبض

عندنا“ (مبسوط ص ۱۹۲)

عندنا کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ائمہ احناف سب اس پر متفق ہیں۔

موظا امام مالک میں ہے:

”مسکب مالکیہ“: قال مالك: ”الا مراندی لا اختلاف فیہ عندنا ان

صاحبه لا یزکیه حتی یقبضه“ (ارجز ص ۱۴۴)

ارجز میں الروض المربع سے نقل کیا ہے:

”مسکب حنابلہ“: ومن كان له دين (من مضمون او مسروق) من صداق

وغیره کضمن المبیع علی ملىٰ او غیرہ اذی زکوٰۃ اذا قبض لما مضیٰ

”قال الموفق الدين على ضربين احدهما دين على معترف به باذل له فعلى“

صاحبه زکوٰۃ الا انه لا يلزمه اخراجها حتى يقبضه فيؤدى لها
مضى روى ذلك عن علي وبهذا قال انثوري والبرثور واصحاب
الرأى

امام شافعىؒ کا قول قدیم بھی عدم وجوب کا ہے۔ (بیہقی ص ۱۵۰)
مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ قبل القبض عدم وجوب اداء پر جمہور متفق ہیں۔ ائمہ
ثلثہ امام غنیمؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ سب کا یہی مذہب ہے
اور حضرات ائمہ کا یہ موقف احادیث و آثار اور اصول شرعیہ سے ٹبرہن ہے۔

وجوب زکوٰۃ کا مدار قدرت میسرہ پر ہے۔ قدرت
مسکب جمہور کے دلائل : ممکنہ پر نہیں۔ ہدایہ "صدقة الفطر" میں ہے۔

ولا يشترط ذيه النفق - اسی پر محشی نے علامہ عینیؒ سے نقل کیا ہے۔
لا نها تجب بالقدرة الممكنة لا الميسرة - بخلاف الزکوٰۃ فان
وجوبها بالقدرة الميسرة -

ہدایہ میں دوسرے مقام پر ہے : وما شرط المحول الا للتيسير - (ص ۱۴۵)
معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا مدار قدرت میسرہ پر ہے بہت سے احکامات اسی پر متفرع
ہیں مثلاً ہلاکت مال سے سقوط زکوٰۃ وغیرہ۔

بہر حال شریعت نے اس سلسلہ میں مزکی کی سہولت و در سہولت کو مد نظر رکھا ہے مثلاً
آمدنی پر زکوٰۃ نہیں۔ بچت پر ہے۔ پھر ہرزچت (بال) میں نہیں۔ بلکہ وہ بھی بقدر نصیب
ہو پھر اس پر سال گزر جائے۔ اسی کی یہ فرع ہے کہ قبضے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں
یعنی "انه لا يخاطب باداء شئ من زکوٰۃ ما مضى ما لم يقبض -"

اصولی طور پر جزء نصاب واجب ہے۔ لقوله عليه الصلاة والسلام - "ها تواتر
من ربع عشر اموالکم" - اس حدیث کے پیش نظر حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ
زکوٰۃ میں اصل واجب نصاب کا ایک جُز ہے۔ چنانچہ غنایہ مع الہدایہ میں ہے :

ولما ان الواجب جزء من النصاب عملاً بكلمة "د فم" في قوله عليه السلام
في كل أربعين شاة شاةً وتحققاً للتيير فان الزکوٰۃ وجبت بقدر ما يسر

علمی ما عرف فی الاصول ومن التیسیر ان یکون الواجب من النصاب ^{۱۵۳} ص ۲۰ ج ۲
علامہ سرخسی فرماتے ہیں ولنا ان الواجب جزء من النصاب فاذا كان النصاب ديناً فينده

مقصورة عما هو حق الفقراء فلا يلزمه الاداء ما لم يقبل يده اليه بالقبض

(مبسوط ص ۱۹۸ ج ۲)

یہ تصریحات دلالت کرتی ہیں کہ "زکوٰۃ واجب" کی حالت "اصل نصاب" کی حالت کے

تابع ہوگی۔ نصاب نقد ہے تو جر نقد اور نصاب دین ہے تو یہ جر ہے بھی دین ہوگا العین فی العین

والدین فی الدین۔ یہی بات بالکل حضرت عطاء نے فرمائی ہے۔

عن ابن جریر قال قلت لعطاء • السلف یسلفه الرجل قال فلیس

على سيد المال صدقة وهو حينئذ بمنزلة الدين في الصدقة

(مصنف عبد الرزاق ص ۹۸ ج ۳)

جمہور کا مذہب آثار کی روشنی میں

۱۔ عن نافع عن ابن عمر قال ليس في الدين زكوة - (عبد الرزاق ص ۱۳ ج ۳)

۲۔ عن عائشة قالت ليس في الدين زكوة حتى يقبضه - (عبد الرزاق ص ۱۳ ج ۳)

۳۔ عن ابن جريج قال قال عمرو بن دينار ما ارى الصدقة الا

في العین - (عبد الرزاق ص ۱۱ ج ۳)

۴۔ قال عكرمة ليس في الدين زكوة وروى ذلك عن عائشة وابنت

عمر وروى عن سعيد بن المسيب وعطاء بن ابي رباح وعطاء الخراساني

وابن الزنادين كية اذا قبضه لسنة واحدة (او جر ص ۱۲ ج ۳)

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں عمل مستقر ہوا کہ وصولیابی سے قبل

دین سے زکوٰۃ نہ لی جائے لیکن وصول ہونے پر گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ لی جائے

چنانچہ حمید بن عبد الرحمن کی روایت میں کچھ تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں ہے۔

فلم يكو تولى يقبضون من الدين الصدقة الا ما نض منه (سنن البیہقی ص ۱۵ ج ۱)

اس روایت میں تفصیلی کلام ہے جسے بنظر اختصار حذف کیا جاتا ہے۔

۶۔ عن عطاء قال ليس في الدين زكوة حتى يقبض (عبد الرزاق ص ۱۰۳ ج ۳)

عک: عن جابر بن ابی جعفر قال ليس فيه زكوة حتى يقبضه (ابن ابی شیبہؒ)

عک: عن حماد قال الزكوة على من المال قب يدك۔ (عبدالرزاق ص ۴۱۲)

الحاصل: حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، ابو جعفرؓ، عطاء بن ابی رباحؓ، عطاء خراسانیؓ، عمرو بن دينارؓ، عکرمہؓ، حمادؓ، ابراہیم نخعیؓ، سعید بن المسیبؓ، احمد بن حنبلؓ، ابوالزنادؓ، حکمؓ، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؓ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفر، سفیان ثوریؒ، ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، یہ سب حضرات دین میں وصولیابی سے قبل وجوب اداء کے قائل نہیں۔

کیا ابو حنیفہؒ کا استدلال غلط ہے؟

دلائل و آثار کی روشنی میں یہ بات پورے طور پر واضح ہو چکی ہے کہ دین میں ”عدم وجوب اداء“ جمہور کا مسلک ہے لیکن بعض اصحاب نے جمہور کے اس محقق مسلک کو صیغہ راز میں رکھتے ہوئے یوں فرمایا۔ ————— کہ قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب تو متفق علیہ ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ نے مقرض کو یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر اس وقت واجب ہوگی جب قرضے کی رقم اُسے واپس ملے گی۔“ (البلاغ ص ۱) اس اقتباس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اس مسئلے میں متفرد ہیں اور یہ سہولت دینا ان کی ذاتی نوعیت کی رائے ہے۔ گویا کہ ان کا یہ خیال کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں اور نہ ہی دین میں وجوب زکوٰۃ کا پس منظر ان کے سامنے ہے۔

”البلاغ“ میں فقط یہ تاثر دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ آگے چل کر اس کی تصریح بھی فرمادی جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور فقہائے حنفیہ نے اپنے مذہب کی بنیاد جس اثر پر رکھی ہے اس کا مطلب وہ نہیں جو فقہاء حنفیہ نے سمجھا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں کہ ”امام ابو حنیفہؒ نے اس مسئلے میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت علیؓ کے ارشاد پر رکھی ہے۔“ (ص ۱) پھر آگے چل کر بطور نتیجہ کے ہے کہ :

”فقہاء حنفیہ نے اس باب میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت علیؓ اور ابن عمرؓ کے

اقوال پر رکھی ہے اور ان کے نزدیک اگرچہ قبضے کے بعد زکوٰۃ کا وجوب صرف اس صورت میں ہے جبکہ دین کی وصولیابی منظور ہو۔ جہاں وصولیابی کا وثوق ہو وہاں ان کے نزدیک بھی وجوب اداء قبضے سے پہلے ہی ہو جاتا ہے۔ ” (انتہی ص ۱۸۰) حاصل یہ ہوا کہ :

۱۔ انہوں نے جس اثر سے اپنے مسک پر استدلال کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ” وجوب اداء بعد القبض ہر دین میں نہیں بلکہ دین ظنون میں ہے۔“

۲۔ مگر امام ابو حنیفہؒ نے اس سے یہ سمجھا کہ وجوب اداء بعد القبض مطلق دیون میں ہے۔

۳۔ تو گویا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسک مذکورہ اثر سے ثابت نہیں۔ اور وہ اس اثر کو سمجھ نہیں سکے۔ ” غر “ شوخی بھی کلام میں لیکن نہ اس قدر ؟

مذاہب و دلائل کی تفصیل آپ کے سامنے ہے کیا واقعی امام ابو حنیفہؒ کا مسک بے دلیل اور تفرد پر مبنی ہے ؟ ہر گز نہیں ۔

اثر علی رضا کی تحقیق

اولاً ”گو ہمیں یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک پلڑے میں البلاغ کی رائے اور دوسرے پلڑے میں سراج الائمہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے استدلال کو رکھ کر ان میں موازنے کی کوشش کی جائے۔“

ظاہر ہے کہ ابو حنیفہؒ کی جو استدلالی کمزوری پہلے پہل ۱۴۰ھ میں پکڑی گئی بلاشبہ وہ ناقد ہی کی غلطی ہو سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ امام محمدؒ کی نہیں۔ خصوصاً جبکہ جمہور ائمہ و علماء بھی امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ اس مسئلے پر متفق ہوں لیکن بہر حال زمانہ تحقیق و ریسرچ کا ہے لہذا البلاغ کی تنقید پر سرسری نظر ہو جائے تو مناسب ہے۔ ذیل میں ہم دلائل کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی ابو حنیفہؒ امام محمدؒ اور فقہائے حنفیہ کو اثر علیؒ کے سمجھنے میں غلط نہیں ہوئی ہے۔ امام محمدؒ نے سوط میں اپنے اور مذہب جمہور کے مسک پر استدلال کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر پیش کیا ہے۔

عن علی بن ابی طالب قال : اذا كان ذلك دين على الناس فقبضه
فزكاه لما مضى : قال معبد وبه نأخذ وهو قول ابی حنیفہ -
(کتاب الآثار ص ۱۰۸)

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی کا دین لوگوں پر ہو اور وہ اس پر قبضہ کر لے
تو زکاۃ ادا کرے گا۔

یہ اثر اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ یہ عام دیون کے بارے میں ہے۔ لیکن "البلاغ"
نے اس اثر کو حضرت علیؓ کے ایک دوسرے اثر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ
اثر یہ ہے۔ عن علی ... فی الدین ظنون قال ین کیہ بما مضی اذا قبضہ
ان کان صادقا۔ (بیہقی ج ۱۵ ص ۱۵۳)

ترجمہ: جس دین کی وصولیابی مشکوک ہو اس کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا
کہ اگر دائن سچا ہے تو دین پر قبضہ کرنے کے بعد پچھلے سالوں کی زکوۃ ادا کرے۔
حالانکہ یہ اثر دین ظنون (مالِ ضمار) کے بارے میں ہے اسی لئے یہ دوسرا اثر۔ امام
ابو عبید اور ابن قدامہ اور دیگر حضرات فقہاء نے مالِ ضمار کے حکم کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے
کیونکہ دین ظنون مالِ ضمار کا ایک قسم ہے۔ اس لئے کہ دین ظنون ایک ایسا دین ہے
جس کی وصولیابی کی اُمید بہت کم ہو گو یا کہ نا اُمیدی ہے۔

اب قارئین خود غور فرمائیں کہ عام دیون والے اثر کی تشریح مالِ ضمار سے متعلقہ
اثر کے ساتھ کرنا کہاں تک صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ "البلاغ" میں کیا گیا ہے
اور تاثر یہ دیا گیا ہے کہ "فقہائے حنفیہ سے یہ تسامح ہوا ہے
خیالاً للجب۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں اثر مستقل طور پر وارد ہوئے ہیں پہلا اثر
عام دیون سے متعلق ہے۔ اور دوسرا اثر دین ظنون (مالِ ضمار) کے بارے میں ہے اور
دونوں کے احکامات جدا جدا ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی ایسی پابندی ہمیں معلوم نہیں کہ اگر وہ عام دیون کا
مسئلہ بیان فرمادیں۔ تو دین ظنون (مالِ ضمار) کا حکم بیان کرنے کی انہیں اجازت نہیں۔
الغرض: دونوں آثار اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ایک اثر سے دوسرے اثر کی تشریح

کرنا تساہل ہے۔

واضح رہے کہ حضرت علیؑ کے دوسرے اثر میں ”دینِ ظنون“ (مالِ ضمار) کا جو حکم ذکر کیا گیا ہے ”کہ وصولیابی کے بعد گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ اس میں واجب ہو۔“ یہ مذہب حنفیہ کے خلاف ہے۔ بلکہ اخلاف کے نزدیک ”مالِ ضمار“ میں سرے سے زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دینِ ظنون والا اثر علیؑ حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے جبکہ اقل الذکر ”اثر علیؑ“ کے معمول بہ ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے۔ تو ”الْبَلَاغ“ کا اثر متروک ”کو معمول بہ اثر کی تشریح میں پیش کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ جو دینِ ظنون کی خلاف واقعہ تشریح کرنے سے ناشی ہے۔ آئندہ اوراق میں دینِ ظنون کی بحث ملاحظہ کی جائے۔

”دینِ ظنون کی بحث“

نیز ”الْبَلَاغ“ میں ہے :

”لہذا انہوں (فقہاء حنفیہ) نے ہر ”دینِ قوی“ کو ”دینِ ظنون“ قرار دے کر یہ عام حکم لگا دیا کہ اس پر نفیس واجب تو ہو جاتا ہے لیکن وجوب ادا مقبضے کے بعد ہوگا۔ گزارش ہے کہ :

”الْبَلَاغ“ کا مندرجہ بالا الزام بالکل خلاف واقعہ ہے۔ حضراتِ فقہاء کرام تو کیا کسی ایک غیر فقیہ عالم نے بھی ہر ”دینِ قوی“ کو ”دینِ ظنون“ قرار نہیں دیا۔ ”الْبَلَاغ“ کا یہ دعویٰ اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ ہر دین خواہ وہ کتنے ہی قابلِ اعتماد شخص کے پاس ہو اسکی عدم ادائیگی کا خطرہ ضرور ہوتا ہے۔ (الْبَلَاغ ص ۱۸) اس لئے وہ دینِ ظنون ہوتا ہے۔ حالانکہ دینِ ظنون کی یہ تعریف خود ”الْبَلَاغ“ ہی کی نقل کر وہ تعریف کے خلاف بلکہ برعکس ہے ”الْبَلَاغ“ ص ۱۸ پر امام ابو عبیدہؒ سے دینِ ظنون کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ

۱۔ امام لیثؒ قاتلہ اسحقؒ ابو ثورؒ اہل عراقؒ سب کا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کی ایک ایک روایت بھی یہی ہے امام مالکؒ اور امام ابو ثوریؒ مالِ ضمار میں صرف ایک سالہ زکوٰۃ کے قائل ہیں تو گویا کہ یا اثر علیؑ ان سب کے نزدیک معمول بہ نہیں۔

میں نقل کی گئی ہے۔

”هو الذی لا یدری صاحبہ اَیَقْضِیْہ الذی علیہ الدین ام لا

”کأنه الذی لا یرجوا“۔ بیہقی ص ۱۵۰

دینِ ظنون کی تعریف بالا سے ظاہر ہے کہ دینِ ظنون وہ دین ہے کہ جس کی وصولی کی امید ختم ہو گئی ہو۔ تقریباً اسکی وصولی سے مایوسی ہو۔ ایسا دین مالِ ضمار کے ذیل میں آجاتا ہے حضراتِ فقہاء نے مالِ ضمار کی بھی قریب قریب انہی الفاظ میں تعریف کی ہے۔

”الضمار بوزن حمار قال ف البحر وهو ف اللغة

الغائب الذی لا یرجوا“ اھ (شامیہ ص ۹۰ جدید)

جب دینِ ظنون مالِ ضمار میں داخل ہے تو کوئی ادنیٰ علم رکھنے والا بھی ہر دینِ قویٰ کو دینِ ظنون قرار نہیں دے سکتا۔ دوسرے لفظوں میں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہر دینِ قویٰ مالِ ضمار ہے۔ دوسرے دین تو اس سے بھی نیچے ہوں گے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے پس حضراتِ فقہاء کی طرف ایسی غیر معقول غلط بات کی نسبت کسی بھی طرح روا نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی غلط بنیاد پر جو مسئلہ ہوگا وہ غلط تر ہوگا۔ اس پر بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ ”دینِ ظنون“ اور ”مالِ ضمار“ کہ ایک قرار دینا بظاہر کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ”دینِ ظنون“ میں زکوٰۃ کو واجب فرماتے ہیں اور ضمار میں عدم وجوب کے قائل ہیں؛ تو ”گزارش“ ہے کہ ”دینِ ظنون“ مالِ ضمار میں شامل ہے یا نہیں اس کے فیصلہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں اموال کی تعریفات ماننے لکھتے ہوئے یہ دیکھا جائے کہ ”مالِ ضمار“ کی تعریف ”دینِ ظنون“ پر صادق ہے یا نہیں؟ ان دونوں اموال کی تعریفات ہم پہلے نقل کر چکے ہیں جن کی روشنی میں یہ امر صاف ظاہر ہے کہ مالِ ضمار کی تعریف کے تحت ”دینِ ظنون“ بھی داخل ہے یہ تعریفات مزید اضافوں کے ساتھ دوبارہ نقل کی جاتی ہیں۔ قال ابن عبد البر ”وقیل الضمار

الذی لا یدری صاحبہ اَیَخْرُج ام لا وهو الاصح (اوجز ص ۱۴۲)

اور تقریباً بالکل انہی الفاظ کے ساتھ ”دینِ ظنون“ کی تعریف ائمہ لغت و حدیث سے منقول ہے۔ چنانچہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں :

الظَّنُون ... ومن الديون ما لا يدري أيقضيه أخذ لا أم لا (قاموس)
 هكذا المنجد وفي مجمع البحار لا زكوة في الدين الظنون هو الذي
 لا يدري صاحبه أ يصل إليه أم لا (ص ۲۹۶)

مصباح اللغات ص ۵۶۶ میں ہے : دین ظنون وہ قرض ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وصول ہوگا یا نہیں گویا کہ اس (دین ظنون) کی وصولیابی کی اُمید نہیں رہی جیسا کہ امام ابو عبیدہؒ نے اسکی تصریح فرمادی ہے۔ الظنون الذي لا يدري صاحبه أ يقضيه الذي لا يعلم أم لا كانه الذي لا يرجوه انتهي۔ اسی نوعیت کی نا اُمیدی ”مال ضار“ میں بھی ہوتی ہے۔ انیس سبب کا فرق معتبر نہیں۔ احکام میں اعتبار غلبہ ظن کا ہوتا ہے۔ اگر ان تعریفات میں ائمہ فقہ و حدیث نے غلط بیانی نہیں کی (اور یقیناً نہیں کی) تو انکی روشنی میں بلاشبہ یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ”دین ظنون“ مال ضار کے تحت داخل ہے۔ لہذا اب تک اس کا تسامح ہونا ہم نہیں سمجھ سکے ہاں! اگر دین ظنون کی تعریف میں ائمہ نے غلطی کی ہے تو یہ الگ بات ہے۔ لیکن پھر بھی البلاغ کو ان حضرات کی تغلیط کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ خود البلاغ ہی میں ان حضرات نے یہ تعریف نقل کی جا چکی ہے۔ اگر یہ تعریف غلط تھی تو ”البلاغ“ نے اسے کیوں نقل کیا۔ عجیب بات ہے کہ اثر علی رضی اللہ عنہ کی تشریح ہی میں ”دین ظنون“ کی اس تعریف کو نقل کر رہے ہیں۔ اگر حضرت علیؑ کے اثر میں یہ دین ظنون مراد نہیں تھا اس اثر کی تشریح میں اس تعریف ظنون کے نقل کرنے کا کیا فائدہ؟ اور کیا جوڑ؟ امام بیہقیؒ وغیرہ حضرات نے بھی ابو عبیدہؒ کی اس تعریف ظنون کو اثر علیؑ کی تشریح میں نقل کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات ائمہ فقہ و حدیث کے نزدیک اثر علیؑ میں دین ظنون سے مراد وہی دین ہے جس کی وصولیابی کی اُمید (تقریباً) منقطع ہو چکی ہو اور مال ضار بھی وہی ہوتا ہے جس کی وصولیابی سے نا اُمیدی ہو۔

الغرض حضرات ائمہؒ کی تصریحات ”دین ظنون“ کا مال ضار کے تحت داخل ہونا بلاشبہ ثابت ہے۔ باقی رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دوسرا اثر (لا زكوة في المال الضار) تو یہ کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ امام زیلعیؒ فرماتے ہیں:

۱ "غریب" - وفي المبنایة اداء منه لم یثبت مطلقاً اهـ - قال الحافظ

ابن حجر فی الدرایہ " لا زکوٰۃ فی مال الضمار لم اجدہ عن
 علی ص ۱۵۲ - بر تقدیر ثبوت زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ
 عنہ کے دونوں اثر اس مسئلہ میں متعارض ہیں جن میں ترجیح یا تطبیق تلاش کرنا اہل
 علم کی مشترکہ ذمہ داری ہے لیکن اس تعارض کا کوئی اثر "مال ضمار و دین ظنون" کے
 متعلق ائمہ فقہ و حدیث کی نقل کردہ تعریفات پر نہیں پڑتا۔

علاوہ ازیں "مال ضمار" اور "دین ظنون" کی بحث ثانوی درجے میں ہے
 اصل بحث اس میں ہے کہ ہر "دین قوی" "دین ظنون" ہے یا نہیں؟ اور وہ کون سے
 فقہاء حنفیہ ہیں جنہوں نے ہر دین قوی کو "دین ظنون" قرار دیا ہے، نیز یہ کہ ہر دین خواہ
 وہ کتنے ہی قابل اعتماد شخص کے پاس ہو۔ الخ۔ وہ دین ظنون ہے یہ کس کتاب
 میں لکھا ہے۔ اولاً ان امور کی وضاحت ضروری ہے۔

دین ظنون کی تعریف میں خط کشیدہ آخری جملہ (كانه الذي لا يرجو)
عجیب تسامح "البلاغ" میں نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ حاشیہ البلاغ میں تعریف
 ظنون کے ذکر کردہ حوالہ سنن بیہقی میں یہ جملہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ البلاغ کے اس
 مضمون کے اصل مسودہ میں بھی یہ جملہ مذکور ہے۔ مگر اس کے باوجود البلاغ میں سے
 حذف کر دیا گیا۔

اس خط کشیدہ جملہ کو غیر ضروری قرار دینا بھی مشکل ہے۔ جبکہ دین ظنون کی تعریف کا
 ایسا جزو ہے کہ اس کے حذف کرنے سے تعریف کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو سکتی ہے

"اثر ابن عمر وغیرہ کا جواب"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان آثار کا بھی جائزہ لیا جائے جنہیں البلاغ نے
 (بزعم خویش) اپنا مستدل سمجھا ہے۔ اثر علیؑ کے متعلق مفضل کلام گزر چکا ہے کہ
 اس سے ان حضرات کا استدلال درست نہیں۔ اس کے علاوہ ان حضرات نے مزید تین
 اثر پیش کئے ہیں۔ ان کا مضمون دو قسم پر ہے۔ ۱۔ دین فقہ پر ہر سال زکوٰۃ ہے۔

۲۔ ایسے دین کی ہر سال زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

یہ دونوں قسم کے الفاظ ائمہ ثلاثہ اور جمہور رحمہم اللہ کے مذہب کے خلاف
جواب : نہیں اور نہ ہی یہ آثار ان حضرات سے پوشیدہ تھے۔ ان آثار کی موجودگی
 میں سابقہ دلائل کی پستی پر علی وجہ البصیرت حضرات ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء نے اپنا یہ مذہب
 قرار دیا کہ دین میں ادائیگی زکوٰۃ قبضہ کے بعد واجب ہوتی ہے۔ پہلی قسم کا مضمون جمہور
 کے مسلک کے قطعاً خلاف نہیں کیونکہ وہ بھی ہر سال دین میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں۔
 دوسری قسم کے الفاظ بھی جمہور کے خلاف نہیں بلکہ یہاں امر احتیاط و استحباب پر محمول ہوگا
 تاکہ آثار کو جمع کیا جاسکے۔ خصوصاً جبکہ ایک ہی صحابی سے دو متعارض اثر منقول ہوں۔
 مثلاً ابن عمرؓ سے منقول ہے۔ "لیس فی الدین زکوٰۃ" (مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۳)
 دوسری جگہ منقول ہے۔ "ذکوٰۃ ما کان فی یدیکم الخ" (بیہقی ص ۱۵۰)

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ عملی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے سال بسال ادائیگی زکوٰۃ
 کے لئے کہا گیا ہو۔ نہ اس خیال سے کہ سال بسال ادائیگی واجب ہے ظاہر ہے کہ
 ہر سال ادائیگی میں جو سہولت ہے۔ وہ عند القبض پانچ سات سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی
 میں نہیں۔ مفتیان کرام اب بھی مستفتی کو ابتداً یہی حکم دیتے ہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ کے
 وقت دوسرے اموال کے ساتھ "دین کو بھی شمار کر لیا کرو۔ لیکن اس پر اگر مستفتی یہ کہے
 کہ "مٹنے کی امید کم ہے" یا کچھ اور عذر کرے تو پھر عند القبض ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے۔
 الغرض سال بسال ادائیگی کا مسئلہ بتلانا اس امر کی دلیل نہیں کہ مفتی دین کی وصولیابی
 سے قبل اس میں وجوب اداء زکوٰۃ کا قائل ہے۔ پس ایسے آثار سے "البلاغ" کا
 استدلال تمام نہیں۔

حولان حول وجوب زکوٰۃ کی اجتماعی شرط ہے۔ مگر امام زہریؒ سے منقول ہے کہ
 اگر سال مکمل ہونے سے پہلے کسی ضرورت میں مال خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اسکی
 زکوٰۃ ادا کر دے۔ قال الذہریؒ "کان المسلمون یستحبون ان یخرج الرجل
 زکاتہ قبل ان یتنفقہ"۔ انتہی۔ جب حولان حول سے قبل ادائے زکوٰۃ کو مستحسن
 سمجھا جاتا ہے تو بعد الحول "دین" میں بھی ادائیگی زکوٰۃ کو اگر مستحب سمجھتے ہوں تو

اس میں کوئی بُد نہیں۔

علاوہ ازیں حضرت سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق سب آثار جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اقوال صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

لہذا، یہ مسلک یقیناً راجح ہے۔ اور یہی مسلک حضرات ائمہ ثلاثہ (والثالثی فی قول) اور جمہور رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے کہ قرض میں نفس وجوب تو بہر حال ہے لیکن وجوب ادا قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوگا۔

بینک اکاؤنٹس جدید قسم کا قرض نہیں گزشتہ اوراق میں

اس کے دلائل کے بارے میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ قرآن، حدیث، آثار صحابہ اور اصول شرعیہ کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا کہ ائمہ ثلاثہ اور جمہور سلف کے نزدیک قرضہ جات میں زکوٰۃ کا نفس وجوب تو سال بسال ہوتا رہتا ہے لیکن ”وجوب ادا“ قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ ”البلاغ“ نے بینک اکاؤنٹس کو قرضہ جات کے اس حکم سے مستثنیٰ رکھنے کے لئے بڑی زوردار بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ ”بینک اکاؤنٹس“ بالکل نئی قسم کا قرض ہے جس کی نظیر دور فقہاء وغیرہ میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے لہذا حضرات ائمہ و فقہاء جب ایسے قرضوں ہی سے نا آشنا ہیں۔ تو ان کا حکم کیونکر بیان کر سکتے تھے۔ فقہاء نے قرضہ جات کی زکوٰۃ کا جو حکم بتلایا ہے۔ یہ پُرانے قسم کے قرضوں کا ہے جو ان کے دور میں پائے جاتے تھے۔

بینک کے ان جدید قرضہ جات کا حکم یہ ہے کہ وصولیابی سے پہلے ہی ان میں وجوب ادا ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے لئے ”البلاغ“ نے کوئی مستند صریح حوالہ قانون اسلامی سے پیش نہیں کیا۔

گزارش ہے کہ بینک کا عنتی نظام اور اسکی عمارات تو یقیناً جدید ہیں لیکن ”بینک اکاؤنٹس“ کو جدید قسم کا قرضہ قرار دینا صحیح نہیں۔ عہد رسالت اور دور فقہاء میں ایسے

قرضے موجود تھے۔

تفصیل آئندہ صفحات میں ”خیال القرون کے قرضے“ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ”بینک اکاؤنٹس“ کو جدید قرض جس بنیاد پر بنایا گیا ہے اس کا بھی جائزہ لیا جائے۔

بینک اکاؤنٹس کو ایک نئی قسم کا قرضہ ثابت کرنے کے لئے جو چند وجوہ فرق بیان کی گئی ہیں ان کا حاصل صرف دو امر ہیں۔

(۱)۔ یہ مضمون ہے (۲)۔ سہل الوصول ہے جیسے الماری اور تجوری میں رکھا ہوا مال۔
تو اس سلسلہ میں گزشتہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس ہی نہیں ہر قرض مضمون ہوتا ہے اور مستقرض بینک ہو یا اور کوئی شخص۔ وہ بہر صورت شرعاً قانوناً اس کا ذمہ دار اور اس کی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے۔ لہذا یہ مضمون ہونا بینک اکاؤنٹس کی کوئی امتیازی خصوصیت نہیں رہا اس کا سہل الوصول ہونا، تو اس کے بیان میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ تصویر کا ایک ہی رخ پیش کیا گیا ہے۔ مناسبت ہے کہ دوسرے رخ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اگر بعض وجوہ سے سہل الوصول ہے تو کئی لحاظ سے یہ صعب الوصول بھی ہے مثلاً ۱۔ ایام تعطیل میں وصول نہیں ہو سکتا ۲۔ ایام کار میں بھی چھٹی کے اوقات میں اس کی وصولیابی ممکن ہی نہیں ۳۔ اوقات کار میں بھی صرف محدود وقت میں رقم نکلا سکتے ہیں مثلاً بارہ بجے تک اگرچہ بینک چار بجے تک کھلا ہے ۴۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اگر اتفاقاً چیک بک پاس نہیں تو بھی رقم کا حصول بدیں شناخت و ضامن کے ناممکن ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے یوں کہہ لیجئے کہ ایک شخص بینک سے اپنی رقم نکوانے گیا۔ لیکن وہاں پر معلوم ہوا کہ چھٹی کا وقت ہو جانے کی وجہ سے بینک بند ہو گیا۔ اس کو ناکام واپس آنا پڑا۔ دوسرے روز گیا تو بینک کو کھلا پا کر مطمئن و مسرور ہوا لیکن داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ ادائیگی رقوم کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب رقم نہیں مل سکتی۔ یہ سن کر پریشان ہوا اور خالی ہاتھ واپس لوٹا۔ اس بے چارے کو رقم کی فوری اور شدید ضرورت تھی۔ رات بھر انتظار میں گزری۔ دن ہوا۔ بینک گئے تو بتایا گیا کہ آج فلاں صاحب کا یوم پیدائش ہے۔ یا وفات کی تعطیل ہے اور کل جمعہ کی چھٹی ہے۔

اب ایسے شخص کی پریشانی کا عالم کیا ہوگا۔ اس کا صحیح اندازہ منبلی بہ کو ہی ہو سکتا ہے۔
 خدا خدا کر کے دن پورا ہوا اور رات گزری اگلے روز علی البصیح نماز پڑھتے ہی یہ گھر
 سے چلا کیونکہ بنک اس کے گھر سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بنک پہنچ کر یاد آیا
 کہ جلدی میں چیک بک گھر بھول آیا (شناختی کوئی بلا نہیں) اب وصولیابی سے محروم ہے
 گا مندرجہ بالا صورت میں ذرا غور فرمائیں کہ مقرض بے تاب ہے اور مستقرض کے مطالبہ پر
 عام قرضوں میں یہ صعوبتیں عموماً نہیں ہوتیں جو بینک اکاؤنٹس میں ہیں ان صعوباتِ موافات
 پر مزید یہ کہ سیونگ اکاؤنٹ میں سے ایک ہفتہ کے اندر پندرہ ہزار سے زائد نہیں
 لے سکتے اگر لینا ہو تو ایک ہفتہ قبل اطلاع دینا ضروری ہے۔ اور فکس ڈیاپازٹ جس میں
 ایک معین مدت تک کے لئے رقم دی جاتی ہے مقررہ مدت مکمل ہونے سے پہلے اس میں
 سے یہ رقم وصول نہیں کی جاسکتی۔ اور اگر بصورتِ رقمِ وقت سے پہلے لینی پڑ گئی تو کل
 رقم میں دو فیصد سالانہ کے حساب سے بقیہ مدت کی کٹوتی ہوگی مثلاً ایک شخص نے ایک لاکھ
 روپے کی رقم بارہ سال کے لئے جمع کرائی دو سال بعد اس کا مکان گر گیا یا کوئی اور فوری شدید
 ضرورت پیش آگئی اور اس کو اپنی رقم بنک سے لینی پڑی تو بارہ سال میں سے دو سال
 کو چھوڑ کر بقیہ دس سالوں کی کٹوتی دو فیصد سالانہ کے حساب سے کر لی جائے گی جس کی
 مقدار بیس ہزار کے قریب بنتی ہے۔ کل رقم کا ایک خمس (پانچواں حصہ) کاٹ کر باقی چار حصے
 اس کو واپس مل سکیں گے۔ تقریباً بیس ہزار روپے اصل رقم سے کٹ گئے مگر اس سب
 کچھ کے باوجود البلاغ کا دعویٰ ہے کہ بنکی قرضہ کی وصولی متیقن ہے اور یہ قرضے لے
 ہی ہیں جیسے اپنی الماری میں پڑے ہوں۔ حالانکہ دوسرے عام قرضوں میں کٹوتی کا کوئی
 نظامانہ قانون موجود نہیں۔ ایسا ظلم صرف بینک کے لعنتی نظام ہی کی خصوصیت ہے۔

الغرض تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ اگر بینک اکاؤنٹس بعض وجوہ سے سہل الوصول
 ہے تو بعض دیگر وجوہ سے سبب الوصول بھی ہے لہذا یہ دعویٰ کہ مقرض اپنی رقم جب چاہے
 فوراً بلا تخلف واپس لے سکتا ہے ”قطعا“ درست نہیں۔ باقی آزادانہ تصرف میں یہ
 الماری اور تجوری میں رکھے ہوئے پیسوں کی طرح بھی ہرگز نہیں اس لئے کہ الماری
 اور تجوری میں رکھی ہوئی رقم کے حصول میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں۔ نہ وقت کی نہ مقدار کی۔

حتیٰ کہ اگر چاہی گم ہو جائے تو الماری اور تجوری توڑنے کا بھی یہ مجاز ہے۔ بخلاف بینک کا ونٹس کے کہ اس میں چیک پر دستخط ثبت کرنے کے باوجود آدمی اس کا مجاز نہیں کہ سامنے میز پر رکھی ہوئی رقم خود اٹھالے بلکہ ایسا کرنے والا قانوناً مجرم سمجھا جائے گا۔
باقی یہ تسلیم ہے کہ یہ سب کچھ انتظامی امور کے طور پر ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سے دائن کا آزادانہ تصرف باقی رہا یا نہ رہا نیز اپنے قرضے کی وصولی میں دشواری اور تاخیر بھی ہوئی اور ایک خطیر رقم بطور جبرانہ بھی کٹ گئی۔

اب آئیے اس امر کا جائزہ لیں کہ کیا بینک اکاؤنٹس واقعی نئی قسم کا ایک ایسا قرض ہے جسکی نظیر خیر القرون اور دور فقہاء میں نہیں پائی جاتی تھی۔
ہماری گزارش ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں کہ ایسا قرض فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہ تھا صحیح یہ ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم خیر القرون، اور دور فقہاء میں قرض کی یہ قسم موجود رہی ہے۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

خیر القرون میں ایسے قرضے کی موجودگی پر قرآنی شہادت

قرآن کریم میں ہے۔ ومن اهل الكتاب من ان تأمنه بقنطار يؤده اليك الاية (اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر مال کا انبار ان کے پاس رکھ دو تو وہ ادا کر دیں) تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس کسی نے بارہ سو اوقیہ امانت رکھے تھے۔ بارہ سو اوقیہ چاندی کی قیمت آجکل کے حساب سے پانچ لاکھ روپے کے قریب بنتی ہے۔ مالک کے مطالبے پر انہوں نے فوراً ادا کر دیئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں اللہ پاک نے ان کے اس جذبہ امانت کی مدح فرمائی ہے اور ان کے اندر اس جذبہ کی موجودگی کی شہادت دی ہے۔

قرض و امانت کی تفریق اتنی مؤثر نہیں اصل مسئلہ جذبہ ادا و حقوق و دیانت کا ہے۔ کیونکہ اسی آیت کے اگلے جُز میں ایک دینار واپس نہ کرنے والے کی مذمت بھی مذکور ہے حالانکہ یہ دینار بھی امانت تھا۔

۲۔ جب یہودی معاشرہ جس کا بخل و بنیادیں مشہور ہے اپنی تمام تر بد اخلاقیوں

اور پستیوں کے باوجود ایسے قرض و امانت سے خالی نہ تھا۔ تو اس مسلم مثالی معاشرہ میں ایسے قرضہ جات کے وجود کو ناپسند و معدوم کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ جو خلاصہ کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود سے وجود میں آیا تھا۔ پس یقیناً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسے قرضہ جات عہد نبوی میں موجود تھے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ قرضہ کی واپسی سے مانع ناداری ہوتی ہے یا بخل و بد معاملگی اور حضرات صحابہؓ میں نہ بخل و عیاری ہے اور نہ حرص و مکاری کہ دوسرے کے اداء حق سے مانع بنے۔ رہی ناداری۔ سو یہ زیر بحث نہیں کیونکہ زیر بحث ایسے قرضے ہیں جو ادائیگی میں قابل اعتماد اور مالدار لوگوں پر ہوں۔ مفلس اور نادہند لوگوں پر قرضے زیر بحث نہیں۔

۳۔ صحابہ و تابعین کے سنہری دور میں کثرت صدقات کے جو واقعات تاریخ میں موجود ہیں، جس شخص کی نظر بھی ان تاریخی حقائق پر ہوگی۔ وہ قطعاً یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس دور کے لوگ مفت میں تو لاکھوں لٹا دیتے تھے لیکن قرضوں کی ادائیگی میں العیاذ باللہ پورے بخیل تھے کہ ان میں شاید نادار ہی ایسا شخص ہو جو اپنا قرض بروقت ادا کرتا ہو اور جس پر قرضخواہ کو یہ اعتماد ہو کہ جب چاہوں قرضہ وصول کر سکتا ہوں العیاذ باللہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص واقعی اس عہد کے متعلق ایسے خیالات رکھتا ہے تو وہ نہ صرف حقائق کا منہ چڑاتا ہے بلکہ اس مبارک عہد پر ایک بڑی تہمت لگا رہا ہے مناسب تھا کہ یہاں پر اس دور کی کچھ جھلکیاں پیش کی جائیں لیکن بخوف طوالت ہم انہیں اختصار کی نذر کرتے ہیں۔

۴۔ صحابہ کرام میں سے ایک جماعت کا یہ طرز عمل تھا کہ لوگ ان کے پاس امانتیں رکھنے آتے تھے۔ اور وہ بغرض حفاظت ان لوگوں سے کہتے تھے امانت نہیں قرض کہ دو تاکہ بصورت ہلاک تمہارا نقصان نہ ہو مثلاً (الف) حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوگ امانتیں رکھنے آتے۔ حضرت فرماتے امانت کی بجائے قرض کر دو جب ضرورت ہو لے لینا۔

مندرجہ بالا صورت میں قرض کی وصولی متیقن ہونے کے علاوہ یہ بھی واضح ہے کہ قرض کا محرک مستقرض نہیں بلکہ لوگ اپنے اموال بغرض حفاظت خود لاکر دیتے تھے۔

ب۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اموال کو ہلاکت سے بچانے کے لئے انہیں اپنے ذمہ قرض کر لیتے تھے فیسٹلف اموالہم لیجر زہا من الاملاک۔ اسی صورت کے بارے میں "البلاغ" میں ہے یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس کی صورت سے بہت قریب ہے۔ (ص ۱۵)

۵۔ قرون اولیٰ میں ایسے قرضوں کی موجودگی پر خلیفہ راشد کی شہادت

امام ابو عبیدہؓ نقل کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے ایسے قرض پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جسے تم قرضدار سے جب چاہو مطالبہ کر کے لے سکو الخ (ترجمہ کتاب الاسوال ص ۱۸۴) (۶)۔ وظائف بیت المال کو "البلاغ" نے دین متیقن خود تسلیم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ جس دین کی وصولیابی اتنی متیقن ہو جتنی بینک اکاؤنٹس میں ہوتی ہے۔
۷۔ ایسی وہ تمام روایات و آثار جن میں دین کی دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں۔

۱۔ دین متیقن ۲۔ دین مشکوک و مظنون

قرون اولیٰ میں دین متیقن کی موجودگی پر شاہد عدل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فرمان۔ وما کان فی دین ثقتہ فہو بمنزلۃ ما فی ایدیکم۔ سے واضح ہے کہ اس دور میں قرض کی ایسی قابل اعتماد صورتیں بھی تھیں جن کے بارے میں یہ کہنا صحیح تھا کہ وہ اس مال کی طرح ہے جو تمہارے قبضے میں ہے۔ "البلاغ" میں بینک اکاؤنٹس کو بمنزلۃ ما فی ایدیکم کے قرار دیا گیا ہے اور اس جملہ کا مصداق عہد صحابہ میں بھی موجود تھا۔ تو پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہو گا کہ بینک اکاؤنٹس ایک بالکل نئی قسم کا قرض ہے۔ جو فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہیں تھا۔

۱۵۔ مندرجہ بالا تقسیم دین حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ کے آثار میں موجود ہے اور تعجب ہے کہ یہ آثار خود "البلاغ" نے نقل کئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود قرون اولیٰ میں "دین متیقن" کے وجود سے انکار ہے۔ نیا للعجب۔ بلکہ ان آثار سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ "قرون اولیٰ" میں یہی قسم اغلب اکثر تھی کیونکہ ان تمام آثار میں پہلے نمبر پر اسی "دین متیقن" ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

دور فقہاء میں بھی موجود تھا : خیال القرون کے بعد حضرات فقہاء کرامؒ کے دور میں بھی ایسا قرض موجود تھا۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرامؒ عبارات کے علاوہ عنوانات تک میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ امام ابو عبیدؒ نے کتاب الأموال میں بیان مذہب کے لئے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ قرض لینے والے (مقرض) پر زکوٰۃ ادا کرنے کے سلسلے میں مختلف اقوال وہ قرعے جو قابل اعتماد لوگوں پر ہوں اور انکی وصولی کی اُمید ہو۔ (کتاب الأموال ص ۱۸۳ ج ۲)

اسی کتاب میں آگے چل کر ص ۱۸۸ پر اپنے نزدیک ایک مشروط مسئلہ بیان کرتے ہوئے اسکی شرط کا لڑ ذکر کرتے ہیں۔ بشرطیکہ قرض آسودہ مالوں اور بھروسہ والوں پر ہو کیونکہ اندریں صورت اس مال کی حیثیت ہاتھ یا گھر میں موجود مال کی سی ہو جاتی ہے۔ امام ابو عبیدؒ کی یہ عبارات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ حضرات فقہاء کرامؒ کے دور میں ایسے

قرضہ جات موجود تھے جو با اعتماد لوگوں پر ہونے اور مرجع الوصول ہونے کی وجہ سے بمنزلہ اس مال کے ہوں جو گھر میں موجود ہوتا ہے اور قرضوں کی زکوٰۃ کے احکام لکھتے وقت ایسے قرعے فقہاء کرامؒ کے پیش نظر تھے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک دین کی زکوٰۃ میں وجوب اداء قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔ البتہ امام شافعیؒ اپنے دوسرے قول میں ائمہ ثلاثہ اور جمہور سے اختلاف کرتے ہوئے قبل القبض وجوب ادا کے قائل ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ دین جس میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے ایسا دین ہے جو ”مقر“

”حسن معاملہ“ میں اچھی شہرت کے مالک، دولت مند شخص پر ہو۔ بنا بریں اس دین کی وصولیابی اور اس میں تصرف پر دائن کو پوری قدرت حاصل ہو کہ جب چاہے وصول کر سکے اور سہل الوصول ہونے کے اعتبار سے یہ دین مثل ودیعت کے ہو۔ حضرت شاہ

ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس دین کے بارے میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔ ”الدين المحال على ملء وفت الخ (اجز ص ۱۴۲) ابن قدامہ نے اسی دین سے متعلق لکھا ہے ”دين على محترف به باذل له“ اور آگے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اور انکی دلیل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قال الشافعي عليه اخراج الزکوٰۃ

في الحال وان لم يقبضه لانه قادر على اخذها والتصرف فيه فلزمه اخراج

الزکوة فی الحال وان لم یقبضہ لانه قادر علی اخذہ والتصرف فیہ فلزمہ
اخراج زکواتہ کالودلیعة (ادبہ ص ۱۲۱)

مندرجہ بالا تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ امام ابو حنیفہ، امام مالک،
امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ اجماع کے زمانہ اور دور فقہاء میں ایسے دیون موجود
تھے جو بقول "البلاغ" دین مستیقن میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔

الغرض ؛ البلاغ میں بینک اکاؤنٹس کے جو خصوصی اوصاف شمار کئے گئے ہیں اور
جن کی بنیاد پر ہی بینک اکاؤنٹس کے متعلق نئی قسم کا قرض ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ
سب کے سب خیر القرون اور دور فقہاء کے دیون میں موجود نظر آتے ہیں۔ مثلاً وصولی
پر ہر وقت قدرت تصرف پر بھی اختیارات اور تصرف پر کامل قدرت ہونے کی وجہ سے
امانت کے ساتھ مشابہت، با اعتماد جگہ پر ہونے کی بنا پر وصولیابی کا یقین اور تقدیراً
ایسا ہونا جیسے اپنے قبضے میں ہے۔ "بمنزلة ما فی یدیکم، او غیر ذلک۔ یہ
تقریباً وہی الفاظ ہیں، جو البلاغ میں "بینک اکاؤنٹس کی مدح سرائی کے لئے استعمال
کئے گئے ہیں۔ اور بالکل انہی صفات کی بناء پر امام شافعی رحمہ اللہ اس قسم میں قبل
القبض "وجوب ادا" کے قائل ہوئے ہیں۔ اور یہ اس قسم کے قرض کی، اس عہد میں موجودگی
پر بین دلیل ہے لیکن اس کے موجود ہونے کے باوجود جمہور حضرات ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ
خصوصاً ائمہ احناف اس میں قبل القبض "وجوب ادا" کے قائل نہیں ہوئے۔ اور
خود امام شافعیؒ کا دسرا قول بھی حضرات جمہور کے موافق ہے۔

تفصیل بالا سے ثابت ہوا کہ "بینک اکاؤنٹس" قطعاً جدید قسم کا قرض نہیں۔ اور
یقیناً "قرض" ہے۔ اور اس نوعیت کے دیون قرون اولیٰ اور دور فقہاء میں پوری
شہرت کے ساتھ موجود تھے۔

بلکہ اس گزے زمانہ میں بھی اسکی بکثرت نظیریں موجود ہیں۔ اگرچہ غلبہ دوسری
نوع کا ہے۔

نیز السبلاغ میں "بنک اکاؤنٹس" کو جدید قسم کا
عملی پیچیدگیاں : قرض ثابت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ

اگر بنک اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کے وجوب ادا کے لئے دوسرے دیون کی طرح ان کے
 نقد ہونے کی شرط لگائی جائے تو اس سے اتنی عملی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی کہ زکوٰۃ کی
 ٹھیک ٹھیک ادائیگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ پھر امام ابو عبیدہ رحمہ اللہ کی ایک عبارت مال مستفاد کے
 بارے میں نقل کہ کے فرماتے ہیں کہ "بنک اکاؤنٹس" کے بارے میں تو اس قسم کا حساب
 کتاب تقریباً ناممکن ہے۔

گزارش : عملی پیچیدگی کا عذر بھی معقول نہیں اور مال مستفاد پر قیاس بھی
 قیاس مع الفارق ہے۔ اس لئے کہ مال مستفاد کی ادائیگی زکوٰۃ اُٹھ
 سال ہوگی۔ وصولی دین کے بعد فوری ادائیگی ہے۔ اس تاریخ کو سال تک محفوظ رکھنے کی
 قطعاً کوئی حاجت نہیں۔ مزید سہولت کے لئے اپنے طور پر سہفتہ، عشرہ، مہینہ و غیرہ کی مدت
 مقرر کی جاسکتی ہے کہ ان ایام کی جتنی وصولی ہوگی اسکی ایک بار ہی زکوٰۃ نکال دی جائے
 گی۔ فوری ادائیگی اموال نقد میں بھی ضروری نہیں ہوتی حساب کر لیا جاتا ہے پھر ادائیگی
 حسب مصلحت ہوتی رہتی ہے اس کے لئے مزید کسی کلرک یا منشی کے رکھنے کی ضرورت
 نہیں۔ بینک سے برآمد ہونے والا ایک ٹیڈی پیسہ بھی چیک بک میں محفوظ ہوتا ہے۔
 زکوٰۃ ادا کرنی ہو یا نہ۔ کافر ہو یا مسلمان۔

باقی رہی یہ بات کہ نسبتاً اس میں تکلف ہے تو گزارش ہے کہ جب بھی کسی ضابطے کی
 پابندی کی جائے گی کچھ نہ کچھ تکلف تو ہو گا ہی۔ کیا یہ تکلف ساعی کے زکوٰۃ وصول کرنے
 کے تکلف سے بھی زیادہ ہے؟ چھ کھیتوں اور جنگلوں میں مارا مارا گھومنا پڑتا ہے۔
 وجوب ادا کا تعلق بینک سے برآمد کی جانیوالی رقم کے ساتھ ہے بینک میں داخل
 کی جانیوالی کے ساتھ نہیں خواہ دن میں ستر مرتبہ بھی داخل کر لئے۔ چیک بک اور رجسٹرات
 میں نہ ہی یہ رقمیں خلط ہوتی ہیں۔ لہذا رقم جمع کرنے کی بات کرنا موضوع سے غیر متعلق ہے
 لہذا معلوم ہوا کہ "بنک اکاؤنٹس" صرف اور صرف عام قرض ہے اور مسلک جمہور
 کے مطابق اس میں حساب و کتاب رکھنا کوئی ناممکن نہیں۔

”احکام قرض کے نفاذ سے گریز“

بینک اکاؤنٹس کو قرض تسلیم کرنے کے بعد اسنن پر احکام قرض کا نفاذ ضروری ہے یعنی قرض دینے والے کے ذمہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وجوب وصولیابی کے بعد ہو۔ مگر افسوس کہ ”السلام“ نے بینک اکاؤنٹس کو (بزعم خویش) نئی قسم کا قرض ایجاد کرنے کی بات پر ”کتب فقہ“ میں موجود تقریباً جملہ مسلم احکامات پر عمل سے گریز کیا ہے اور اپنے موقف کو فقہاء کرام کے بیان کردہ مسلمہ ضابطوں کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے بذات خود آثار و روایات سے استدلال شروع کر دیا۔

اسی ضمن میں جب دعویٰ کیا گیا ہے کہ حکومت کو مکمل اختیار ہے کہ بینک اکاؤنٹس سے (بادجوک) وہ مدیون ہے (زکوٰۃ کاٹ لیا کرے تو اس پر عرض کیا گیا کہ زکوٰۃ فرض ایک (دائن) پر ہے اور وصول دوسرے (مدیون) کے کی گئی تو اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ”اگر دین متیقن ہو“ جیسے بینک اکاؤنٹس کا ہے۔ تو حکماً دائن کا قبضہ قرار دے کہ مدیون سے زکوٰۃ لیجا سکتی ہے۔ پھر اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک اثر سے استدلال کیا ہے کہ تنخواہ لینے والا یہ بتاتا کہ اس کے پاس ایسا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ جو تنخواہ اُسے دینا چاہتے تھے اس میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتے تھے گزارش ہے : یہ اثر ”کتب فقہ“ میں لکھے گئے احکام قرض کے متعلق قطعاً نہیں۔ اور نہ ہی فقہاء سے یہ اثر پوشیدہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فعل دینے والے کی مکمل رضامندی اور موجودگی میں ہوتا تھا۔ ہم چھپے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں کہ صدرِ اقل میں ”نظام زکوٰۃ طوع پر مبنی تھا۔ طوع سے ادائیگی محل نزاع نہیں زیر بحث امر یہ ہے کہ کیا اس میں جبر و اکراہ درست ہے یا نہیں۔

”وصول زکوٰۃ کا نظام طوع و رغبت پر مبنی تھا“

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صدقِ دل سے اسلام لائے۔ صحبتِ نبویؐ سے ایمان و یقین ان کے قلوب کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ قال تعالیٰ اُولَئِكَ الَّذِیْنَ كُتِبَ

فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيْمَانُ وَ اِيْدِهِمْ بِرُوحٍ مِنْهُ . الْاَيَةُ

حضرات صحابہ و تابعین کے بارے میں ان کے اخلاص و صداقت پر قرآنی شہادتوں کے بعد ہمارا غیر متزلزل یقین ہے کہ یہ حضرات ارکانِ اسلام، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ کامل طوع و رغبت اور بشارتِ قلبی سے کرتے تھے۔ عہدِ صحابہ کا منظر جس کے سامنے ہوئے یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اس مبارک اور مثالی دور میں جس طرح ”نظامِ صلوة“ جبر و اکراہ پر مبنی نہ تھا اسی طرح یہ نظامِ زکوٰۃ بلکہ نظامِ جہاد بھی اکراہ و جبر پر مبنی نہ تھا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنی جان کی قربانی پوری رضا و خوشی سے پیش کرتے تھے عیسائی سفیر کے یہ الفاظ یاد ہوں گے۔ ”الموت عندہم احلی من شرب الخمر“ ایک صحابی رگِ ہاں پر بڑچھا کھا کر کہتے ہیں ”فرزت ورب الکعبة“ جن حضرات کی تاریخ یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ”جان“ کا ”نذرانہ“ بھی اس خوشی سے پیش کرتے ہوں ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کسی حکومتی ”جبر و اکراہ“ کے تحت کرتے ہوں گے قرونِ ثلثہ میں جبری کٹوتی کا شاید ایک واقعہ بھی پیش نہ کیا جاسکے۔ پس جبری کٹوتی وغیرہ کے لئے اثر صدیقی وغیرہ بے استدلال درست نہیں۔

علاوہ ازیں، ہمیں تعجب ہے کہ اثرِ مذکور کو اپنے دعویٰ کی دلیل کیسے بنایا گیا حالانکہ فقہاء نے قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ بکھانا ہے کہ ”ادائیگی بوزکوٰۃ کے وقت مالک کا موجود ہونا درجہ شرط میں ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اموالِ ظاہرہ میں اگر ساعی نے مالک کی عدم موجودگی میں مقدارِ زکوٰۃ وصول کر لی تو ادا نہ ہوگی۔ علامہ کا سانی فرماتے ہیں : ومنہا ظہور المال وحضور المالك“ اور مذکورہ اثر صدیقی میں بھی یہی کچھ ہوا کہ زکوٰۃ حاضر مالک سے وصول کی گئی بخلاف بینک اکاؤنٹس کے کہ اس میں مالک کی موجودگی تو کجا شاید اس کو خبر بھی نہ ہوتی ہو۔ نیز یہ اصول کہ دینِ مستیقن میں تقدیراً دائن کا قبضہ قرار دے کر زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔ فقہ کے بے شمار مسئلہ ضوابط کے خلاف ہے۔

① مسئلہ متون میں مصرح ہے۔ حاضر (دائن) کا قبضہ بھی — بدولِ تخلیہ کے معتبر نہیں چر جائیکہ غائب کا۔

(۲) اسی طرح متون میں ہے کہ "اگر دائن غائب ہو اور اس پر کچھ حقوق واجب ہوں تو اصحاب حقوق مدیون سے علی الإطلاق اپنے حقوق براہ راست وصول کرنے کے مجاز نہیں اور ان کے اس استدلال کو قبول نہیں کیا جائے گا کہ مدیون چونکہ نہایت شریف آدمی ہے دائن کے مطالبہ پر فوراً اس کا دین ادا کر دیتا ہے لہذا مال مدیون اب دائن کے قبضہ و ملک میں آچکا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے حقوق وصول کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

(۳) مستنبط اصول کا مقتضی تو یہ ہے کہ جو حقوق بھی دائن پر واجب ہیں، مدیون بڑی اجازت و رضا دائن کے سب میں اس کا مال خرچ کرے پھر تو یہ مدیون نہ رہا بلکہ مکمل بن گیا، علاوہ ازیں یہ فرمان کہ دین متیقن کے قبضے سے پہلے ہی اس سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔

دین متیقن کی قید سمجھ میں نہیں آتی۔ مدیون اگر دائن کی طرف سے بغیر اسکی اجازت کے مال خرچ کر دے اور دین میں سے وضع کرے تو مدیون کا یہ تصرف اگر دین متیقن میں معتبر ہو سکتا ہے اور اسے دین میں سے وضع کرنے کی اجازت ہے تو دین غیر متیقن میں مدیون کو اس تصرف کی کیوں اجازت نہیں؟ وجہ فرق دلیل شرعی کے ساتھ مطلوب ہے۔ علاوہ ازیں اسکی وضاحت بھی ضروری ہے کہ دین متیقن کی تعریف کیا ہے؟ کیا صرف بینک اکاؤنٹس اور حکومتی وظائف ہی اس کے ضمن میں آتے ہیں یا کوئی دوسرا دین بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے؟ اگر یہ دین متیقن صرف انہی دو میں منحصر ہے تو

حضرت ابن عمرؓ پر تیامی کا جو دین تھا، وہ دین متیقن میں کیسے داخل ہو گیا اگر ثقاہۃ ابن عمرؓ کی بنا پر ان کے ذمہ واجب الاداء دین کو دین متیقن قرار دیا جاسکتا ہے تو دیگر حضرات صحابہ خلفاء راشدین۔ ابن مسعودؓ، ابو عبیدہؓ، امین هذه الامةؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے حضرات کے ذمہ جو دیون ہیں یہ دین متیقن کا مرتبہ کیوں حاصل نہیں کر سکے؟ اگر یہ سب دیون انتہائی قابل اعتماد حضرات کے ذمہ ہونے کی وجہ سے دین متیقن کے ذیل میں شمار کئے جاسکتے ہیں تو بینک کی کیا خصوصیت رہی؟ براہ کرم اسکی بھی وضاحت ہونی چاہیئے۔ دین مدیون کا مملوک اور حقیقتاً اس کے قبضے میں ہوتا ہے اس پر صرف دائن کا تقدیری قبضہ کر لینے سے کیا مدیون کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی خواہش

کے مطابق دائن کے ذمہ واجب ادائیگیوں میں خرچ کر سکے اور دین میں سے وضع کرتا رہے۔ مثلاً دائن نے کسی کو قرضہ دینا ہے یا دائن نے کسی سے سودا کیا ہوا ہے یا اس کے ذمہ کوئی اخراجات واجب ہیں تو کیا براہ راست بغیر رضامندی دائن کے اسے ان ادائیگیوں کا اختیار ہے؟ ہرگز نہیں؟

تقدیری قبضہ : اس کی بھی تعریف ہونی چاہیے کہ تقدیری و حکمی قبضہ کیا ہے؟ اہل علم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دین پر وصولی سے قبل دائن کا نہ حقیقی قبضہ ہے، اور نہ حکمی قبضہ ہے۔ حقیقی قبضہ کا انتفاء تو ظاہر ہے حکمی قبضہ بھی نہیں۔ کیونکہ مالک کا حکمی قبضہ اس مال میں تصور کیا جاتا ہے جس میں حقیقی قابض کو اپنی رائے سے آزادانہ تصرف کی اجازت نہ ہو جیسے وذلیت۔ اور جس مال میں قابض کو آزادانہ تصرف کے اختیارات ہوں۔ اس مال پر حقیقی اور حکمی قبضہ اس قابض کا ہی تصور کیا جاتا ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ بینک اکاؤنٹس میں بینک اپنی صواب دید کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ کھاتہ دار کی جبروری اجازت کا محتاج نہیں۔ تو دین خواہ کسی بھی قسم کا ہو صرف مدیون ہی کے حقیقی اور حکمی قبضہ میں ہوتا ہے۔ اس پر دائن کا حکمی قبضہ قرار دینا دلائل کی روشنی میں درست نہیں۔

حضرات فقہاء نے عبد ماذون کی کمائی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مولیٰ کی ملک ہے "کسیہ لمولا"۔ لیکن مولیٰ جب تک عبد ماذون سے وہ مال وصول نہ کر لے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں۔ کیونکہ یہ مال غلام کے قبضہ میں ہے۔ اس مال پر مولیٰ کا حقیقی اور حکمی دونوں قسم کا قبضہ منتفی ہے حالانکہ عبد ماذون کی کمائی مولیٰ کے تصرف کے لحاظ سے دین کے نسبت زیادہ اقرب ہے۔ مولیٰ جب چاہے بلا کسی دستاویزی تحریر یا شہادت کے براہ راست اس کے مال پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اور دین میں یہ ضروری ہے چنانچہ الجراحۃ ص ۲۱۸ میں ہے۔

والا صح انہ لا يلزمه الاداء قبل الاخذ لانه مال تجرد عن
يد المولى لان يد العبد يد اصاله عن نفسه لا يد نيابة عن المولى
بدليل انه يملك التصرف فيه اثباتا وازالة فلم تكن يد المولى ثابتة

عليه حقيقة ولا حكماً فلا يلزمه الاداء ما لم يصل اليه كالديون
ولا كذلك الوديعة انتهى.....

”حکم زکوٰۃ کے بارے میں مال مآذون کو دیون پر قیاس کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ دیون پر دائن کا حقیقی قبضہ ہوتا ہے نہ حکمی۔ ورنہ دیون کو مقیس علیہ بنانا صحیح نہیں۔ دائن کے فرضی اور تقدیری قبضہ سے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مال (دین) دیون کی ملک سے نکل کر دائن کی ملک میں داخل ہو گیا ہے۔ چہ جائیکہ حضرات فقہاء نے دائن کے قبضہ تقدیری اور حکمی کی بھی نفی کر دی ہے کہ دائن کا یہ قبضہ بھی نہیں ہوتا۔ پس — اصل سوال باقی رہا کہ دیون اپنے مال میں سے دائن کی زکوٰۃ، اجازت کے بغیر اداء نہیں کر سکتا۔ نیز السبلاغ میں ہے :

”اور حضرت مولانا طغرا احمد عثمانیؒ نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہما وغیرہ کے اس عمل کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :

وفيه دلالة على انهم كانوا ياخذون زكوة العطاء لكونه ديناً
مستحقاً على بيت المال والا لم يكن لاخذ الزكوة منه معنى“

گزارش ہے کہ مذکورہ بالا عبارت ”السبلاغ“ دو وجہ سے مخدوش ہے۔

”اقرار“ : بایں وجہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ طرز عمل اعلاء السنن (ج ۲۳) میں

اس مقام پر مذکور نہیں۔ لہذا حضرت صدیق اکبرؓ کا نام ذکر کرنا صریح تسامح ہے۔

ثانیاً : اس لئے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق بلا تردید یہ نقل کرنا۔

كانوا ياخذون زكوة العطاء — قابل اعتراض ہے کیونکہ وہ حضرات زکوٰۃ

عطاء وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکوٰۃ جو کہ گھر وغیرہ میں رکھا ہوتا

تھا۔ اس مال کی زکوٰۃ عطاء میں سے وصول کرتے تھے۔ چنانچہ السبلاغ ”میں بھی اسے

تسلیم کیا گیا ہے لکھتے ہیں :

”حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، اور حضرت عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہم کا

طرز عمل تو یہ تھا کہ وہ تنخواہیں جاری کرتے وقت ان اموال کی زکوٰۃ تنخواہوں سے

وصول فرمالتے تھے۔ جو تنخواہ دار کے گھر، دکان یا کسی دوسرے مقام پر اسکی

ملکیت میں ہوتے تھے۔“

پس اس تحقیق کا علم ہوتے ہوئے ایک خلاف تحقیق عبارت سے استدلال کرنا قابل تعجب ہے خصوصاً جبکہ اقباس کس بالا کے متصل پہلے اثر صدیق رضی اللہ عنہ "البلاغ" ہی میں مذکور ہے جس میں زکوٰۃ عطار کی وصولی موجود نہیں۔

”اثر ابن عمرؓ سے استدلال درست نہیں“

بعض حضرات نے اپنے مذکورہ دعویٰ کی دلیل میں اثر ابن عمرؓ سے استدلال کیا ہے۔ ان حضرات نے اس اثر سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

ابن عمرؓ اپنے زیر کفالت یتامی سے مال قرض لے لیتے تھے۔ پھر باوجودیکہ مدیون ہوتے تھے مگر ان کی طرف سے دین کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس سے بہت قریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دین متیقن کو تقدیراً دائن کے قبضہ میں قرار دیکر اس سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

گزارش یہ ہے کہ :

اولاً : تو مذکورہ بالا اثر کا زیر بحث مسئلہ ”کہ بینک اکاؤنٹس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں“ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ حضرت ابن عمرؓ یتامی کے شرعی ولی ہیں جن یتامی کے مال میں بیع و شراء، اجارہ، وصولی محصولات، نفقہ اقارب وغیرہ کے جیسے اختیارات حاصل ہیں۔ ان کے ذمہ جیسے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح زیر کفالت یتامی کے مال سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے حتیٰ کہ یتیم کی نیت کی بھی حاجت نہیں بلکہ ولی کی نیت ہی کافی ہے۔

ثانیاً : نابالغ پر زکوٰۃ کے نفس وجوب ہی میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے اخاف کے نزدیک نہیں۔ قال فی الاوجز ص ۱۶۴ : اختلف اهل العلم فی هذا الباب فرأى غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مال الیتیم زکوٰۃ منهم عمر و علی وعائشة وابن عمر و بک یقول مالک و الشافعی و احمد و اسحق و قالت طائفة من اهل العلم لیس فی مال الیتیم

زکوٰۃ و بہ قال سفیان الثوری و عبد اللہ بن المبارک قال العینی و بہ قال ابو حنیفۃ
و اصحابہ الخ ان قال و حکى عنه اجماع الصحابة -

پھر جن کے نزدیک واجب ہے وہ حضرات بھی نابالغ کو اس کا مکلف نہیں بناتے
بلکہ اس کے ولی کو مکلف بناتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ زکوٰۃ نکالے چنانچہ مغنی میں
ہے : **والصبي والمجنون يخرج عنهما وليهما -**

آگے چل کر لکھتے ہیں :

”فكان على الولي اداؤه عنهما كنفقة اقاربه وتعتبر

الولي في الاخراج -“

پس ولی کے ذمہ ان دونوں کی طرف سے ادائیگی واجب ہے۔ نفقہ اقارب کی طرح
اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے خود ولی ہی کی نیت کا اعتبار ہے۔ یتیم کی نیت بھی ضروری
نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن حضرات کے نزدیک نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے
ان کے نزدیک وجوب ادا علی الولی ہے خواہ وہ نابالغ کا مدیون ہو یا نہ ہو۔ اگر
مدیون ہو بھی یہی تب بھی یہ وجوب ادا من حیث الولی ہو گا۔ نہ کہ من حیث المدیون۔
ورنہ تو لازم آئے گا کہ اگر ولی مدیون نہ ہو تو پھر ان حضرات کے نزدیک بھی وجوب ادا
علی الولی نہ ہو تو پھر گویا وجوب ادا کی علت مدیون ہونا قرار پایا نہ کہ ولایت۔ و هذا
باطل۔۔۔۔۔ اب مذکورہ گزارش کی روشنی میں ”اشرا بن عمرؓ“ پر غور کیجئے۔ تو
 واضح ہو جائے گا کہ وہ اپنی پردش میں یتامی کی زکوٰۃ من حیث الولی نکالتے تھے جس کا
اخراج (ان کے ملک کے مطابق) بہر حال ان پر واجب تھا۔ باقی رہا یہ فرمان کہ یہ صورت
موجودہ بینک اکاؤنٹس سے بہت قریب ہے۔ شکر ہے کہ موصوف کو بینک اکاؤنٹس کی نظیر
مل گئی۔ ورنہ ابتداءً دورِ اوّل میں اس کی نظیر ملنے کا ہی انکار کر دیا تھا۔

باقی رہا یہ فرمان کہ دین متیقن کو تقدیراً دائن کے قبضہ میں قرار دے کر اس سے زکوٰۃ
ادا کی جاسکتی ہے۔ یہ درست نہیں۔ ویسے اس کے متعلق مفصل کلام گزر چکا ہے۔

”البلوغ“ میں بینک سے کٹوتی زکوٰۃ کے لئے مالک کی نیت

نیت کی بحث : کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے نفس وصولی اور کٹوتی کو مالک کی

نیت کے قائم مقام قرار دیدیا گیا تھا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث ملاحظہ ہو۔
 جملہ عبادات کی صحت کے لئے نیت ضروری ہے۔ زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے اسکی
 صحت ادا نیت مالک پر موقوف ہے۔ درمختار میں ہے۔
 "وشرط صحة ادائها نية مقارنته لها عند الاداء الخ۔"
 ہدایہ میں ہے۔

"ولا يجوز اداء الزكوة الا بنية مقارنته۔"
 زکوٰۃ کے لئے اشتراط نیت کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
 "كان الزكوة عبادة فكانت من شرطها النية"
 عنایہ میں ہے :

"كان الزكوة عبادة فلا بد لها من نية الخ" (صفحہ مذکور)

علامہ کاسانی صاحب البدائع لکھتے ہیں :

"اما الذي يرجع الى المؤدى فنية الزكوة۔ آگے چل کر فرمایا : "لان
 الزكوة عبادة مقصودة فلا تتأدى بدون النية كالصوم والصلوة الخ
 صحت عبادات کے لئے نیت کا وجود ایک اجماعی شرط ہے۔ علامہ ابن رشد مالکی لکھتے
 ہیں : "اختلف علماء الامصار هل النية شرط في صحة الوضوء ام لا
 بعد اتفاقهم على اشتراط النية في العبادات لقوله تعالى وما
 امرؤ الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين ولقوله صلى الله
 عليه وسلم انما الاعمال بالنيات الخ (تعلیق صبیح)

علامہ ابن نجیم نے بھی صحت ادا کے زکوٰۃ بلکہ تمام عبادات مقصودہ میں نیت کو اجماعی
 شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ کتاب الزکوٰۃ میں لکھتے ہیں :

"وهي (النية) شرط بالاجماع في العبادات كلها المقاصد۔"

فقہائے کرام کی ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عام

حالات میں زکوٰۃ کی ادائیگی بدون نیت مالک شرعاً صحیح نہیں خواہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ ہو یا اموال باطنہ کی۔ کیونکہ یہ دونوں قسمیں مطلق زکوٰۃ کا فرد ہیں۔ اور عبادات مقصودہ میں سے ہیں۔ (الف) :- اسی فقدان نیت کی بنا پر ترکہ میں سے بدون وصیت میت زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ بحر میں ہے :

”لومات من علیہ الزکوٰۃ لا تؤخذ من ترکته لفقد شرط صحتهادھوالنیۃ“^۱

(ب) :- اگر خود فقیر یا تھ بڑھا کر مال اٹھا لے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ بدائع میں ہے :

”لو ھدیلا واخذہ من غیر اداء من علیہ لا تسقط عنہ الزکوٰۃ“

حضرات ائمہ و فقہائے کرام کی ان واضح تصریحات کی روشنی میں جب ہم بینک کاؤنٹرز سے کثرتی زکوٰۃ پر غور کرتے ہیں تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ بدون رضا مندی مالکان کے لئے شرعاً زکوٰۃ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ اور صحت عبادات کے لئے بنیادی اور اجتماعی شرط نیت مالک اس میں مفقود ہے جس پر زکوٰۃ کا زکوٰۃ اور عبادت بنا موقوف تھا۔ پہلے ہم بکھ آئے ہیں زکوٰۃ سرکاری ٹیکس نہیں بلکہ رکن اسلام اور اہم ترین عبادات مقصودہ میں سے ہے۔ ٹیکس میں صرف تحصیل مال مقصود ہوتی ہے اور عبادات میں ایسا نہیں۔ اہل علم پر مخفی نہیں کہ اس وقت زیر بحث عام حالات میں سرکاری وصولی زکوٰۃ کا مسئلہ ہے حالت انکار و امتناع مالک، کا نہیں لیکن ابلاغ میں اجتماعی شرط نیت کو کالعدم قرار دینے کے لئے جتنی عبارات پیش کی گئی ہیں وہ سب کی سب متمنع کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ ان عبارات کے الفاظ ان کے متمنع سے متعلق ہونے پر صراحتاً دلالت کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو

”لو امتنع عن زکوٰۃ ماله واخذھا الامام کسرھا“ (بحر و شامی)

”یاخذھا الامام قہراً“ (معنی) :- ”زکوٰۃ المستنع“ (رہایۃ المحتاج)

کہ اگر کوئی شخص حکومت کے مطالبہ کے باوجود ادائیگی زکوٰۃ نہیں کرتا تو آخری اور انتہائی اقدام کے طور پر اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اور اس صورت میں نیت سلطان کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ ”لیکن“ جو مسئلہ ہمیں درپیش ہے اور جو صورت

ہمارے زیر بحث ہے وہ ایسی نہیں۔ اس میں نہ حکومت کی طرف سے محصل بھیج کر ادائیگی
زکوٰۃ کا کوئی نجی و انفرادی مطالبہ پایا گیا اور نہ ہی عوام الناس نے ادائیگی زکوٰۃ سے انکار
کیا تو اندرین حالات امتناع سے متعلقہ جزئیات استدلال کرنا بے سود ہے مفید مدعا نہیں۔

قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت شدہ شرط
جزئیہ شامی پر بحث : کو ساقط کرنے کے لئے "السبلاغ" مشالہ

میں شامی کا ایک جز یہ پیش کیا گیا ہے۔ جو زیر بحث صورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ
متفق علیہ بھی نہیں۔ کیونکہ یہ جزئیہ ممنوع کے بارے میں ہے اور بحث عام حالات کے
بارے میں ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرے متعدد جزئیات موجود ہیں۔ جن سے معلوم
ہوتا ہے کہ ساعی امتناع مالک کی صورت میں بھی جبراً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا۔ اور اگر
وصول کر لے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ بحر میں ہے۔

"لو امتنع من ادائها فالساعی لا یؤخذ منه کرہاً ولو اخذ لا یقع
عن الذکوۃ لکونہا بلا اختیار و لکن یجبرہ بالحبس لیؤدی بنفسہ۔"
علامہ ابن نجیمؒ نے بحوالہ جمع مزید نقل کیا ہے۔

"ولا ناخذھا من سائمتہ امتنع ربہا من ادائها بخیر رضا بل نامرہ لیؤدیہا
اختیاراً۔" در مختار میں ہے : ولو اخذھا الساعی جبراً لم تقع زکوٰۃ
لکونہا بلا اختیاراً لکن یجبرہ بالحبس لیؤدی بنفسہ۔"

نیز شامیہ کا یہ جز یہ خلاف اصول بھی ہے اسی لئے صاحب قنیہ نے اس پر عدم
نیت کا شبہ ظاہر کیا ہے۔ اور حضرات فقہاء نے اس شبہ کو برقرار رکھا ہے۔ علامہ شامیؒ
نے اگرچہ اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن انہیں خود اپنے جواب میں تردد اور تامل
ہے جیسا کہ جواب کے آخر میں لفظ "تامل" کہنے سے ظاہر ہے۔ علامہ شامیؒ کے الفاظ

یہ ہیں : قلت قول الکرخی مقام اخذہ الخ یصلح جواباً تامل : نیز اس کو علامہ ابن نجیم نے ضعیف
قرار دیا ہے۔ فما ذکرہ القاضی الا سبجاً بی ان من امتنع عن ادائها اخذھا الامام کرہاً

ود صنعھا فی اہلھا و تجزیہ لان للامام دلایۃ اخذھا فقام اخذہ مقام دفع المالك باختیارہ
ضعیف الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۰۰۔

جس جواب میں خود علامہ شامیؒ کو تامل ہے۔ اسے بتلاتا ہے کہ قبول کیا جاسکتا ہے علاوہ ازیں یہ جزیہ زیر بحث صورت پر منطبق بھی نہیں۔ جزیہ کے حضور مالک مفہوم ہوتا ہے کہ حاضر مالک سے زکوٰۃ لی گئی تو یہ حکم ہے اور کھڑی بنیک میں مالک غائب ہے اس کی عدم موجودگی میں ہی از خود اس کے کھاتے سے زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ حضرات فقہاء نے حضور مالک کو سرکاری وصولی کے لئے شرط قرار دیا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

صحیح اداوائے زکوٰۃ کے لئے نیت، جو ایک اجماعی شرط تھی اس کو ساقط کرنے

الحاصل: کے لئے ایسے خلاف اصول، اخلاقی جزیہ کا سہارا لیا گیا ہے۔ جو زیر بحث صورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ اس پر منطبق بھی نہیں۔ خلیفہ مصل۔ بظاہر ایسی کفر بنیاد پر کسی اجمالی شرط کو ساقط کرنا مناسب نہیں۔

ابتداءً جبری کھڑی کسی مال سے بھی نہیں ہو سکتی۔ اور بصورت

تطبیق و اصل: امتناع شرع میں جس دغیرہ کے ذریعے ادائیگی پر مجبور کیا جائے اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو جبری وصولی سے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اموال باطنہ کی پھر بھی ادا نہ ہوگی۔ دونوں قسم کے جزیات میں تطبیق کی یہ ایک صورت ہے جو اصول کے مطابق ہے۔ آخری درجہ میں جبری وصولی ایک استثنائی صورت ہے۔

(سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) البلاغ نے یہ

البلاغ کا دعویٰ: دعویٰ بھی کیا ہے کہ ،

”جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے ان میں حکومت کی وصولی کا نیت کے قائم مقام ہونا ائمہ اربعہ کے نزدیک مسلم ہے۔“ الخ

البلاغ کا یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے کیونکہ اس عموم کے ساتھ یہ قائم مقامی ائمہ اربعہ تو کجا کسی امام کے نزدیک بھی مسلم نہیں۔ البلاغ میں اس عمومی قائم مقامی پر کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی گئی۔ اسی سلسلہ میں جو چند عبارات نقل کی گئی ہیں وہ مستنع کی زکوٰۃ کے بارے میں ہیں، جیسا کہ خود ان عبارات میں اسکی تصریح موجود ہے۔

پس ان عبارات سے عام حالات کے لئے استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ انہی میں

بعض عبارات صراحۃً اس امر پر دال ہیں کہ امتناع کی استثنائی صورت کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں مالک کی نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ معنی ابن قدامہ میں ہے۔

”وَلَا يَجُوزُ اخْرَاجُ الزَّكَاةِ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَهَا الْإِمَامُ قَهْرًا“

گویا کہ نیت کی قائم مقامی صرف جبری وصولی کی استثنائی و اضطراری حالت کے ساتھ خاص ہے اور عام حالات میں خود مالک کی نیت ضروری ہے اور یہ امر کسی اہل علم پر معنی نہیں کہ مستثنیات سے قواعد مرتب کرنا درست نہیں۔

البلاغ کے اس دعویٰ کی تردید ان جزئیات سے بھی ہوتی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مثلاً وَلَا يَجُوزُ اِدَاءُ الزَّكَاةِ اِلَّا بِنِيَّةٍ مَقَارِنَةِ الْخَيْرِ دیکھئے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی وصول حکومت کا حق ہے۔ لیکن عام حالات کے اندر اس میں نیت مالک کے سقوط کا کوئی قائل نہیں بلکہ بحالت امتناع بھی قائم مقامی نیت اکثر تصریحات فقہاء کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۲۳۔

کیونکہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی مطلق زکوٰۃ کا فرد ہے۔ اور عبادات مقصودہ میں سے ہے جن کی صحت کے لئے بالاجماع مکلف کی نیت شرط ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دیا ہو۔ اضطراری و استثنائی حالت زیر بحث نہیں۔ وصولی زکوٰۃ کے موجودہ سرکاری نظام میں ایک بنیادی خرابی یہ بھی ہے کہ مالکان کی غیبت ہی میں کھلتے سے بنام زکوٰۃ رقم کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ حضرات ائمہ و فقہاء نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے لئے بغرض تحقیق نیت حضور مالک کو شرط قرار دیا ہے مالک کی عدم موجودگی میں بنام زکوٰۃ اگر مال ظاہرہ کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا گیا تو شرعاً یہ زکوٰۃ مقصور نہ ہوگی۔ جس سے یہ قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ مال ظاہرہ میں بھی سرکاری وصولی علی الاطلاق نیت مالک کے قائم مقام نہیں مثلاً سماعی مالک کی عدم موجودگی میں ریوڑ سے بنام زکوٰۃ بکری پکڑ

واضح ہے کہ بحالت امتناع حکومت مالکان سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتی ہے (عند تحقیق امتناع حکومت کو جبر کے اختیارات ہیں) یہ وصولی شرعاً نینامینہ و بین اللہ ”زکوٰۃ ہوگی یا نہیں“ ائمہ اربعہ کے مذاہب میں اس کے متعلق اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ نہیں بنتی اگرچہ دوسرا قول اس کے خلاف بھی موجود ہے۔

لائے یا خرمن سے غلہ اٹھالائے۔۔۔ تو یہ زکوٰۃ نہیں کچھ اور سب سے گار۔
 وصولی زکوٰۃ سے متعلق تمام احادیث و آثار میں یہ امر قد مشترک کے طور پر موجود ہے
 کہ حضرات خلفائے راشدینؓ وغیرہ نے مالک کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی ہے۔ کسی ایک حدیث
 یا اثر سے بھی ثابت نہیں کہ سرکاری محصل مالک کی عدم موجودگی میں بنام زکوٰۃ کسی کا مال اٹھالایا ہو
 حضرات فقہاء کی اس کے متعلق واضح تصریحات موجود ہیں سرکاری وصولی کے لئے شرط کا ذکر
 کرتے ہوئے امام ابو بکر کا سانی فرماتے ہیں :

”ومنها ظهور المال و حضور المالك - وكذا اذا ظهر المال ولم يحضر
 المالك ولا الماذون من جهة المالك كالمبتضع ونحوه لا يطالب بزكواته“
 ”وفي الايضاح يشترط للاخذ حضور المالك والمالك جميعاً فلو مر مال
 بلا مال لا يأخذ ولو مر مال بلا مالك لم يأخذ ايضاً“^{۵۱}

یہی وجہ ہے کہ باوجود کمال نصاب، حوالان حول اور مال ظاہر ہونے کے عاشر، مضارب
 مستبضع اور عبد ماذون سے زکوٰۃ نہیں لے گا کیونکہ مالک یا اس کا نائب ادائیگی زکوٰۃ میں موجود
 نہیں اور زکوٰۃ کا شرعاً زکوٰۃ بننا مالک کی نیت پر موقوف ہے۔ جو اندرین صورت مفقود ہے
 ہدایہ وغیرہ تمام کتب معتبرہ میں یہ مسائل موجود ہیں۔

ولا يؤخذ ايضاً من مال فـ بيتهم مطلقاً ولا من مال بصناعة ولا
 من مال مضاربة ولا من كسب ماذون مديون^{۵۲}
 اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ البلاغ کا ذکر کردہ کلیہ : ”جن اموال کی زکوٰۃ وصول
 کرنے کا حق حکومت کو ہے“ الخ
 دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ خلاف دلیل ہے۔

نیت کے سلسلے میں آخری بات البلاغ نے یہ لکھی ہے کہ :
 اگر کوئی فضولی کسی کے مال سے زکوٰۃ ادا کر دے تو جب تک مال فقیر (یا اس کے وکیل) کے

قبضے میں ہو اس وقت تک اصل مالک زکوٰۃ کی نیت کر کے اس کی اجازت دے سکتا ہے، اسکی تصریح فقہار حنفیہ کے کلام میں موجود ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

رجل ادى زكاة غيره عن مال ذلك الغير المالك، فان كان المال قائماً فيد الفقير جاز ولا فلا كذا في السراجيه۔

گزارش یہ ہے کہ جب زکوٰۃ بالائصال اس صورت کے بارے میں ہے جبکہ فضولی نے اصل مالک کے مال سے زکوٰۃ ادا کی ہو۔ اور اگر فضولی نے دوسرے کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کی ہے تو صحت زکوٰۃ کے لئے پیشگی اجازت ضروری ہے۔ فقیر کو دینے کے بعد اصل مزکی کی نیت معتبر نہیں ہے۔ البحر الرائق میں ہے۔

لو ادى زكاة غيره لغير امره فبلغه فاجاز لم يجز لا نه او جت

نفاذاً على المتصدق لا نه املكه ولم يصرفنا تباعاً عن غيره فنقدت عليه

اور بینک سے کٹوتی زکوٰۃ دوسری صورت میں داخل ہے۔ کیونکہ یہ مال بینک کا مملوک

ہے۔ بینک کھاتہ دار کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کر کے اس کے نام ڈال دیتا ہے تقدیری قبضے کی مفصل تردید پہلے گزر چکی ہے۔

مالِ ضمّار کی تحقیق

زکوٰۃ دوشتر آرڈیننس کے لغاز کے بعد علمی حلقوں میں اس کے بعض حصّوں پر اشکالات پیدا ہو گئے تھے خصوصاً اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی بحث، قرض سے وضع زکوٰۃ کا مسئلہ "صحت زکوٰۃ

کے لئے نیت مالک کا ضروری ہونا" وغیرہ۔۔۔۔۔ اسی سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ "مالِ ضمّار" اور "دین ظنون" کی تحقیق کا بھی ہے اسی مسئلہ کے متعلق ملک کی ایک نامور علمی شخصیت کی طرف سے ایک علمی تحریر موصول ہوئی جس کا اکثر حصّہ بندہ کے نزدیک محلِ نظر تھا اور مسائلِ زکوٰۃ پر چونکہ یہ مسئلہ اثر انداز ہو سکتا تھا اس لئے "مالِ ضمّار" اور "دین ظنون" کی تحقیق افادۂ عام کے لئے پیش خدمت ہے۔

قرضہ جات کی زکوٰۃ قابلِ وصول قرضہ جات کی ادائیگی زکوٰۃ کا محتاط طریقہ یہ ہے کہ سالِ زکوٰۃ پورا ہونے پر اپنے دوسرے اموالِ زکوٰۃ کے ساتھ ان قرضوں کو بھی شمار کر لیا جائے اور پھر اپنے ذمّہ واجب الادا قرضہ جات کو منہا کر کے باقی ماندہ اس مالِ زکوٰۃ کی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کر دیک جائے۔

۲۔ اور اگر کوئی شخص اپنے قابلِ وصول قرضہ جات کی زکوٰۃ، وصولی کے بعد ہی ادا کرے، تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ وجوبِ ادا، وصولی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

۳۔ اور اگر کسی قرضے یا مال کی بازیابی سے قریب قریب مایوسی ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، ایسا مال وصول بھی ہو جائے تو بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں، شریعت میں اسے مالِ ضمّار کہا جاتا ہے۔

ہو۔ زیادتی مرض کا معتد بہ خوف ہے تو مریض نہیں گوزرا سا اندیشہ موجود بھی ہو۔
درمختار میں ہے اوخاف زیادة المرض — قال الشافعی لم یغلب علی ظنہ بتجربة
ما یثبتہ الا (شامیہ ص ۹۷) لان غلبة الظن بمنزلة الیقین فاذا تحری وغلب علی ظنہ شی
لزمہ الاخذ بہ ۱۵ (ص ۱۱ شامی)

ایک دوسرے مقام پر علامہ شامی لکھتے ہیں لان غالب الرأی بمنزلة الیقین۔

حضرات فقہاء نے بلا مبالغہ سنیکڑوں مقامات پر پوری قطعیت کے ساتھ یہ ضابطہ تحریر فرمایا ہے۔

کہ ظن غالب کے مقابلے میں احتمال مرجوح و موعوم کا وجود و عدم بڑا ہے پس
اگر وصولی میں ناامیدی و بالوسی کا پہلو غالب ہے تو یہ مال ضما رہے اگرچہ ذرا سی امید وصولی بھی اس
کے ساتھ موجود ہو۔ عقود رسم لمفتی میں ہے والمرجوح بمقابلة الراجع بمنزلة المعدوم

یہی حقیقت خود مال ضما رکے بعض افراد پر نظر کرنے سے بھی سامنے آتی ہے۔ دین
الکاری دین | مجبور (دین الکاری) کو بالاتفاق مال ضما میں شمار کیا گیا ہے۔ بہت سے مشائخ نے

اس کے ضما بننے کے لئے اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ دین مجبور پر شہادت موجود نہ ہو۔ — اور
ایم محرم نے شہادت یعنی بیئہ ہوتے ہوئے بھی اسے مال ضما قرار دیا ہے مشائخ کی ایک جماعت
نے اسی کو صحیح کہا ہے۔

فقہ الدر والشامیۃ، وعن محمد لا ذکاة فیہ وهو الصیغ ذکرہ ابن ملک وغیرہ

لان البیئۃ قد لا تقبل صحۃ فی التحفۃ کما فی غایۃ البیان و صحۃ فی الخانیۃ ایضاً

وعزاه الی السرخسی مجرد فی باب المصرف من الزهر عن عقد الفرائد ینبغی ان یعول

بلکہ قلت ونقل الباقی تصحیح الوجوب عن کافی وهو المعتمد والیہ مال فخر لا سلام

قاضی خان کی تصحیح بہت زیادہ وزن رکھتی ہے۔ عقود رسم لمفتی میں ہے قد قال العلایۃ

قاسم ان قاضی خان من احق من یعتمد علی تصحیحہ (ص ۳۳)

مبسوط (جو کتب طاہر الروایۃ میں سے ہے) میں مال ضما بننے کے لئے بیئہ کو شرط قرار نہیں دیا گیا

قاضی خان فرماتے ہیں فی الاصل لم یجعل الدین المحمور نصاباً ولم یفصل بین ما اذا کان له

بیئۃ عادلة ولا قال السرخسی والصیح جواب الکتاب ای الاصل اذ لیس کل قاض یعدل ولا کل بیئۃ

قبل والمجتوبین یدی القاضی ذل وکل واحد لا یختار ذلک ۱۵ (کذا نقلہ الشافعی)

کتاب الحجۃ علی اھل المدینہ میں بھی امام محمدؒ نے انکاری دین کو بلا کسی شرط کے مالِ ضمان قرار دیا ہے (منہج ۴) بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ پہلے مقر تھا لیکن ادائیگی نہیں کرتا دائن کے دعویٰ کرنے پر قاضی کے پاس مدیون منکر ہو گیا اس پر دائن نے بیئہ سے دین ثابت کر دیا تو یہ شہود میں کافی وقت گزر گیا تو ایسا دین یوم انکار سے مالِ ضمان شمار ہو گا خانیہ میں ہے : وان کان مقر اقلی کان قدرہ الی القاضی محمد فقامت علیہ البیئۃ و مضی زمن فی تعدیل الشہود ثم عدلوا اسقطت عنہ الزکوۃ من یوم محمد عند القاضی الی ان عدل الشہود اھا ص ۱۱۱

حضرات فقہاء کی تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ انکاری دین ضمان میں شمار ہے اگرچہ اس پر بیئہ موجود ہوں بلکہ شہادتِ ادائیگی کیجا چکی ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے دین کے بارے میں "ذرا سی امید ہے کتنی گنا زیادہ امید وصولی ہوتی ہے مگر اس کے باوجود یہ مال ضمان ہونے سے خارج نہیں ہو سکا۔۔۔۔۔۔ یہ ایک قولِ مصحح کے مطابق کلام تھا۔۔۔۔۔۔ اور اگر انکاری دین پر بیئہ موجود نہیں تو احتمالِ نکول کی بنا پر فی الجملہ امید وصولی ہے۔۔۔۔۔۔ اسلامی معاشرے میں انکاری مدیون اور غاصب کے نائب ہو جانے کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدیون کسی مجلس میں اقرار کر بیٹھے اور اقرار پر بیئہ ہتیا ہو جائے یا مدیون کا کوئی مال دائن کے ہاتھ لگ جائے (جیسے کہ بات پرانی ہو جانے سے بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے) اور اس سے دائن اپنا مال وصول کر لے اور قطعی بات ہے کہ ان احتمالات کی موجودگی میں "ذرا سی امید وصولی کی نفی نہیں کی جاسکتی حالانکہ ایسے دین کا مال ضمان میں شامل ہونا مذاہبِ اربعہ میں متفق علیہ ہے۔۔۔۔۔۔ مالِ اصل انکار پر نظر کرتے ہوئے وصولی کی معتد بہ امید یا غالب امید نہیں کیونکہ یہ احتمالات مذکورہ یقین یا غلبہ ظن کو پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں۔

خلاف اجماع اگر ذرا سی امید سے مال کا ضمان ہونا منافی ہو جاتا ہے تو "دین مجرود" تفصیل بالا کی روشنی میں قطعاً مالِ ضمان نہیں بن سکتا حالانکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق یہ مال ضمان کا فرد ہے پس معلوم ہوا کہ "ذرا سی امید" کی موجودگی مال کو اس کے "ضمان ہونے سے خارج نہیں کرتی۔

تصریح بندہ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ بحوالہ محیط فتاویٰ عالمگیری میں مالِ ضمان کی بعینہ یہ تعریف مل گئی کہ مالِ ضمان بننے کے لئے اتنا کافی ہے کہ عدم بازیابی کا ظن غالب ہو۔

عالمگیری میں ہے : وذلك مثل الضمان وهو كل ما بقى في ملكه ولكن زال عن يده

ذوالا لایرجی عودہ فی الغالب (مشت ۱۷)

اہل علم پر مخفی نہیں کہ فتاویٰ عالمگیری سینکڑے دہائیوں کی اجتماعی کاوشوں کا ثمر ہے۔ لہٰذا اس تعریف کو اجماع امت کے خلاف نہیں قرار دیا جاسکتا۔
پس ان دلائل کی روشنی میں محقق ہوا۔ کہ مالِ ضمان کی اول الذکر عربی تعریف کا یہ ترجمہ کرنا محض تساہل ہے کہ :

”مالِ ضمان وہ ہے جس کی وصولی سے بالکل مایوسی ہو
تحریر علمی کے مطابق ضمان کی تعریف گئی ہو۔ اور اگر اس کے وصول ہونے کی

ظاہر الا سباب میں ذرا بھی امید ہو تو وہ ضمان نہیں (تحریر علمی) یا یہ کہنا کہ جس کی وصولی

سے مایوسی ہو چکی ہو اور اس کے وصول ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو“۔

سبب تسامح در تسامح ہے۔ اور مالِ ضمان کی اپنی اس تعریف کو بلا کسی ادنیٰ شک کے ثابت کہنا اہل تحقیق کی شان کے خلاف ہے۔

الحاصل مالِ ضمان کی تعریف یہ ہے کہ جسکی عدم وصولیابی کا ظن غالب ہو۔ اور دینِ طنون بھی تقریباً یہی ہے کہ اسکی وصولیابی کا بھروسہ نہ ہو گویا دائن اسکی وصولیابی سے مایوس ہے۔
لماسیاتی مفصلاً

دوسری تعریف علامہ کاسانی فرماتے ہیں: و تفسیر مال الضمان هو كل مال غیر مقدور الا
بہ مع قیام اصل الملك (بدائع الصنائع) ترجمہ: مالِ ضمان ہر وہ مال ہے
باوجود قیام ملک کے اس سے انتفاع پر قدرت نہ ہو۔

سبب لامہ نہر حسی فرماتے ہیں :

معناه مال يتعذر الوصول اليه مع قیام الملك (مبسوط ص ۱۶۱)

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں :

وهو في اللغة الغائب الذي لا يرجي فاذا رجي فليس بضمان، و اصله الا ضمان وهو الغيب
والاخفاء وفي الشرع كل مال غير مقدور الا انتفاع به مع قیام اصل الملك

(البحر الرائق ص ۲۶-۲۷ ج ۲)

اس کے علاوہ درمختار ص ۹ ج ۲ غنایہ ص ۱۲۱ ج ۲، کفایہ ص ۱۲۲ ج ۲ عمدۃ العرایہ ص ۲۴۰ ج ۱ پر
بھی مالِ ضمان کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

مالِ ضمّار کی اس تعریف میں بالکل نا اُمیدی، مکمل مایوسی وغیرہ کا کوئی لفظ موجود نہیں۔ متعدد حضرات نے اس تعریف کو بلفظِ قیل لقل کیل ہے علامہ عینی فرماتے ہیں: المال الضمار بالکسر هو مال غائب لا یرجى حصوله فان رجی فلیس بضمّار..... وقیل هو ما یكون عینہ قائماً ولا یكون منتفعاً به ما خوذ من قولہ لم یرضامرو وهو الذی یكون فیہ اصل الحیوة ولا ینتفع به لشدة هزاله (لکذا فی البناء ص ۲۲)

حافظ المغرب علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ نے مالِ ضمّار کی تعریف ذیل نقل کی ہے۔

تیسری تعریف

وفی ادجز المسائل فانه کان ضمّاراً لانه لا یقدر علی اخذہ وقال ابن عبد البر وقیل الضمار الذی لا یدری صاحبه ایخرج ام لا وهو اصم (ص ۱۶۲)

مالِ ضمّار وہ ہے کہ جس کے مالک کو معلوم نہ ہو کہ اس کی وصولی ہو سکے گی یا نہیں۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ مالک اس کی وصولی سے تقریباً نا اُمید ہے جیسے کہ امام ابو عبیدہؒ کی آئندہ تشریح سے ظاہر ہے۔

واضح ہے کہ اگر لغت نے تقریباً انہی الفاظ سے دین ظنون کی بھی تعریف کی ہے امام ابو عبیدہؒ کے الفاظ یہ ہیں المظنون الذی لا یدری صاحبه ایقضیه الذی علیہ الدین ام لا کانه الذی لا یرجوا : (غریب الحدیث ص ۳۶ ج ۳)

حافظ ابن عبد البر مالکیؒ اور امام ابو عبیدہؒ کی ان تعریفات سے ایک بات تو یہ سامنے آئی کہ مالِ ضمّار اور دین ظنون دونوں اموال ایک ہی نوعیت کے ہیں ان میں تباہی نہیں کیونکہ دونوں

کی تعریف میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ امام ابو عبیدہؒ کی تعریف کے آخری جملے سے اس تیسری تعریف کے معنی کی وضاحت ہو گئی کہ ”ضمّار“ ایسا مال ہوتا ہے جس کے متعلق مالک نے امید و عدم کا مطلب سمجھا ہوا کہ اس کا مطلب ہے کہ امید و عدم دونوں ساوی ہیں یہ درست نہیں اور محاورات میں قلت تدبر کا نتیجہ ہے آپ کسی سے پوچھیں کہ کیا زید حافظ ہے وہ جواباً کہے کہ معلوم نہیں کہ وہ حافظ ہے یا نہیں تو کیا اس کا مطلب سمجھا جاتا ہے کہ وہ آدھے قرآن کا حافظ ہے آدھے کا نہیں قطعاً نہیں بلکہ اس کا مطلب عدم علم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم مفصل کلام آنے والی مجلس میں کریں گے۔

نہیں جانتا کہ وصول ہو گا یا نہیں گویا کہ وہ اس کی وصولی سے بالوس ہے۔
 امام ابو عبیدہ کی تشریح کی روشنی میں مالِ ضمار کی اس تعریف کا معنی بھی تقریباً "اول الذکر تعریفات کے مطابق ہو گیا" حاصل یہ ہوا کہ مکمل بالوسی ہو۔ یا بالوسی کی حالت ہو۔ دونوں صورتوں میں مالِ ضمار ہو گا۔

بعض حضرات نے ابن عبد البر کی اس تعریف پر اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے اگر اس تعریف درست قرار دیا جائے تو جمہور فقہاء وائمہ لغت بلکہ امت کے تمام علماء کے اقوال کو ترک کرنا پڑے گا۔
 (ص ۱۸ تحریر علمی) گویا کہ یہ تعریف اجماع امت کے خلاف ہے۔

مگر حضرت مولانا مکتبہ بڑے دعویٰ پر کسی عالم کے قول سے کوئی سند پیش نہیں کی جس نے اس تعریف کو خلاف اجماع قرار دیا ہو۔

یہ بات بھی سمجھ نہیں سکتی کہ علامہ ابن عبد البرؒ، علامہ زرقانیؒ، حضرت شیخ الحدیث رحمہم اللہ اجمعین، جو اپنے دور میں صف اول کے علماء و راہنما تھے ان میں سے ہیں انہیں علماء امت کی فہرست سے کت خارج سمجھ لیا گیا۔

علامہ زرقانیؒ اور حضرت شیخ الحدیث دونوں نے شرح مؤطا میں زیر بحث تعریف کو بلا کسی تکیہ کے نقل کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ابن عبد البر کی بیان کردہ یہ تعریف درست ہے اور دیگر ائمہ لغت و حدیث کی بیان کردہ تعریفات کے مخالف نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔
 دراصل جناب موصوف کو مالِ ضمار کی پہلی اور تیسری تعریف کا مطلب سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان کے نزدیک پہلی تعریف کے مطابق مالِ ضمار وہ ہے جسکی وصولیابی کی بالکل ذرا بھی امید نہ ہو اور تعریف ثالث کا معنی ان کے نزدیک یہ ہے جس میں وصولی و عدم وصولی کے دونوں احتمال برابر ہوں یعنی کم از کم وصولی کی پچاس فیصد امید ہو۔

اور ظاہر ہے کہ مالِ ضمار کے متعلق ان دونوں ترجموں میں واضح تضاد پایا جاتا ہے اسی لئے تعریف ثالث کو خلاف اجماع قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ پہلی تعریف کا یہ مطلب بیان کرنا درست ہے نہ

ایک اشکال

تیسری کا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

اس تعریف ثالث پر مولانا نے یہ اشکال کیا ہے۔ اگر ایک اجنبی معسر مجھ سے قرض مانگتا ہے جس کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں کہ وہ ادا کر لے گا یا نہیں۔ کیا اس پر حافظ ابن عبد البرؒ کی یہ تعریف صادق نہیں؟ لیکن کیا اسے مالِ ضمار قرار دے کر اس پر عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ نہیں کیونکہ معسر اور محاطل پر جو دین ہو اس پر وجوب زکوٰۃ حنفیہ کے نزدیک مسلم ہے۔

گزارش ہے کہ اس تعریف کا اس پر صادق ہونا نہ ہونا بعد کی بات ہے۔ پہلے یہ سوچنا ہے کہ ایک اجنبی معسر جس سے وصولیابی کا یقین و بھروسہ تو کجا اندازہ بھی نہیں۔ ایسے اجنبی کو کوئی شخص قرض دیتا بھی ہے؟ خیرات کر کے حصول ثواب مقصود ہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ قرض تو ہمیشہ اعتماد ہی کی جگہ پر دیا جاتا ہے جہاں سے وصولی کی امید ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ امید غلط نکلے جہاں پر وصولی مشکوک یا ناامیدی ہو وہاں کوئی قرض نہیں دیتا۔ لہذا ابن عبد البرؒ کی یہ تعریف اس پر صادق نہیں۔ اس لئے یہ مالِ ضمار میں داخل نہیں الحاصل۔ معنی کے لحاظ سے تعریف ثالث تعریف اول کے موافق ہے۔ ان میں کوئی واضح مخالفت موجود نہیں پس اسے خلاف اجماع امت قرار دینا درست نہیں۔

باقی اگر لفظ "رجار" کی نفی پر مدار ہے تو یہ لفظ تعریف ثانی میں بھی موجود نہیں جس کا حضرات جمہور کی تعریفات کے موافق ہونا محترم مولانا کے نزدیک مسلم ہے۔ نیز غیر مقدور الانقاع ہونا غیر مرتجوا الوصول ہونے کو مستلزم بھی نہیں۔

تعریف اول و ثانی میں سے علم نے کسی کو اصح نہیں کہا۔ اور تعریف ثالث کے متعلق حافظ

اصح ابن عبد البرؒ نے اصح ہونے کی تصریح کی ہے۔ تعجب ہے کہ موصوف اسی تعریف کو

صحیح اپنے خیال سے اجماع امت کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔

امام فرآ نے ضمار کی یہ تعریف فرمائی ہے۔

چوتھی تعریف | الضمار من الدين ما كان بلا اجل معلوم (لسان الارب) (۴۹۳)

ترجمہ: ہمارا وہ دین ہے جسکی اجل معلوم نہ ہو۔

ضمار کی اس تعریف سے بھی ہمارے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ کسی دین میں اجل کا

معلوم نہ ہونا اسکی وصولی سے "بالکل مایوسی" کے مترادف نہیں۔

مالِ ضمار کی پانچویں تعریف

علامہ ابن منظورؒ نے ضمار کی ایک یہ تعریف بھی نقل کی ہے۔

"الضمار ما لا يرجی من الدین والوعدہ وکل ما لا تكون علی ثقۃ (لسان العرب ص ۴۹۳)

ترجمہ: ضمار وہ دین یا وعدہ ہے جو غیر مرجوہ الوصول ہو اور ہر وہ چیز جسکی وصولیابی کا تجھے بھروسہ نہ ہو۔ اس تعریف سے معلوم ہوا جیسے غیر مرجوہ الوصول دین "ضمار" ہے اسی طرح وہ بھی ضمار ہے جسکی وصولی کا بھروسہ نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وصولی کا بھروسہ نہ ہونا "مکمل مایوسی" یا امید کے بالکل انقطاع پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ "دین ظنون" کی تشریح میں خود مولانا صاحب نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ :

"امید ہے لیکن بھروسہ نہیں" (تحریر علمی ص ۱۰)

الحاصل: "ضمار" بننے کے لئے بازیابی سے "بالکل مایوسی" یا "ذرا سی امید" کا نہ ہونا ضروری نہیں

تحقیق بالا کے مطابق مالِ ضمار کی مذکورہ بالا تعریفات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ یہ متفق و متحد ہیں | سب تعریفات معنوی لحاظ سے متفق اور متحد ہو جاتی ہیں جبکہ "تحریر علمی میں بیان کردہ

تعریف ضمار ان تعریفات کے خلاف ہے۔

دین کی دو صورتوں کا حکم تو متفق علیہ ہے۔

واضح فیصلہ

۱۔ وصولی دین کی اگر سو فیصد امید ہے تو یہ بلاشبہ دینِ ثقہ ہے اس پر وصولی کے

بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔

۲۔ بازیابی سے اگر سو فیصد ناامیدی ہے تو یقیناً مالِ ضمار ہے۔ وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ

واجب الادا نہیں اب ان کے علاوہ باقی دو صورتوں کا حکم قابلِ غور ہے۔ جبکہ اکثر مروج بھی یہی صورتیں ہیں۔

۳۔ اگر امید وصولی غالب ہے مثلاً نوے پچانوے فیصد امید ہے اور صرف ۵، ۱۰ فیصد ناامیدی ہے۔

۴۔ ناامیدی غالب ہے صرف ۵، ۱۰ فیصد امید ہے۔

قائمی تحقیق امر یہ ہے کہ یہ مالِ ضمان میں شامل ہیں یا دینِ ثلثہ میں ان دو صورتوں کے بارے میں جہاں احتمال ہے،
۱۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر کی کسی قسم میں داخل نہ ہوں، یعنی یہ نہ دینِ ثلثہ ہوں نہ مالِ ضمان
یہ احتمال باطل ہے اس لئے کہ اس سے ان کے متعلق حکمِ زکوٰۃ سے جہالت اور اہمال، شریعت لازم آتا
ہے۔ نیز ارتفاعِ نفیضین بھی ہے یعنی وجوبِ زکوٰۃ کی نہ نفی ہے نہ اثبات۔

۲۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر ہر قسم میں شامل ہوں، یہ بھی باطل ہے کیونکہ اجتماعِ نفیضین ہے
کہ سنینِ ماضیہ کی زکوٰۃ واجب بھی ہے اور واجب نہیں بھی۔

۳۔ مغلوبِ پہلو کو مدارِ حکم بناتے ہوئے یہ کہا جائے کہ تیسری صورت "مالِ ضمان میں" اور چوتھی صورت
"دینِ ثلثہ" میں داخل ہے اس لئے تیسری صورت میں زکوٰۃ ماضی واجب نہیں اور چوتھی صورت میں واجب
ہے۔ یہ بھی بدیہی البطلان ہے کیونکہ پانچویں فیصد امید وصولی کے باوجود اگر واجب نہیں تو صرف پانچ
فیصد امید وصولی کی صورت میں زکوٰۃ کیونکر واجب ہو سکتی ہے۔

۴۔ اکثر داغِ لب پہلو کا اعتبار کرتے ہوئے تیسری صورت کو دینِ ثلثہ اور چوتھی صورت کو "مالِ ضمان" میں
شمار کیا جائے۔ دلائل عقلیہ، نقلیہ، شرعیہ، عرفیہ کی روشنی میں یہی احتمال حق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وصولی
دین کی نہ اسی امید کا ہونا مالِ ضمان بننے کے منافی نہیں اور مالِ ضمان وہ ہے جسکی بازیابی سے یا یوسی
ہو یا عدم بازیابی کا ظن غالب ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسک الختام | مسودہ کتابت کے لئے حوالے کیا جا چکا تھا کہ مالِ ضمان کی تعریف کے متعلق مجدد الملتہ
حکیم الامتہ حضرت مولانا شرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا بندہ کی موافقت
میں ایک واضح فیصلہ و فتویٰ دستیاب ہو گیا۔ فَلَہُ الْحَمْدُ وَالْمُنِیۃُ الْفَافِ مَرَّةً۔ اس مفت
سے بچہ مرست ہوئی۔ جن قرضہ جات میں امید و ناہمیدی ملی جلی ہوتی ہے۔ ایسے قرضوں پر وجوبِ زکوٰۃ
اور سالانہ گزشتہ کی زکوٰۃ کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں

(جواب)

"اس میں اقوال مختلف ہیں اور ہر جانب تصبیح بھی کی گئی جس کی تفصیل اردو نمائندہ ۱

ص ۱۴ و ص ۹۹ مطبوعہ مصر میں موجود ہے بندہ نے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختار یہ ہے کہ جس قرض کے وصول ہونے کی امید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حوالان حول آئندہ صرف اسی قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

و متمسکی فیہ ما فی رد المحتار بعد نقل عبادۃ الہر عن الخانیۃ قولہ قلت وقد قدمنا اول الزکوٰۃ اختلاف التصحیح فیہ و مال الرحتی الی هذا و قال بل فی زماننا یقر المدیون بالدين و بملایمہ و لا یقدر الدائن علی تخلیصہ منه فهو بمنزلۃ العدم ج ۲ ص ۹۹ و اللہ اعلم (یکم محرم ۱۳۲۵ھ تتمہ اولی ص ۵۳)

(امدادی ماوی ج ۳ ص ۲۱۱)

اس فتویٰ سے ظاہر ہے کہ جس قرض کی وصولی کی ضعیف امید بھی ہو وہ بھی مالِ ضمان میں شامل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب :

وصولی زکوٰۃ کے موجودہ نظام میں رُج ذیل مفاسد ہیں :

- ۱۔ موجودہ نظام میں بینک اکاؤنٹس کو اموالِ ظاہرہ قرار دیکر حکومت کو جبری وصولی کا اختیار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اموالِ باطنیہ ہیں۔
- ۲۔ نیٹ مالک جو زکوٰۃ اور جملہ عبادات کے لئے ایک اجماعی شرط ہے۔ اسے غیر ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔
- ۳۔ موجودہ نظام میں مالک کی انیسوبت ہی میں اسکی زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے حالانکہ حضرات فقہاء نے سرکاری وصولی زکوٰۃ کے لئے حضور مالک کو شرط قرار دیا ہے (براہین بحرہ)
- ۴۔ بینک کے اموال حکومت کے ذمہ کھاتہ داروں کا قرض ہیں اور دیون میں وجوب ادا القبض ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ امام مالک رحمہ امام احمد رحمہ امام شافعی رحمہ اور دیگر بڑے علماء اسی کے قائل ہیں۔ جب کھاتہ داروں کی طرف سے وصولی نہ پائی گئی۔ تو وجوب ادا ہی نہ ہوا لہذا امتناع متحقق نہ ہوا۔ اس لئے جبری کٹوتی کی حکومت مجاز نہیں ہے۔
- ۵۔ مصارف زکوٰۃ میں سخت بے احتیاطی ہو رہی ہے۔ کاتبوں میں ایک ایک فرد کو ہزاروں روپے دیئے جاتے ہیں۔

۶۔ موجودہ نظام زکوٰۃ میں ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ اہل تشیع اور غالباً احمدیوں کے کھاتوں کو وصولی زکوٰۃ الگ رکھا گیا ہے۔ اس طرح تشیع و ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہے۔ بعض مسلمان کھاتہ داران شیعیت کا فارم پُر کر کے اپنے کھاتے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر لیتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر یہ خاندان شیعیت اختیار نہ کر لے۔ یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے، کہ اس طرح شیعیت کا فارم پُر کرنے سے وہ شخص کہاں تک مسلمان رہتا ہے۔

۷۔ شیعوں طلباء کو زکوٰۃ فنڈ سے امداد دی جاتی ہے اور وہ طلبہ تحریک فقہ جعفریہ کے دست و بازو بنتے ہیں۔ اور اہل اسلام کے خلاف اپنی منفی سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس طرح سے زکوٰۃ فنڈ سے جو صرف اہل سنت و الجماعت کا اسلامی فنڈ ہے اہل سنت اور اسلام کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔

۸۔ اس کے علاوہ بھی بعض دیگر مفاسد میں حضرات علمائے اعلیٰ نشانہ ہی فرمائی ہے۔

موجودہ نظام زکوٰۃ باقی رکھا جائے مگر درج ذیل اصلاحات کے بعد

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح ہتین اس مسئلہ کے بارے میں :

۱۔ موجودہ وصولی زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے کیا طریق کار اختیار کیا جائے؟ اور کیا اصلاحات ردیہ عمل لائی جائیں؟ یہ مسئلہ قابل غور ہے اور اس سے پہلے اس امر کا فیصلہ ہونا چاہیے کہ سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ کا موجودہ نظام باقی بھی رہنا چاہیے یا نہیں؟

۲۔ موجودہ نظام کی صورت میں کھاتہ داران کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

۳۔ جب وصولی زکوٰۃ کے نظام کو باقی رکھا جائے گا تو اس میں شرعی نقطہ نگاہ سے چند پیچیدگیاں پیدا ہوں گی جن کا حل ہمیں قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں مطلوب ہے بینک اکاؤنٹس جب اموال باطنہ قرار پائے تو حکومت کو اس سے وصولی زکوٰۃ کا حق کیونکر حاصل ہوگا۔

۴۔ سرکاری سطح پر وصولی زکوٰۃ میں ایک پیچیدگی یہ ہے کہ وجوب ادا وصولی قرضہ کے بعد ہوتا ہے یہی اکثر ائمہ کا مسلک ہے لیکن فرض کیجئے کھاتہ دار بینک سے اپنی رقم وصول

ہی نہیں کرتا تاکہ امتناع کا تحقق نہ ہو اور جبری وصولی نہ کی جائے تو اس شخص سے وصولی زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی ؟

الجواب :

۱۔ موجودہ وصولی زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے ہماری رائے یہ ہے کہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی اہم رکن اسلام ہے۔ اسلامی معاشرے میں ان کا قائم کرنا ضروری ہے۔ لہذا اس کے مفاسد کی اصلاح کرتے ہوئے اسکو باقی رکھا جائے۔

۲۔ کھاتہ داران کو چاہیے کہ حکومت کو وصولی زکوٰۃ کیلئے اپنا وکیل بنادیں یا پھر اپنے اموال کی زکوٰۃ خود ادا کیا کریں۔ کیونکہ ادائیگی فرض کا معاملہ ہے۔ ایسی صورت اختیار کرنی چاہیے جس سے یقیناً برائے ذمہ حاصل ہو جائے۔

۳۔ اسکی صورت یہ ہے کہ توکیل کا فارم کھاتہ دار کے لئے ضروری قرار دیدیا جائے اور تمام بینک اس کے پابند ہوں۔ اس طرح پر حکومت کو دکانہ وصولی زکوٰۃ کا حق حاصل ہو جائے گا۔ بینک میں کھاتہ کھولنے یا اسے باقی رکھنے کے لئے ادائیگی زکوٰۃ کی توکیل لازمی ہو، کھاتہ دار، منیجر بینک یا صدر کو اس کا وکیل بنائے۔ ادائے زکوٰۃ میں وکیل اپنا وکیل بھی مقرر کر سکتا ہے۔

توکیل پر چند شبہات

شبہ پہلا : اس توکیل میں جبر ہے حالانکہ شرعاً توکیل میں جبر نہیں ہونا چاہیے۔
جواب : یہ جبر نہیں اس لئے کہ کھاتہ دار حساب رکھنے یا نہ رکھنے میں مختار رہے اپنے اختیار سے کھاتہ کھول رہا ہے۔

جواب ۲ : اگر بالفرض اسے جبر تسلیم بھی کر لیں تو ادائے زکوٰۃ کے سلسلہ میں فی الجملہ جبر کی گنجائش ہے جیسے ایک شخص زکوٰۃ نہ دے تو حکومت اسے قید کر سکتی ہے اور تعزیر بھی لگا سکتی ہے۔

وفي الفارقين ان وقف على اهل بلدة لا يؤدون زكوة اموال الباطنة
طالبهم بها وكذا من عرف بذلك ضرب وطولب بالاداء وفي الاشارات

اذا امتنع عن اداء الزكوة يحبس حتى يؤدى (كفاية كتاب الزكوة ص ۱۲۱)

اور ظاہر ہے کہ یہ توکیل اگرچہ بالجس سے بہت اہوں ہے۔

دوسرا شبہ : موکل شرعاً جب چاہے توکیل ختم کر سکتا ہے۔ اس کے بعد حکومت کو وصولی زکوٰۃ کا حق نہ رہے گا۔

جواب : توکیل ختم کرے گا تو کھانا بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کے لئے تحریری اطلاع دینا ضروری ہوگا۔ وکذا لو کان غائباً فکتب الیہ کتاب العزل فبلغه الکتب وعلم بما فیہ العزل۔ (ہندیہ ص ۲۸۵ ج ۳-۲)

تیسرا شبہ : کھانا دار وکیل کو معزول کر دیتا ہے۔ لیکن رقم وصول نہیں کرتا، تو اس صورت میں عزل کی وجہ سے بنیک کو وصولی زکوٰۃ کا حق نہ ہوگا۔ نہ اس شخص سے قبل از وصول ادائیگی زکوٰۃ کا مطالبہ ہو سکے گا۔

جواب شبہ ① : کتاب الوکالت سے لزوم وکالت کی صورت تلاش کی جائے گی مثلاً ہندیہ میں ہے۔

كلما عزلتك فانك وكيلى. الخ ص ۲۸۴ ج ۳-۲

ان الفاظ سے توکیل کرائی جائے۔ تو فی الجملہ مفید لزوم ہوگا۔

جواب ② : اس کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے گی۔ مثلاً جبر بالجبر وغیرہ۔

۴۔ توکیل نامہ میں جب تصریح کر دی جائے گی کہ ہر سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو پھر جبر کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی یا اور کوئی خل تلاش کر لیا جائے۔
الغرض اشکال بالجبر کٹوتی پر ہے توکیل کے بعد یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔

فقط والسلام ، بندہ عبدالستار عفی عنہ

تم بحمد الله الجزء الثالث من خير الفتاوى وينلوه الجزء الرابع و
اوله كتاب الصوم انشاء الله تعالى والحمد لله اولاً وآخراً
وقد فرغت من تبليغه وترتيبه يوم الجمعة ۳ رمضان ۱۳۱۳ هـ
واسأل الله التوفيق لإتمام بقية اجزائه وآخذه عواناً إن الحمد لله رب العالمين
العبد الفقير البوترا ب **محمد انور عفا الله عنه**
مقيم جامع خير المدارس ملتان (باكستان) —